DUE DATE

Cl. No. *Acc. No.* 91891

Late Fine Ordinary Books **25 Paise** per day. **Text Book Re. 1/-** per day. Over Night Book **Re. 1/-** per day.

نظام المشائخ

قسم دوم

(43)

افضل الذکر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

روحانی نشاط و تسکین کا ماہوار پیام

ہب، اخلاق اور تصوف کے مضامین کا ایک دلنواز مجموعہ

یدی مولائی حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب خواجہ زادہ حضرت سلطان

م الدین اولیاء محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کی زیر سرپرستی بڑی پابندی

نت کے ساتھ ہر چاند کی ٹھیک چھٹی تاریخ کو شائع ہوتا ہے

ایڈیٹر

خادم الفقراء محمد الواحدی دہلوی

قیمت سالانہ مع محصول ڈاک ۲ پشتشاہی مہر

مقام اشاعت دار السلطنت دہلی کوچہ چیلان

مطبوعہ درویش پریس دہلی

پولیٹیکل گرگٹ

کی نسبت

اخبار خطیب لکھتا ہے کہ آج کل جبکہ سنٹرل بیورو تمام نظر بندان اسلام کے حالات کی اشاعت کا انتظام کر رہا ہے
اور اس سلسلہ میں پانچ پمفلٹ شائع بھی کر چکی ہے کیسی عبرت ہوتی ہے یہ دیکھ کر ہمارے سب سے پہلے نظر بند مولوی
خان صاحب کی سیرت پر روشنی ڈالنے کا کام شیخ ضیاء الحق صاحب سابق ایڈیٹر اخبار پیسہ اخبار کو اپنے ذمہ
شیخ صاحب کی نسبت مشہور ہے کہ ان سے کوئی ایسا شخص جو صراط مستقیم سے ہٹ گیا ہو بچ نہیں سکتا،
سیاسی کجرووں کے لیے تو وہ سچ مچ ینہون عن المنکر کی عملی تفسیر ہیں۔ مولوی ظفر علی خانصاحب نے بادلے
کاٹنے کے بعد سے جو رویہ اختیار کیا ہے اور جس طرح وہ آزاد ہو کر شملے سے لاہور اور لاہور سے حیدرآباد پہنچے
اس پر ملکی و قومی پریس بہت کچھ لکھ چکا ہے۔ کم لوگ ہونگے جنہوں نے انکے اس فعل کو پسند کیا ہو لیکن یہ سر
تھا اور مولوی ظفر علی خاں جیسے ہوشیار اور زمانہ شناس شخص برسوں بعد میں کسی وقت چاہتے تو وہ
گردش اور زبان کی ذرا سی حرکت سے پھر پبلک کو مست و سرشار کر دیتے اور انکی سب بدعنوانیاں بھول
شیخ ضیاء الحق صاحب نے اسے کتابی صورت میں جمع کر کے بقائے دوام دیدیا ہے اور بسببًا اس کے اثر کو دیر
اس کا نام شیخ صاحب نے

پولیٹیکل گرگٹ

رکھا ہے اسکے شروع میں ذیل دیباچہ و تمہید مولوی ظفر علی خانصاحب کی پہلی زندگی بھی دکھائی ہے اور مواد
بارے میں بھی عجیب و غریب انکشافات ہیں جس تم کتاب پر لکھا ہے "قومی لیڈر اور قومی خادم کی کہانی" ہے جس کو
ایک صاحب کا سیاسی تھوبنا تھا یہ آئینہ ہے ان سب قومی ڈاکوؤں اور ملکی غارتگروں کے سمجھنے کا اور دیکھیے
قوم مذہب و ملک کا نام لیکر غریب و مفلس یتیموں اور بیواؤں کو لوٹ کر اپنی جیبیں بھرتے ہیں اور امیرانہ
قومی شہید کہلا کر مزے اڑاتے ہیں۔ یہ کتاب ظفر علی ہی کی قلعی نہیں کھولے گی بلکہ ان جیسے تمام فرضی
کی حقیقت پبلک کو سمجھا دے گی۔ اور ایک دن سب بناوٹی لیڈر ساہی کھاٹ اتارے جائیں گے جبر
ظفر علی خاں کی بناوٹ اتر کر چلی گئی۔ ہم پولیٹیکل گرگٹ کا از اول تا آخر مطالعہ نہیں کر سکے۔ سرسری
ہے اتنا ہی معلوم ہوا جتنا اوپر بیان کیا گیا۔ ضخامت تقریبًا ۰ جزو بڑی تقطیع سفید دبیز کاغذ
چھپائی قیمت ۱۲ علاوہ محصول

منیجر نظام المشائخ دہلی سے منگائیے

نظام المشائخ

جلد ۱۲ | بابت ماہ محرم الحرام ۱۳۴۳ ہجری | نمبر ۱

فہرست مضامین

اگلا پرچہ رسول نمبر ہوگا

یہ محرم کا نظام المشائخ ہے۔ صفر کی ۶ کو اب کچھ نہیں پہنچے گا آپ انتظار نہ کریں۔ صفر اور ربیع الاول کا پرچہ حسب دستور رسول نمبر کے نام سے دوگنے صفحات لیکر ایک ساتھ شائع ہوگا انشاءاللہ تعالے

مضامین کی فراہمی میں مصروف ہوں۔ غالباً اس اطلاع کے نکلتے نکلتے رسول نمبر کی کتابت وطباعت شروع ہوجائے گی۔

لہذا جن حضرات کو اس خاص نمبر میں حصہ لینا ہے وہ عجلت فرمائیں۔ اور سب کام چھوڑ کے سرکار رسالت کے ذکر کی طرف توجہ کریں ۔

خاکسار

واحدی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نظام المشائخ

علم و عمل

جس دن سے انسان قفسِ جسم میں بند ہو کر آغوشِ مادر میں آنکھیں کھولتا ہے اور گرد و پیش کی اشیاء پر نظر ڈالنا شروع کرتا ہے۔ اسی وقت سے ابتدائی صورت میں تحصیلِ علم کے سلسلہ کا آغاز ہوتا ہے۔ پہلے پہل شیر خوار بچہ کو دور و نزدیک یگانہ و بیگانہ، سرد و گرم، روشنی و تاریکی، شیرینی و تلخی، خوشبو و بدبو کے امتیاز میں وہی وقت ہوتی ہے جو ایک طفلِ مکتب کو کسی نئی زبان کے حروف پہچاننے یا علمِ حساب کے اعداد ذہن نشین کرنے میں ہوا کرتی ہے۔ رفتہ رفتہ ہر اجنبی شخص کے نام، رنگ، باہمی تعلقات اشیاء و انسان سے واقف ہوتا ہے۔ غرضکہ بچپن ہی سے ہر شے کے جاننے بوجھنے کا چسکا اسکو پڑ جاتا ہے

علم کا شوق ہر انسان میں فطری ہوتا ہے جن لوگوں کو خوش طالعی سے تعلیم و تعلم کا موقع ملتا ہے وہ اس خواہش کو تکمیل کی حد تک پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں اور طرح طرح کے علوم و فنون کے مطالعہ و تحقیقات میں اپنی عمر صرف کرتے ہیں مگر سیری نہیں ہوتی۔ یہ مسلم ہے کہ ہر چیز کے دو پہلو ہوتے ہیں، ظاہر و باطن، موحدین کا عقیدہ ہے کہ انسان روح و جسم کے مجموعہ کا نام ہے۔ روح کا علم اور اسکے رموز و حقائق علم ظاہر کے طریقۂ استدلال سے غیر ممکن ہے۔ جسم ظاہر سے صرف ظاہری اشیاء کا احساس ہو سکتا ہے

بو نہیں رنگ نہیں نور نہیں نار نہیں
معرفت کیوں نہ ہو دشوار الٰہی تیری

علم و عمل لازم و ملزوم چیزیں ہیں۔ بچہ کو پہلے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ آگ کی خاصیت جلانا ہے۔ وہ جب کسی آگ کے قریب جانے کا ارادہ کرتا ہے تو اسکی ماں یا باپ اُسے منع کرتے ہیں، بعض وقت ایسا بھی ہوتا ہے کہ باوجود ممانعت وہ از خود آگ میں ہاتھ ڈال دیتا ہے، جلنے پر تجربہ ہوتا ہے۔ اور وہ بلا اس سے ایسی حرکت سرزد نہیں ہوتی۔ اس موقع پر عمل سے اُسے اس امر کا علم ہوا کہ آگ کا خاصہ جلا دینا ہے۔ علم دو طرح کا ہوتا ہے۔ اوّل وہ ذاتی تجربہ و مشاہدہ سے حاصل ہوتا ہے۔ دوئم دوسروں کے تجربہ و عمل کا نتیجہ جو ہمیں اقوال و کتاب کی صورت میں ملتا ہے۔ ہر شخص میں اس قدر استعداد، وقت و شوق نہیں ہوتا کہ وہ براہ راست ہر شئے کا بذریعہ تجربہ کرکے علم حاصل کرے۔ علم و عمل کے باہمی مزاولت کی مدد سے علم طبیعات، علم کیمیا، علم النفس وغیرہ میں روز افزوں ترقی ہو رہی ہے۔ خلاصہ یہ کہ علم ظاہری کی ترقی کا دارومدار ہر دو علم و عمل پر مشترکہ حیثیت سے ہے۔ جس چیز کا

اہل سائنس کو نسبتاً علم ہوتا ہے۔ وہ اسپر عملاً کاربند ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس مستعدانہ پیروی کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ وہ گزشتہ تجربہ کی بناپر موجودہ مسائل پر کافی روشنی ڈال سکتے ہیں۔ فرض کرو کہ متعدد جدید تجربوں کے بعد انہیں یہ ثابت ہوجائے کہ فلاں شے کا استعمال صحت جسمانی کے لیے مضر ہے۔ فوراً اسکو ترک کردیتے۔ نظریہ کی صورت میں علمی مسائل پیدا ہوتے ہیں بعدہ پھر بذریعہ عمل تجربہ کیا جاتا ہے۔ اگر مفید ثابت ہوئے تو وہ تدوین کردیئے گئے۔ ورنہ پس پشت ڈال دیئے جاتے ہیں +

علم و عمل کا دور دورہ جب عالم ظاہر میں اس درجہ مسلّم ہو تو باطن میں ظاہر ہے کہ بغیر ان کے ایک قدم آگے بڑھنا صرف مشکل نہیں بلکہ محال ہے۔ ظاہر کو باطن سے وہی تعلق ہے جو جسم کو جان سے۔ یا ناخن کو گوشت سے۔ اہل باطن علوم ظاہری کی تحصیل کو ایک حد تک ضروری سمجھتے ہیں۔ اسیواسطے مسلمانوں اور ہندوؤں میں عرصہ سے رائج ہے کہ طالب علم کو پہلے علوم ظاہر مثل علم ادب، معانی، بیان، منطق، ریاضی، فلسفہ وغیرہ کی تعلیم دیتے ہیں۔ بعدہٗ اگر طالب علم میں کافی شوق پایا۔ اور استعداد ہوئی تو علوم باطن کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ جب تک سالک اپنی ذاتی محنت و جفا کشی سے تزکیۂ نفس و اخلاق نہیں کرلیتا مرشد اسکو اس راہ کے رموز و حقائق کے جاننے کا اہل نہیں سمجھتے۔ ہر طالب کا فرض اولین یہ ہونا چاہیئے کہ جو کچھ شریعت علم اخلاق میں ضروری ہدایات ملیں اُنپر کاربند ہو۔ ہر چیز کا ایک وقت ہوتا ہے۔ جب مرشد طالب کو ضروری شرائط کے مطابق عامل پاتے ہیں تو خود ہی بلا جستجو اس کی طرف متوجہ ہوکر روحانی تعلیم کی تلقین کرتے ہیں ؎

عاشق کہ شد کہ یار بحالش نظر نہ کرد   اے خواجہ درد نیست وگرنہ طبیب ہست

جس طرح اکل و شرب جسم کی غذا ہے اسی طرح نیکی، صبر، محبت، ایثار نفسی وغیرہ روح کی غذائیں ہیں۔ بغیر انکے روحانی ترقی ممکن نہیں۔ یہ مسلم ہے کہ جب تک غذا جزو بدن نہیں ہوجاتی طاقت پیدا نہیں ہوتی۔ بعینہ اسیطرح جبتک علم پر عمل نہیں ہوتا۔ روحانی طاقت نصیب نہیں ہوتی۔

ہماری حالت اُس ناعاقبت اندیش شخص کی سی ہے جسکے گھر میں انواع اقسام کی غذائیں۔ اور لذیذ پکوان بھرے پڑے ہوں اور وہ فاقہ کرتا ہو۔ جب تک ہم احکام الٰہی کی مزاولت نہ کرینگے ہم میں روحانی مدارج کو طے کرنے کی صلاحیت پیدا نہیں ہوسکتی۔ اسیواسطے اسلام نے تلاوت قرآن کی تاکید کی ہے۔ اگر ہم روز کلام خدا کو پڑھیں گے تو ضروری ہے کہ دلمیں اسکا دھیان بندھا رہے گا۔ اور ہمارے افعال واقوال بھی اسکے مطابق ہونگے جس شئے کا ہم بار بار خیال کرتے ہیں۔ وہی خیال فعل کی صورت میں ہم سے بلاارادہ سرزد ہوتا ہے۔ اگر ہم راست بازی کو اپنا شیوہ بنانا چاہیں تو ہمیں چاہیئے کہ ہر روز راست بازی کے فوائد پر تھوڑی دیر توجہ کے ساتھ غور کریں۔ کذب کے نقائص اور اُسکے پے درپے نقصانات جو متصور ہوتے ہوں اُنکو بخوبی ذہن نشین کریں۔ بعدہ سارے دن اپنے ہر ایک قول وفعل میں راستبازی کو مدنظر رکھیں اس طرح پر کچھ دنکے عمل کا یہ نتیجہ ہوگا کہ راستبازی ہماری فطرت ثانی ہوجائیگی۔

موجودہ علوم سے فائدہ بذریعہ عمل حاصل ہوسکتا ہے۔ اسیطرح عمل کی مزاولت سے علم میں ترقی ہوتی ہے۔ علم الیقین۔ عین الیقین۔ حق الیقین یہ تین درجے ہیں جنکی تکمیل علم وعمل کی باہمی پیروی سے ہوتی ہے۔ رازِ ہستی کے جویاں اکثر لوگ ہوتے ہیں مگر کافی توجہ اور استقلال سے اس پلصراط پر جو بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز کہی جاتی ہے۔ چلتے ہوئے گھبراتے ہیں۔ طالب کا فرض ہے

...اگر ایک راہ سے منزل مقصود کا پتہ نہ چلے تو دوسری راہ پر چلنے کی کوشش کرے۔ اگر علم ظاہر سے تشفی نہ ہو تو اسے تسلیم باطن کی سیر ضرور کرے ممکن ہے کہ اس ذریعہ سے اس کی تسکین ہو سکے

من نمیگویم سمندر باش یا پروانہ باش
گر بفکرِ سوختن باشی برو مردانہ باش

(ادیب) سید ظہیر علی

منازل ترقی

(گزشتہ سے پیوستہ)

(۵)

نتیجہ اِن باتوں کا یہ ہوا اور یہی ہونا چاہیئے تہا کہ مسلمانوں کی بڑی تعداد مرزا کو حقارت سے دیکھنے لگی۔ لیکن اِس سے ہوتا کیا تہا جسکو وہ عزت سمجھتا تہا۔ اور جو واقعی عزت ظاہری تہی بہی۔ وہ روز بروز ترقی کرتی گئی۔ حکام میں اثر اسکا۔ اُمرا سے میل جول اسکا۔ میر محلہ وہ عقل کا پُتلا وہ۔ چند آدمیوں کے بُرا کہنے اور بُرا سمجھنے سے ہوتا کیا تہا۔ اِن بےچاروں کے پاس اسکے سوا اور کیا تہا کہ دو چار مل گئے۔ اور بُرا بھلا کہکر جی ٹھنڈا کر لیا +

دَورِ جدید کا تجربہ بتلاتا ہے کہ ترقی و مذہب دو متضاد چیزیں ہیں مسلمان جس قدر مذہبیت سے دور ہوگا۔ اُسی قدر ترقی کے قریب۔ مسلم اور غیر مسلم کے مقابلہ میں اگر کوئی مسلمان مسلم حقوق کو پامال کر دے تو یقیناً عہدِ موجودہ کی ترقی اسکی ہستی سر آنکھوں پر رکھے گی۔ اُس سے زیادہ راست باز۔ اُس سے بہتر صادق الاسلام بڑہکر مسلمان دوسرا نہیں ہو سکتا۔ شہر میں ایک مندر تہا۔ جسکے متصل ایک مسلمان عورت رہتی تہی۔ مندر کے مالک سیٹھ جی نے کئی دفعہ کوشش کی کہ مکان لے لیں لیکن عورت راضی نہوئی۔ جب زیادہ زور پڑا تو ایک دن اُسنے جلکر کہدیا کہ جس طرح تمہارے دلمیں یہ خواہش پیدا ہوتی ہے کہ میں یہ مکان بیچدوں۔ اِسی طرح میرے دلمیں یہ جذبہ موجود ہے کہ ممکن ہو تو مندر ملاکر یہ مکان بڑہا دوں۔ اب سیٹھ جی کو کہاں تاب تہی۔ مالدار تھے۔ معزز تھے حکام

مجسٹریٹ تو نہیں میونسپل کمشنر ہی تھے۔ عورت غریب تھی، مفلس تھی۔ بیوہ تھی۔ بیواسی تو نہیں لیکن یتیم بچوں کی ماں تھی۔ سیٹھ جی کو شکایت یہ تھی کہ کوّے اس مکان سے ہڈیاں لاکر اس منڈیر پھینکتے ہیں۔ یہ شکایت اتنی بڑھ گئی تھی کہ دن رات اسی کوشش میں سرگرم تھے۔ ڈیڑھ دو برس اسی طرح گزر گئے۔ اب ادھر تو عورت کا یہ جواب سُنا۔ ادھر بچے کے قرآن شریف پڑھنے کی آواز گھر سے آئی۔ تو جل کر خاک ہوگئے۔ اور سوچا کہ ایک بدبخت فقیرنی کی یہ مجال کہ میں مانگوں اور مکان نہ دے۔ تنبیہ صرف یہ ہے کہ نکال دوں بلکہ کافی سزا بھی دوں۔ امیر کے قصد کی دیر ہے۔ غریب کی تباہی جو ہی کچھ تھا۔ لوگوں نے صلاح دی کہ اسکے شوہر کو مرے تین برس نہیں ہوئے۔ قرضہ کا دعویٰ کردو۔ قبالہ اسی کے نام ہے۔ ہلدی لگے نہ پھٹکری۔ مکان ہاتھ آجائیگا۔ عورت غریب کو خبر بھی نہوئی اور فرضی دعویٰ دائر ہوگیا۔ دیگوں میں دیگ اجمیر کی دیگ۔ اور ایمانداروں میں ایماندار ولی احمد بیگ۔ مقدمہ انہیں کے سپرد ہوا۔ مرزا اول تو سیٹھ کا دوست تھا۔ اور اگر نہ بھی ہوتا تو مالدار کی زبان کے آگے غریب کا حلف اور قرآن وقعت ہی کیا رکھتا ہے۔ سونے پر سہاگہ سیٹھانی اور بشیرن کا میل جول تھا۔ سیٹھ نے بیوی کو پڑھا ہی رکھا تھا۔ موقع پاکر بیچ بیچ میں سیٹھانی نے رام کہانی سُنا دی۔ مالدار کو ممنون کرنے کا موقع خوش نصیبوں ہی کو میسر ہوتا ہے۔ سیٹھ کی اسپیٹ ظاہر اور مرزا صاحب کا انصاف صاف تھا کہ عورت کو خبر بھی نہوئی اور فیصلہ برخلاف ہوگیا۔ صبح کا وقت تھا اور عورت اپنے بیمار بچے کو گود میں لیے بیٹھی تھی۔ موسم سرد تھا۔ اور دن خراب۔ بیماری کا زور اور بازار موت گرم۔ عورت ہاجرہ کے جذبات کے ساتھ ہی بیوگی نے زندگی برباد کردی تھی۔ شوہر پچاس روپیہ کا جیل خانہ میں داروغہ تھا۔ جب تک زندہ رہا

میاں، بیوی، بچے اطمینان سے زندگی بسر کرتے رہے۔ مگر دیکھتے دیکھتے ہی عزت ذلت سے اور سالکہ خاک سے بدل گئی۔ اب اس کشتی کا ناخدا گیارہ برس کا ایک بچہ تھا۔ جو باپ کے بعد لیلئے کہ ماں تعلیم کا خرچ برداشت نہ کر سکتی تھی اور مسلمانوں میں کسیکو اِس طرف توجہ کی ضرورت تھی نہ فرصت۔ ایک کارخانے میں دس روپیہ ماہوار کا نوکر ہوگیا۔ یہ بھی بساغنیمت تھا کہ اس ایک کی کمائی سے اتنے دم پل رہے تھے۔ اور بیوہ اپنا بھرم بنائے بیٹھی تھی ورنہ قوم نے تو نہ معلوم اپنی ترقی پر ایسی ایسی معصوم ہستیاں کتنی قربان کردیں اور کتنے یتیم مسلمانوں کی چلمیں بھر رہے اور شل کر رہے ہیں۔

بچہ ماں کی گود میں تھا۔ اور ہزاروں وہم دل میں چلے آرہے تھے کہ ہمسائے نے ایک پیسہ کا شربت لاکر دیا۔ اور کہا اماں جان! لائیے روٹی دیدیجیے دیر ہوگئی۔ دیکھئے دھوپ کتنی نکل آئی۔

ماں۔ بیٹا میرے اوسان روٹی پکانے کے ہیں۔ ذرا ننھا ہوشیار ہو جاتا تو دو روٹیاں ڈال دیتی۔ جا میاں یوں ہی چلا جا۔ لے ایک پیسہ بٹوے میں پڑا ہے۔ چنے لے لیجیو۔ شام کو انشاء اللہ سویرے سے پکا رکھوں گی۔ بچہ پیسہ لیکر کام پر گیا تو ماں کے سامنے ایک عجیب منظر تھا۔ ماں متا کی ماری کبھی بیمار کا پنڈا دیکھتی تھی۔ کبھی منہ میں دودھ دیتی تھی۔ بڑے کا خیال آتا تھا تو کہتی تھی کہ اس دن کو پالا پوسا تھا کہ اس سردی میں گھر دم تین برس کی چھوکری گھر ہی سکتے میں اور وہ کوس جنگل میں بھوکا بیٹھا ہوں۔ نگوڑے کی بساط ہی کیا ہے گیارہ برس کی جان اس لائق ہے کہ صبح گیا شام کو لوٹ کر تا آئے اور فکر نصیب نہو اپنی خیالات میں مستغرق تھی آنکھ سے آنسو کی جھڑیاں بہ رہی تھیں کہ کان میں یہ آواز آئی۔ اس گھر میں کون ہے اودھر آؤ۔

ہمکو علم ہے کہ بڑے آدمیوں کی رائے میں چھوٹی عورتوں کو پردے کا حق نہیں۔ ہم کو خبر ہے کہ دولتمندوں کے خیال میں حاجتمندوں کا جینا فضول ہے۔ اسلیئے جیسا دیس ویسا بھیس۔ ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ ہاجرہ کی پہلی غلطی پردہ۔ اور دوسری غلطی بلکہ حماقت یہ کہ جب سے میاں مرا کسی غیر مرد کو آواز نہ سنائی۔ عدالت کا ناظر، چپراسی، مدعی۔ دروازے پر کھڑے چلا رہے ہیں اور یہ جواب نہیں دیتی۔ یہ قانون جانے اور قانون جاننے والے کہ جائز تھا یا ناجائز اور صحیح تھا یا غلط۔ مگر ہم نے جو سنا وہ یہ تھا کہ کچہری کی فوج چار پانچ مرد گھر میں گھس گئے۔ ہاجرہ کی نگاہ دروازے پر تو پہلے ہی تھی۔ یہ صورتیں دیکھکر چیخی اور یہ کہتی ہوئی بھاگی۔

ہائے کون؟

گھبرائی ہوئی۔ سٹ پٹائی ہوئی۔ ننگے پاؤں۔ ننگے سر کندھے سے بچہ چمٹا۔ دروازے کی ٹکر لگی۔ مگر کیسی چوٹ اور کس کی ٹکر۔ جھٹ اندر گھس کنڈی لگا چپکی بیٹھ گئی +

ناظر۔ ارے اس گھر میں کوئی موجود نہیں ہے؟

ایک دفعہ پوچھا، دو دفعہ پوچھا۔ تین دفعہ پوچھا۔ مگر جب جواب نہ ملا تو ایک چپراسی نے کہا کیا گری عورت ہی +

ناظر۔ اچھا دیکھ یہ حکم سن لے۔ خانصاحب مرزا ولی اللہ بیگ کے اجلاس سے جو ڈگری تیرے شوہر کے نام ہوئی تھی اسکے مطالبہ میں تجکو حکم دیا جاتا ہے کہ تو یا تو آٹھ سو روپیہ کی رقم قرضہ ادا کر ورنہ پندرہ روز کے اندر یہ مکان خالی کردے +

ایک معصوم بچے کی بیماری۔ ایک سیانے بچے کی بھوک۔ اگر ماں کے

ولیکن کچھ اثر کرتی تھی ـ سے تو یا جرہ اسمیں گرفتار تھی کہ اس مصیبت کا سامنا ہوا
ہوش اُڑ گئے ـ پتھر کی طرح گم سم ـ کچھ سوچا اور ایک ٹھنڈا سانس بھر کر اتنا
کہا ـ مسلمانوں میں میرا وارث کوئی نہیں، کچھ شک نہیں ـ میں بے وارثی ہوں
میرا بڑا بچہ ابھی بچہ ہے مگر مجھے اسلام سے یہ توقع تھی کہ میرا وارث اُٹھنے کے
بعد ہر مسلمان گھر میں مجھے اپنے وارث نظر آتے ـ باپ میری بیوگی کے زخم
پر مرہم رکھتے ـ بھائی میرے رنڈاپے کے آنسو اپنے دامن سے پونچھتے ـ بچے
اپنی محبت کی گردنیں میری گود میں جھکاتے ـ مگر آج تین سال میں تڑاقے کی فاقے
گزرے اور کڑاکے کے جاڑے بیتے ـ شادیاں میرے پڑوس میں ہوئیں
دیگیں دیوار بیچ چڑھیں ـ میں یتیم بچوں کو کلیجے سے لگا کر بھوکا سلا کر پڑ رہی لیکن
کسی نے آنکھ اٹھا کر نہ دیکھا ـ کہاں جاؤں ـ کس سے کہوں ـ کوئی کیوں سُنے
کہ کیا ہوئی ـ اور کیا پوچھے کہ کیسی گزری ـ کیسا قرضہ کس کا دینا ـ وہ تو اسکے
پاس بھی نہ تھے ـ ہائے ظالم نے اس بہانے مکان چھین لیا ـ کون ہے جو
ایمان کی بولے ـ اے اللہ تیرے سوا کوئی نہیں ؛

تین پشتوں کا مکان ہے ـ بڑے بوڑھے سب چھوٹ گئے ـ مگر انکی
یہ نشانی موجود ہے آج یہ بھی چلی ـ اسمیں مرنے والوں کا نال گڑا ـ یہ اب مجھ سے
جدا ہوتا ہے اور وہ وقت آتا ہے کہ جسکو سخت سے سخت مصیبت اور بڑی سے
بڑی آفت میں بھی الگ نہ کیا علیحدہ ہو ـ میں جسکو کلیجے سے لگائے بیٹھی تھی
اب اسکی اینٹ سے اینٹ بجے گی ؛

سر پھوڑتی تھی ـ ٹکریں مارتی تھی ـ اور آسمان کو دیکھ کر حسرت سے کہتی
تھی کہ بے وارثوں کا وارث تو ہی ہے ـ دفعتہً سیٹھانی اندر آئی ـ اور کہا ـ تو
ایسی پردے والی نکلی کہ سرکاری آدمیوں سے بھی بات نہ کی ـ اگر پندرہ دن

گزر گئے تو ناظر جی تیری چُٹیا پکڑ باہر نکال دینگے۔ اور جیل خانے جائے گی۔ الگ۔ کسی اور گھر میں کیوں نہیں چلی جاتی +

ناجرہ اگر انصاف اسیکا نام ہے۔ اور ایمان کے یہی معنی ہیں جو ہوا اور ہو گا۔ تو بے انصافی دکھادو۔ اور بے ایمانی بتادو۔ مندر تمہارے عقائد میں خدا کا گھر ہے تم ایک بیوہ پر ظلم کرکے یتیم بچوں کا مکان خدا کے مکان میں شامل کرتے ہو۔ یہ عبادت معصیت ہوگی۔ اور یہ ثواب عذاب ہوگا +

سیٹھانی اِن باتوں میں کیا رکھا ہے۔ ہمارا تیرا فیصلہ تو ہے نہیں یہ تو عدالت کا فیصلہ ہے۔ اور عدالت بھی تیرے بھائی بندکی۔ مکان آج خالی نہ کرے گی۔ پندرہ دن بعد سہی۔ مگر ذلت سے جوتیاں کھاکر گیا تو کیا کیا سنیچر کو یہ سب ڈھاہ دیا جائے گا +

ناجرہ ۔عدالت میری بھائی بند تو کیا مسلمان بلکہ انسان بھی ہوتی تو اِس بے ایمانی کا فیصلہ نہ کرتی۔ مکان تم کو خدا نے دیا۔ مبارک ہو۔ میں خالی کردوں گی۔ اور اگر تقدیر میں جوتیاں کھانی لکھی ہیں تو یہ بھی کھالوں گی +

سیٹھانی ہنستی ہوئی چلی گئی۔ شام ہو رہی تھی۔ پوجاری حصول کامیابی پر اینڈ کر بھجن گا رہے تھے۔ مندر کے دروازے پر نفیری اور طبلہ بج رہا تھا۔ بیسیوں مسلمان آتے اور جاتے۔ اس منظر کا لطف اٹھا رہے تھے۔ ناجرہ کا بچہ ہمیشہ پانچ بجے کے قریب آجاتا تھا۔ مگر آج نہ آیا۔ بدنصیب ماں مکان کا صدمہ بھول گئی۔ اور دروازے میں کھڑے ہو کر دراڑوں میں سے اُس صورت کو دیکھنے لگی جس نے دم پر بنا دی تھی۔ نظر جہاں تک جاسکتی تھی جاتی۔ اور مایوس لوٹتی۔ مسلمانوں کا ٹھٹھہ برابر میں لگا تھا۔ اور کسی کو تیہ نہ تھا کہ اِس لطف کی تہ میں ایک مسلمان ہستی کی کیسی مصیبت پوشیدہ ہے

ناجرہ کی کیفیت یہ تھی۔ بچہ کندھے سے چمٹا اندر جاتی۔ تسبیح پڑھتی۔ اور پہر دروازے میں آکھڑی ہوتی۔ روتی بلبلاتی۔ اور کہتی۔ اے اللہ! میرے بچے کو بھیجدے۔ اندر گئی۔ بیٹھی کہ دروازے میں پاؤں کی آہٹ ہوئی۔ مایوسی کا دریا جو دل میں لہریں لے رہا تھا۔ امید سے بدلا۔ نگاہ بیتا بانہ اس طرف اُٹھی۔ دل مضطرب تھا کہ جلد آنکھ اُس شکل کو دیکھ لے۔ اس آواز کو سن لے اس لال کو کلیجے سے چمٹا لے جو بہو کا پیاسا صبح کا گھر سے نکلا۔ ابتک آنکھ سے اوجہل اور نظر سے غائب ہے۔ لیکن ان تمام توقعات کا انجام اور امیدوں کا نتیجہ صرف پیام تہا۔ وصیلی روپیہ اور لیلے اور مکان آج ہی خالی کردے شام ہو چکی تھی۔ اور اندہیرا ہر سمت چھا چکا۔ دنیا میں کچھ ہی روشن ہو مگر ناجرہ چراغ سے محروم تھی۔ ڈری۔ سہمی۔ کلیجہ بلیوں اچھلنے لگا۔ اُٹھی۔ کوٹھڑی میں چھپی۔ اور کنڈی لگا کر بیٹھ گئی۔ یہاں تک کہ بچے کی آواز کان میں آئی۔ اماں جان کہاں چلی گئیں۔ لاؤ بوتل دو۔ تیل لا دوں۔ باہر آئی اور کوشش کی کہ آواز مصیبت کے راز کا پتہ نہ دے۔ پوچھا۔ میاں اتنی دیر کہاں لگ گئی +

بچہ۔ خرچ مانگ رہا تھا۔ منشی جی ہوا خوری کو چلے گئے۔ اب آئے تو لیا +

ماں۔ اچھا بیٹا۔ لو بوتل لو +

بچہ۔ ننھے کا بخار اُترا +

ماں۔ ہاں شکر ہے اللہ کا۔ آٹا لے آؤ۔ ایک پیسہ کے اُپلے بھی لینا۔ اور پیسہ کا سالن بھی +

بچہ۔ بہت اچھا۔ آٹا کتنا لاؤں!

ماں۔ بس آدھ سیر!

بچہ بازار گیا۔ اُسکے ساتھ ہی دروازے میں آ۔ کنڈی لگا کھڑی ہوگئی اور کھڑی رہی۔ جب تک وہ آیا۔ اُسکو اندر لے کنڈی لگا آٹا گوندھ آگ سُلگا روٹی ڈالی اور بچے کو دی +

بچہ۔ اماں جان آیئے۔ آپ بھی آیئے +

ماں۔ تم کھاؤ۔ میں ٹھیر کر کھاؤں گی!

بچہ۔ نہیں۔ تم نہ کھاؤ گی تو میں بھی نہ کھاؤں گا +

بچہ اتنا کہکر ماں کے قریب گیا تو اُسکی آنکھ سے آنسو نکل رہے تھے گلے میں ہاتھ ڈال لپٹ گیا۔ اور کہا۔ اچھی میری اماں جان رو نہیں۔ بچے کو کیا معلوم کہ کیا گزر گئی۔ دونوں ماں بیٹے لپٹے رو رہے تھے۔ اور یہ اُس قوم کی دو زندہ روحیں تھیں جسکے مرد اور عورتیں دونوں میدان ترقی میں سرپٹ دوڑ رہے ہیں۔ بچے کی کمر پر ہاتھ پھیرا۔ اُسکے سر کو بوسہ دیا۔ اور کہا۔ اچھا میاں کھا میں بھی کھاتی ہوں۔ اُس چڑیا کی طرح جو اِدھر اُدھر سے دانہ دُنکا ڈھونڈھ ڈھانڈھ اپنے پیٹ میں اسلئے ڈالتی ہے کہ بچوں کے حلق میں پہنچا دیگی۔ ماجدہ اس وقت اپنے بچے کو بہلا رہی تھی۔ کھلا چکی تو برتن اٹھا کر رکھے۔ اور پیار کر کلیجے سے لگا کر لیٹ گئی +

پانی کی روانی کا انقطاع۔ پیٹ کے بچے کا نیند کی لپیٹ میں آنا ممکن لیکن ماجدہ نے بارہ تیرہ گھنٹے کی رات آنکھوں میں کاٹ دی۔ ہوا کے جھونکے درخت کے پتے۔ آسمان کے تارے۔ اُسکی بیقراری۔ اسکے کرب اور اسکے اضطراب کے شاہد رہے۔ اور اس تمام اُدھیڑ بن اور بیقراری کا فیصلہ یہ رہا کہ صبح اُن حاکم صاحب کے پاس جو مسلمان ہیں جاؤں اور اپنی مصیبت سناؤں +

شب سیاہ ماجرہ کی مصیبت نہ تھی کہ ختم نہوتی۔ جب مؤذن نے رات کے خاتمے کا اعلان نعرہ توحید سے کیا تو حسب دستور اُٹھی۔ وضو کیا۔ نماز پڑھی بچے کو کھانا کھلا کر کام پر بھیجا۔ اور یہ آج پہلا روز پہلی گھڑی اور پہلا اتفاق تھا کہ ایک ترقی کرنے والے مسلمان کے ہاتھوں برباد ہونے والی عورت اپنا چہرہ توڑ اور اپنی آن چھوڑ بچے کو کندھے سے لگا سفید چادر اوڑھ سڑک پر آئی ۔

یہ وہ پاؤں تھے۔ جنھوں نے گھر کی دہلیز نہ لانگی۔ یہ وہ عورت تھی جس کی آواز غیر مرد نے نہ سُنی۔ ایک ایک سے پوچھتی۔ ڈرتی سہمتی خانصاحب کے گھر تک پہنچی ۔

(۶)

میں دیکھتا ہوں کہ کبھی کبھی تم ایسی گم سُم ہو جاتی ہو کہ کچھ سمجھ میں نہیں آتا اس مسرت اس عزت اور اس فرحت پر جو ہمکو میسر ہے۔ رنج و غم کا ہمارے پاس کیا کام۔ ہمکو ہر وقت خوش و خُرم دنیا میں زندگی بسر کرنی چاہیئے۔ تم کو یہ کیا فکر کا دورہ اُٹھتا ہے ۔

بشیرن۔ دل ہی تو ہے۔ بعض دفعہ خیال آجاتا ہے۔ اسلیئے خاموش ہو جاتی ہوں ۔

ولی کس بات کا خیال آتا ہے کون سی چیز ہے جسکا ہم انسداد نہیں کر سکتے۔ ایک ماں باپ تو البتہ ہاتھ آنے مشکل ہیں۔ ورنہ جو تم کہو فوراً انتظام کر دوں ۔

بشیرن۔ باجی کا خیال ہے دل اُنکی باتوں کو ترستا اور آنکھیں اُنکی صورت کو ترستی ہیں۔ پندرہ برس سے زیادہ ہی ہوئے ہونگے۔ بس کو اپنے میں دیکھا تھا۔ شادی کے بعد تو اُنکو آنا نصیب ہی نہوا۔ بیتیرا ہی سب نے اُبا جان کو

نخ کیا کر اپنے وفا کا بہت اچھوں ہی کیا غریب ہوتی ہے۔ لیکن شہر میں تج بیاہ
مگر اللہ بخشے وہ ایسے ضدی تھے کہ خاک نہ سُنی۔ اماں جان تو دو دفعہ یہاں
آکر مل ہی گئیں۔ مجھے صورت دیکھنی میسر نہ ہوئی۔ ماں کا پیٹ سگی بہن
ان کا خیال جس وقت آتا ہے کلیجے پر سانپ سا لوٹ جاتا ہے تمہاری
یہ حکومت کس کام کی۔ رستم دروازے میں رہتی ہیں۔ اُنکے میاں کا نام
میر منصب علی تھا۔ پتہ لگانا چاہو تو کیا بڑی بات ہے مگر تم کو ایسی ضرورت
ہی کیا ہے +

ولی گو میں نے اُنکو دیکھا نہیں۔ مگر تمہاری بہن میری بہن سے
کم نہیں۔ میں تمام رستم دروازہ۔ چپہ چپہ محلہ۔ سارا کوچہ۔ ایک ایک گھر اور ایک
ایک شخص سے دریافت کر چکا۔ اُن کا سراغ نہیں چلتا۔ بشیرن کی نگاہ دروازہ
پر پڑی تو کیا دیکھتی ہے کہ ایک عورت سر سے پاؤں تک چادر میں لپٹی کھڑی
ہے۔ پوچھا کون ہے۔ مگر جواب نہ ملا تو کہنے لگی۔ اے بولتی کیوں نہیں کمبخت
تو کون ہے۔ ولی کی ماں اُٹھکر پاس گئی۔ اور کہا۔ نیک بخت کہاں سے آئی
کیا کام ہے +

عورت مجھے مرزا صاحب سے کچھ عرض کرنا ہے +

ولی دریافت کرو۔ کہاں سے آئی ہے۔ کیا کہتی ہے۔ کہاں رہتی ہے

عورت۔ بیوی یوں کہدیجے۔ مندر کے پاس رہتی ہے سو میں
آئی ہے۔ مکان کے متعلق عرض کرنا ہے۔ خدا اور رسول کا واسطہ اس کی
حالت پر رحم کیجے +

ولی۔ اتنا سنکر باہر گیا اور چپراسی کو بلا کر کہا۔ تم نکلو میں کو
سپاہی کو حکم دیا کہ کسی مقدمے والے کو احاطہ کے اندر مت آنے دو۔

مگر اسقدر نالائق ہو کہ مطلق پرواہ نہیں کرتے۔ نکالو اس مُردار کو یہ اندر آگئی
اجی اتنا سنتے ہی تھر تھر کانپنے لگی۔ اسلئے پاؤں لوٹی۔ شکر کرتی باہر آئی
اور صبر کرتی چلی گئی۔ دلی کی ماں پتہ پوچھ چکی تھی۔ ڈولی منگوا اُسکے گھر پہنچی۔
داستان پوری سنی۔ تین چار گھنٹے اسکے پاس بیٹھی روتی رہی۔ اور یہ کہکر چلی
آئی۔ بُوا صبر کرو۔ خدا اور دے گا۔

(۷)

شام ہو چکی تھی۔ علی اور شیرین دونوں میاں بیوی پائیں باغ میں بیٹھے اور شب کا لطف اُٹھا رہے تھے کہ ایک برقع پوش عورت سامنے آکر کھڑی ہوئی اور کہا۔

میں عورت ہوں۔ اور وہ عورت جو کبھی تیری صورت کی عاشق تھی لیکن آج تیری جان کی دشمن۔ میں تجھے اطلاع دیتی ہوں کہ ترقی کی دُھن اور مسرت کے خبط نے تیری عاقبت برباد کردی۔ ہوشیار ہو کہ تجھ پر ایک سخت عذاب نازل ہونے والا ہے۔ تجھے معلوم ہے کہ تو نے دولت کے زعم اور حکومت کے نشے میں اس بیوہ عورت کا جس کی آہ عرش کا کنگرہ ہلانے والی ہے جو تیری حقیقی بہن اور ماں جائی تھی ایسا دل توڑا کہ آج تک اس نے تجھ سے بات نہ کی۔ تجھے خبر ہے کہ ایک بے گناہ بے وارثی اور بے مددگار عورت کا گھر تیرے حکم سے زبردستی چھینا جاتا ہے۔ تجھے علم ہے کہ تیرے ظلم نے اُن یتیم بچوں پر ستم توڑا جن کا وارث خدا کے سوا کوئی نہیں۔ میں واقف ہوں کہ زندگی کے فانی جلووں نے تیری آنکھوں پر پردے ڈال دیئے۔ میں باخبر ہوں کہ ترقی کی جھوٹی امیدوں نے تیرا ایمان غارت کردیا۔ میں جانتی ہوں کہ دنیا کی ناپائدار خوشیوں نے تیرے سینہ میں ظلم کے دریا دوڑا دیئے۔ شیطان تیرے سر پر۔ دنیا تیرے

اور نفس تیرے وجود پر سوار ہے۔ لیکن ذرا اُس انجام سے۔ لرز اُس نتیجے سے
اور کانپ اس وقت سے جو آنکھیں دیکھیں گی۔ دل اُٹھائے گا۔ اور جسم بھگتے گا
یہ مسرت کے سامان۔ یہ فرحت کے اسباب۔ یہ بلبل کا نغمہ۔ یہ پھولوں کی
کلیاں۔ غور سے دیکھتا۔ اور حقیقت کو سمجھتا تو فنا کا سبق اور عبرت کا درس
تھیں۔ بلبل شاخ گل پر چہکی اور اُڑ گئی۔ نغمہ ہوا میں گونجا اور ختم ہوا۔ کلی پھول بنی
اور مرجھا گئی۔ باغ۔ باغ کا ہر تختہ۔ درخت۔ درخت کا ہر پتہ۔ [illegible] ت۔ کا [illegible]
کا ہر سبزہ۔ آنکھیں ہوتیں تو دکھا دیتا اور کان ہوتے تو سنا دیتا کہ ہر شے [illegible]
اور ہر وجود مٹنے والا ہے۔ عزت اور ذلت۔ تمول اور افلاس۔ [illegible] اور بڑھاپا۔
ہر مرحلہ بے ثبات اور باقی رہنے والی صرف ایک ذات۔ تو کیا۔ تیری حکومت کیا
بڑے بڑے جلیل القدر شہنشاہ۔ کانوں آنکھوں والے عزت حکومت والے
اس دربار میں جھک گئے۔ او بدنصیب ہستی توبہ کر۔ او غافل سنبھل اُس وقت سے جسکا
نام موت ہے۔ تو نے سنا اور میں نے سنایا کہ ایک مظلوم عورت۔ ایک بیوہ
عورت۔ ایک بدنصیب عورت نے تیری آنکھوں کے سامنے۔ تیرے مکان
کے اندر تیری دہلیز کے اوپر۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا واسطہ دیا۔ یہ وہ نام تھا
جسکے ایک اشارے سے تجھ جیسے ناہنجار کا بیڑا پار ہو جاتا۔ اے ذلیل انسان
کس برتے پر تتا پانی۔ مسلمان ہوکر اسلام کی یہ وقعت۔ تجھ جیسے مسلمان بے ایمان
ہو جاتے ہیں۔ مگر تاریخ اب بھی تمہارے کان میں کچھ کہہ رہی ہے۔ کیا تو نے نہیں
سنا کہ جس وقت روم کے بادشاہ نے مسلمانوں پر سخت ظلم و ستم کیا۔ اور مسلمانوں نے
اُس پر چڑھائی کی تو دشمن نے شرائط صلح پیش کیں۔ فوج۔ عملہ۔ اہلکار۔ وزراء تنگ
بلغ تھے کہ بغیر لڑے بھڑے فیصلہ ہو گیا۔ جس وقت صلحنامہ مسلمانوں کے سامنے
پیش ہوا تو گو بادشاہ نے لاکھوں روپیہ کی نقد شہر خراج دینا منظور کیا مگر امیر کی

آنکھ سے آنسو نکل پڑے اور اُسنے کہا۔ جسوقت ظالم بادشاہ نے ظلم توڑے ہونگے اور حالت مایوسی و بیچارگی میں ایک عورت کی زبان سے یا تحمل نکلا ہوگا اسکا معاوضہ روم کا قلعہ۔ روم کی سلطنت اور روم کا تاج بھی نہیں کرسکتا۔ یہ وہ مامون الرشید تھا۔ جسنے آخر وقت فرش خاک پر لیٹ کر آسمان کی طرف دیکھا اور کہا اے وہ بادشاہ کہ جس کی سلطنت کو کبھی زوال نہیں۔ اب اس شخص پر رحم کر جس کی سلطنت ختم ہوتی ہے ٭

ولی! ڈر اُس طاقت سے۔ بچ اُس شکتے سے اور پناہ مانگ اُس قوت سے جسکو کبھی فنا نہیں ٭

پردہ کی وجہ سے صورت اور دوری کی وجہ سے لہجہ سمجھ میں نہ آتا تھا مگر الفاظ صاف سنائی دے رہے تھے۔ ولی خاموش سُنتا رہا۔ اور عورت غائب ہوگئی ٭

(۸)

آج صف اتنا پتہ چلا ہے کہ تمہاری بہن اپنے میاں کے ساتھ جو کہیں باہر ملازم ہیں چلی گئیں۔ مکان اُنکے پاس کرایہ کا تھا۔ یہاں اُنکی کچھ جائداد نہیں باہر جاکر انھوں نے اپنی سکونت وہیں اختیار کرلی۔ ایک شخص وہاں سے آیا ہے۔ کہتا ہے خوش و خرم ہیں اور ماشاءاللہ سات بچے ہیں ٭

بشیرن ان لغو باتوں میں کیا رکھا ہے کہ تم خواہ مخواہ جھوٹ بیچ آٹھویں دسویں ایک نئی بات جی سے گھڑ گھڑا کر دیتی ہو۔ مئو کی چھاونی میں تم کو پتہ لگا۔ جھانسی کی خبر تمکو ملی۔ ساگر کا حال تمکو معلوم ہوا۔ اب ایک شخص تم سے آملا۔ ہم تو تعجب ایسی کہانیاں [illegible] صورت دیکھ [illegible] ماں تو تمہیں کہا [illegible] جب [illegible] ماں جان کی تو خیر [illegible]

اُنکا بھی یہ حال تھا کہ چار دن اور چار رات پٹی نہ چھوڑی - خبر نہیں مجھ سے ایسی کیا خطا سرزد ہوئی - جسکا بدلہ خدا نے مجھے یہ دیا - قصور تو ظاہر ہی ہے نماز نہیں - روزہ نہیں +

ولی - بعض دفعہ بہت ہی کمزور سی بات کہہ دیتی ہو - یاد رکھو - خدا کسی کی حالت نہیں بدلا کرتا - اِن باتوں کا الزام خدا پر رکھنا سخت نادانی ہے - اپنی کوشش ہے - اگر ڈھونڈھو تو بہن ملجائے گی نہ ڈھونڈنا نہ ملی - خدا کو کیوں بدنام کیا - کیا نماز سے بہن کا ملجانا یقینی ہے ؟

بشیرن - یہ تو میں بھی سمجھتی ہوں کہ نماز روزہ سر کی چیز ہے - بہن کا ملنا دوسری چیز - مگر جب تم کہتے ہو کہ اُن کا پتہ چل گیا تو چلو وہیں چلے چلیں +

ولی - کیا خبر وہاں ہیں یا نہیں ہیں - میں نے تو ایک بات سنی تھی وہ کہہ دی اگر یقین ہو جائے تو میں چلنے کے واسطے حاضر ہوں +

بشیرن - میں تو پہلے ہی کہتی تھی کہ یہ بھی ایک دل لگی ہے - تم کو ایسی کیا غرض جو اُن کا پتہ لگاؤ +

ولی - نہیں - میں اب قسم کھا کر کہتا ہوں بہت جلد اُن کا پتہ لگا دوں گا +

(۹)

دن ہوا کی طرح گزرے - اور وہ رات سر پر آ پہنچی - جسکی صبح ایک مسلمان عورت کو اُسکے جائز حق سے محروم کر کے وہ ستم توڑتی ہے - جس کی تلافی لور وہ ظلم ڈھاتی ہے - جس کا معاوضہ نہیں - ہاجرہ کا بیمار بچہ اب اچھا ہو گیا ہے کہ چھوٹا سا فرانسکو مرتے سے بچتا ہوا سامنے پڑت کے گھر کی راہی کا دل جانتا ہوگا - مکان کے در و دیوار کو حسرت سے تکتی - اور سر دھنتی چیخ

بچے کو چمٹتی۔ کروٹ کروٹ لیٹتی۔ اور شکر کرکے خاموش ہوجاتی۔ آدھی رات کا سنسان وقت تھا۔ مسلمان اپنے نرم گرم بچھونوں پر پھولوں کی سیجوں اور عطر کی لپٹوں میں بے خبر پڑے سوتے تھے۔ اُن کے کلمہ کی شریک ایک بیوہ عورت ظالم کا شکار۔ مظلوم ہستی کلمہ توحید کا اعتراف کرتی ہوئی اپنی جگہ سے اٹھی چھوٹے بچے کو اٹھاکر کلیجے سے لگایا۔ پیار کیا۔ اور بڑے بچے کے پاس لٹا کر کہا

"بدنصیب ماں کو طلوع ہونے والا آفتاب نہ معلوم کیا کچھ کہا کر خروب ہو۔ دنیا میں اس معصوم کا وارث تیرے سوا کوئی نہیں۔ ماں کے بعد یہ تیرے پاس ماں کی امانت ہے اور وصیت کہ ماں کی شفقت اور باپ کی محبت اسکے دل سے فراموش نہو"

ماجدہ اتنا کہکر جھکی۔ بڑے کی بلائیں لیں۔ چھوٹے کو پیار کیا۔ اور دونوں کو خدا حافظ کہکر وضو کر۔ بوریئے پر آ۔ سجدے میں گری۔ اور کہا۔

یعقوبؑ نے یوسفؑ کی موت سُنی۔ اور موت کا لباس دیکھا۔ ایوبؑ نے جسم کے زخم دیکھے۔ اور زخم کے کیڑے دیکھے۔ یوسفؑ نے جیلخانہ دیکھا۔ اور جیلخانے کی سختیاں دیکھیں۔ مگر یہ جسمانی مصیبتیں اور روحانی اذیتیں تھیں۔ عورت کی عصمت وہ کتنی ہی گنہگار اور کیسی ہی ذلیل و خوار کیوں نہو۔ اِن حوادث سے زیادہ ہے۔ پاک بندوں کی سُننے والا تو تھا۔ ناپاک کی بھی سننے والا تو ہی ہے اچھوں کی مدد تونے کی۔ بڑے کی بھی تو ہی کر۔ کال تیرے دربار سے نامراد نہ گئے۔ گنہگار تیرے در سے خالی نہ جائے گی سب مکان کی خواہاں اور دولت کی آرزومند نہیں۔ تیری زمین فراخ۔ تیری خدائی وسیع اور تیری سلطنت عظیم ہے۔ لیکن مجکو پناہ دینے والا زمین کا کوئی ذرہ نہیں۔ بچا مجکو اُس وقت سے کہ نامحرم مجکو ہاتھ لگائیں۔ اور غیر اس گھر سے نکالیں۔

اٹھی۔ آسمان کی طرف دیکھا۔ اور کہا۔ دیکھا اپنی قدرت کے کرشمے۔ اور نہ دکھا وہ وقت کہ یہ آواز کسی غیر مرد کے کان میں پہنچے۔ پھوڑ دے اِن آنکھوں کو مردہ کردے اِس جسم کو۔ اور گھونٹ دے اِس حلق کو اِس سے پہلے۔ اِس سے پیشتر۔ اِس سے قبل کہ اغیار کی صورت نظر آئے۔ نامحرم کا ہاتھ مس ہو۔ اور غیر اِس زبان سے اپنے سوال کا جواب سنیں آہٹ ہوئی پلٹ کر دیکھا تو ایک برقع پوش عورت سامنے تھی۔ اُسکے ہاتھ میں رومال تھا۔ اُسنے ایک ہاتھ بڑھا کر سر پر رکھا۔ اور دوسرے ہاتھ سے رومال دیکے غائب ہوگئی ۔

رات چاندنی تھی۔ رومال کھولا۔ آٹھ سو روپیہ نقد موجود تھے۔ گنے اور اُٹھا کر ایک کونے میں رکھدیئے ۔

پچھلا پہر تھا۔ تارے جھلملا کر وداع شب کی اطلاع روئے زمین کو دے رہے تھے۔ کہنے لگی۔ آج کنڈی لگانی بھی بھول گئی۔ مگر نقاب پوش کو میں نے جاتے نہیں دیکھا۔ کدھر غائب ہوئی۔ جاؤں۔ دروازے میں دیکھوں۔ کنڈی لگاؤں۔ ایک قدم اُٹھایا تھا کہ ہوا وہ آواز کان میں لائی جس میں توحید کا اعتراف اور رسالت کی شہادت تھی ۔

(۱۰)

آج کا آفتاب سیٹھانی اور پجاریوں کے واسطے فانی مسرتوں کا خزانہ لیئے نمودار ہوا۔ زنانہ اور مردانہ دونوں جلسے تھے جس کی بڑی غرض یہ تھی کہ عین وقت پر عورت فیل نہ مچائے منشا صاحب کی موجودگی میں انتقال با آسانی ہوسکے۔ انواع و اقسام کے کھانے۔ شیرینی۔ اور پھل۔ چائے۔ مکھن۔ توس سوڈا۔ لیمن۔ اُڑتے رہے ۔

ٹھیک دس بجے ناظر نے ناجر کے دروازے پر آواز دی آٹھ سو روپے دو جیسے فوراً مکان سے باہر نکل آؤ۔ لڑکا رومال لیکر باہر آیا۔ اور کہا۔ یہ آٹھ سو روپے

گئی تھیں۔ سیٹھ دنگ۔ پوجاری حیران۔ ناظر ششدر۔ اور چپراسی متحیر تھے
اُسیوقت سیٹھ دوڑا ہوا مرزا کے پاس گیا۔ اور سر پکڑ کر بیٹھ گیا ؎

مرزا۔ گھبراؤ نہیں۔ اِسکا ابھی انتظام ہوا جاتا ہے۔ ناظر! یہ حکم اِدہر لاؤ اور پانسو روپیہ خرچہ کے بھی طلب کرو۔ ناظر نے آکر پانسو روپیہ کا مطالبہ کیا۔ مگر اب کیا رکھا تھا۔ ساجدہ اپنے بچوں کو لیکر کوٹھڑی میں گھسی تو برقع پوش عورت اندر موجود تھی۔ ناظر۔ چپراسی۔ قدرداں گھر میں چلے آئے۔ اور سیٹھ جی کے واسطے سیٹھانی اور بشیرن بھی موقع پر کرسیاں بچھا کے بیٹھے تھے جب کسی طرح دروازہ نہ کھلا تو مرزا صاحب نے حکم دیا کہ آپ اپنی حرکت شروع کیجئے دروازہ توڑ دیجئے۔ مکان پر پہاڑ سا ٹوٹ گیا۔ اور سب سے پہلے پردے کا دروازہ ڈھا دیا گیا۔ جب اِسپر بھی مکان خالی نہوا تو مرزا نے حکم دیا کہ کوٹھڑی توڑ دو۔ لیکن صرف ایک آواز سب کے کان میں آئی۔ بے وارثی کے وارث میری مدد کر۔ دروازہ ٹوٹا۔ چھت اُتری تو دیکھا کہ صرف جسد خاکی باقی تھا۔ اور ساجدہ کی روح وارث حقیقی کے پاس پہنچ چکی تھی۔ لاش باہر آئی تو بشیرن مسکراتی ہوئی اُٹھی اور یہ سمجھکر کہ موت ناممکن۔ قریب گئی تو ساجدہ واقعی مردہ تھی جبکی۔ کچھ دیکھا۔ اور یہ سمجھکر ایک چیخ ماری۔ ہائے میری بہن۔ مرد باہر چلے گئے۔ برقع پوش عورت باہر آئی۔ برقع اُتارا تو علی کی ماں تھی۔ اُسنے صرف اتنا کہا اور چلی گئی۔ کہ دنیوی فیصلہ ختم ہوا اب خدائی فیصلہ کا انتظار کرو ؎

(حقوق محفوظ) راشد الخیری

کمالِ انسانی

خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَۃَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ۭ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۙ لِّيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ وَيَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَی الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ؀

ترجمہ۔ ہم نے ذمہ داری کو (جو انسان پر ہے) آسمانوں (پر) اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا (اور یہ بوجھ اُن پر لادنا چاہا) تو اُنھوں نے (بزبان حال اور صوفیوں کے مذہب بزبان قال) اسکے اُٹھانے سے انکار کیا۔ اور اس سے ڈر گئے اور آدمی نے (گویا اور تامل) اسکو اٹھالیا۔ اسمیں شک نہیں کہ وہ (اپنے حق میں) بڑی ظالم تھا اور ظالم ہونیکے علاوہ) بڑا ہی نادان (بھی) تھا (اور اٹھایا اور اسکو نہ نباہا تو اسکا ضروری انجام یہ ہوگا) کہ اللہ منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو (ان کی عدم تعمیل کی) سزا دے گا۔ اور مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں پر (اپنی) مہر کریگا۔ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔"

مخلوقات میں انسان کی ایک خاص حالت ہے۔ اسکو دل اور عقل دی گئی ہے اور نیز نوع انسانی دیگر انواع سے نرالی ہے۔ انسان کی طبیعت میں مختلف تقاضے ہیں وہ دنیا میں اکیلا زندگی بسر نہیں کرسکتا۔ اسکو اپنے ابنائے جنس میں رہنا پڑتا ہے۔ اور وہ بھی اسی کی سی طبیعتیں رکھتے ہیں۔ اور خواہی نخواہی لوگوں کی اغراض میں کشمکش واقع ہوتی ہے جس کثرت سے انسان کے تعلقات مراسم

کثرت سے اسکی ذمہ داریاں بھی ہیں۔ اُسپر حقوق ہیں خدا کے، والدین کے رشتہ داروں کے، اولاد کے، میاں بی بی کے، ہمسائے کے، قوم کے حاکم وقت کے، اہل معاملہ کے۔ اگر ان تمام حقوق پر نظر کیجاوے تو واقع میں انسان بڑے سخت شکنجہ میں کسا ہوا ہے۔ اور چونکہ اسکو عقل دیگئی ہے اور وہ اپنے دل میں سمجھتا ہے کہ اسکو ہر ایک حقدار کے ساتھ کیسا برتاؤ کرنا چاہیئے۔ اور اسکو نیکی اور بدی دونوں کے کرنے کی قدرت بھی ہے اسلئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ انسان نے یہ حالت اپنی خوشی سے اختیار کی ہو انسان کے سوا جتنی مخلوقات ہیں اُن کی دوسری حالت ہے اُنکی طبیعتوں میں مختلف تقاضے نہیں۔ اور نہ وہ فاعل مختار ہیں۔ اور اسیوجہ سے ان پر کسی طرح کی ذمہ داری نہیں۔ اور اس اعتبار سے انسان کے مقابلہ میں بلحاظ دنیاوی زندگی کے دوسری مخلوقات بڑے آرام میں ہے۔

مطلب یہ ہو کہ روح انسانی علوی ہے اور وہ دنیا میں اسلئے بھیجی گئی ہے کہ وہ اس جسد عنصری کے ذریعہ سے بعض حقائق اور معارف حاصل کرے اور خدا نے اُسکے ذمہ بعض پابندیاں عائد کی ہیں۔ جن کا قرآن مجید نے لفظ امانت سے اور فقہاء نے لفظ تکلیف سے اور حکماء نے لفظ ذمہ داری سے ذکر کیا ہے۔ اگر انسان اس ذمہ داری کو بجا لائے گا تو وہ خدا کے قرب و جوار کے لائق ہوگا۔ ورنہ نہیں۔ اور یہ لیاقت کمال انسانی کہلاتی ہے۔ مگر اکثر لوگ جیسا کہ خدا تعالیٰ نے آیت مندرجۂ صدر میں تصریحًا بیان کیا ہے کہ انسان ظلوم و جہول ہے۔ یہ کمال حاصل نہیں کرتے مگر مومنین وَقَلِيلٌ مَّا هُمْ (وہ تھوڑے لوگ ہیں) اس لیئے خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ انجام کار یہ ہوگا کہ خدا تعالیٰ منافق اور مشرک کو سزا دیگا۔ اور مومنوں پر مہر کرے گا۔ بعض لوگوں نے یہ خیال کیا

کہ خدا تعالیٰ نے جو انسان کو ظلوم و جہول کہا ہے تو یہ خدا نے انسان کی تعریف کی ہے کہ آسمان اور زمین اور پہاڑوں نے ذمہ داری نہیں اُٹھائی اور انسان نے اُٹھائی۔ مگر ایسا نہیں ہے۔ خدا نے انسان کی مذمت کی ہے کہ انسان میں فرائض انسانی بجا لانے کی قدرت ہے۔ اور وہ دیدہ و دانستہ اپنی ڈیوٹی بجا نہیں لاتا۔ اس لیے وہ ناقص رہ جاتا ہے۔ اور کمال حاصل نہیں کرتا گویا مومن انسان کامل اور منافق اور مشرک انسان ناقص ہے۔ اگرچہ کمال حاصل کرنے کے موانع اور بھی ہوں گے۔ مگر بڑے بڑے موانع بتفصیل ذیل ہیں۔ اوّل مانع تحصیل کمال التقلید ہے۔ تقلید ایسی بُری بلا ہے کہ مقلد شخص کبھی کمال حاصل نہیں کرتا۔ وہ جس حالت میں کہ اپنے باپ دادا اور رشتہ داروں کو پاتا ہے اُنہیں کی پیروی کرتا ہے۔ اُن کی حالت سے ایک قدم آگے نہیں بڑھ سکتا۔ خداوند کریم بُری تقلید سے پناہ دیوے۔ مقلد کبھی نصیحت قبول نہیں کرتا جیسا کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے:-

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ۭ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَاۗؤُھُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَـيْــــًٔـا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ۝

ترجمہ:- جب اِن (لوگوں سے) کہا جاتا ہے کہ جو (حکم) خدا نے اُتارا ہے اس پر چلو تو جواب دیتے ہیں نہیں جی ہم تو اسی (طریقے) پر چلیں گے جس پر ہم نے باپ داداوں کو چلتے ہوئے پایا۔ بھلا اگر ان کے باپ دادا کچھ بھی نہ سمجھتے اور نہ راہ راست پر چلتے رہے ہوں تو بھی (وہ اُن کی پیروی کیے چلے جائیں گے)۔" سورۃ بقرہ رکوع ۲۱۔ آیت ۲

دوسری جگہ مذکور ہے۔ بَلْ قَالُوْٓا اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓي اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓي اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝ وَكَذٰلِكَ مَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ

نَّذِيرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَا اِنَّا وَجَدْنَا اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ ٭ قٰلَ اَوَلَوْ جِئْتُكُمْ بِاَهْدٰى مِمَّا وَجَدْتُّمْ عَلَيْهِ اٰبَآءَكُمْ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ٭ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ٭

ترجمہ "بلکہ (یہ تو یوں) کہتے ہیں کہ ہم نے باپ داداؤں کو ایک طریقے پر پایا۔ اور اُن ہی کے قدم بقدم ہم بھی ٹھیک رستہ پہ چلے جا رہے ہیں اور (اے پیغمبر) اسیطرح ہم نے تم سے پہلے جب کسی گاؤں میں کوئی (پیغمبر) ڈر سنانیوالا بھیجا وہاں کے آسودہ لوگوں نے یہی کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقے پر پایا اور اُن ہی کے قدم بہ قدم ہم بھی اُنکی پیروی کر رہے ہیں۔ (اسپر ان کے پیغمبر نے اُن سے کہا کہ جس (طریقے) پر تم نے باپ داداؤں کو پایا اگر میں اس سے بھی کہیں سیدھا رستہ لیکر آیا ہوں (تو کیا تم اس ڈھرے پر چلے جاؤگے) وہ بولے کچھ بھی ہو جو تم کو دیکر بھیجا گیا ہے ہم تو اُسکو ماننے والے نہیں۔ آخرکار ہم نے ان سے (اُنکی سرکشی کا) بدلہ لیا تو (اے پیغمبر) دیکھو کہ (پیغمبروں کے) جھٹلانے والوں کا کیسا انجام ہوا۔" زخرف رکوع ۲ ٭

دوسرا مانع کمال حاصل کرنے کا باطل پرستی ہے باطل پرست کبھی کمال حاصل نہیں کر سکتا۔ پیغمبروں نے باطل پرستی سے پناہ مانگی ہے جیسا کہ خدا تعالیٰ ابراہیم علیہ السلام کیطرف حکایتاً ذکر فرماتا ہے۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ٭ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ٭

ترجمہ "اور اے کفار مکہ اس وقت کو یاد کرو) جب ابراہیم نے (خدا سے) دعا کی کہ اے میرے پروردگار اس شہر (مکہ) کو امن کی جگہ کر دو مجکو اور میری نسل کو اس (گمراہی سے) بچا کہ لگیں بتوں کو پوجنے۔ اے میرے پروردگار کچھ شک نہیں کہ ان بتوں نے اکثر لوگوں کو گمراہ کیا ہے تو جس نے میری پیروی کی وہ میرا ہے۔ اور جس نے میری نافرمانی کی تو تو بخشنے والا مہربان ہے"۔

بت پرستی میں آفتاب پرستی ماہتاب پرستی۔ ستارہ پرستی طاغوت پرستی یا کوئی اور عجیب سے شئے مثلاً درخت و پتھر وغیرہ پوجنا شامل ہے۔ بت پرست جہل مرکب میں گرفتار ہوتا ہے وہ مشکل سے راہ راست پر آتا ہے بت پرست کہتے ہیں کہ ہم خدا کی مشیت سے بت پرستی کرتے ہیں جیسا کہ فرمایا گیا ہے:۔

سَيَقُولُ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَشْرَكْنَا وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِن شَيْءٍ ۚ كَذَٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ حَتَّىٰ ذَاقُوا بَأْسَنَا ۗ قُلْ هَلْ عِندَكُم مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوهُ لَنَا ۖ إِن تَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ أَنتُمْ إِلَّا تَخْرُصُونَ ۝ قُلْ فَلِلَّهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۖ فَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ ۝

ترجمہ مشرکین سے کچھ بعید نہیں کہ یہ حجت پیش کریں کہ اگر خدا چاہتا تو ہم شرک نہ کرتے اور نہ ہمارے باپ (دادا) ایسا کرتے اور نہ ہم کسی (حلال) چیز کو (از خود اپنے اوپر) حرام کرتے۔ اسی طرح جو لوگ ان سے پہلے ہو گزرے ہیں (پیغمبروں کو) جھٹلاتے رہے۔ یہاں تک کہ (آخر کار) ہمارے عذاب کا مزا انہوں نے چکھا (اے پیغمبر ان لوگوں سے) پوچھو کہ آیا تمہارے پاس کوئی (کتابی) سند بھی ہے کہ اسکو ہمارے (دکھانے کے) لیے نکالو (اور پیش کر رو) سند تو تمہارے پاس کچھ نہیں (نرے واہموں پر چلتے اور نری اٹکلیں پچو

ہو (اے پیغمبر ان سے) کہو (کہ تم ہارے اور) اللہ کی حجت (تم پر) تمام ہوئی۔ پھر اگر وہی چاہتا تو تم سب کو رستہ دکھا دیتا"۔

مشرکین جب دلیل سے عاجز آتے ہیں تو مشیت الٰہی کی بحث نکال کھڑی کرتے ہیں۔ لیکن وہ مرضی اور مشیت میں فرق نہیں کرتے۔ خدا نے اس آیت میں مرضی اور مشیت کا فرق نہایت عمدہ طور پر دکھایا ہے کہ جو خدا کی مرضی تھی وہ پیغمبروں کے ذریعہ سے ظاہر کر دی اور لوگوں کو اختیار دیا گیا کہ نیک راہ اختیار کریں یا بری راہ چلیں بروں نے پیغمبروں کو جھٹلایا اور دیدہ و دانستہ بری راہ اختیار کی تو وہ ملزم ٹھیرے اور خدا کی حجت اُن پر تمام ہوئی۔ مشیت الٰہی سے اور اس سے کچھ تعلق نہیں۔ مشیت الٰہی بالکل دوسری چیز ہے۔ اس میں شک نہیں کہ خدا چاہتا تو سب راہ راست پر چلتے مگر اس نے چاہا کہ لوگ اپنے ارادے سے راہ راست اختیار کریں تو لوگوں کے افعال سے مشیت الٰہی متعلق نہیں ہے بلکہ ان کی اپنی مشیت متعلق ہے یعنی مشیت الٰہی یہی تھی کہ لوگ اپنی مشیت سے برا یا بھلا کریں۔ خدا ہر قصور سے درگذر کرے گا۔ مگر شرک کو کبھی معاف نہیں فرماتا۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ ۚ وَمَنْ یُّشْرِکْ بِاللّٰہِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِیْدًا ○ ۔

ترجمہ: "اللہ یہ (گناہ) تو معاف نہیں کرتا کہ اس کے ساتھ (کسی کو) شریک گردانا جاوے اور اس سے کم جسکو چاہے معاف کرے اور جس نے اللہ کے ساتھ شریک گردانا وہ (راہ راست سے بڑی) دور بھٹک گیا"۔

تیسرا مانع تحصیل کمال کا بُری عادت ہے جو شخص بُرے اشغال ... خوگر ہو جاتا ہے۔ وہ بُری عادت اس کی طبیعت ثانی بن جاتی

اُسکے دل پر سیاہی آجاتی ہے اور دل انوارِ الٰہی کے حاصل کرنے کے قابل نہیں رہتا۔ بُرے افعال دو قسم کے ہیں۔ ایک کو کبائر کہتے ہیں دوسرے کو صغائر۔ کبائر جیسے چوری کرنا، یا زنا کرنا۔ یا قتل پیشہ ہونا۔ یا جُوا کھیلنا یا شراب و مسکرات کا استعمال کرنا۔ یعنی وہ بڑے بڑے جرائم جن سے قرآن مجید نے صریحاً منع فرمایا ہے، یا حدیث نبوی سے حرمت ثابت ہوتی ہو یا اُسکے واسطے سزاے حدّی مقرر ہو یا اُسکے لیے وعدہ وعید ہو۔ صغائر وہ ہیں جنکے لیئے کوئی صریح ممانعت نہو۔ جیسے غیبت یا بٹیر بازی۔ یا کبوتر بازی۔ یا تماشا بینی۔ یا کثرت کلام یا اِسی طرح اور باتیں جو عقلاً بُری معلوم ہوتی ہیں۔ البتہ فرق اتنا ہے کہ اگر کبائر سے آدمی بچ جاوے تو صغائر قابلِ معافی ہیں۔

إِنْ تَجْتَنِبُوا كَبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُدْخَلًا كَرِيمًا ۔ جن کاموں کے کرنے سے تم کو منع کیا جاتا ہے۔ اگر تم اِن میں سے بڑے بڑے گناہوں سے بچتے رہوگے تو ہم تمہارے (چھوٹے چھوٹے) قصور (تمہارے نامۂ اعمال سے) محو کردینگے اور تم کو جاکر مقامِ عزت (یعنی بہشت) میں جگہ دینگے"۔

بری عادت کا چھوٹنا بڑا سخت کام ہے۔ جوئے باز جوئے سے اور شرابی شراب سے اور زناکار زنا سے کبھی نہیں چوکتا۔ میرے ایک مہربان بڑے رئیس کو زناکاری کی عادت ہوگئی تھی۔ جب وہ بوڑھا ہوگیا اور قوت رجولیت اسمیں باقی نہ رہی تو صرف عورتوں کے ساتھ ہم بستر ہونے ہی تسلی کیا کرتا تھا۔ ایک روز کسی اجنبی عورت سے ہم بستری کی حالت میں وہ پایا گیا۔ اور اِس راز سے ابھی تک کوئی آگاہ نہوا۔ اِس امیر کبیر کے لیے

اب تک میرے دلمیں افسوس ہے کہ خدا نے اُسکے ساتھ کیا کیا ہوگا۔ وہ امیر بڑا سخی آدمی تھا۔ خداوند کریم اُسپر اپنا فضل کرے اور معاف کرے۔

چوتھا مانع تحصیل کمال کا بری صحبت ہے خدا تعالیٰ فرماتا ہے یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ۔ مسلمانو! خدا کے غضب سے ڈرو اور سچ بولنے والوں کے ساتھ رہو۔

بُری صحبت سے آدمی بُرا اور نیک صحبت سے آدمی نیک بن جاتا ہے۔

صحبتِ صالح ترا صالح کند　　صحبت طالح ترا طالح کند

پانچواں مانع تحصیل کمال کا محبت مال اور دنیا ہے۔ رسول کریم فرماتے ہیں کہ حب الدنیا راس کل خطیئۃ۔ دنیا کی محبت تمام گناہوں کا سر ہے دنیا سے وہ اشیاء مراد ہیں جو اس آیت میں تفصیلاً مذکور ہیں۔

زُیِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّھَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِیْنَ وَالْقَنَاطِیْرِ الْمُقَنْطَرَۃِ مِنَ الذَّھَبِ وَالْفِضَّۃِ وَالْخَیْلِ الْمُسَوَّمَۃِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ۚ ذٰلِکَ مَتَاعُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا ۚ وَاللّٰہُ عِنْدَہٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ

ترجمہ لوگوں کو مرغوب چیزوں یعنی بیبیوں اور بیٹوں اور سونے چاندی کے بڑے بڑے ڈھیروں اور عمدہ عمدہ گھوڑوں اور مویشیوں اور کھیتی کے ساتھ دل بستگی بھلی معلوم ہوتی ہے۔ (حالانکہ) یہ (تو) دنیا کی زندگی کے (چند روزہ) فائدے ہیں اور ہمیشہ کا اچھا ٹھکانا تو اسی اللہ کے ہاں ہے۔

یہ نہیں کہ یہ اشیاء بذاتہ مانع تحصیل کمال ہیں مگر انکے ساتھ دل لگانا مانع تحصیل کمال ہے کہ دل ایک ہے اور وہ ایک رُخ رہے۔ یا اللہ کا رہے گا یا غیر اللہ کا۔

دل درپئے این و آں نہ نیکوست ترا　　یک دل داری بس است یک دوست ترا

ان چیزوں کی محبت انسان کو خدا سے غافل کردیتی ہے ؎

چیست دنیا از خدا غافل شدن
نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

دنیا کی محبت سے آدمی میں بُرے اخلاق مثلاً حرص طمع و تکبر و بخل و اسراف وغیرہ پیدا ہوتے ہیں۔ اور یہ اخلاق ہمیشہ کے لیئے انسان کو خدا کے قرب سے محروم کرتے ہیں ✤

چھٹا مانع تحصیل کمال کا۔ دنیا کی زندگی پر مغرور ہونا ہے۔ اور اسی کو اپنا مدعا اور منزل مقصود جانکر دنیا کی زندگی پر مطمئن ہوکر آخرت سے بالکل بے بہرہ رہنا۔ یَا اَیُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا وَلَا یَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ۔ لوگو! اللہ کا وعدہ برحق ہے ایسا نہو کہ دنیا کی زندگی تم کو دہوکہ میں ڈالتے رہے اور ایسا نہو کہ (شیطان) دغاباز خدا کے بارے میں تم کو دہوکا دے ✤

جو شخص آخرت کے لیئے توشہ جمع کرتا ہے اور کمال حاصل کرنیکے لیے تیہ کرتا ہے اُسکو دنیا کی زندگی نہیں کہتے دنیا کی زندگی وہ ہے جو اس آیت میں مذکور ہے اِعْلَمُوْا اَنَّمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِیْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَیْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِی الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ كَمَثَلِ غَیْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ یَهِیْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ یَكُوْنُ حُطَامًا ۔ وَفِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِیْدٌ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ۔ وَمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۔ (لوگو) جانے رہو کہ دنیا کی زندگی کھیل اور تماشا اور ظاہری ٹھاٹ اور آپس میں ایک دوسرے پر فخر کرنا اور ایک دوسرے سے بڑھکر مال اور اولاد کا خواستگار رہنا (بس یہی ہے) دنیا کی زندگی کی مثال مینہ کی سی شان ہے کہ زمین پر برستا ہے اور اس سے کھیتی لہلہانے لگتی ہے (اور) کاشتکار کھیتی کو دیکھکر خوشیاں کرنے لگتے ہیں۔ پھر

پک کر) خشک ہو جاتی ہے تو (اے مخاطب اُس وقت) اُسکو دیکھتا ہے کہ پیلی پڑگئی ہے
پھر آخرکار روندن میں آجاتی ہے (غرض دنیا کی زندگی چند روزہ رونق ہے) اور
آخرت میں (دنیا کی زندگی کے دو انجام ہیں بعض کو) عذاب سخت اور بعض کو (خدا
کی طرف سے گناہوں کی) معافی اور خوشنودی اور دنیا کی زندگی نری دھوکے
کی ٹٹی ہے"۔

اکثر لوگ اپنی تمام عمر کھیل و تماشوں اور طمطراق اور فراہمی مال میں صرف کرتے
ہیں انکو آخرت اور خدا سے ملنے کا کچھ خیال نہیں ہوتا۔ جیساکہ مذکور ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا وَرَضُوا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاطْمَأَنُّوا بِهَا وَالَّذِينَ
هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُونَ ۝ أُولٰٓئِكَ مَأْوٰهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ

ترجمہ جن لوگوں کو (مرے پیچھے) ہم سے ملنے کا کھٹکا ہی نہیں اور (اس) دنیا کی زندگی
سے خوش ہیں اور (خطر عاقبت سے فارغ ہوکر) باطمینان زندگی بسر کرتے ہیں اور
جو لوگ ہماری (قدرت کی) نشانیوں سے غافل ہیں یہی لوگ ہیں جن کے کرتوت
کا بدلہ یہ ہوگا کہ ان کا (آخری) ٹھکانا دوزخ ہوگا"۔

جو لوگ کمال حاصل کرنے اور خدا سے ملنے کی پروا نہیں کرتے خدا بھی اُن کی
کچھ پروا نہیں کرتا۔ جیساکہ فرمایا گیا ہے:-

فَأَعْرِضْ عَنْ مَنْ تَوَلّٰى عَنْ ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ إِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝ ذٰلِكَ
مَبْلَغُهُمْ مِنَ الْعِلْمِ ۚ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ
بِمَنِ اهْتَدٰى ۝ تو (اے پیغمبر) جو شخص ہماری یاد سے روگردانی کرے اور دنیا کی
زندگی کے سوا اُسکو (کسی اور بات سے) غرض (و مطلب) نہ ہو تم ایسے شخص کا خیال
نہ کرو ان کی عقل کی رسائی یہیں تک ہے تمہارا پروردگار ان لوگوں کو خوب
جانتا ہے جو اُسکے رستے سے بھٹکے ہوئے ہیں اور وہ انکو بھی خوب جانتا ہے جو راہ راست پر ہیں

غرض یہ ہے کہ دنیا کی زندگی صرف لہو و لعب ہے اصل زندگی آخرت کی زندگی ہے
وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ
لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝ اور یہ دنیا کی زندگی تو بس (جی کا) بہلاوا اور کھیل ہے اور عالم
آخرت (کی زندگی) وہی (اصل) زندگی ہے (اے کاش یہ لوگ سمجھتے)۔

پس معلوم ہوا کہ کمال حاصل کرنیکے موانع چھ ہیں۔ اوّل تقلید۔ دوم شرک۔ سوم
بری عادت۔ چہارم بری صحبت۔ پنجم محبت دنیا۔ ششم دنیاوی زندگی پر مغرور ہونا
جو کوئی اللہ اور اُسکے فرشتوں اور کتب الٰہی اور انبیاء اور روز آخرت اور تقدیر الٰہی اور مرنے کے
بعد جینے پر ایمان لاتا ہے۔ اور صوری علم جو آیات محکم اور سنت قائمہ اور فرائض عادلہ ہیں
حاصل کرتا ہے۔ اور تقلید چھوڑ کر تحقیق اختیار کرتا ہے اور بجائے باطل پرست بنے کے حق
پرست ہو جاتا ہے اور بری عادات کی جگہ نیک عادات نماز روزہ۔ زکوٰۃ۔ خیرات۔ عطا
اور صلہ رحمی وغیرہ اختیار کرتا ہے اور بروں کی جگہ صوفیوں اور علما اور متقیوں کی صحبت
میں رہتا ہے۔ اور حب دنیا کی جگہ زاہد دنیا ہو جاتا ہے جس سے اُسمیں نیک اخلاق مثل
سخاوت اور اقتصاد فی العمل اور تواضع وغیرہ پیدا ہونگے۔ اور دنیاوی زندگی پر مغرور
ہونے کی بجائے دار آخرت کا تہیہ کرتا ہے تو ایسے شخص کا قلب جو خدا کا گھر ہے وساوس
شیطانی سے پاک ہو جاتا ہے۔ اور ذکر کی خوشبو سے معطر ہو جاتا ہے۔ اس وقت وہ
قلب تجلی الٰہی کا مستحق ہوتا ہے۔ اور انوار کمال قلب پر نازل ہوتے ہیں اور دنیا میں وصال سے
سرفراز ہو جاتا ہے۔ اور آخرت میں مرنے کے ساتھ ہی وہ کچھ دیکھیگا جو نہ آنکھ نے دیکھا ہو اور نہ کان
نے سنا ہو اور نہ دل پر گذرا ہو۔ اور خدا کے ساتھ عرش کے پاس اپنا ٹھکانا پائیگا۔ اور بہشت
میں آمد و رفت رکھیگا۔ رباعی اے دل اگر از غبار تن پاک شوی + تو روح مجردی بر افلاک
شوی + عرش است نشیمن تو شرمت بادا + کائی و مقیم خطۂ خاک شوی +
ذالک ما کنت ابغی + حاجی محمد اسمٰعیل کاکاخیل ادیبی

تعدیہ

کرامات اولیاء

ان بلبلوں میں صف اضطراب ہے، محض بے چینی ہے، جو بحر ہستی کی وسیع سطح پر انسانیت کی کج ٹوپیاں لگائے ہوئے تیر رہے ہیں:

تم سمجھو! کہ میں اسے خوب سمجھ چکا ہوں:

آغوش مادر کے گرداب میں جو ایک ہلکی ہلکی نازک سی چادر، جو اوڑھے ہوئے ننھا سا حباب روتا ہے، بلبلاتا ہے تو دیوانے سمجھتے ہیں کہ اسے دودھ کی چسنیوں کی تلاش ہے، حالانکہ، وہ اپنی بھوک مٹانا چاہتا ہے، اور یہ بھی نہیں۔ وہ اس اذیت سے نجات کا طالب ہے، جو ریشِ صفرا سنے اسکی آنتوں کو پہنچاتی ہے، اور یہ بھی نہیں، وہ صرف ایک ہی چیز کو ڈھونڈھتا ہے۔ جسے ہر شخص ڈھونڈھتا ہے۔ مگر کوئی نہیں ڈھونڈھتا!

صبح پو پھٹنے سے پہلے جو کندھے پر ہل کی لکڑیاں رکھکر بیلوں کے پیچھے پیچھے دہقانی اپنی کشت زار کیطرف روانی کے ساتھ بہتا ہوا جا رہا ہے۔

سطحیوں نے خیال کیا کہ اسے ہل جوتنے کے شوق نے متحرک کیا ہے۔ حالانکہ اُسے غلے کی ضرورت ہے، اور اسکی بھی نہیں بلکہ اپنے بال بچوں کی شکم پروری کی ضرورت ہے۔ اور اسکی بھی نہیں بلکہ ان کی بھوک مٹانے کی ضرورت ہے، اور اسکی بھی نہیں بلکہ بھوک کی تکلیف سے نجات پانے کی ضرورت ہے۔ اور یہ بھی نہیں بلکہ اسے صرف ایک ہی چیز کی ضرورت ہے۔ جسے ہر شخص ڈھونڈھتا ہے۔ مگر کوئی نہیں ڈھونڈھتا

ایک وکیل جو شہر بھر کی تمام امواج عیش و سرور سے کنارہ کش ہو کر دا آٹھ بجے رات بارہ بجے تک چراغ کی تہ بیٹھ ر کے آگے ۔۔۔

آنکھوں کو عینک کی کشتیوں پر سوار کرکے قانونِ نظارت کے سمندروں میں تیرا رہا ہے بیسیوں نے کئی احمقوں کو کہتے ہوئے سُنا کہ انہوں نے اسے وکیل کی عادت قرار دیا حالانکہ اس کے دل سے پوچھو کہ میں پوچھ چکا ہوں۔ وہ اپنے تجربہ پر تھر بازو ہتا ہے کس قدر بدعقلی ہے کہ لوگوں نے اسے گرویدگی مطالعہ کا اتہام جوڑا۔ حالانکہ وہ اس کا دشمن ہے۔ مگر کرتا ہے کہ اسے روپے کی تمنا ہے۔ اور یہ بھی نہیں بلکہ اپنی حیثیت اور آبرو کی بقا کی تمنا ہے۔ اور اسکی بھی نہیں اُسے بھی صرف ایک ہی چیز کی ضرورت ہے۔ جسے ہر شخص ڈھونڈھتا ہے مگر کوئی نہیں ڈھونڈھتا۔

وہ جو صبح کی نماز کے متصل ہی وظیفہ سے پہلے، اپنے مطب کی گدی پر آکر لہراتا ہوا، کبھی بجس قارورں سے آنکھوں کی شعاؤں کو ملوث کرتا، زرد زرد، سوکھے رنگ کے۔ چمڑو ں چرمِ استخوانوں کے گھناؤنے جسموں پر اپنی نرم نرم خوبصورت انگلیوں کو ڈالتا ہے۔ کس نے کہا کہ اسکی طبیعت کا یہ فطری تقاضا ہے۔ حالانکہ وہ کتنی دفعہ اس سے بیزاری کا اظہار کر چکا ہے۔ غلط ہے جس نے ایسا سمجھا۔ بلکہ اسے فیس کی ضرورت ہے۔ اور اسکی بھی نہیں بلکہ اپنے اہل وعیال کی پرورش کی ضرورت ہے۔ اور اسکی بھی نہیں بلکہ اسے بھی صرف ایک ہی چیز کی ضرورت ہے جسے ہر شخص ڈھونڈھتا ہے مگر کوئی نہیں ڈھونڈھتا۔

اور قلزمِ امکان کے ان چھوٹے چھوٹے ہلکے پھلکے، حبابوں پر کیا موقوف ہے اسی سمندر کا سب سے جسیم طویل وعریض بلبلا۔ جس کے طرۂ دستار میں سلطنت بادشاہت کے موتی ٹنکے ہوئے ہیں۔ وہ بھی اپنی سہریوں کے آبروانی پھندوں کے محیط میں اسی لیے کروٹیں بدل بدل کر کشورِ حدوث میں جنبش پیدا کر رہا ہے۔ ملک خیال ہے جو کہا گیا کہ اسے ملک کی پروا ہے۔

نہیں بلکہ رعایا کی امن و آسائش کی فکر ہو اور یہ بھی نہیں، بلکہ اسے بھی صرف

دور ہوکر جسمانی نہیں بلکہ روحانی سفر کرنے میں مصروف ہیں بے اطمینانی نے بھاگے تھے کہ جہاں جاکر طمانیت ملتی ہو۔ وہاں پر کچھ نہیں ملتا۔ انسانوں کی آبادیوں کا پھر وہاں پتہ بھی نہیں چلتا۔ اگر ملتا ہی تو صِرف خدا اور ایک خدا، جسکے علاوہ اور کچھ نظر نہیں آتا۔ آخرو ہیں کمر کھول دیتے ہیں اور جو نظر آتا ہے اسی کے مہمان بنجاتے ہیں ۔

اور جبکہ انسانوں کے یہاں کوئی مہمان آتا ہی تو باوجود یکہ اُن میں غریب بھی ہیں سخت دل بھی ہیں، بخیل بھی ہیں، لیکن خدانے حکم دیا کہ انکی اکرام و تعظیم کرو، انہیں آرام پہنچاؤ تو پھر وہ جو غریب نہیں۔ ملک ہی۔ جو بخیل نہیں اکریم ہے، جو سخت نہیں رؤف ہی پھر کس طرح ممکن تھا کہ اسکی سرائے میں ٹھیرنے والے مہمانوں کی تکریم نہیں کیجاتی، یقیناً کی گئی اور آئے دن ایسے مسافروں کی ہمیشہ کی جاتی ہے اور اسیکا نام "کرامت" ہے۔ گویا خدا اپنے مہمانوں کو ان چیزوں سے نوازتا۔ اور انکی تکریم کرتا ہے جسے ہم کرامت کہتے ہیں

حضرت شیخ محی الدین بن عربی قدس سرہ کے نزدیک کرامت کی یہی تعریف ہے اور یہی وجہ تسمیہ بھی ہے۔ اسکے بعد ارقام فرماتے ہیں :-

کہ ہمارے نزدیک کرامت کی دو قسمیں ہیں (۱) حسیہ (۲) معنوی

صوفی کے وہ تصرفات جو دوسروں کو محسوس ہوتے ہیں۔ یعنی اپنے اندر نہیں بلکہ اپنے باہر کی ہستیوں پر جو اثر ڈالتا ہے۔ کبھی دلوں کے خطرات بتا دیتا ہے کبھی ہوا پر اُڑتا ہے۔ کبھی پانی پر چلتا ہے۔ کبھی بڑی مسافت کو چند دنوں میں طے کرلیتا ہے۔ لوگوں کی نگاہوں پر پردہ ڈالکر اپنے کو غائب کرلیتا ہے۔ بلکہ اسی طرح وہ بھی جس کی دعا فوراً مقبول ہوجاتی ہے۔ میں ان چیزوں کو کرامات حسیہ قرار دیتا ہوں۔

اور صوفی کے وہ تصرفات جو خود اپنے اندر کرتا ہے۔ مثلاً وہ ...

فرائض و سنن سے گزر کر آداب کی رعایت و نگہداشت کرتے ...

اچھے اخلاق۔ عمدہ خصائل پیدا ہوجائیں نیکیوں ...

عادی ہوگیا ہو،

وہ اپنے دل سے ہر کسی کے کینے کو نکال کر پھینک سکتا ہو جب کہ کسی کی نسبت برے خیالات اولاً اسمیں آتے ہی نہیں۔ اور آئیں تو اُسکے ازالہ کی قوت اسمیں موجود ہو،

الغرض سب سے بڑی کرامت یہی ہے کہ دل سے تمام بری صفات چُن چُن کر الگ ہوگئی ہوں، خدا کے حقوق یا دوسروں کے حقوق جو اسکے ذمہ عائد ہونے ہوں اُنکے ادا کرنے میں اسے دقت نہ محسوس ہوتی ہو۔ وہ اپنے دل کو ہر وقت شوق تجارت کرے اسمیں خدا کی جانب سے کیا کیا آثار ودیعت کیے گئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جو سانس نکلتی ہو بہو وقت بھی وہ اپنے مالک کے آگے ادب کے ساتھ اپنے کو حاضر سمجھے۔ اور جب سانس اندر آئے تو اُسوقت بھی حضور کی عظمت اُسکے دل پر موجود ہو،

میں ایسے کرامات معنویہ سمجھتا ہوں جو عوام کے نزدیک اگرچہ کچھ نہیں ہیں، لیکن خواص سے پوچھو کہ سب کچھ یہی ہیں،

میں اسکا منکر نہیں کہ حسی "کرامات" کرامات نہیں مادہ خدا کی طرف میں پھیرنے والے معانوں کی تکریم کو نہیں بتاتیں؟

نہیں میں اسے کرامت مانتا ہوں لیکن حسرت ہوتی ہے۔ جبکہ جوگیوں بازیگروں کو بھی ان اعمال پر قادر دیکھتا ہوں۔ بیشک سب کے اعتبار سے دونوں میں فرق ہے کہ صوفیاء سے وہ چیزیں بسبب اُنکی مہمان نوازی کے صادر ہوتی ہیں اور جوگیوں وغیرہ سے اس لیئے کہ نفسانی طاقتوں کی پرورش کے بعد انسان ایسے اعمال و افعال سے عجیب انجام دیسکتا ہے۔ مگر پھر بھی مجھے اِن کرامتوں کے متعلق ہمیشہ ایک خدشہ لگا رہتا ہے کہ بالفرض جن تصرفات کا ظہور ہم سے ہوا۔ وہ خداوند تعالےٰ کے اکرام کے نتائج ہوں،

تاہم دل کی باتوں کا بتادینا۔ یا ہوا میں اُڑنا وغیرہ یہ نہ کوئی سنت ہیں نہ فرض

۹۵۹۱

پھر ممکن ہے کہ خداوند تعالی ہمارے تمام مجاہدات اور صعوبات سلوک کا لت بہ لحاظ ... اور محاسبہ کرکے کہیں ہمیں خالی داماں نہ بنا دیا جائے۔ بخلاف کرامات معنویہ کے۔ کہ اسمیں سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اسکو استدراج و شعبدہ وغیرہ سے کوئی اشتباہ نہیں یہ ممکن ہے کہ ایک جوگی ہوا پر اڑتا پھرے۔ لیکن یہ مشکل ہے کہ وہ اپنے ... کینہ و بغض کو نکال کر پھینک دے۔ یہ بہت آسان ہے کہ کوئی آگ میں دریا پر پیادہ پا رواں ہو۔ لیکن یہ بہت مشکل ہے کہ وہ پانچوں وقت کی نماز مع طہارت جسم و جامہ اور حضور قلب رضا سے ادا کرنے پر قادر ہو،

اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ، اسلئے کہ استدراج میں خداوند تعالی محض شریروں کی رسی دراز کرتا ہے، انھیں ڈھیل دیتا ہے، حالانکہ وہ اُسکے لیے شریک کرتے ہیں وہ قبروں پر جاکر خدا سے نہیں بلکہ خدا کی مخلوق سے براہ راست حاجت طلب کرتے ہیں پھر بھی وہ بسا اوقات دل کے خطرات بتا دیتے ہیں۔ اکثر موقعوں پر اُنکی دعائیں پوری ہو جاتی ہیں،

اس صورت میں ان خرق عادات کو اگر استدراج نہ کہا جائے تو اور کیا کہا جائے

لیکن ایک شخص ہے جسکا دل بغض و کینہ سے پاک ہو گیا ہے وہ نمازوں کا تمام شرائط کے ساتھ پابند ہے۔ اسمیں عمدہ اخلاق پیدا ہو گئے تو یہ چیزیں کیونکر استدراج کا آلہ بن سکتی ہیں کہ یہ خدا کے مقررکردہ حدود ہیں اور اسی کے بتائے ہوئے راستے ہیں۔ پھر نا ممکن ہے کہ ان راستوں پر خداوند تعالی ہی کسیکو استدراج و تعمیل کے ... مبتلا فرمائے،

بخلاف کرامات حسیہ کے کہ وہ خداوند تعالی کے مقرر ...

بس جو شخص اسپر چل رہا ہے نہ خطرات و مہالک سے کیونکر ...

کرامات معنویہ ہی وہ چیزیں ہیں کہ جس پر انسان بےخوف ...

راہ میں بجز ایک چیز کے یعنی عجز و تکبر کے اور کسی چیز کا ڈر نہیں لیکن اگر عجز پیدا ہو تو فوراً وہ علم تنبیہ کرے گا کہ بندہ کچھ نہیں کر سکتا جو کچھ ہے خدا کی جانب سے ہے اور سالک مقام سے تکبر کی دیوار بھی گر سکتی ہے،

بلکہ میرا خیال تو ایسا ہے کہ حتی الوسع کرامات حسیہ کا صدور نہیں ہونا چاہئے اور کبھی اتفاق سے صادر ہو گئے تو خداوند تعالیٰ کی طرف الحاح کے ساتھ رجوع کرنا چاہئے اور یہ خاکر نی چاہئے کہ عوام کے نزدیک اس کرامت کا کوئی اظہار نہ ہو اور وہاں سبب عمل آئے۔ تاکہ میں استدراج یا اُس خطرہ سے کہ میری عبادتوں کا یہی تو بدلہ نہیں ما مون مصئون ہو جاؤں،

اور میں تمام کرامات معنویہ میں سے خاصکر خداوند تعالیٰ کے اس اکرام کو جو اپنے مہمانوں کو علم کی صورت میں دیتا ہے۔ بہتر سمجھتا ہوں جبکہ بندہ انسان پر اپنے مالک کے انعام و احسانات کی تفصیل اسکی صفات کمال کی حقیقت کھل جاتی ہے۔ وہ آخرت کے واقعات کا مشاہدہ کرنے لگتا ہے۔ وہ سمجھ جاتا ہے کہ میں کس لئے پیدا کیا گیا ہوں۔ اور مجھے کس کام کے واسطے بنایا گیا ہے۔ اور یہی علم دراصل سبب بن جاتا ہے ان تمام صفات باطنیہ و ظاہریہ کے لیئے جن کو میں پہلے کرامات حسیہ معنویہ قرار دے چکا ہوں وہ شخص جس سے کرامات حسیہ صادر ہوتے ہیں۔ اور ساتھ ہی اسکے وہ نماز نہیں پڑھتا روزے نہیں رکھتا۔ تمام بری باتوں میں مبتلا ہے۔ وہ خدا کا یقیناً مہمان نہیں کہ وہاں کے مہمانوں کی تو قیر سب سے پہلے علم باللہ اور علم بالآخرۃ کیجاتی ہے۔ اور پھر کہا جاتا ہے کہ اسکی ہستی کی غایت کیا ہے۔ تو چونکہ یہ مدعی وہاں گیا ہی نہیں۔ اور محض ... میں اپنے کو مسافر مشہور کر رکھا ہے۔ اسلیئے وہ حدود شرعیہ پر چل ہی نہیں ... رعایت ہو نہیں سکتی۔ اور جو اسکی رعایت جس درجہ کرتا ہے یاد رکھو کہ وہ ... سے سبق زیادہ قریب ہے کہ قربت کے موافق علم عطا ہوتا ہے۔ اور علم کے

موافق اعمال اقوال و نیات کی درستگی ہوتی ہے +

بایزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ سے کسی نے پوچھا کہ جو طی الارض کرتا ہے (یعنی چند دن میں پوری زمین طے کر لیتا ہے) اسکے متعلق آپکا کیا خیال ہے۔ تو بولے کہ کچھ نہیں۔ اسکا مرتبہ کچھ نہیں شیطان بھی اسپر قادر ہے۔ اور ایسا کرتا ہے حالانکہ خدا کے یہاں اسکا کیا مرتبہ ہے؟ پھر کسی نے پوچھا کہ اچھا اور جو ہوا میں اڑتا ہے تو فرمایا کہ ہوا پر تو پرندے بھی اڑتے پھرتے ہیں۔ پھر یہ کیسی بیوقوفی ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کی تحریم کرتے ہیں اور جس چیز سے تکریم کی جاتی ہے وہ ایسی چیز ہے کہ کوا اور چیل کی بھی اسمیں عزت نہیں۔ وہ بھی اسے اپنی معمولی عادت قرار دیتے ہیں *

اسی طرح جن جن چیزوں کے متعلق جو عام طور پر کرامت مشہور ہیں لوگوں نے ان سے پوچھا سبھی کے متعلق اسی قسم کے جواب دیتے رہے اور اخیر میں یہ فرماتے تھے۔

میرے معبود ایک قوم ہے جسنے تجھکو صرف اس لیئے ڈھونڈھا کہ انہیں ہوا مل جاسے کہ وہ ذکر رہے ہیں تو تو نے انکو اسی مشغلہ میں پھنسا دیا، اور اسی کے اندر وہ ڈوب گئے غافل ہو گئے *

پس اے پروردگار! اگر مجھے بھی تو کسی چیز کے ساتھ غافل بنانا چاہتا ہے تو مجھے کسی بہتر او بھید یعنی اپنی صفات و تعلقات کے ذریعے سے غافل بنا *

تو دیکھو ایسے جلیل القدر ولی مسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بھی یہی عادت ہے کہ کرامات و ہم سے سرزد ہی نہوں۔ اور اگر کرامات ہوں بھی تو معنویہ جسمیں انکو طلب ... علم وہی تمام کرامتوں پر غالب ہے اور سب اسکے ثمرات ہیں *

سرورکائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا نے اپنے دربار ... نہ دے بھی یہی ہے۔ وَقُل رَّبِّ زِدْنِي عِلْمًا کہا ...

حضرت ابو یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بالکل صحیح فرمایا کہ پانی پر چلنا، ہوا میں اڑنا انسان کے لیے کرامت نہیں۔ کیونکہ یہاں اکرام کریم الاخد ہے جو اکرم الاکرمین ہے۔ اور جس کی تکریم کیجاتی ہے، وہ انسان مکرم ہے جو اپنی نوعی فضیلت کے اعتبار سے تمام عالم پر ترجیح رکھتا ہے۔ پھر جہاں ایسا مہمان ہو، اور ایسا میزبان، تو ایسے موقع پر ہوا وغیرہ میں اڑنے کا ذکر کرنا کسی طرح مناسب نہیں، بلکہ دیکھنا یہ چاہیے کہ اس وقت جبکہ مہمانوں میں بھی سب سے اشرف ترین مہمان ہے اور میزبان بھی اکرم الاکرمین ہے کرامت یعنی کس صلاحیت کی چیز میں ہے۔ ظاہر ہے کہ خداوند عز اسمہٗ کے تمام انعامات و افضال، جو بخشش ہیں سب سے بہترین چیز رحمت ہے۔ کہ اسی رحمت کی بنا پر تمام موجودات اپنی ہستیوں کو قرار دیکھتے ہیں وہ ہر ایک چیز کو محیط اور سب کو شامل ہے۔ ہم قرآن مجید میں دیکھتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ حضرت خضر علیہ السلام کے متعلق ارشاد فرماتا ہے:۔ آتَیْنٰہُ رَحْمَۃً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰہُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا (میں نے رحمت اپنے نزدیک سے اسکو دیا اور سکھایا علم اپنے پاس سے) +

صفت رحمت کے قرب کو عند کے لفظ سے تعبیر کیا جو اقرب اور قریب دونوں کے لیے عام ہے۔ بخلاف لدن کے۔ وہ محض اقرب پر بولا جاتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صفت رحمت، صفت علم پر متفرع ہے۔ اور علم ہی رحمت کا معدن اور سرچشمہ ہے پس اس موقع پر جہاں خدا میزبان اور انسان مہمان ہوتا ہے، مناسب ہے کہ وہ علم ہی کے ذریعہ نوازا جائے کہ یہی تمام انعامات میں بہترین انعام ہے +

مناظر احسن گیلانی۔

نظر بند نمبر

مولانا محمود حسن صاحب، مسٹر محمد علی و شوکت علی، مولانا ابو الکلام [illegible]

منیجر نظام المشائخ دہلی

زندہ جاوید شہدائے کربلا

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ، فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىھُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا ھُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ (آل عمران ۶-۱۰ آیۃ)

اور جو لوگ خدا کے رستے میں شہید ہوئے ہیں انکو مرا ہوا مت خیال کرو بلکہ وہ اپنے اللہ کے پاس زندہ موجود ہیں انکو رزق ملتی ہے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے انکو دے رکھا ہو۔ اسمیں بہت خوش ہیں اور جو مسلمان انکے بعد ابھی شہید ہوکر انہیں شامل نہیں ہوئے انکی نسبت یہ خوشیاں مناتے ہیں کہ یہ بھی شہید ہوں تو ہماری طرح انپر بھی کسی قسم کا خوف طاری ہو۔ اور نہ کسی طرح کا رنج اٹھائیں +

راہ حق میں جان دینے والے بزرگان سلف ، اکابر مذہب ، فدائیان اسلام کی توقیر و تعظیم عزت و تکریم کی بابت مندرجہ بالا آیت میں مذکور ہے کہ جن جان باز، عقیدت کیش نفوس مقدسہ نے اعلاء کلمۃ اللہ اور خدائے واحد کے دین حق اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ (بیشک دین اسلام ہی خدا کے نزدیک ایک سچا مذہب ہے) یعنی اسلام کی حمایت و حفاظت میں جدوجہد کی۔ کفار و بیدین اعداء کے سر کاٹے۔ اور اپنے گلوں پر خنجر چلوائے۔ اور مرتدین سے اسلام کی خاطر معرکہ جنگ میں نبرد آزما ہوکر ناموس شریعت غرا کو قائم رکھنے کے لیے اپنی جان قربان کردی ننھے ننھے بچوں کو بلکتے چھوڑا۔ ماں باپ بھائی بہن بیوی غرض دنیا کی کسی چیز کی پرواہ نہ کی اور راہ حق میں بخوشی جان دے دی۔ ان بزرگان قوم کی بارگاہ خداوندی میں بڑی عزت و وقعت ہے۔ ان کے کارنامے ایسے روشن ہیں کہ قوم

ان کو کسی طرح نہیں بھلا سکتی ۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان باتوں کا اجر و ثواب کسی طرح ختم ہونے والا نہیں ۔ یہی وہ لوگ ہیں جنکو شہید و غازی کے معزز القاب سے یاد کیا جاتا ہے ۔ ان کی خدمات کا دنیائے اسلام کے دلوں پر پورا پورا نقش ہے یہی لوگ ہمارے مقتدا و پیشوا تھے ۔

سب سے بڑھکر بہادری سب سے بڑھکر عزت و ناموری ۔ سب سے بڑھکر عبادت و ریاضت کی بات یہی ہے کہ انسان خود کو حمایت و حفاظت مذہب کی خاطر قربان کردے ۔ حدیث شریف میں آیا ہے :-

كُلُّ ابْنِ آدَمَ يَخْتِمُ عَمَلَهُ إِذَا مَاتَ إِلَّا الْمُجَاهِدُ فِي سَبِيلِ اللهِ فَإِنَّهُ يَنْمِي لَهُ عَمَلَهُ إِلَى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۔ (بخاری شریف)

ہر ایک انسان جب مرجاتا ہے تو اس کا عمل نیک ختم ہو جاتا ہے مگر مجاہد فی سبیل اللہ جو راہ حق میں جان دیکر شہید ہوئے اس کا عمل برابر جاری رہتا ہے ۔

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ یہ تمنا ظاہر فرمایا کرتے تھے کہ "میں راہ خدا میں شہید ہونے کو اسقدر دوست رکھتا ہوں کہ اگر بار بار شہید کیا جاؤں اور پھر زندہ کیا جاؤں تو میری تمنا یہی ہوگی کہ میں مدام زندہ ہوتا رہوں ۔ اور پھر برابر جام شہادت پیتا رہوں" ۔

اسی دستور العمل کے مطابق عام صحابہ اور بزرگان اسلام کو بھی جنہوں نے اپنی مقدس زندگی نہایت عیش و عشرت کے ساتھ بسر کی تھی ہمیشہ یہی خواہش اور یہی حیات ابدی بخشنے والی تمنا اور آرزو رہتی تھی جسکے جواب میں فرمایا گیا ہے :-

إِنَّهُ قَدْ سَبَقَ مِنِّي الْقَوْلُ أَنَّهُمْ إِلَيْهَا لَا يَرْجِعُونَ ۔ (بیہقی)

یہ بات ہم پہلے ہی کہہ چکے ہیں کہ ایک دفعہ کی شہادت کے بعد پھر دوبارہ شہداء کو دنیا میں جانا نہیں پڑے گا ۔ (انتہی)

اِسی تمنا اور اسی آرزو کو حضور علیہ التحیۃ والتسلیم کے نواسوں نے اپنے نانا سے ورثہ میں پایا تھا۔ وَذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ

سوانحات کربلا

زمانہ نبوت اور کچھ عرصہ خلافت کے بعد جب جناب معاویہ بن سفیانؓ بادشاہ ملک شام نے انتقال فرمایا تو آپ کی جگہ آپ کا بیٹا یزید تخت نشین ہوا اُس نے تخت نشینی کے بعد اپنی قلمرو میں تمام حکام و عمال رعایا برایا۔ اور باشندوں کے نام اپنی بیعت کی بابت حکم جاری کیا جس کا مضمون یہ ہے کہ

"میرے والد حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس دار فانی سے رحلت فرمائی ہے میں ان کا جانشین۔ قائم مقام ہوں مجکو بادشاہت و خلافت ملی ہے۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ تمام لوگ رعایا میرا حکم مانیں اور میری اتباع و پیروی کریں اور میری بیعت کو قبول کریں"

یہی حکم حاکم مدینہ کے نام بھی روانہ کیا گیا جس میں یہ تاکید کی گئی کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اہالیٔ مدینہ سے بہت جلد اسکی تعمیل کراکر میری بیعت قبول کرائی جائے۔

جب یہ نامہ ولید بن عقبہ حاکم مدینہ کو پہنچا اُسنے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو طلب کیا۔ جب آپ ولیدؓ کے پاس تشریف لائے تو اُس نے آپکی نہایت تعظیم و تکریم کی۔ اور کمال عزت سے اپنی مسند خلافت پر بٹھایا اور پسر یزید بن معاویہؓ کے فرمان کا مضمون پیش کیا۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس وقت میں کچھ جواب نہیں دیسکتا کل جمعہ کا دن ہے خاص و عام مسلمانوں کے سامنے علی الاعلان جو منا سب ہوگا وہ کل انشاء اللہ کہا جائیگا۔

نمازِ جمعہ

کے بعد آپ نے با آواز بلند فرمایا: حضرات! ہمیں دنیا اور حکومت دنیا سے کچھ غرض نہیں۔ مگر یزید سے ہم مذہبی قوانین کی بنا پر کسی طرح بیعت نہیں کر سکتے۔ کیونکہ وہ ہمیشہ شراب پیتا ہے۔ بدکردار، ظالم اور جفاکار ہے۔ فاسق و فاجر اور زانی ہے۔ پس اس صورت میں آلِ اطہار سادات کا یزید کی بیعت قبول کرنا کسی طرح شایانِ شان نہیں۔ ہم یزید کی بیعت کو کسی طرح قبول نہیں کر سکتے۔

مسجد سے اٹھکر آپ دولت خانے پر تشریف لائے۔ شب کے وقت جنۃ البقیع میں تشریف لیگئے۔ والدہ ماجدہ کی قبر پر سلام و درود پڑھا۔ پھر اپنے بھائی حضرت امام حسن علیہ السلام کے مزار پر تشریف لے گئے۔ اسی طرح حضرت عباس رضی اللہ عنہ، حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ غرض اپنے رشتہ داروں کی قبروں پر جاکر سلام و تحیۃ پیش کیا۔

بعد ازاں اپنے نانا جان حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کے روضہ مبارک پر تشریف لاتے۔ سلام عرض کیا۔ اور فرطِ محبت سے بیساختہ زار و قطار رونے لگے اور عرض کیا:۔

"نانا جان! آپ کا حسینؑ۔ آپ کا نورِ عین حسینؑ بے یار و مددگار ہے بے بس ہے۔ لاچار ہے۔ عالمِ تنہائی ہے۔ دشمن کا زور ہے۔ بھائی جان حضرت حسنؑ کو دشمنوں نے زہر دے کر ہلاک کر دیا۔ مجھے بھی حضور کے قدموں میں رہنے نہیں دیتے۔ ظالم و بدکار، فاسق و فاجر، شرابی۔ حرام کار۔ بدوضع کی بیعت کیسے قبول کرلوں۔ جو اسلام کی خلافت اور بادشاہت میں حقوق و فرائض اسلام کی

— — — — — — — — — — — —

بیغری کیونکر گوارا کروں!

آپ کا فرمان ہے یہ کہ جو ظالم و فاسق۔ بدعتی کی توقیر و تعظیم بجالاتا ہے وہ اسلام کو ڈھاہ دیتا ہے"۔

نانا جان! فدا تو قبر مبارک سے ہاتھ نکالیئے۔ اور مجھے گلے لگا کر رخصت فرمایئے۔ پھر خدا جانے کہ حضورؐ کے روضۂ منورہ کا دیدار نصیب ہو یا نہو۔

یہ فرما کر آپ نے نماز تہجد ادا فرمائی۔ اور پھر مراقبہ میں بیٹھ گئے۔ غنودگی کے عالم میں آپ کیا دیکھتے ہیں کہ میں بچہ سا ہوں۔ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور مجھے گود میں اُٹھا لیا۔ اور چھاتی اور سینہ مبارک سے خوب چمٹایا۔ پھر میرے سر کو اپنے زانوئے مبارک پر رکھکر سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے یہ تلقین فرمائی ہے۔

میرے کلیجے کے ٹکڑے! میری آنکھوں کی ٹھنڈک! پیارے حسینؓ! تم صابر و شاکر بنے رہو۔ عنقریب تم میرے پاس آجاؤ گے۔ میں نے عرض کیا کہ میں ابھی حاضر ہوں۔ آپ مجھے اپنے پاس رکھ لیجئے۔ بصد خوشی یہیں رہنے کے لئے تیار ہوں۔

آپ نے فرمایا۔ بیٹا ہمت کو بلند رکھو۔ بھوک پیاس، غربت و کربت، نیز اپنے بال بچوں کا صدمہ سہکر اور اپنی خواتین کو دشت کربلا میں خدائے رحمان کے سپرد کر کے آنا۔ کیونکہ جنت الفردوس میں تمہارے واسطے وہ وہ انعامات و اکرامات، درجات اور مراتب عالیہ تیار ہیں جو کسی شہید کے واسطے نہیں۔ اسی بنا پر حضرت حسنؓ اور حسینؓ کو سردار اہل جنت فرمایا گیا ہے۔ اور یہ مراتب عالیہ بدون تکالیف رنج برداشت کئے حاصل نہیں ہو سکتے۔ اسی بنا پر مسلمانوں کو یہ امتحان پاس کرنا ضروری ہے۔ جس کی بابت ارشاد فرمایا گیا ہے:۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَ الْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَ الْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ۝ (بقرہ ع ۱۹ پ ۲)

اور ہم البتہ تم کو خوف، بھوک، مال و جان اور زمین کی پیداوار کی کمی سے آزمائیں گے۔ اور (اے حبیب!) مصائب و تکالیف پر صبر کرنیوالوں کو خوشخبری و بشارت سنا دو۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جب انکو کوئی مصیبت آتی ہے تو یہی کہتے ہیں کہ ہم تو سب اللہ ہی کے ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹ کر جانیوالے ہیں۔

جب آپ نے عالم وجد میں اپنے نانا جان سے یہ بشارت و خوشخبری سنی تو آپکے رگ و ریشے میں ایک خاص قسم کا سرور و انبساط رم گیا۔ اور آپ نے بیدار ہوکر سفر کے لیئے عزم بالجزم کر لیا۔ شعبان المعظم کی چوتھی تاریخکو مع اہل و عیال احباب و اطفال کے مدینہ منورہ سے آپ مکہ معظمہ کیطرف روانہ ہو گئے۔

اہل مکہ کو آپ کی تشریف آوری سے بیحد خوشی ہوئی۔ تمام شہر کے لوگ جوق جوق آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور قدمبوسی کرکے باغ باغ ہوتے تھے۔

اہل کوفہ

جب اہل کوفہ کو یہ علم ہوا کہ جناب امام ہمام حضرت حسین علیہ السلام مدینہ سے ہجرت فرما گئے ہیں تو تمام عمائد و سربرآوردہ سرداروں نے کوفہ سے آپ کیخدمت میں عریضے لکھے۔ کہ ہم آپکے تابعدار خدمتگزار ہیں۔ آپ یہاں تشریف لائیے۔ آپ کی اطاعت و فرمانبرداری ہمارے لیئے سعادت دارین کا باعث ہے۔

جب اس قسم کی تقریباً ڈیڑھ سو درخواستیں آپکی خدمت میں پہنچیں۔ اور اہل کوفہ کا اصرار برابر بڑھتا ہوا دیکھا تو امام ہمامؑ نے کوفے میں تشریف لیجانے کا مصمم ارادہ کر لیا۔

صحابہ رضؓ سے مشورہ کیا حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور دیگر صحابہ رضؓ نے عرض کیا کہ اہل کوفہ کے قول و فعل کا کچھ اعتبار نہیں۔ الکوفی لا یوفی ۔ یہ لوگ بے حد بے وفائی میں مشہور ہیں۔ آپ خود تشریف نہ لیجائیں۔ بلکہ حضرت مسلم بن عقیلؓ کو روانہ فرمایئے۔ اگر ان لوگوں نے انکی خاطر و مدارات کما حقہ ادا کی تو پھر آپکے تشریف لے جانے میں کچھ مضائقہ نہیں۔

مسلم بن عقیلؓ

حضرت امام حسین علیہ السلام نے جناب مسلم رضؓ کو کوفے کی طرف روانہ فرمایا اور اُن کی وساطت سے اہل کوفہ کو یہ پیغام پہنچایا کہ مسلم رضؓ کو میری جگہ تصور کر کے انکی اطاعت و فرمانبرداری میں اپنی سعادت سمجھو۔ میں بھی انشاءاللہ عنقریب پہنچا ہوں۔ جب مسلم بن عقیل رضؓ کوفے پہنچے۔ جناب امام حسین علیہ السلام کا نامہ پڑھکر سُنایا۔ بہت سے لوگوں نے آپ کی بیعت قبول کی۔ اور کمالِ اطاعت و جاں نثاری سے پیش آئے۔ اور بہت تھوڑے عرصہ میں چالیس ہزار آدمیوں نے آپ کی بیعت کو قبول کر لیا۔ اب حضرت مسلم رضؓ نے حضرت امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں ایک عریضہ لکھا جسکا مضمون یہ ہے:-

"یا ابن الرسول! اہل کوفہ اپنے عہد و پیمان کے موافق اپنے قول پر قائم ہیں آپکے بیحد مشتاق ہیں۔ چالیس ہزار مردانِ جنگی نے میرے ہاتھ پر آپ کی بیعت قبول کر لی ہے۔ اور ہر طرح جان و مال سے حاضر ہیں۔

اس خط کے ملاحظہ فرماتے ہی آپ بہت جلد تشریف لے آئیں"

مسلم بن عقیلؓ کی شہادت

جب حضرت مسلمؓ کے ساتھ ایک جماعت کثیر ہوگئی۔ اور یزید کو اس امر کا علم ہوا تو یہ ترقی اسکو بہت شاق گزری۔ ادہر حضرت امام حسین علیہ السلام کی تشریف آوری کی خبر نے بھی ہل چل ڈالدی ۔

یزید نے عبداللہ بن زیاد حاکم بصرہ کو ایک فرمان لکھا کہ ہم نے نعمان بن بشیر حاکم کوفہ کو معزول کردیا ہے۔ تم بہت جلد بصرہ کا انتظام کر کے کوفہ میں پہنچو اور وہاں کی حکومت اپنے قبضہ میں لیکر مسلم بن عقیلؓ اور اُن کے معاونین اور مددگاروں کو قتل کرڈالو۔ اور اس کے بعد فوراً امام حسینؓ سے میری بیعت قبول کراؤ یہ فرمان سنتے ہی فوراً عبداللہ بن زیاد بصرے کوفہ پہنچا۔ اپنی حکومت کا فرمان سنایا۔ رعایا کو یزید کی مخالفت سے ڈرایا۔ اور حیلہ اور دغابازی سے حضرت مسلم کی جماعت کو توڑنا شروع کیا رفتہ رفتہ اکابر اور رؤسائے کوفہ کو قید کرلیا ادہر مسلمانوں نے زیاد اور یزید کی سلطنت کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔ چالیس ہزار مسلح بہادروں نے حاکم کوفہ عبداللہ بن زیاد کے گھر کا محاصرہ کرلیا کچھ دیر تک خاصی لڑائی رہی۔ آخر طرح طرح کے مکروفریب سے حضرت مسلمؓ کے رفقاء علیحدہ کیے گئے۔ شام کے وقت چالیس ہزار آدمیوں میں سے صرف پانسو آدمی باقی تھے۔ رات کے وقت وہ بھی چلے گئے اور حضرت مسلمؓ کو اکیلا چھوڑ گئے۔ مغرب کی نماز میں آپکے پیچھے پانسو مقتدی تھے جب سلام پھیرا تو ایک آدمی نظر نہ آیا ۔

الغرض جب بیدین کوفیوں نے حضرت مسلم کو تن تنہا چھوڑا تو آپ اپنے دونوں صاحبزادوں کے ہمراہ پریشان پھرتے تھے پیاس کی شدت تھی۔

بی بی طوعہ

کا گھر نظر پڑا۔ آپنے انسے پانی مانگا۔ اس نیکبخت بی بی نے حضرت مسلم کو پانی پلایا

ننھے ننھے بچوں کو کھانا کھلایا۔ اور پھر نہایت صاف پرتکلف جگہ پر گھر میں آرام کرنے کی غرض سے آپ کو ٹھہلایا۔

بی بی طوعہ کا کمبخت اور نالائق بیٹا جب گھر میں آیا تو اس نے آپ کو دیکھکر زیادہ شقی کو اس امر کی اطلاع کی۔ اس نے کوتوال شہر اور محمد بن اشعث کو حکم دیا کہ مسلم کو پکڑ لاؤ۔ جس وقت بی بی طوعہ کے گھر کا محاصرہ کیا گیا۔ اور حضرت مسلم کے گرفتار کرنے کا قصد کیا گیا تو حمیت و شجاعت بنی ہاشم نے یہ تقاضا نہ کیا کہ ایک عورت کے گھر میں بیٹھے رہیں۔ اور ان نامردوں کا مقابلہ نہ کریں۔

پس حضرت مسلم مثل شیر غراں کی طرح ہاتھ میں تلوار لیئے ہوئے نکل پڑے اور ان شقیوں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ جب کوتوال شہر نے یہ سمجھا کہ ان کا گرفتار کرنا آسان نہیں تو نہایت نرمی اور ملاطفت سے پیش آیا کہ آپ کیوں بے وجہ لڑتے ہیں آپ ہمارے سردار ہیں۔ آپ ہمیں امان دیجئے۔ اور مع صاحبزادوں کے آپ ہمارے ساتھ تشریف لیچلئے۔ ہم آپکے ہر طرح غلام ہیں۔

آپ اس فریب و فریب میں آگئے اور اُنکے ساتھ ہو لئے۔ رستہ میں ابن زیاد کی فوج نے آپ کو گرفتار کر لیا۔

عبداللہ بن زیاد حاکم کوفہ نے آپ کو مقتل میں بھیجدیا۔ دو سوار شمشیر برہنہ لیکر قتل گاہ میں آئے۔ اور فوراً حضرت مسلم کو شہید کر ڈالا۔ ننھے ننھے مقدس بچے قتل ہوتے دیکھکر مارے خوف کے لرز رہے تھے۔ سواروں کی نظر ان پر پڑی۔ وہ بھی کانپ اٹھی۔ مگر حکم حاکم مرگ مفاجات سے مجبور تھے۔ ان دونوں صاحبزادوں کو بھی شہید کر ڈالا گیا۔ ان مظلوم اور معصوموں کا سر نیزوں پر رکھ کر کوفہ کی گلیوں میں پھرایا گیا۔

یہ واقعہ اور سانحہ ہوش ربا تیسری ذی الحجہ سنہ ۶۰ کو ظہور میں آیا تھا۔

حضرت امام حسینؑ کی کوفہ کیطرف روانگی

حضرت امام حسین علیہ السلام نے بموجب تحریر حضرت مسلم بن عقیلؓ کوفہ کا قصد فرمایا اور ۳۰ ذی الحجہ ۶۰ھ کو منگل کے دن مع اہل و عیال رفقا اور غلاموں کے کوچ فرمایا۔ بیاسٹی آدمی تھے۔ بہتر سوار۔ باقی پیادہ تھے۔

چلتے چلتے جب منزل ثعلبہ پر پہنچے تو بکر اسدی نے عبیداللہ بن زیاد کا حاکم کوفہ مقرر ہونا۔ کوفیوں کا بے وفائی کرنا اور حضرت مسلم اور انکے صاحبزادوں کا قتل غرض تمام حال آپ کو مفصلاً کہہ سنایا۔ آپ یہ خبر سنکر دل میں بہت غمگین ہوگئے خلاف معمول جب حضرت مسلم کی صاحبزادی کے سر پر آپ بار بار ہاتھ پھیرتے تھے تو یہ تاڑ گئیں اور کہا۔ یا ابن رسول اللہ آج آپ خلاف عادت میرے سر پر یتیموں کی طرح کیوں ہاتھ پھیرتے ہیں۔ کیا میرے ابا جان شہید ہوگئے ہیں! آپ آبدیدہ ہوکر بیکہ ضبط نہ فرما سکے۔ اور بیساختہ رو پڑے۔ حضرت مسلمؓ کے بھائیوں کو خبر ہوئی انہوں نے کہا جب تک ہم اپنے بھائی کا بدلہ نہ لیں گے ہرگز واپس نہ پھرینگے۔

جب آپ نے ان کی مستعدی دیکھی تو آپ نے بھی ان سے فرمایا۔ لَا خَیْرَ فِی الْحَیٰوۃِ بَعْدَ کُمْ (تمہارے بعد زندگی کا کوئی لطف ہے)۔

ابن زیاد نے حضرت امام علیہ السلام کی آمد کی خبر سنکر آپ کی گرفتاری کے لیئے ایک ہزار سوار مامور فرمائے۔ کوفہ سے دو منزل پرے حر بن یزید ریاحی مع ہزار سواروں کے مقام سرات پر آپ سے جا ملے۔ تنہائی میں عرض کیا کہ حاکم جابر کے حکم سے مجبور ہوں مگر میں آپ کو زیاد شقی کے پاس نہ لیجاؤں گا۔ آپ کا جہاں جی چاہے لیجائیں۔ آپ برابر سات رات تک کوچ فرماتے رہے۔ مگر رات کو جب آپ کوچ فرماتے صبح کو پھر وہیں اپنے آپ کو موجود پاتے۔ جب آپ نے یہ حال دیکھا

تو فرمایا۔ مقام موعود یہی ہے۔ یہاں سے میں ہرگز نہیں جا سکتا الحکم للہ و رضینا برضاء اللہ۔ ؎

چاک کو تقدیر کے ممکن نہیں کرنا رفو سوزن تدبیر گو ساری عمر سیتی رہے

طبری میں لکھا ہے کہ جب آپ دشت کربلا میں جا پہنچے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت خواب میں زیارت ہوئی۔ آپنے اپنا دست مبارک امام حسینؑ کے سینے پر رکھکر فرمایا:۔ اَللّٰھُمَّ اَعْطِ الْحُسَیْنَ صَبْرًا وَّ اَجْرًا (اے اللہ حسینؑ کو صبر اور اجر عطا فرما)۔

جب ابن زیاد کو حضرت حسینؑ کے دشت کربلا میں پہنچنے کی اطلاع ہوئی تو اُس نے ایک نامہ بغرض قبولِ بیعت یزید روانہ کیا۔ آپنے اسکو پڑھکر زمین پر پھینک دیا۔ اور قاصد سے کہا۔ مَا لَهٗ عِنْدِیْ جَوَابٌ۔ میرے پاس اس خط کا کوئی جواب نہیں۔

جب ابن زیاد کو یہ خبر ہوئی کہ میرا نامہ اس طرح پھینک دیا گیا تو بہت غصہ ہوا اُسی وقت لشکر کشی کا حکم دیا۔ بائیس ہزار سوار اور پیادے ابن سعد کے ساتھ روانہ کئے۔ ۷ محرم ۶۱ھ کو یہ تمام لشکر دشت کربلا میں جا اترا۔ اور امام ہمام کے مقابلہ کے لیے صف طرح تیار ہوگیا۔ نہر فرات پر قبضہ کر لیا۔ اور ساقی کوثر اور شفیع روز محشر کے آل و اطفال کے حلق میں ایک قطرہ پانی کا نہ جانے دیا۔ ننھے معصوم بچوں نے بلک بلک۔ ترستے ہوئے جان دیدی۔ ساتویں۔ آٹھویں۔ نویں محرم کو کربلا میں بے آبی کی وجہ سے اہل بیت اطہار پر بے حد تکلیف رہی۔

دسویں تاریخ محرم الحرام ۶۱ھ کو بعد نماز صبح جناب سید الشہداء مسلح ہوکر ابن سعد کے لشکر کے آگے تشریف لائے اور خطبہ پڑھا۔ اسکے بعد مسلمانوں پر حملہ کرنے کی غرض سے یزید کا لشکر بڑھا۔ خوب لڑائی ہوئی۔ یزید کے بہت سے

بھاگ گئے۔ دشمن کے لشکر پر خوف و ہراس طاری ہو گیا۔ اِدھر بھی بڑے بڑے
بانہادر اور جاں نثار صحابہ اور آپ کے بھتیجے محمد بن سعد بن عقیلؓ اور عبداللہ مسلمؓ بہت
اشقیا کو واصل جہنم کر کے خود شہید ہو گئے۔ اور حضرت قاسمؓ کے حملوں سے فوج اعدا
میں زلزلہ پڑ گیا۔ بالآخر یہ بھی شہید ہو گئے۔ اور حضرت علی اکبرؓ جام شہادت نوش کر کے
جنت الفردوس کو روانہ ہو گئے۔ اُدھر علی اصغرؓ پیاس سے تباہ حال تھے۔ ایسی
حالت میں دشمنوں نے میدان کربلا میں ہجوم کیا تو آپ نے اہل بیت کو وداع کہکر لباس جنگ
آراستہ کیا۔ رسول اللہؐ کا عمامہ سر سے باندھا۔ ڈھال۔ تلوار اور نیزہ لیکر میدان جنگ
میں تشریف لائے۔ فوج اعدا سے جو شخص آپ کے سامنے آیا۔ اُسکو قتل کیا۔ الغرض
تین دن تک بھوکے پیاسے لڑتے رہے۔ آپکا گھوڑا بھی بے گھاس دانے کے
نڈھال ہو گیا تھا۔ آپ زخموں سے چور تھے۔ کفار نے حلقہ بندی کر کے سید الشہداءؓ
کو گھیر لیا۔ ایک شقی نے پیشانی مبارک پر ایسا تیر مارا کہ خون کا فوارہ چل پڑا۔ آپنے اس
خون کو چہرہ مبارک پر مل لیا اور فرمایا اسی رنگ سے قیامت کے دن اپنے نانا جان
کے سامنے جاؤں گا۔ یہ فرماتے ہوئے گھوڑے سے نیچے گر پڑے۔ سر مبارک سجدہ
میں رکھ کر درجہ رضا و تسلیم حاصل کیا۔ خولی بن یزید گھوڑے سے نیچے اُترا۔ اور چاہا کہ
[illegible] کر جدا کرنا چاہا [illegible] کانپ اُٹھا وہ تو ہٹ گیا۔ شمر ظالم آپ کے سینہ مبارک پر چڑھ بیٹھا
[illegible] آنکھ کھولی۔ فرمایا کون؟ جواب پایا کہ شمر بن ذوالجوشن ہوں۔ [illegible]
[illegible] فرمایا سینہ کھول۔ جب سینہ کھولا تو سینہ پر کوڑھ کے داغ تھے
[illegible] صدق جدی رسول اللہ۔ میرے نانا محمد رسول اللہؐ نے سچ فرمایا تھا کہ
حسینؓ! تیرا قاتل ابرص کتا ہے۔ سو تو وہی ابرص کتا ہے۔ شمر نے نمانی حالت [illegible]
[illegible] مبارک سے سر جدا کر دیا۔ اور آپ نماز پڑھتے ہوئے جنت الفردوس میں داخل ہو گئے
[illegible] انا الیہ راجعون + محمد عبدالتواب۔ رہتک

محرم الحرام

محرم الحرام ان مقدس مہینوں میں سے ہے [illegible]
انکو خاص عظمت و بزرگی ہے [illegible] جو [illegible]
جنکا شریعت نے انکو حکم دیا ہے۔ یوں تو تمام مہینوں [illegible] عظمت [illegible]
ہے۔ اور ہر مہینے کے جداگانہ فضائل ہر مہینے کیلئے [illegible] عبادات وارد ہوئی ہیں
چند مہینے ایسے ہیں جنہیں علی الخصوص تاکید آئی ہے۔ اور انمیں مخصوص اعمال کے انجام
دینے کے بڑے بڑے فضائل و برکات بیان کیے گئے ہیں۔ مثلاً رمضان، شوال
ذی الحجہ وغیرہ۔ انہیں میں سے محرم الحرام بھی ہے۔ اس مہینے کی اہمیت واقعہ کربلا سے
اور بھی بڑھ گئی ہے۔ اور اسقدر اسکو فوقیت حاصل ہوگئی ہے کہ پہلے اسباب فضیلت
کو لوگ نظر انداز کر دیتے ہیں۔ اور دوسرے کو اصل کار سمجھنے لگے ہیں۔

ہمارا مطلب یہ نہیں ہے کہ واقعہ کربلا سے اس ماہ مبارک کو کوئی اہمیت نہیں
ہو جاتی لیکن یہ ضرور ہے کہ اصل زین وہ اعمال نہیں ہیں جو واقعہ کربلا کے سلسلہ میں
رسم پذیر ہو گئے ہیں۔ ہمارے نزدیک مقدم وہ اعمال و احکام ہیں جو سنت سے ثابت
ہیں۔ اسکے بعد دیگر امور۔ اور وہ بھی اس شرط پر کہ احکام شرعیہ کے منافی و متضاد
نہوں۔ حضرت امام حسینؑ کی شہادت یقیناً دنیائے اسلام کا ایک اہم ترین واقعہ ہے
اور مسلمان جسقدر اس سے اعتنا کریں وہ کم ہے۔ لیکن اسکا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے
کہ اس واقعہ سے غلط نتائج اور غیر صحیح امور اخذ نہ کرنے چاہئیں۔ اور وہ مقصد
پیش نظر رکھنا چاہیئے جو خود سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تھا۔

چنانچہ آپکی صحبت میں اولاً ہم ناظرین نظام المشائخ کو ان آثار روشن کی طرف [illegible]

ورد تے ہیں جو اس عشرہ مبارک کے متعلق کتب احادیث میں وارد ہوئی ہیں۔

یوم عاشورار کے متعلق مروی ہے کہ اس دن زمانہ جاہلیت میں قریش روزہ رکھا کرتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی قبل از اسلام روزہ رکھتے تھے۔ قبل اسلام کے بعد جب آپ مدینہ منورہ تشریف لائے تب بھی آپ نے روزہ رکھا اور لوگوں کو روزہ رکھنے کا حکم فرمایا۔ لیکن رمضان کے روزوں کی فرضیت کا حکم ہوا تو صوم عاشورار ترک کر دیا۔ اور فرمایا جو چاہے روزہ رکھے۔ اور جس کا جی چاہے نہ رکھے۔ صوم عاشورہ کے متعلق بہت سی حدیثیں آئی ہیں۔ بعض احادیث میں اس کی فضیلت ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے کہ جو شخص اس دن روزہ رکھے اسکے گزشتہ سال کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ ایک حدیث میں مروی ہے کہ رسول اللہ نے کبھی یوم عاشورار کا روزہ ترک نہیں کیا۔ علی ہذا اور بہت سی حدیثیں اس قسم کی وارد ہوئی ہیں۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے تو یہودیوں کو دیکھا کہ وہ اس دن روزہ رکھتے تھے۔ آپ نے پوچھا کہ تم کیسا روزہ رکھتے ہو۔ انہوں نے کہا کہ اس دن موسیٰ اور بنی اسرائیل کو فرعون پر فتح حاصل ہوئی۔ اور یہ وہ دن ہے کہ موسیٰ کو نجات ملی اور فرعون ڈوب گیا۔ اسکے اظہار شکر کیلئے حضرت موسیٰ نے روزہ رکھا ہم بھی تعظیماً اسی لئے روزہ رکھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ میں موسیٰ کا زیادہ حقدار ہوں چنانچہ آپ نے بھی روزہ رکھا اور لوگوں کو بھی رکھنے کا حکم فرمایا۔

ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ اس دن حضرت آدم اور حضرت یونس کی قوم والوں کی توبہ قبول ہوئی۔ اسی دن بنی اسرائیل کے لئے دریا پھٹا اسی دن نوح علیہ السلام کشتی سے جودی پر اترے۔ اور اسی دن حضرت ابراہیم و عیسیٰ علیہما السلام پیدا ہوئے۔ اور اسی دن حضرت یعقوب کو حضرت یوسف علیہ السلام ملے [illegible] یوسف کو [illegible] تمام [illegible] حضرت مریم [illegible]

[illegible] نے اسکو موضوع قرار دیا ہے۔

اسی طرح یہ جو مشہور و معمول جہلا سے کہ عاشورا کے دن زیب و زینت کرتے ہیں۔ سر میں تیل ڈالتے ہیں۔ آنکھوں میں سرمہ لگاتے ہیں عمدہ لباس پہنتے ہیں۔ اور عقیدہ رکھتے ہیں۔ کہ آج کے دن جو شخص سرمہ لگائے گا تو سال بھر تک آنکھیں آشوب نہ کرینگی۔ یا تیل ڈالے گا تو سال بھر تک سر میں درد نہ ہوگا۔ یہ تمام باتیں بدعت سیئہ اور مخترعات جہلا سے ہیں۔ غرض یہ ہے کہ عاشورا کی نسبت زائد سے زائد صرف اسقدر ثابت ہے کہ اس دن روزہ رکھنا مسنون ہے۔ مگر اسکا ترک موجب عذاب و ملامت نہیں۔ اسکے علاوہ توسع علی العیال بھی باختلاف ثابت ہے۔ یعنی اہل و عیال پر کھانے وغیرہ میں فراخی کرنا مسنون ہے۔ اسکے علاوہ متمول سے زیادہ جو کچھ بھی ہے۔ سب بدعات و محدثات میں داخل ہے۔

اب آپ غور سے دیکھئے کہ اس عشرہ میں کیا کیا ہوتا ہے۔ اور وہ کہاں تک احکام شرعی کے مطابق ہے۔ روزہ اگر رکھا جاتا ہے تو خدا جانے کیا کیا اعتقادات اسکی نسبت وضع کر لیے گئے ہیں۔ توسع علی العیال کے معنی بھی افراط و تفریط سے گزرگئے ہیں۔ پھر اسکے علاوہ خدا معلوم کسقدر امور ہیں جن کا کتاب و سنت میں کہیں پتہ نہیں لیکن جہلا میں وہ مذہبی اسپرٹ کے ساتھ انجام دیئے جاتے ہیں۔ اور ان پر ثواب کی قربت کے امیدوار ہیں۔ حالانکہ وہ مباح امور جن کے متعلق شریعت خاموش ہو اگر انکو عذاب ثواب سمجھکر کیا جائے تو وہ ناجائز ہو جاتے ہیں چہ جائیکہ ناجائز امور کو ثواب سمجھکر کیا جائے۔ انکی ہلاکت و خسران کیا ٹھکانا ہے بلکہ فقہ میں تو یہاں تک صراحت موجود ہے۔ کہ اگر مباح کو مسنون [illegible] سمجھکر کیا جائے تو اسکا ترک واجب ہو جاتا ہے اسلیے کہ [illegible] شریعت [illegible] کچھ نہیں ہے انکو اپنی طرف سے اسمیں داخل کرنا [illegible]

عشرہ محرم کا دوسرا جزو سیدنا حسینؓ کا واقعہ شہادت ہے۔ بعد میں کلام نہیں کہ یہ ایسا مہتم بالشان واقعہ ہے کہ اسکی یاد کبھی اسلامی قلوب سے محو نہیں ہو سکتی لیکن اسپر سینہ کوبی و فزع کرنا۔ سوگ و ماتم کی مجالس منعقد کرنا۔ بین و بکا اور نالہ و شیون کا دن اسکو مقرر کر لینا۔ سیہ علامات و آثار فراہم کرنا۔ جس سے سوگ و ماتم کا اظہار ہو یا مباحات کو شرعاً ممنوع سمجھکر اسکو ترک کر دینا یا ان لوگوں کو قابل ملامت تصور کرنا جو حزن و ملال اور ماتم و عزا کے آثار و علائم کا اظہار نہیں کرتے۔ یہ تمام امور نہ صرف بدعت بلکہ سخت موجب ضلالت و گمراہی ہیں۔

البتہ اگر اس واقعہ فاجعہ کو یاد کیا جائے اور جناب امام کے اخلاق حسنہ اور عادات حمیدہ بیان کئے جائیں اور انکے فضائل و محاسن کا ذکر کیا جائے اور انسے عمدہ سبق لیا جائے تو یہ بہتر ہے۔ مقدس بزرگوں کا ذکر بہر حال موجب خیر و برکت اور باعث رشد و ہدایت ہوتا ہے۔ اسکے علاوہ اس واقعہ کے ذکر سے فطرتاً جو سوز و گداز پیدا ہوتا ہے۔ اور رقت قلب حاصل ہوتی ہے وہ بھی مذموم نہیں بلکہ مصائب امام کو یاد کرتے ہوئے دل کا بے قابو ہونا محبت امام کی دلیل ہے۔ اور محبت اہل بیت یقیناً موجب ثواب و اجر عظیم ہے لیکن اسکا سوانگ بنانا۔ اور خواہ مخواہ مصنوعی طریقہ اختیار کرنا جسکی کوئی اصل ہے اور نہ ان کوئی فائدہ ہے اس سے قطعاً پرہیز کرنا چاہیے۔

حضرت سید الشہداء کے واقعہ پر سب سے زیادہ اس نظر سے غور کرنا چاہیے کہ یہ واقعہ کیوں پیش آیا۔ اور آپ کن اسباب کی وجہ سے اس امر پر مجبور ہو گئے کہ باوجود ہر قسم کی بے سروسامانی کے یزید کی عظیم الشان فوج سے برسر پیکار ہو گئے۔ یہاں تک کہ اہل مکہ میں سب سوائے عبد اللہ بن زبیرؓ کے باقی تمام اصحاب رسول اللہ آپ کو عراق جانے سے روکتے تھے لیکن آپ نہیں رکے۔ آپ کو اصرار کیوں تھا کیا ملک و حکومت کی ہوس و طمع تھی۔ اگر ایسا تھا تو اس سے قبل آپ نے کوشش کیوں نہیں کی۔ درانحالیکہ

اگر آپ چاہتے تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہی کے زمانہ میں وہ سب کچھ کر سکتے تھے جو عہد یزید میں کیا۔ لیکن واقعہ یہ نہیں ہے۔ سیدنا حسینؓ کو ملک و حکومت کی خواہش نہ تھی بلکہ ایک اسوۂ حسینؓ کا قیام مطلوب تھا۔ اور لوگوں کو یہ دکھانا تھا کہ یزید کا طغیان و فساد خدائے تعالیٰ سے بہت بڑھ گیا ہے آپکا اسکی اطاعت کرنا مسلمانوں کو ضلالت و گمراہی میں ڈال دینا ہے۔ کیونکہ خلیفہ وقت کی گمراہیاں عوام کے لیے اور زیادہ موجب ضلالت و گمراہی ہوا کرتی ہیں۔ سیدنا حسینؓ نے اس فرض کو ادا کیا جو امر معروف و نہی منکر کا انکے ذمہ سب سے زیادہ تھا۔ انہوں نے دیکھا کہ اب انسانی اطاعت میں خدا کی بغاوت لازم آتی ہے۔ اسکے احکام کی علانیہ توہین ہوتی ہے۔ اور اسکے قائم کئے ہوئے دین کی حرمت و عظمت کو ایک سرکش انسان کی وجہ سے ذلیل کیا جا رہا ہے۔ اسلیئے آپنے خدا کی راہ میں اپنی جان پیش کر دی اور دنیا پر ثابت کر دیا کہ خدا کی محبت و اطاعت کے سوا اسکے بندے کے لیئے اور کچھ نہیں ہے +

پھر اس واقعہ میں سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے جس عدیم المثال عزم و استقلال کا ثبوت دیا ہے۔ اور آپکے ایک ایک فعل سے رضائے الٰہی و حرمت دین قویم پر روشنی پڑتی ہے۔ امت مرحومہ کے لیئے موجب رشد و ہدایت ہے +

آپکے جوان بیٹے اور بھتیجے آپ کی آنکھوں کے سامنے قتل کیے گئے۔ آپکے اعزہ انتہائی بیکسی و بیچارگی کے عالم میں شہید ہوئے۔ آپکے صغیر سن بچے مقتل کی قربانگاہ پر چڑھا دیئے گئے۔ غرضکہ وہ تمام انتہائی مظلومیت و بیکسی جو تصور انسانی میں آ سکتی ہے۔ ... وقوع و ظہور ... شہید ... ہوا۔ مگر آپنے کمال خندہ پیشانی سے سب کو برداشت کیا۔ اور آخر وقت تک ... قوم پر اتمام حجت ... وقت آخر کا منظر تو ایسا ... کہ ... جان ... جبکہ زخموں ... جسم اطہر ... تیروں کی بارش ہو رہی تھی

غرض اعدائے حق و دشمنان حسینؑ صف کے صف بندھے سر تن سے جدا کرنے
کے لیئے بڑھ رہے تھے۔ اسوقت جبکہ نماز کا وقت آپہنچا تو امام مظلوم نے
ہے آسکے اپنے سر کو جھکا دیا جو اُنکے سوا کسی طاقت کے سامنے جھکنے سے محروم رہا
تھا۔ یعنی ادائے نماز کے لیئے قبلہ رخ ہو کر نیت کرلی اور اس عالم میں بدبخت ساقی
نے اس اپنے عہد کے سب سے بڑے انسان کو شہید کر دیا +

اس سے نتائج اخذ کرو۔ فنافی اللہ ... کے مراتب پر غور کرو جو منتہا
انتہی کے اس آخری درجہ کو دیکھو کہ سلوک تصوف کا اصل اصول یہی ہے اور حقیقت
یہ ہے کہ سیدنا امامؑ کے اسوہ میں اگرچہ مسلمانوں کے ہر طبقہ کے لیئے رشد و ہدایت
کی ایک ایک اقلیم پوشیدہ ہے لیکن اہل تصوف کے لیئے اسمیں بے شمار بصائر و حکم
مخفی ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ لوگ غایت اصل کو ترک کر کے جزع و فزع میں
منہمک ہوگئے ہیں +

عارف ہسوی

عرض حال بہ بارگاہِ رسالت ﷺ

اے محمد نام پاکت مصطفیٰ — حامد و محمود و احمد مجتبیٰ
حمد مر ذاتِ خدا را مے سزد — تو کہ محمودی چہ باشی جز احد
واحدیت از تو آمد در وجود — بود ہر موجود اکرام است وجود
رحمتی و رحمۃ للعالمیں — بر تو نازد آسمان و ہم زمیں
ماہیانِ بحرِ رحمت آمدیم — چوں شکارِ نفسِ امارہ شدیم
نفسِ امارہ شدہ شیطانِ ما — وائے بر حالِ من و ایمانِ ما
کشتیم در شد بہ گردابِ بلا — اے محمد شو مرا تو ناخدا
ناخدایم شو کہ مقہورِ خودیم — ورنہ ممکن نیست بر ساحل رسیم
دین و دنیا ہر دو شد از ما نفور — کیستم جز تو مرا اے نورِ نور
یک نظر از تو، ہا جاتم روا — بنگری سوئم محمد مصطفیٰ
رو سیہ بختم سیہ، قلبم سیاہ — چیزکے از ما نیاید جز گناہ
نیم قدسی در ایں ظلمت کنی — کیمیائے قلبِ ماہیت کنی
بس ستم دیدیم و شد تاب و تواں — ایں و آں ہر دم مرا سوزانِ جاں
دستگیرِ عاجزاں تو آمدی — عاجزیم بیں در ایں درماندگی
چارہ سازا کنوں چارہ کنی — یک نظر بر حالِ بیچارہ کنی
یک نظر از تو دوائے صد کشو — با نزالِ نعمت و اکرام و جود
مضطرب شیدا شد از تو دادخواہ — اے بقربانت نگاہے کن نگاہ

(حسام) — شیدا کاکوروی

نظام المشائخ

نقشبندی چشتی و قادری سلسلوں کا ماہوار رسالہ

مذہب اخلاق اور تصوف کے مضامین کا

ایک ضروری مجموعہ جو ہر ماہ ہجری کی پہلی

ہر مہینہ کی ٹھیک پندرہ تاریخ کو شائع ہوتا ہے

بابت صفر و ربیع الاول ۱۳۳۷ھ

جلد ۱۰ نمبر ۲ و ۳



مرتبہ

خادم الفقراء محمد الواحدی دہلوی

قیمت سالانہ (رسالہ نظام المشائخ) مع محصول ڈاک قسم اعلیٰ ۔ قسم اوسط

قسم عام ۔ ششماہی ۔ نمونہ ۔ علاوہ

مقام اشاعت دہلی کوچہ چیلاں

... دہلی ... مطبع ... محمد الواحدی پرنٹر

لطف اسے فرمائش میں کھولدینا مناسب ہوگا۔

نئے سال کی درویش جنتری چھپ گئی

اور ۱۳۵۲ھ بھی شروع ہوگیا آج ہی ایک کارڈ لکھکر نئے اسلامی سال کی درویش جنتری منگا لیجئے تاکہ ابتدائے سال ہی سے آپ اس کی مفید ہدایات پر عمل شروع کردیں۔ جن لوگوں نے سالہائے گذشتہ کی درویش جنتریاں دیکھی ہیں وہ شہادت دے سکتے ہیں کہ مسلمانان ہند کی موجودہ حالت اور ان کی موجودہ دینی ضروریات کے لحاظ سے اس وقت فی الحقیقت ہندوستان میں کوئی جنتری درویش جنتری سے بہتر شائع نہیں ہوتی۔ عقائد فضول توہمات مضر رسوم کی اصلاح کرنے والی اور دینی و دنیوی امور میں مسلمانوں کو صراط مستقیم پر چلانے والی یہی ایک جنتری ہے جس کا ہر صفحہ پڑھنے کے قابل اور ہر سطر کارآمد و دلچسپ ہوتی ہے خصوصاً ۱۳۵۲ھ کی درویش جنتری تو بفضلہ تعالیٰ ایسی خوش اسلوبی سے تیار ہوئی ہے کہ انشاءاللہ ہر ایک سچا اور پکا مسلمان اسے بیحد پسند کرے گا۔ دینی معلومات اور دلچسپ اصلاحی مضامین کا ذخیرہ ہے۔ دوسری قسم کی دلچسپیاں بھی پہلوں سے زائد ہیں۔ کئی مضمون نہایت قابل قدر ہیں لکھائی چھپائی بھی عمدہ ہے اور پھر قیمت بھی باوجود گرانی کاغذ کے صرف چھ آنہ ہے (۶/)

فہرست مضامین

درویش جنتری ۱۳۵۲ھ

قیمت صرف چھ آنے علاوہ محصول

ملنے کا پتہ

مینیجر رسالہ نظام المشائخ دہلی

نظام المشائخ

نمبر ۲ و ۳ | بابت صفر و ربیع الاول ۱۳۲۸ ہجری | جلد ۲

فہرست مضامین

خضاب نزہت بہت

خضابوں کے اشتہار پڑھتے پڑھتے خلقت کی عمریں بیت گئیں بال سیاہ سے سفید ہو گئے مگر بے عیب آسان۔ بے ضرر اور جلدی اثر دکھانے والا آج تک کوئی خضاب میسر آیا کسی میں بدبو کا عیب۔ کسی میں گھنٹوں باندھے رکھنے کا جھنجھان۔ کسی میں شیشوں کو کمزور کرنیکا نقصان۔ کوئی جلد میں دھبے ڈال دیتا ہے جو چہرہ کو عیب دار کر دیتے ہیں کوئی نزلہ پیدا کرتا ہے اور آنکھیں دکھنے آ جاتی ہیں۔ اور ایسا خضاب تو ایک بھی نہیں جس میں استرا بو کا جھگڑا نہ ہو یعنی پہلے خضاب کا استر لگایا جاتا ہو اور پھر کچھ دیر کے بعد ابرہ کا استعمال ہوتا ہو۔ اور کام کاجی آدمیوں کو تضیع اوقات میں بیحد کوفت ہوتی ہے۔

نزہت بہت خضاب اسم با مسمیٰ خضاب ہے یعنی آناً فاناً میں بال سیاہ کر دیتا ہے اور مذکورہ جھگڑوں اور تکلیفوں اور نقصانوں میں کسی ایک کا بھی اس میں دخل نہیں ہے شاہ جہاں بادشاہ کی بیاض خاص کا نسخہ ہے۔ جیسے وہ بادشاہ نفاست پسند تھا ویسا ہی یہ خضاب ہے بدبو نام کو نہیں ایک عرق ہے جو برش سے لگایا جاتا ہے لگانے کے بعد بال سوکھنے تک بس چند منٹ کی دیر ہوتی ہے اس کے بعد بال سیاہ ہو جاتے ہیں اور ایسے سیاہ کہ کوئی شخص خضاب کا شبہ تک نہیں کر سکتا کیونکہ بالوں میں سختی اور کھردراپن نہیں رہتا ریشم کی سی نرمی اور اصلی شباب کی سی چمک نظر آتی ہے۔

سب خضابوں کا قاعدہ ہے کہ چند روز کے بعد جب خضاب کا اثر کم ہونا شروع ہوتا ہے تو بالوں کی رنگت بھدی اور نہایت بدنما کر دیتی ہے اس میں یہ عیب نہیں ہے بلکہ خضاب کا اثر کم ہونے کے بعد بھی خوشنما رنگ نمودار ہوتا ہے جس کے بعد فوراً دوسری بار استعمال کر لینا چاہئے۔ جلد پر دھبہ نہیں پڑتا جہاں رنگ لگے کپڑے سے صاف کیا فوراً صاف ہو جاتا ہے۔ سوکھ جانے جب بھی فوراً ... جاتا ہے قیمت شیشی کلاں ایک روپیہ بارہ آنے شیشی اوسط ایک روپیہ ...

ملنے کا پتہ۔ مینیجر نظام المشائخ دہلی

رسول نمبر

نظام المشائخ

مناجات

اے خدا تو ایک ہے بے عیب ہے | تو ہی رب العلمین لاریب ہے
تو ہی خالق تو ہی رحمٰن و رحیم | تو ہی باسط تو ہی غفار و کریم
تو ہی دے توفیق ہمکو خیر کی | تیرے ہوتے کیا ہی حاجت غیر کی
تیرے بندے کرتے ہیں جرم و خطا | پھر بھی اُنپر ہے تری مہر و عطا
تو ہے یارب پارساؤں کا حبیب | واہ ری قسمت جو ہو تجھ سا حبیب
پر گنہگاروں پہ تو ہی لطف اب | ہے مسلم جسکا رب اُسکا ہے سب
سب ہمارے واسطے تیرا ہی در | چھوڑکر اس در کو ہم جائیں کدھر
[illegible] | جا بیٹھے ہم کس کی خدمت میں خدا
[illegible] | سب زمیں تیری ہے تیرا آسماں

ہم ہیں تیرے، گو بُرے ہیں یا بھلے ۔ تو ہے معبود، اور ہم بندے ترے
تو نے فرمایا ہے جب کہ حق تعالیٰ ۔ اپنی رحمت سے وہ کر وعدہ وفا تو
تو نے اُدعونی کہا ہے اے خدا ۔ سُن لے تجھ سے مانگتے ہیں ہم دعا
کر امانت تو ہماری اے کریم ۔ تو بتا ہم کو صراطِ مستقیم
رستہ اُن لوگوں کا تو ہمکو دکھا ۔ جن پہ ہے فضل و کرم خالق ترا
جو ہیں گمراہ جن پہ ہے تیرا غضب ۔ اُنکے رستے سے بچا تو ہم کو اب
بخشدے یارب کیے ہیں جو گناہ ۔ دے ہمیں تو اپنی رحمت میں پناہ
معصیت نے کر دیا ہے رو سیاہ ۔ ہو گئے ہیں نفس کے ہاتھوں تباہ
فضل کر یارب کہ ہم ہوں سُرخرو ۔ رحم کر اب ہم پہ اے اللہ تو
کر ہماری حاجتیں یارب روا ۔ سُننے والا کون ہے تیرے سوا
ہم کو غیروں کا نہ تو محتاج رکھ ۔ تو ہی بس بندوں کی اپنے لاج رکھ
رکھ بلاؤں سے ہمیں محفوظ تو ۔ کر عنایت سے ہمیں محظوظ تو
اے خدا تو ہے صفت سے جلیل ۔ شافی مطلق ہے تو ہم ہیں علیل
ہم کو یارب تندرستی کر عطا ۔ تنگدستی دور کر دے اے خدا
ہم نہ ہوں روزِ قیامت شرمسار ۔ خاتمہ بالخیر ہو پروردگار

ہے ترا اک بندۂ عاصی ذہین
بخشدے تو اسکو رب العالمین

ختمین

نشئہ

حقیقت محمدیہ

(علیہا التحیۃ والثناء)

بجا احمد بے میم نہ غیبی نہ شہودی — بجا محمد با میم نہ بودی نہ نمودی

نمائش ہستی میں عکس آفتاب صورت کا نور۔ دائرۃ الوجود میں صرف نقطۂ احدیت کا طلسم نمود ہے جو بعینہٖ حقیقۃ الحقائق کی یکتا نرالی۔ مناظر ہمہ جہانی میں شان بیرنگی کی نیرنگی۔ مرایائے طلسمی میں جو حقیقی کی تماشاگری۔ سیراب صورت میں نیرنگ ساز قدم کی کرشمہ پردازی۔ آئینہ تشبیہ میں نور تنزیہ کی چمک۔ عشق شورش پسند میں حسن نازآفرین کی جھلک۔ الغرض صورت میں بے صورتی۔ نیرنگی میں بیرنگی۔ کثافت میں لطافت۔ جسم میں جان۔ امکان میں وجوب۔ حدوث میں قدم اور عدم میں وجود ہے

تمہاری عشق میں رنگ نیاز — تمہارے حسن فتنہ کار میں تھا

جب کچھ نہ تھا تو سب کچھ تھا اور اب سب کچھ ہے تو کچھ بھی نہیں ؎

نہ ماند درمیاں بحث الا وجود — کہ غیرے وجود است جنگ عدم

بحث کیا۔ مباحثہ کیا معنے غرض کیسی۔ تلاش کس کی ہے؟ اپنی ہستی کی بحث اور خود اپنوں سے ؎

لا و الّا بر دو لفظے ساختند — جملہ را در قید لا انداختند

جو سوال یہ ہی سے پہونچے کہ کون احد۔ کون احمد۔ کون حامد۔ کون محمود! جو سمجھا وہ کھو گیا۔ جو غافل رہا وہ بکنے لگا۔ جس نے جانا اُس نے اپنے سوا کسکو جانا۔ جس نے پہچانا۔ اُسنے اپنے علاوہ کسکو پہچانا۔ جانتا پہچانتا بھی کچھ نہیں سمجھ کچھ نہ رہا وہ سب کچھ ہو گیا ؎

شرکِ محض است گمانِ من و تو ؎ من و تو نیست میانِ من و تو

ذوقی احساسات اور وجدانی واردات پر الفاظ کا قافیہ تنگ۔ وہاں نہ عبارت نہ اشارات نہ فصاحت نہ بلاغت۔ نہ فلسفہ نہ خطابت۔ بس حیرت ہی حیرت۔ اور آہ وہی نعیم ع

باہم تحیر زدہ خموشند ؎ آفاق ہمہ بہ گنگ گویت

ہم کچھ کہیں یا کوئی پہلے کہہ چکا ہو۔ وہ تعبیر عنوان سے زیادہ نہیں۔ تو ان بھی علم الحقائق کا ابتدائی اور ادنیٰ جزو ہے۔ ہم سب ابھی پہلی منزل کے مکیں ہیں۔ تصنیف اور چیز ہے اور فلسفہ تصوف دوسری چیز ہے۔ ذوقیات اور وجدانیات پر جب بیانی رنگ چڑھایا جاتا ہے تو اسکا مقصد اسکے سوا اور کیا ہوگا کہ ارباب نقل و عقل کی بھی کچھ ضیافت ہو جائے۔ ورنہ ؎

اے تو بیرون تر ز قال و قیل ؎ خاک بر فرقِ من و تمثیلِ ما

یہ بہت کہنہ اور فرسودہ عنوان ہے جسے خانقاہوں سے بھی نکالنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ بھلا کالجوں اور اسکولوں۔ مدرسوں اور مسجدوں میں اسکا گذر کہاں؟ خرافات سمجھے ہوئے تھے۔ لیکن تخریب کی نگاہیں اب ادھر بھی پڑنے لگی ہیں۔ اور حلول و اتحاد کے ظنونِ فاسدہ سے چہرۂ حقیقت پر حجابات ڈالے جاتے ہیں۔ اسلئے ضرورت ہے کہ جس طور سے وہ سمجھنا چاہتے ہیں۔ اسی طرح انکو سمجھانے کی کوشش کیجائے ؎

ایں جا حلول کفر بود اتحاد ہم ؎ ایں وحدتے است بسکہ بتکرار آمدہ

ہم نعت کو عین حقیقت حمد سمجھتے ہیں۔ اسلئے رسول نمبر میں اس تبہ حقیقت محمدیؐ ہی ہمارا موضوع ہے۔ منکرین وحدۃ الوجود اگر چاہیں تو کھلے میدان میں اگر ہم سے سمجھ نہیں۔ اور اپنے فلسفہ یا تفلسف کا کوئی ہنر اور حربہ نہ اٹھا رکھیں۔ دنیا دیکھ لیگی کہ فلسفی عالم میں بغیر وحدۃ الوجود کے مانے ہوئے کوئی چارہ نہیں اور کثرت تو اگر شرکِ جلی نہیں تو شرکِ خفی ضرور ہے۔

عدم ہو گیا۔ جب کہا جاتا تھا "ھذہ طور وراء طور العقل" الخ
عکس حقیقت کو محض کشفی خیال کیا جاتا تھا۔ اب جسقدر عقلیت میں ترقی ہوئی اسیقدر وحدۃ الوجود کے چہرے سے بھی نقاب سرکتی گئی۔ اگر وحدتِ وجودی کو نہ مانا جائیگا تو وحدت وجود مادی کو تسلیم کرنا ہوگا۔

اصحاب عقل کی دعوت

(۱) تم اختلافاتِ مظاہرِ فطرت کو حقیقی سمجھتے ہو۔ لیکن اگر تم حجابات وہمی سے باہر نکلو تو تم تمام تعینات اعتباری میں ایک وجود اور ایک حقیقت کو دائر و سائر پاؤگے۔ اچھا چلو اپنی ہی ہستی سے چلو۔ تم انسان ہو۔ ہاں انسان حیوان ہے۔ حیوان جسم نامی۔ جسم نامی جسم مطلق۔ جسم مطلق جوہر۔ اور جوہر ایک ہستی یا ایک حقیقت ہی تمہارا یہ منطقی سلسلہ یہاں پر ختم۔ اب بتاؤ کہ تم سب ایک وجود یا ایک حقیقت کے سوا اور کیا ہو؟ تم یہ شاید اعتراض کروگے کہ عام ہستی میں ہم سب شریک ہیں۔ لیکن خاص خاص ہستیوں میں جدائی ہے۔ لیکن یہ بھی حقیقۃً تمہاری کوتاہ خیالی ہے۔ جسقدر تمہارے باہمی امتیازات ہیں۔ ان میں بھی ہستی کے سوا اور کیا ہے۔ اگر ہستی کے سوا کچھ اور ہے تو وہ نیستی ہے۔ کیا نیستی بھی چیزوں میں اختلاف اور امتیاز پیدا کرسکتی ہے۔ تمکو جو کچھ غلطی تعیناتی اختلافات کی وجہ سے ہے اسکی اصلیت تمہاری منطق سے معلوم نہیں ہوسکتی۔ اسکے ازالہ کی یہی صورت ہے کہ تم مان لو کہ عالم بلحاظ ہستی اور حقیقت کے فقط واحد ہے اور یہ سب شیون اس حقیقت واحدہ کی صفات اعتباری کے مظاہر ہیں۔ ان کا وجود اسی علیم و حکیم ہستی کے علم میں ہے۔ اس سے باہر نہ کوئی علم ہے نہ کوئی عالم نہ کوئی معلوم نہ وجود نہ موجود۔

ہر کسی را کہ اندر دل شکے نیست / یقین داند کہ ہستی جز یکے نیست

(۴) اصل کائنات ہستی ہے یا نیستی یا دونوں۔ اگر ہستی ہے تو سب الجھن ہی
ختم۔ اگر نیستی ہے تو وہ کسی کو کیا موجود کرے گی۔ جو خود تہیدست ہو وہ کسی کو کیا
دے گا۔ اب رہی تیسری شق کہ ہستی اور نیستی کا مجموعہ یہ عالم امکان ہے۔ جیسا کہ عام
متکلمین اور فلاسفۂ قدیم کا خیال ہے تو یہ صورت بھی خلاف عقل سلیم ہے۔ کیا تم کہہ سکتے
ہو کہ ہستی نیستی پر فعل کر سکتی ہے۔ کیا فعل و تاثیر کے لیے فاعل اور متاثر کے موجود ہونے کی
ضرورت نہیں۔ کیا اس کی مثال تجربات و مشاہدات عام سے دکھا سکتے ہو۔ کیا تمام
قدرت میں اس کی کوئی نظیر موجود ہے؟ اس گتھی کو کھولنے کے لیے عجیب و غریب تمسک
بازیاں کی جاتی ہیں۔ انکو اس وقت چھوڑو۔ بعض ہستی اتھوں کے ساتھ دو اور برابر کی انادی
ہستیاں مان کر مسئلہ توحید کا خاتمہ کر دیتے ہیں۔ یہ نیستی سے بدتر اور عذر گناہ بدتر
از گناہ ہے۔ تم جو توحید کے مدعی ہو کیوں اسکے بغلیں جھانکتے ہو۔ کبھی کہتے ہو کہ
قادر مطلق نیستی پر فعل کر سکتا ہے اور عدم سے کائنات کو نکال سکتا ہے۔ جب تم سے
اسکی مثال دستور مستمرۂ عالم کے رو سے طلب کی جاتی ہے تو تمہارا یہ جواب ہوتا ہے کہ
شاہد پر غائب اور ممکن پر واجب کا قیاس نہ کرنا چاہیئے۔ لیکن یہی تمہاری مغالطہ بازی
اور حیلہ کاری ہے۔ تم خود اسی جرم کے مرتکب ہو۔ تم کائنات میں آثار علم و حکمت کو
دیکھکر ایک بالاتر ہستی کو ثابت کرتے ہو۔ تم انسان کے علم و حیات سے ایک عالم الکل
حی القیوم ہستی کا سراغ لگاتے ہو۔ پھر اس موقع پر کیوں تم مشاہدات عامہ اور واقعات
صحیحہ سے نکلے بھاگتے ہو۔ تم خود مانتے ہو کہ خدا کو محالات پر قدرت نہیں تو کیا
فعل و تاثیر بغیر فاعل اور متاثر کے محال نہیں۔ تم کہو گے کہ یہ عقلی محال نہیں لیکن تم پر
فرض ہوگا کہ عقلی محال کی ہی حقیقت بتاؤ۔ کیا کوئی محال عقلی محال عادی سے جداگانہ ہے
تمہارا اجتماع نقیضین تسلسل وغیرہ کیوں محال ہے؟ صرف اسی لیئے کہ تم نے کسی چیز کو اس نہج
سے متقدم نہیں دیکھا۔ تم نے کوئی سلسلہ غیر متناہی نہیں پایا۔ تم نے نقیضین کو مجتمع

مصنفات حضرت خواجہ حسن نظامی کی کتاب

میلاد نامہ

معہ

رسول بیتی

اس وقت تک جس قدر مولود کی کتابیں پڑھی جاتی ہیں یہ کتاب ان سب سے نرالی ہے اس میں تمام معتبر اور صحیح روایتوں کو جمع کیا گیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بزرگوں کے حالات سے شروع کیا ہے اور ولادت کو بیان نظم و نثر کی زیبائش سے کر کے بچپن جوانی کے کل واقعات لکھے ہیں۔ پھر تمام علوم بیان کئے ہیں رسالت سے لیکر وفات تک کے حالات ہیں گویا آنحضرت کی مختصر اور پوری سیرت اور سوانح عمری ہے آخر میں آپ کے اخلاق و عادات و لباس و طعام وغیرہ کی کیفیت ہے

میلاد نامہ کی زبان ایسی آسان اور دلچسپ ہے کہ بچے اور عورتیں بلا تکلف پڑھتے چلے جاتے ہیں یہ کتاب ہندوستان بھر میں مقبول ہوئی ہے شائع ہوتے ہی آٹھ دن میں ہاتھوں ہاتھ پانسو سے زیادہ فروخت ہو گئی اور اب دوبارہ چھپی ہے اور وہ بھی قریب ختم ہے کیونکہ ٹائٹل بہت ہی اچھا ہے قیمت ایک روپیہ علاوہ محصول۔

مصنفات حضرت خواجہ حسن نظامی کی کتاب

محرم نامہ

یہ وہی کتاب ہے جس کا خلفائے شیعہ و سنی علماء نے قرآن میں چھاپا ہے اور جس کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ اشتہار نکلتے ہی سینکڑوں درخواستیں جمع ہو گئی تھیں اور شائع ہوتے ہی چار دن میں ایک ہزار فروخت ہو گئی محرم نامہ عشرہ محرم کی سب سے زیادہ پرلطف کتاب ہے اس کی نسبت سنی علماء اور شیعہ مجتہدین کا اتفاق ہے کہ ایسی مکمل کتاب آج تک نہیں لکھی گئی جس میں آنحضرت کی وفات سے لیکر چاروں خلافتوں اور ان کے جھگڑوں کا ایسا صاف صاف حالات ہو اور ہر [illegible] کو اختلاف کی گنجائش نہ ہو۔ ملک کے تمام مشہور لوگوں کے خطوط آ رہے ہیں کہ محرم نامہ [illegible] بہترین کتاب ہے اور اس قابل ہے کہ ہر مسلمان کے گھر میں ہو تاکہ وہ اسلام کی ابتدائی سچی تاریخ سے باخبر ہو اور جھگڑوں کی حقیقت جان جائے محرم نامہ میں کربلا کی [illegible] کا نقشہ ایسا لکھا ہے کہ [illegible] آنکھوں کے سامنے پھر جاتی ہے پڑھنے والے اور سننے والے بے تاب ہو کر رونے لگتے ہیں جنگ جمل، جنگ صفین کا حال [illegible] محرم [illegible] کسی اور کتاب میں نہیں ہے قیمت [illegible] علاوہ محصول

المشتہر منیجر رسالہ نظام المشائخ دہلی

مصنفۂ حضرت خواجہ حسن نظامی کی کتاب

مسلمانوں کا خون مسلمانوں کے ہاتھوں

مدینہ منورہ کی سلطنت کی بے ادبیاں، ارض پاک میں یاران رسول کا قتل، قرون اولیٰ کے سیاسی کارنامے کربلا کے بعد کی سرگذشت، حریفیات بنی عبدالملک تا سلطنت عباسیہ، یزید و دیگر شاہان بنی امیہ کی باطل شعاری، یزید کا حشر و شریروں کا انجام و خدا کا فیصلہ،

یزید نامہ

میں ملاحظہ فرمائیے، جو حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب نے حال ہی میں تصنیف فرمایا ہے اور جس کے لوگ سالہا سال سے منتظر تھے۔ اس میں اس امر کا بھی مفصل بیان ہے جو تماشائے اہل بیت میں

شیعہ سنی کو ملاپ کی آواز

دیکھا اور بتایا ہے کہ یہ وقت قریب آن لگا، یزید نامہ محرم ۱۳۴۶ھ کا یادگار تحفہ ہے، خود پڑھیئے، دوسروں کو سنائیے۔ روئیے، رولائیے، مظلوموں کے صبر سے واقف ہو، ظالم کا دم واپسیں دیکھو۔ ایسے غمناک حالات اور عبرت انگیز تصویریں تاریخ شہادت میں نایاب تھیں، حضرت خواجہ صاحب کا الہامی قلم جہاں تک جاتا ہے اچھی لکھائی، پکی چھپائی، سفید دبیز عمدہ کاغذ، صفحات پونے دو سو سے زیادہ قیمت عہ، جلدی منگائیے

مصنفۂ حضرت خواجہ حسن نظامی کی کتاب

اردو دعائیں

یہ بھی حضرت خواجہ صاحب کی بہت مشہور و مقبول کتاب ہے جس میں انسان کی تمام ضروریات زندگی کے لئے اردو زبان میں دعائیں ہیں، ہر دعا خواجہ صاحب کی مخصوص اثردار عبارت میں ہے بچوں اور عورتوں کی زبان میں بہت لگتا ہے۔ چند روز میں ہاتھوں ہاتھ بک گئی۔ دوبارہ دگنے اضافے کے ساتھ چھپی ہے، اسکول کے بچوں اور عورتوں میں مفت تقسیم کرنے کے لائق بھی یہ کتاب ہے قیمت چھ آنے علاوہ محصول

المشتہر منیجر رسالہ نظام المشائخ دہلی

محسوس نہیں کیا۔ اسی مشکل سے گلوخلاصی کے لیے قدیم زمانے میں بعض معتزلہ نے
نیستی کو بھی موجود مان لیا تھا۔ اور ممکن ہے کہ وہی صدائے بازگشت ہو جو دسویں
صدی کے خاتمہ پر امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مکاشفہ میں آئی کہ عدم
ظاہر ہستی ہے۔ بلحاظ تقابل صفات الٰہی علم الٰہی میں موجود تھیں۔ قدرت کے
مقابلہ میں عجز علم کے مقابلہ میں جہل کا مفہوم بھی علم الٰہی سے باہر نہ تھا۔ خداوند پاک
نے اپنے اضداد و صفات پر فعل کیا۔ اور کائنات ہستی ذہنی سے ملکر موجود ہوگئی
اسمیں شک نہیں کہ یہ انتہائی بلند نظری اور کمال موشگافی ہے۔ لیکن امعانِ نظر سے
دیکھو گے تو ایک پردہ عدم کا ڈال دیا گیا ہے ورنہ بند بند وحدۃ الوجود کا اقرار ہے
اضداد و صفات بھی بیشک علم الٰہی میں موجود ہیں۔ ان کا علم ہی اللہ پاک کی صفت ہے
وہاں ذات صفات دونوں متحد ہیں۔ فرق صرف آثار و نتائج کے لحاظ سے ہے اسکی
کو نہ عین اور نہ غیر کہنا پہلے بھی بے اصولی تھی۔ اور آج بھی ہے تو مسئلہ صاف ہو گیا اور
کیا نتیجہ نکلا کہ عالم علم الٰہی سے باہر موجود نہیں اور اسکی حقیقت بعینہٖ خدا کی صفت علم کے
علم و قدرت نے خود اپنے ہی اوپر فعل کیا۔ یا بموجب اصطلاح اہل شہود عکس ظلال اسماء و صفات
کائنات کا ظہور ہوا۔ ناک کو سیدھی طرح پکڑو۔ تب بھی ناک ہے اور گھما کر پکڑو اسوقت بھی
ناک ہے۔ بلاشبہ وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ کوئی
سایہ کو دیکھتا ہے۔ کوئی آفتاب پر نظر کرتا ہے۔ ظل اٹھ جائے تو آفتاب ہی آفتاب ہے
پرتو اور عکس بھی ذرا سی آفتاب ہی کا ہے۔ تاریکی درمیان میں کہاں سے آگئی؟ شعر

گر ترا پیدا شود یک فتح باب — تو بعین سایہ بینی آفتاب
سایہ معدوم شود گم بینی مدام — خود ہمہ خورشید بینی والسلام

جب وہ پہلی دو نور صورتیں مٹ گئیں تو پھر وہی صورت صحیح سالم رہ گئی کہ وجود مطلق
خود ہی فاعل اور خود ہی منفعل خود ہی موثر خود ہی متاثر خود عاکس خود ہی معکوس

خود علت خود ہی معلول ہے۔ اس تاثیر و تاثر کا نتیجہ یہ مظاہر صفات ہیں ؂

خویشتن را بہ خویش بنمائی ۔ خود تماشا و خود تماشائی

فتنہ انگیزی و دامن درکشی ۔ تیر اندازی و کمان پنہاں کنی

(۳) آج جبکہ ترکیب و تحلیل کیمیائی کا زمانہ معراج ہے۔ اور اصل کائنات کی تحقیق و تفتیش میں علمی و عملی جد و جہد شباب کو پہنچ چکا ہے یہ تسلیم کر لیا گیا ہے کہ عالم اجسام کی اصل ایک قوت ہے۔ اس سے پہلے مادے کو اصل مانا جاتا تھا۔ اور تمام عناصر کی اصل ہیڈروجن گیس خیال کی جاتی تھی۔ مگر انیسویں صدی کے آغاز نے ایک نیا نسخ باب کیا اور کل کائنات کی اصل بجلی کے ذرات تسلیم کیے گئے۔ مگر چونکہ بجلی کے ذرات میں کوئی وزن نہیں۔ اسلیئے وہ پرانی تھیوری تبدیل ہو گئی کہ مادہ اصل کائنات ہے۔ اور اسکی جگہ اس نظریہ نے لیلی کہ تمام محسوسات کی اصلیت ایک مجہول الحقیقت طاقت ہے۔ اچھا یوں ہی سہی۔ خدا کا شکر ہے کہ حقیقت سے قریب آگئے ہو۔ مگر سوال یہ ہے کہ وہ کوئی اندھی طاقت ہے یا دیدۂ باطن بھی رکھتی ہے۔ اسمیں تم جیسا کچھ شعور، ادراک، عقل، تدبر بھی ہے یا بالکل کور باطن۔ مادیئن تو یہیں سے کٹ جاتے ہیں کہ وہ محض نادان ہے۔ خیر یہ نادانی انکو مبارک ہو کہ اپنی اصلیت کو مشعور مانتے ہیں اور خود ترقی کر کے مرتبہ شناس علوم ہستی بن گئے ہیں۔ یہ نہیں سمجھتے کہ اندھی طاقت سے بصیرت کے کام کسطرح ہونگے۔ غیر منتظم سے انتظام کیونکر ظہور میں آئیگا۔ یہ حجاب طبیعت ہی جو حقیقت سے قریب پہنچا کر پھر ٹھوکر کھلوا رہا ہے۔ لیکن جہاں طبیعین منہ کے بل گر رہے ہیں وہیں علمائے الٰہیین یہ بھی اقرار کر رہے ہیں کہ اس قوت میں ایک اعلیٰ عقل بھی ہے جسکی وجہ سے کائنات میں انتظام قائم ہے۔ اسی نقطہ پر پہنچکر وحدۃ الوجود اگر وہ ان تمام لیتا ہو کر جس عاقل قوت کو تم کائنات کے ہر ہر ذرے میں دائر و سائر کیا۔ بلکہ اصل حقیقت سمجھتے ہو۔ وہ میں ہی ایک اعلیٰ، بالا بہتر اور برتر ہستی ہوں ؂

ہیولٰئے دو عالم مادۂ ارواح و اشیا ہم — حریم ہم وہاں را ہمچو تار و پود بود ستم

(۴) حیات ممکنات کا سرچشمہ یا کوئی حی القیوم ہستی ہوگی یا کوئی بیجان چیز۔ لیکن جسمیں خود جان نہیں وہ کسیکو جان دار کیونکر بنائے گا۔ اسلیئے یہی صورت ماننا پڑتی ہے کہ سرچشمۂ حیات کوئی زندہ ہستی ہے۔ اب رہا اختلاف آثار حیات نباتی و حیوانی و انسانی۔ تو وہ نفس حیات میں نہیں بلکہ ظہور صفات مختلف الاعتبار کی وجہ سے ہے۔ اور اسی لیئے وہ بھی حقیقی نہیں بلکہ نمائشی و اعتباری ہے ؎

ہمچو شبنم آمد از بحر وجود — خلق عالم از طفیلش در وجود

خطابت عامہ

غیرتش غیر در جہاں نگذاشت — لاجرم عین جملہ اشیا شد

گزشتہ تخاطب اُن قدیم اور جدید فلسفہ کے خوشہ چینوں سے تہا جو بغیر گہرے ریاضی نہیں توڑتے۔ اب عام مخاطبت اُن متوسط عقول سے ہے جو اشباہ و امثال سے کسی شئے کے وجود و عدم اثبات و نفی کا تخمینی اندازہ اور قرین عقل قیاس قائم کرلیتے ہیں + مسئلہ وحدت الوجود کو بہتیری مثالوں سے سمجھایا گیا ہے۔ بیشک ایک ناقابل انکار صداقت ہے اس لیے اس کی مثالیں بھی کائنات کے ہر ہر ذرے میں ملجاتی ہیں۔

شکر کے کھلونے۔ موم کی مختلف اشکال بناؤ مختلف صورتیں نظر آئیں گی۔ بگاڑ دو تو شکر ہی شکر اور موم ہی موم رہجائے گا۔ نقطے سے ہزار خطوط بنا لو خط کے ہر حصے میں نقطہ کے سوا کچھ نہو گا۔ یہی حال اس نقطۂ وحدت کا ہے جو تمام اشکال ہی میں جلوہ آرا ہے ؎

بسیط آں قدر شد منبسط از حب پیدائی — کہ با یک نقطگی صد با خط ممدود ہستم

مختلف رنگ کے آئینے آفتاب کے سامنے رکھو ہر آئینہ میں آفتاب ہوگا۔ کہیں سرخ کہیں سبز کہیں زرد۔ لیکن جب آئینوں کو ہٹالو گے تو پھر آفتاب ہی آفتاب نظر آئیگا۔

شان میں رہجائیگا۔ ہر عدد واحد سے مرکب ہے چند اکائیاں ملکر کوئی نہ کوئی عدد بنادیتی ہیں۔ اسی طرح ذات احدیت ہے کہ تمام کائنات کے نظام ترکیبی میں اسیکی وحدت کا ظہور ہے ؎

در مذہب اہل کشف و ارباب خرد ساری ہست احد در ہمہ افراد عدد

ایسی ہی سیکڑوں مثالیں وحدۃ الوجود کی موجود ہیں۔ ہم بخیال طوالت انکو ترک کرتے ہیں۔ گو یہ غیر منطقی استدلال کہلاتا ہے۔ اسلیئے کہ مشبہ اور مشبہ بہ میں وجہ شبہ مشترک ہونے کی ضرورت ہے تاہم ایک خاکہ قائم کرنیکے لیئے اور استبعاد عقلی کو دور کرنیکے لیئے تمثیل بعض مرتبہ قیاس اور استقرا سے بھی زیادہ بکار آمد ہوتی ہے۔ خصوصاً عوام کے لیئے اور یہی خطابت کا راز ہے ؞

عقلی شکوک

(۱) اگر خدا ہی خدا عالم میں ہے تو وہ مقید بھی ہے اور محدود بھی مجسم بھی ناپاک بھی۔ ایسے خدا کو دور ہی سے سلام ہے جو مطلق سے مقید غیر محدود سے محدود۔ پاک سے ناپاک ہوجائے ؞

(۲) عالم میں چونکہ تغیر و انقلاب ہے اور وحدۃ الوجود تم سے کہتا ہے کہ ان حوادث کو عین خدا سمجھو۔ تو یہ اچھا خدا ہوا جو متغیر بھی ہے اور حادث بھی۔ ایسے خدا سے تو بے خدا ہی رہنا بہتر ہے ؞

(۳) خدا کو ایک طرف واجب، قدیم، علیم، حکیم غرضکہ تمام اوصاف کاملہ کا مجموعہ مانا جاتا ہے دوسری طرف وحدۃ الوجود نا کرنے ممکن حادث، جاہل، ملون قرار دیا جاتا ہے۔ اور یہ صریح اجتماع الضدین ہے ؞

(۴) اگر ایک ہستی کے سوا عالم میں کچھ نہیں ہے تو خواص اشیاء و صور محسوسہ

میں کیوں اختلاف ہو ؂

جبکہ تجھ بن نہیں کوئی موجود   پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے

ہم اِن شکوک کو جو سادہ لوحی پر مبنی ہیں نمبروار دور کئے دیتے ہیں۔ پہلے شک کا جواب تو خاتم فص الولایۃ شیخ الاکبر حضرت محی الدین ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ نے فصوص الحکم کے ایک شعر میں دے دیا ہے اور وہ تقریبًا باقی شبہات کو بھی صاف کر دیتا ہے آپ فرماتے ہیں ؂

وان قلت بالتنزیہ کنت مقیدًا   وان قلت بالتشبیہ کنت محددًا

اگر تم خدا کی محض تنزیہ کے قائل ہو گے تو تم اُسے خاص اوصاف سے مقید کر دو گے اور اگر صرف اُسکی تشبیہ کو مانو گے تو اُسے محدود کر دو گے۔ اسلیئے اُسکو جامع تنزیہ و تشبیہ خیال کرنا چاہیئے۔ اگر تم یہ کہتے ہو کہ وہ جسم و جان سزمان و مکان رنگ و صورت وغیرہ سے پاک ہے۔ تو تمہارا یہ بھی عقیدہ ہونا چاہیئے کہ وہ جسم و جان سزمان و مکان ہر رنگ و صورت میں بھی ہے۔ وہ اگر کہیں نہیں ہے تو سب کہیں ہے وہ نہ ناپاک ہے نہ پاک۔ جس طرح آفتاب کا پرتو پاک اور ناپاک جگہ پر پڑنے سے نہ پاک کہا جاتا ہے نہ ناپاک۔ اُسی طرح ہستی مطلق کسی وہمی گندگی و نجاست سے ناپاک نہیں ہوتی وہ اپنے اعلیٰ مرتبہ میں ہے جسے اہل برہان "لابشرط شئی" کہتے ہیں۔ وہ فی ذاتہ نہ پاک ہے نہ ناپاک۔ یہ پاکی اور ناپاکی بھی تعینات وہمیہ کے اندر ہے نہ خدا وند جل و علا کے اعتبار سے۔ چونکہ عالم بمرتبہ حس و ادراک جلوہ گر ہے۔ اِس لیئے اِس نمائش میں پاکی و ناپاکی کا اعتبار کیا جاتا ہے ؂

اے بسا ئے درکشیدہ بہ بازار آمدہ   خلقے بدیں طلسم گرفتار آمدہ

دوسرے شک کا جواب بھی پہلی ہی اصل پر مبنی ہے کہ بیشک خدا ایک جامع الصفات ہستی کا نام ہے مگر نقائص سے اُسکی نسبت اس عالم اشتہادی میں جائز نہ ہوگی کہ نقائص

اُسکے اگرچہ مظاہر ہیں مگر ملت کے قوانین اعتبار یہ ہیں وہ اس نسبت کو ممنوع قرار دیتا ہے۔ اور تعینات مذہبی کے رنگ میں اپنے آپ کو پیش کرتا ہے۔ اسیکا نام شرعی ادب و مذہبی احترام ہے جو اُسیکا ظہور ہے۔ اعتبار کی تبدیلی سے احکام بدل جاتے ہیں۔ اسلیئے جب تک یہ اعتبارات قائم ہیں۔ ان متغیرات و حوادث کو ہوش و حواس میں خدا کہنا ہرگز جائز نہوگا۔ حالت سکر و غلبہ حال کی اور بات ہو۔ جیسا کہ بعض مشہور عارفین کو پیش آیا۔ مگر وہ بھی شرعی دار و گیر سے نہ بچے۔ شانِ مذہب میں بھی اُسیکا ظہور ہے۔ اسلیئے مذہبی احکام بغیر ازالہ عقل ساقط نہیں ہو سکتے۔ گو حقیقت یہی ہے کہ آپ منصور آپ ہی حق اور آپ ہی دار ہے

نے گوئم و بیں گلشن گل و باغ و بہار از من بہار از باغ و باغ از یار و گل از یار نیلوا گفتا

تیسرے اشکی بھی نتیجہ نافہمی ہے۔ خداوند جل و علا کی ذات و صفات میں نہ اجتماع الضدین نہ ارتفاع الضدین ہے۔ تمام اہل مذاہب کا یہ مسلمہ ہے کہ وہ نہ جسم میں ہے نہ جہت میں نہ مکان میں نہ زمان میں۔ اور پھر سب کہیں اور ہر وقت میں ہے۔ الآن کما کان۔ کیا یہ ارتفاع النقیض نہیں ہے۔ ہنود کا گروہ عظیم بھی اُسکو نرنکار اور ساکار ایک وقت میں مانتا ہے۔ تقریبًا یہی خیال ہے کہ وہ جامع تنزیہ و تشبیہ ہے مگر حلول کی صورت نہ اختیار کر لیجاتی۔ اور اوتاروں کو خصوصیت سے خدا نہ کہا جاتا یا ایجاد عالم کے لیئے اُسے جسم کا چولا اختیار کرنے پر مجبور خیال نہ کیا جاتا تو اسے جامع شان تنزیہ و تشبیہ ماننے میں کوئی قباحت نہ تھی +

چوتھا شبہہ ضمنًا دور کیا جا چکا ہے۔ مگر اب صاف صاف سُن لو کہ خواص و آثار اشیا مسلم ہیں اور بجز سوفسطائیوں کے ماننے کوئی انکار نہیں کر سکتا لیکن اُن میں امتیازات و اختلافات کا اصل سبب یہ ہے کہ کائنات صفات آلہیہ کے مظہر صفات گو حقیقۃً عین ذات ہیں اور باہم متحد لیکن بہ لحاظ نتائج و ثمرات اُن میں

اعتباری اختلاف ہے۔ یہی وہ ذات ہے جب اُسکا تعلق مدرکات سے ہوتا ہے تو اُسے علم کہتے ہیں۔ اور عالم۔ جب مقدورات سے ہوتاہے تب اُسے قدرت کہتے ہیں اور قادر۔ اب چونکہ صفات میں باہم اعتباری اختلاف ہے تو جو اِن صفات کے مظاہر ہیں۔ اِن میں بھی اختلاف اعتباری پیدا ہوگیا۔ کہیں جلال کا ظہور ہے کہیں جمال کا۔ اگر حقیقت ابلیسیہ اور جہنم مظہر جلال ہے تو حقیقت محمدیہ اور جنت مظہر جمال ہے۔ اور جب تک یہ تعینات قائم ہیں سب کے احکام بھی جداگانہ قائم رہیں گے ؎

اُسی کی شوخی شرار میں ہے اُسیکی گرمی چنار میں ہے
وہ آب ہر سبزہ زار میں ہے وہ لالہ ہر کوہسار میں ہے

جس طرح تم خواب کے مناظر کو بحالت خواب حقیقی سمجھتے ہو ویسے ہی یہ خواب ہستی ہے۔ انہیں معنوں میں اسکو ہستی موہوم کہا جاتاہے نہ یہ کہ عدم محض یعنی ہمارے اعتبار اور تخیل کا نتیجہ بلکہ یہ ایک اعلیٰ ہستی کا خیال ہے جو خود اپنے آپ کو مختلف شانوں میں دیکھ رہی ہے۔ اگر تم کسی طرح ان تعینات ہستی سے اپنی روح کو چھڑا لو۔ اور حسدی تعلقات سے رستگار ہو جاؤ۔ تو تم اِس عالم شہادت کو بھی ایک خواب سمجھنے لگوگے ؎

جو کچھ سُنا تھا سو تھا فسانہ جو کچھ کہ دیکھا سو خواب دیکھا

ارباب نقل کی ضیافت

اول و آخر قوی کیست حدوث وقدم ظاہر و باطن توئی چیست وجود وعدم

اگر قرآن حکیم میں متعرض تاویل سے کتر بیونت نہ کی جائے اور سیدھی سادی تعلیم جو نبی کریم نے اپنے سلیم الفطرت صحابہ کو دی تھی اُسی پر نظر کیجائے تو وحدۃ الوجود

ہر ہر قدم پر اپنا جلوہ دکھاتا ہے۔

(۱) کیا تماشا ہے کہ ہمیشہ آیۂ کریمہ ھو الاول والآخر والظاھر والباطن پڑھی جاتی ہے۔ اور تمام الفاظ کے لغوی معنی جو حقیقی معنی ہیں سمجھے جاتے ہیں مگر جب ظاہر پڑھتے ہیں تو ظاہر پرستی گلوگیر ہو جاتی ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ یہ آیت متشابہات سے ہے۔ اسکے معنی پر بغیر سمجھے ہوئے ہم ایمان لاتے ہیں یا یہ تاویل کیجاتی ہے کہ اسکے آثار ظاہر ہیں۔ جب پوچھا جاتا ہے کہ جناب یہ آپنے کیوں کر سمجھ لیا کہ یہ آیت متشابہات سے ہے صرف اسلئے کہ آپنے جو ایک خود ساختہ خاکہ خدا اور اسکے اوصاف کا قائم کر لیا ہے۔ اسکے خلاف لفظ "ظاہر" پڑتی ہے۔ اسلئے آپنے اسکو متشابہات کہکر ٹہی جان بچائی۔ اسیطرح جنہوں نے تاویل کی انکو بھی یہی مجبوری پیش آئی۔ اگر مسئلہ وحدۃ الوجود تسلیم کر لیا جاتا تو نہ اسکو متشابہات سے ماننے کی ضرورت ہوتی۔ نہ تاویلی کاٹ چھانٹ کی۔ بیشک وہی ہستی عالم میں ظاہر ہے وہی پوشیدہ وہی مبدء وہی منتہیٰ ہے۔

(۲) قرآن حکیم کی یہ مشہور آیۂ کریمہ اللہ نور السمٰوٰت والارض مثل نورہ کمشکوٰۃ فیہا مصباح الخ۔ حقیقت احدیہ اور حقیقت محمدیہ کا ایک تشبیہی نقشہ ہے اس آیت کی تفسیر میں حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مکمل کتاب "مشکوٰۃ الانوار" لکھدی اور کامل طور پر دکھلا دیا کہ نور اور وجود بہ اعتبار مقصد متحد ہیں۔ نور الانوار یا نور غیب ذات احدیت ہے۔ اور اسی نور کا کامل عکس نور نبوت یا حقیقت محمدیہ ہے "نورٌ علیٰ نور" میں اسیکی طرف اشارہ ہے۔

نا از ہمہ ذات جہاں اے نقطۂ پنہاں توئی

[illegible]

بیوی کی تعلیم

[illegible] حضرت خواجہ صاحب نے اپنی اہلیہ کو بطور تعلیم کے لکھا [illegible]

[illegible] ان باتوں کا [illegible]

[illegible] صرف یہ ایک کتاب پڑھ کر تمام قابل اصلاح [illegible]

[illegible] ہندوستان تباہ و برباد ہو رہا ہے [illegible]

[illegible] تعلیم و تربیت . زمرتی . ناک . میاں . بیوی . [illegible] بیاہ شادی [illegible]

[illegible] چنانچہ کئی بیویاں . وطن . قوم . [illegible] مسلم لیگ . [illegible]

[illegible] ہندوستان کے بڑے بڑے مشہور مردوں اور عورتوں نے [illegible]

[illegible] ہونے میں [illegible] تسلیم کر لیا ہے کہ عورتوں کے لیے یہ پہلی کتاب ہے [illegible] کتابوں سے زیادہ مفید

[illegible] خواہ ہندو کا ہو یا مسلمان کا اس کتاب کا رکھنا ضروری ہے [illegible] کام کی کتاب [illegible]

[illegible] تقسیم کرنی چاہیے . کیونکہ اس کے پڑھنے سے [illegible] عورتوں کو بہت [illegible]

[illegible]

[illegible] اپنی بیوی کو تعلیم دینا اور [illegible]

[illegible] آج تک ایسی کوئی کتاب نہیں چھپی قیمت صرف ۱۲/

مصور فطرت حضرت خواجہ حسن نظامی کی کتاب

کرشن بیتی

[illegible] کرشن جی کی لائف آج تک اردو زبان میں کوئی [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] المعارف [illegible]

ہر ہر قدم اپنا جلوہ دکھاتا ہے۔

(۱) کیا تماشا ہے کہ ہمیشہ آیہ کریمہ ھو الاول والاخر والظاھر والباطن پڑھی جاتی ہے۔ اور تمام الفاظ کے لغوی معنی جو حقیقی معنی ہیں سمجھے جاتے ہیں مگر جب ظاہر پر آتے ہیں تو ظاہر پرستی گلوگیر ہو جاتی ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ یہ آیت متشابہات سے ہے اسکے معنی پر بغیر سمجھے ہوئے ہم ایمان لاتے ہیں یا یہ تاویل کیجاتی ہے کہ اُسکے آثار ظاہر ہیں۔ جب پوچھا جاتا ہے کہ جناب یہ آپنے کیوں کر سمجھ لیا کہ یہ آیت متشابہات سے ہے صرف اسلیئے کہ آپنے جو ایک خود ساختہ خاکہ خدا اور اُسکے اوصاف کا قائم کر لیا ہے۔ اُسکے خلاف لفظ "ظاہر" پڑتی ہے۔ اسلیئے آپنے اسکو متشابہات کہکر ابھی جان بچائی۔ اسیطرح جنہوں نے تاویل کی اُنکو بھی یہی مجبوری پیش آئی۔ اگر وہ مسئلہ وحدۃ الوجود تسلیم کر لیا جاتا تو نہ اُسکو متشابہات سے ماننے کی ضرورت ہوتی۔ نہ تاویلی کاٹ چھانٹ کی۔ بیشک وہی ہستی عالم میں ظاہر ہے وہی پوشیدہ وہی مبدء وہی منتہٰی ہے۔

(۲) قرآن حکیم کی یہ مشہور آیہ کریمہ اللہ نور السمٰوٰت والارض مثل نورہ کمشکوٰۃ فیہا مصباح الخ۔ حقیقت احدیہ اور حقیقت محمدیہ کا ایک تشبیہی نقشہ ہے اس آیت کی تفسیر میں حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مکمل کتاب "مشکوٰۃ الانوار" لکھی ہے۔ اور کامل طور پر دکھلایا کہ نور احد وجود بہ اعتبار مقصد ہیں۔ نور الانوار یا نور غیب ذات احدیت ہے۔ اور اُسی نور کا کامل عکس نور نبوت یا حقیقت محمدیہ ہے۔ "نورٌ علیٰ نور" میں اسیکی طرف اشارہ ہے ؎

دائرہ بہ ذات جہل اے نقطہ بہنا توئی
اے عقل کل بھیلو تاں سائرہ ہیولا توئی

(۳) کل شئ ھالک الا وجہہٗ میں ہالک صیغہ اسم فاعل ہے جو تمام

مصنفہ علامہ راشد الخیری کی کتاب

سراب مغرب

یہ مولینا کی وہ تصنیف ہے جس کا دنیائے نسواں کو مدتوں سے انتظار تھا اور اردو لٹریچر جس کے واسطے بے چین تھا تعلیم نسواں کے مسئلہ میں اس فیصلہ کی اشد ضرورت تھی کہ غیر مسلم ذرائع سے مستفید ہونا کہاں تک جائز ہے مصور غم راشد کا فیصلہ قابل دید ہے قصہ اس قدر درد انگیز اور دلچسپ ہے کہ ہر ہر لفظ کلیجے کے پار ہوتا ہے ابتدائی چیخیں ہنستے روتے اذہان پیدا کردیتی ہیں۔ سراب مغرب کتاب نہیں ایک جادو ہے جس کو پڑھ کر ناظر ساکت ہو جاتا ہے یا اکرم کے ہاتھوں آبروئے سادات کا انجام فیشن جدید کے نتائج۔ پارٹیز کا حشر دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے مولینائے محترم کی تصنیف کا اعلان کے بعد نام تک نہیں رہتا۔ اس لیے اگر درخواست فی الفور نہ بھیجی گئی تو تاخیر کا ذمہ دار پریس نہ ہوگا۔ قیمت ۰ ؍ علاوہ محصول۔

مصنفہ علامہ راشد الخیری کی کتاب

سات روحوں کے اعمالنامے

عالم ممدوح کی سیر کرنی ہو یا پردۂ موت کو ہٹا کر کچھ دیکھنا ہو تو سات روحوں کے اعمالنامے ملاحظہ فرمائیے جو مولینا راشد الخیری مدظلہ کا وہ معرکۃ الآرا مضمون ہے جس کو پڑھ کر ہر ناظر کی ادھر کی بندھ گئی اور ہمارے بہنیں کی چیخیں مل پڑ گئے، راز و نیاز کے چوچلے عشق و محبت کے کرشمے خانہ داری کے مناظر غرض انسانی زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جو ان سات روحوں کے اعمالنامے محروم ہوں۔ یہ مضمون اخبار خطیب میں مسلسل نکل چکا تھا مگر اس کی طلبی اس قدر زیادہ ہوئی کہ اب اسے کتابی صورت میں شائع کرنا پڑا۔

اس مبحث پر جناب مصنف نے ایسے لطیف پر مغز نظارے دکھائے ہیں کہ حیات و ممات دونوں کی سچی تصویریں آنکھ کے سامنے پھر جاتی ہیں قیمت ۲ ؍ علاوہ محصول۔

نظام المشائخ کی پچھلی جلدیں

جلد ۱۰ محرم [illegible] لغایت جمادی الآخر [illegible] قیمت [illegible] علاوہ محصول
〃 ۱۳ رجب [illegible] لغایت ذی الحجہ [illegible] قیمت [illegible] 〃
〃 ۱۴ محرم [illegible] لغایت جمادی الآخر [illegible] قیمت [illegible] 〃

جلد ۱۵ رجب [illegible] لغایت ذی الحجہ [illegible] قیمت [illegible] علاوہ محصول
〃 ۱۶ محرم [illegible] لغایت جمادی الآخر [illegible] قیمت [illegible] 〃 〃
جلد ۱۵ و ۱۶ کے علاوہ سب میں نہایت چکنا کاغذ لگا ہے

زمانہ گزشتہ و موجودہ و آئندہ پر حاوی ہے۔ جسکی رو سے یہ معنی ہوئے کہ پہلے بھی ہر چیز فانی تھی۔ اور اسوقت بھی فانی ہے اور آئندہ بھی فانی رہے گی۔ پھر لغوی معنی کے خلاف اشیاء کائنات کو کیوں اسوقت باقی سمجھا جاتا ہے اور باعتبار حقیقت کیوں تعینات ہستی کو معدوم نہیں کہا جاتا تاکہ فانی کو باقی جانتے ہو تمکو تعجب کیونکر حاصل ہوئی۔

(۴) اب قرآن حکیم سے احادیث پر آؤ تو نبی کریمؐ کے اس ارشاد پر غور کرو۔ یا ابا بکر لم یعرفنی حقیقتی غیر ربی "اے ابابکر میری حقیقت میرے رب کے سوا کسی نے نہیں پہچانا" اگر آپ ویسے ہی بشر تھے جیسا کہ لوگوں نے سمجھ رکھا تو اس سرکار کے ارشاد کے کیا معنی ہوئے اور اس نہ پہچاننے میں ان کی خصوصیت کیا ہے۔ حقیقت کسی چیز کی ایسی نہیں جسکو خدا کے سوا کوئی جانتا ہو۔ لیکن اگر اس کے سوا کوئی دوسرے معنی ہیں۔ اور آپ کی حقیقت علاوہ بشریت و رسالت کے کچھ خصائص امتیازی رکھتی ہے تو یہ وہی عرفان ہے جسکی رو سے عارفین حقیقت نے آپ کو "برزخ جامع و مظہر اتم" مانا ہے۔ گو اصل حقیقت کو کسی نے خدا کے سوا نہیں سمجھا ہے ۔

نمی گنجد در آں جا سینہ احمد — احد شد در زبان احمد محمد

کجا مانند کسے آں جا کہ گاہی — محمد خود شد مانند الٰہی

تاچناں کہ تو نی و یدہ کجا بیند — بقدر دانش خود ہر کسے کند ادراک

(۵) حضرت عائشہؓ نے سرکار ابد قرار کو خواب ناز سے بیدار کرنا چاہا۔ آپؐ نے فرمایا۔ کون ہے؟ حضرت عائشہؓ بولیں عائشہ! ارشاد ہوا کون عائشہ؟ حضرت عائشہ نے عرض کیا بنت ابو بکر! فرمایا۔ کون ابو بکر؟ حضرت عائشہ نے کہا صاحب محمدؐ! ارشاد ہوا کون محمد؟ اسوقت حضرت عائشہ سمجھ گئیں کہ یہ وہ

حالت ہے۔ جب آپ نے آنکھ کھولی تو حضرت عائشہؓ نے کل ماجرا عرض کیا۔ حضور انورؐ نے فرمایا "لِی مع اللہ وقتٌ لا یسعنی فیہ ملکٌ مقربٌ ولا نبیٌ مرسل"
ظاہر پرست اس راز و نیاز کو کیا سمجھینگے۔ اول تو روایت ہی کے جھگڑے سے کیوں نکلیں گے۔ اور نکلیں تو بہیں الٹے سیدھے معنی لگائیں گے۔

بیشک محمد صلے اللہ علیہ وسلم جب تک تعین جسدی میں رہتے تھے محمد ہوتے تھے۔ مگر جب روح اپنی اصل میں ملجاتی تھی تو کون محمد۔ کون جبرئیل۔ کیسی وحی کیسا الہام؟ ؎

زجبریل امیں قرآں بہ پیغامے نمیخواہم ہمہ گفتار معشوق ست قرآنیکہ من دارم

(۶) جب کچھ نہ تھا تو خدا تھا۔ وہ دور احدیت تھا کہ یکتائی اپنا کوس لمن الملک بجا رہی تھی۔ اسی مرتبہ کو مرتبہ غیب الغیب کہا جاتا ہے جس میں تنزیہ محض اپنا پرچم بلند کر رہی تھی۔ چونکہ وہ ذات جامع تنزیہ و تشبیہ ہے اسلئے وہ دور ختم ہوا۔ اور تشبیہ کا پردہ گرا ؎

چل شد حُب نظارہ دامن گیر گشت مطلق بہ دام قید اسیر

آئینۂ صفات میں ذات نے ظہور کیا۔ اور عرفان اتم کی شان میں کمالات الوہیت کی نمود ہوئی۔ گنج مخفی پردۂ غیب سے باہر نکلا۔ ستر ازلی نے نقاب احدیت چہرے سے ہٹائی۔ کنت کنزاً مخفیاً فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق۔ میں خزانہ مخفی تھا میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں تو میں نے خلق کو پیدا کیا۔

لیکن اس حب نے بھی محبوبیت کا پردہ حائل کر دیا۔ اور ایک برزخ کبریٰ عقل کل روح اعظم۔ کنز الکنوز۔ وحدت صرف۔ سر الانسان نور الانوار جامع انوار حسی و معنوی یعنی انسان کامل کا ظہور ہوا جسے حقیقت محمدیہ کہتے ہیں ؎

نور بیخ تنزیہ تو آئینۂ تشبیہ۔ تو شامل ہمہ حاصل ہمہ اے برزخ کبریٰ قوی

وہ اول تعین محبوبیت، وہ اول پرتو جمال، وہ اول ظلِ کمال، وہ آئینۂ ذاتِ الٰہی، وہ تنویرِ اوصافِ نامتناہی، وہ آفتابِ حسنِ ازل، وہ عکسِ حسنِ ابد، تھا غیب اُس میں تھا، اور وہ غیب میں تھا۔ شہود اسکا تھا، اور وہ شہود میں تھا۔ عالمِ امر اسکا ایک جلوہ، عالمِ خلق اسکا ادنےٰ کرشمہ، بزمِ روحانیات میں اسکی روشنی، فضائے ہستی میں اسکا اُجالا۔ وہ واسطۂ خالق و مخلوقات، وہ رابطۂ صانع و مصنوعات وہ معلولِ اول، وہ مجموعِ قوی ہے۔

خرد و جان او بہر دو سرا | واسطہ درمیان خلق و خدا

عقلی نقطۂ خیال سے بھی دیکھو تو علت کا معلول بھی کامل ہونا چاہیئے۔ اور اُسی کے توسط سے علت العلل کا فیض ہستی منتقل ہونا چاہیئے۔ بیشک وہی حقیقت جامع مرکز دائرۃ الوجود اور محور ارتقاء ماکان و مایکون ہے۔ روحانیات، مادیات، جمادات، نباتات، حیوانات اور انسان میں بقدر استعداد و صلاحیت اُسی کی چمک، اُسی کی دمک، اُسی کی رخشانی اُسی کی تابانی ہے ؎

درحقیقت نسب عاشق و معشوق یکے ست | بوالفضولان صنم و برہمنے ساختہ اند
یک چراغ ست دریں خانہ کہ از پرتو آں | ہر کجا مے نگری انجمنے ساختہ اند

تعین اول جسکو حقیقت محمدیہ کہتے ہیں۔ درحقیقت روح محمدی کیطرف مشار ہے جسے احادیث میں "اول ما خلق اللہ نوری" یا "اول ما خلق اللہ روحی" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ تشبیہات و استعارات کی زبان سے نکلکر یوں سمجھیے کہ حضرت احدیت نے سب سے پہلے اپنے آپ کو روح محمدی کی تعین میں ظاہر کیا۔ اور یہی تعین احد اور احمد میں میم کا پردہ بن گیا۔ جسکی رو سے اطلاق احد حقیقت محمدیہ پر بھی جائز نہیں۔ امتیاز کی انتہا قائم کیا گیا۔ یہی امتیاز اعتباری عبدیت کاملہ کی شان ہے۔ اور یہی عبدیت کاملہ آئینۂ اوصاف اتم ہے جس میں تمام اسماء و صفات کا سنگم ہے۔ لیکن یہ آخری

حالت سے۔ جب آپ نے آنکھ کھولی تو حضرت عائشہ رضی نے کل ماجرا عرض کیا۔ حضور انور نے فرمایا "لِی مع اللہ وقتٌ لا یسعنی فیہ ملکٌ مقربٌ ولا نبی مرسل"۔
ظاہر پرست اس رازو نیاز کو کیا سمجھینگے۔ اول تو وہ روایت ہی کے جھگڑے سے کیوں نکلیں گے اور نکلیں تو ہیں اُلٹے سیدھے معنی لگائیں گے۔

بیشک محمد صلے اللہ علیہ وسلم جب تک تعین جسدی میں رہتے تھے محمد ہوتے تھے۔ مگر جب روح النبی اصل میں ملجاتی تھی تو کون محمد۔ کون جبرئیل۔ کیسی وحی کیسا الہام؟ ع

ز جبرئیل امین قرآن بہ پیغامے نمیخواہم ہمہ گفتار معشوق است قرآنے کہ من دارم

(۲) جب کچھ نہ تھا تو خدا تھا۔ وہ دور احدیت تھا کہ یکتائی اپنا کوس لمن الملک بجا رہی تھی۔ اسی مرتبہ کو مرتبہ غیب الغیب کہا جاتا ہے جس میں تنزیہ محض اپنا پرچم بلند کر رہی تھی۔ چونکہ وہ ذات جامع تنزیہ و تشبیہ ہے اسلئے وہ دور ختم ہوا۔ اور تشبیہ کا پردہ گرا۔ ع

چوں شد حب نظارہ دامن گیر گشت مطلق بہ دام قید اسیر

آئینہ صفات میں ذات نے ظہور کیا۔ اجمال عرفان اتم کی شان میں کمالات الوہیت کی نمود ہوئی۔ گنج مخفی پردہ غیب سے باہر نکلا۔ ستر ازل نے نقاب احدیت چہرے سے ہٹائی۔ کنت کنزاً مخفیاً فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق۔ میں خزانہ مخفی تھا میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں تو میں نے خلق کو پیدا کیا۔

لیکن اس حب نے بھی محبوبیت کا پردہ حائل کردیا۔ اور ایک برزخ کبریٰ عقل کل روح اعظم۔ کنز الکنوز۔ وحدت صرف۔ سرالانسان نورالانوار جامع الوار حسی و معنوی یعنی انسان کامل کا ظہور ہوا جسے حقیقت محمدیہ کہتے ہیں۔ ع

نور رخ تنزیہ تو آئینہ تشبیہ۔ تو شامل ہمہ اصل بھی اے برزخ کبریٰ قیومی

وہ اول تعین محبوبیت، وہ اول پرتو جمال، وہ اول ظل کمال، وہ آئینۂ ذات الٰہی، وہ تنویر اوصاف نامتناہی وہ آفتاب حسن ازل، وہ عکس حسن ابد تھا غیب اُس میں تھا اور وہ غیب میں تھا۔ شہود اُسکا تھا اور وہ شہود میں تھا۔ عالم امر اُسکا ایک جلوہ، عالم خلق اُسکا ادنیٰ کرشمہ، بزم موجودات میں اُسکی روشنی۔ فضائے ہستی میں اُسکا اُجالا۔ وہ واسطۂ خالق و مخلوقات، وہ رابطۂ صانع و مصنوعات وہ معلول اول، وہ مصنوع قوی ہے ؎

خرد و جان او بہر دو سرا   واسطہ درمیان خلق و خدا

عقلی نقطۂ خیال سے بھی دیکھو تو علت کا معلول بھی کامل ہونا چاہیئے۔ اور اُسی کے توسط سے علت العلل کا فیض ہستی منتقل ہونا چاہیئے۔ بیشک وہی حقیقت جامع مرکز دائرۃ الوجود اور مدار ارتقاء ماکان وما یکون ہے۔ روحانیات، مادیات، جمادات، نباتات، حیوانات اور انسان میں بقدر استعداد و صلاحیت اُسی کی چمک، اُسی کی دمک، اُسی کی رخشانی اُسی کی تابانی ہے ؎

درحقیقت نسب عاشق و معشوق یکے ست   بوالفضولان صنم و برہمنے ساختہ اند
یک چراغ است دریں خانہ کہ از پرتو آں   ہر کجا مے نگری انجمنے ساختہ اند

تعین اول جسکو حقیقت محمدیہ کہتے ہیں، وہ حقیقت روح محمدی کیطرف اشارہ ہے جسے احادیث میں "اول ما خلق اللہ نوری" یا "اول ما خلق اللہ روحی" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ تشبیہات و استعارات کی زبان سے نکلکر یوں سمجھو کہ حضرت احدیت نے سب سے پہلے اپنے آپ کو روح محمدی کی تعین میں ظاہر کیا۔ اور یہی تعین خدا و احمد میں میم کا پردہ بن گیا۔ جسکی رو سے اطلاق احد حقیقت محمدیہ پر بھی جائز نہیں۔ اعتباری تمیز قائم کیا گیا۔ یہی امتیاز اعتباری عبدیت کاملہ کی شان ہے۔ اور یہی عبدیت کاملہ آئینۂ اوصاف اتم ہے۔ جس میں تمام اسماء و صفات کا سنگم ہے لیکن یہ آخری

مرحلہ ہنوز طے نہیں ہوا کہ خواہ مخواہ تمام کائنات سے انتخاب کرکے روح محمدی کے سر پر سہرا کیوں رکھدیا گیا ہی۔ اس مسئلہ کو گو بعض اگلے مضامین میں جنکی اشاعت نظام المشائخ گزشتہ رسول نمبر میں ہوئی تھی۔ ہم عقلاً و نقلاً صاف کرچکے ہیں۔ مگر اس موقع پر بھی بقدر ضرورت کچھ کہنا ضروری ہے +

تمام کائنات میں صرف۔ انسان ہی ایک حقیقت جامع ہے۔ جس میں اوصاف ملکی، بہیمی، سبعی، روحانی شیطانی کا اجتماع ہوا ہے۔ اور اسی لیئے نوع انسان مظہر کامل تسلیم کی جاتی ہے۔ جس میں خدا کی صورت صفاتیہ کا ظہور اتم ہے۔ اور یہی سر صفاتی ہے۔ جسنے اسکے سر پر تاج کرامت اور زیر پا تخت خلافت رکھدیا کل عالم امکان اسکے لیئے ہے۔ اور وہ خود اپنے لیئے اسکو دیکھتے ہوئے نہیں سمجھا جا سکتا کہ مظہر کامل الصفات انسان کے سوا وہ موجودات جو سکتے ہیں جو انسان کی خدمتگار رہیں یا جگزار رہیں +

لیکن انسانوں میں بھی یہی صفاتی فرق اور تفاوت عظیم نظر آتا ہے وہ بھی ہیں جن کے قوائے سمی حیوانات سے بھی دس بیس نمبر زیادہ ہیں۔ وہ بھی ہیں جنکی ملکیت سے فرشتے پانی بھرتے ہیں۔ وہ بھی ہیں جن کی علمی و عملی طاقتیں گویا مسلوب ہیں۔ وہ بھی ہیں جن کے علم و عمل کی سطح شان احدیت سے ملجاتی ہے۔ اور انہیں کو دیکھکر لوگ خدا کو جانتے پہچانتے ہیں۔ وہ بھی ہیں جو ساری عمر پڑھائے جاتے ہیں اور سبکو دن کے کودن رہتے ہیں۔ وہ بھی ہیں جو ایک حرف نہیں پڑھتے اور ساری دنیا کو پڑھا دیتے ہیں۔ وہ بھی ہیں جو بداخلاقی میں ابلیس کے استاد ہیں۔ وہ بھی تھے جو فرشتوں کو محاسن آداب سکھلاتے تھے۔ کمالات کا یہ بین تفاوت سب انسانوں کو ایک لاٹھی نہیں ہانک سکتا۔ ناقص و کامل کا فرق قائم کرنا پڑتا ہے۔ اب غور طلب یہ ہے کہ انسان کامل جو انتہائی نقطۂ کمال پر ہو کوئی ایک انسان ہوگا۔ ایک معیار

تمہارے ہاتھ میں ہے [illegible] تاریخ عالم نظر کے سامنے۔ دیکھو کہ ایسا انسان کامل
کس ملک میں، کس قوم میں، کس عہد میں تمہارے ہاں [illegible] کا چشمہ [illegible]
خدا کی [illegible] اگر تم کسی کے صفات میں خدا کا جلوہ نظر آئے۔ اگر تم کو کسی کی زندگی
[illegible] اگر تم کو کسی کے حسن میں خدا کا حسن محسوس ہو۔ اگر تم
کسی کے حال میں حالات الوہیت کا مطالعہ کرو تو ہم کو بھی خدا کے سامنے [illegible]
ہو سکتے ہیں [illegible] گردن اطاعت خم کر دو۔ اور مان لو
کہ یہ روحانیت [illegible] شخصیت مقدسہ حضور سرور کائنات فخر موجودات [illegible]
[illegible] حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم ہی [illegible] تھے۔
کنت نبیا و آدم بین الماء والطین " تمام روحانیتیں ایک ہی ہیں اور حضور
[illegible] آپ ہی سب [illegible] ہو چکا۔ اور
اوصاف کے [illegible] تفصیلی [illegible] کئے جا چکے یہی فیصلہ کرنا پڑا ہے

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

آپ کی زندہ تصویر قرآن حکیم موجود ہے جو درحقیقت اخلاق محمدی کا پورا عکس ہے
اسکی بہترین اخلاقی تعلیمات ہی کا دوسرا [illegible] پیش کرو تو بھی ہم سمجھیں گے کہ
یہ کسی ایسے روحانی سرچشمہ سے نکلی ہیں جو کم از کم رموز فطرت کا اگر خود عالم نہیں
تو کم سے کم عالم ضرور تھا۔ لیکن خیر سے بالکل مطلع صاف ہے۔ نہ کوئی علم لدنی میں
آپ کی مثال نہ کوئی اعمال اخلاقی میں آپ کا جواب۔ آپ کا ارشاد بالکل بجا ہے

ایکم مثلی کا حل کرتے ہو

بپنش نا پتے دارونہ سعدی را سخن پایاں بماند تشنہ مستقی و دریا ہمچناں باقی

ارباب [illegible] کے شبہات

اسمیں شک نہیں کہ مسئلہ وحدۃ الوجود اُن عقائد میں سے نہیں ہے جسکو ظاہر شرع نے ضروریات دین سے قرار دیا ہو۔ اسلام کے دائرے میں داخل ہونے کے لیئے خدا کی اجمالی توحید کا مان لینا کافی ہے لیکن اس زینہ سے جب دو قدم آگے بڑھاؤ گے اور تمہیں اپنا وہ مذہب کا سوال درپیش ہوگا تو اسوقت اجمالی توحید کی تفصیل لازمی ہوگی۔ اسوقت وحدۃ الوجود کا مسئلہ پیدا ہو جائے گا۔ کیونکہ نافی موثرات کا مشاہدہ ہی حقیقی توحید اور ماسوی اللہ کو مٹانا ہی اصلی وحدانیت ہے جب یہ مان لیا جائے گا کہ عالم میں حقیقۃً خدا کے سوا کوئی موجود ہی نہیں تو پھر کون موثر اور کس کی تاثیر۔ اور جب یہی حقیقت دیدۂ بصیرت پر منکشف ہوگی تو روح تمام تعینات جسدی سے چھوٹ کر حقیقت محمدیہ میں گم ہو جائے گی اور آخر اپنی اصل سے مل جائے گی۔ ہ

ہر کسے کو دور ماند از اصل خویش — باز جوید روزگار وصل خویش

صورت از بے صورتی آمد بروں — باز شد انا الیہ راجعون

بے رنگی و بے صورتی آمد چو اصل یکجا — رو بسوئے بے صورتی لا اخشیت ...

واللہ اعلم وعلمہ اتم ۔

فقیر برق

[illegible]

پولیٹیکل گرگٹ کی نسبت

اخبار خطیب کی رائے آج کل جبکہ سنٹرل پیروقار فرزندان اسلام ملکی حالات کی نفاعت کا انتظام کر رہی ہے اس سلسلہ میں پولیٹیکل گرگٹ بھی شائع کر چکی ہے جیسی ضرورت ہوتی ہے دیکھا جا رہا ہے سب سے پہلے مظہر مولوی ظفر علی خانصاحب کی سیرۃ پر وہشتی ڈالنے کا اہتمام شیخ ضیاء الحق صاحب سابق ایڈیٹر اخبار پیشوا کو اپنے ذمہ لینا پڑا ہے شیخ صاحب کی نسبت مشہور ہے کہ ان سے کوئی ایسا شخص جو صراط مستقیم سے ہٹ گیا ہو بچ نہیں سکتا اور خصوصاً سیاسی بگروؤں کے لیے تو وہ ہیچ پچھ ہوتے ہیں لنگرکی میں تفسیر کھو مولوی ظفر علی خانصاحب باولے کتے کے کاٹنے کے بعد سے جو رویہ اختیار کیا ہے اور جس طرح وہ دارالحکومت شملہ سے لاہور اور لاہور سے حیدرآباد پہنچ گئے ہیں اس پر ملکی و قومی پریس بہت کچھ لکھ چکا ہے مگر بہت لوگ ہونگے جنہوں نے انکے اس فعل کو پسند کیا ہو لیکن یہ سارا ہوا منتشر تھا اور مولوی ظفر علی خاں جیسے ہوشیار اور زبان شناس شخص اس وقت میں کسی وقت چاہتے تو قلم کی یا سرگرمی زبان کی ذرا سی حرکت سے پبلک کو مست و سرشار کر دیتے اور انکی سب بد عنوانیاں بھول جاتیں مگر شیخ ضیاء الحق صاحب نے کتابی صورت میں جمع کرکے بقائے دوام دیدیا ہے اور بستان کے اثر کو دو بالا بنا دیا ہے اسکا نام شیخ صاحب نے

پولیٹیکل گرگٹ

رکھا ہے اسکے شروع میں بطور دیباچہ و تمہید مولوی ظفر علی خانصاحب کی آپ بیتی زندگی بھی کہانی ہے اور مولانا محمد علی کے بارے میں بھی عجیب عجیب انکشافات ہیں جتم کتاب پر لکھا ہے بیوقوف لیڈر و قومی خادم کی کہانی ہے جس کا مطمح نظر ایک ساہوکار یا سیٹھ بننا تھا۔ یہ آئینہ ہے ان سب قومی ڈاکوؤں اور ملی غارتگروں کے سمجھنے اور دیکھنے کا جو قوم مذہب اور ملک کا نام لیکر غریبوں مفلسوں یتیموں بیواؤں کو لوٹکر اپنی جیب بھرتے ہیں اور امیرانہ شان سے قومی شہید کہلا کر مزے اڑاتے ہیں۔ یہ کتاب ظفر علی ہی کی کھلی نہیں بلکہ لیگی جلگان جیسے تمام فرضی لیڈروں کی حقیقت پبلک کو سمجھا دے گی اور ایک ان سب بناوٹی لیڈروں کی کہانیاں آجاتے جائیں گے جس کمات کہ ظفر علی خاں کی بناوٹ اتر کر چلی گئی ہم پولیٹیکل گرگٹ کا از اول تا آخر مطالعہ نہیں کر سکے۔ سرسری ورق گردانی سے اتنا ہی معلوم ہوا جتنا اوپر بیان کیا گیا ضخامت تقریباً ۸ جزو بڑی تقطیع سفید دبیز کاغذ عمدہ لکھائی چھپائی قیمت ۱۲ر علاوہ محصول۔

مینیجر رسالہ نظام المشائخ دہلی سے منگائیے

اشتہار

ادویات مجربہ قیمتاً عملیات تعویذات مجربہ ہدیتہً

ملنے کا پتہ **درویش** مولوی علی محمد خاں ہاشمی مقام جامپور ضلع ڈیرہ غازی خاں (پنجاب)

خصوصیات رسول عربیؐ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا وَّلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ۔ اور (اے پیغمبر) ہم نے تم کو تمام جہان کے لوگوں کی طرف (پیغمبر بنا کر) بھیجا ہے کہ (ان کو ایمان لانے پر جنت کی) خوشخبری سناؤ اور (کفر کرنے پر ہمارے عذاب سے) ڈراؤ مگر اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔

رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم دیگر تمام انبیاء اور رسل علیہم السلام سے کئی باتوں میں مخصوص اور ممتاز ہیں۔

اول یہ کہ دیگر انبیاء صرف اپنی اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ اور رسول عربیؐ تمام دنیا کے لوگوں کے لیے بھیجے گئے ہیں۔ لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِہٖ فَقَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ ؕ اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْکُمْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ۔ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِہٖٓ اِنَّا لَنَرٰىکَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۔ قَالَ یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ ضَلٰلَۃٌ وَّلٰکِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۔ بیشک ہم نے نوحؑ کو ان کی قوم کی طرف (پیغمبر بنا کر) بھیجا تو انہوں نے (لوگوں کو جا کر) سمجھایا کہ بھائیو اللہ (ہی) کی عبادت کرو (کیونکہ) اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں اور اگر تم میرا کہا نہ مانو تو مجھ کو تمہاری نسبت (قیامت کے) بڑے ہولناک دن کے عذاب کا (سخت) خوف ہے (اس پر) ان کی قوم میں جو سردار تھے۔ کہنے لگے کہ ہمارے نزدیک تو تم صریح

گمراہی میں پڑے ہو (اس پر نوح نے) کہا بھائیو! مجھ میں تو گمراہی کی کوئی
بات نہیں ہے بلکہ میں تو پروردگار عالم کا بھیجا ہوا ہوں۔

اسی طرح ہود علیہ السلام اور صالح علیہ السلام اور لوط علیہ السلام اور شعیب
علیہ السلام اپنی اپنی قوم کی طرف بھیجے گئے تھے اور جو گفتگو اور سوال وجواب
نوح علیہ السلام اور انکی قوم کے سرداروں کے درمیان ہوئی تھی اسیکے لگ بھگ
گفتگو اور سوال وجواب مندرجہ بالا پیغمبروں اور انکی قوم کے سرداروں کے درمیان
ہوئی تھی۔ ملاحظہ ہو سورۂ اعراف ۷ رکوع ۱۰ پارہ ۸۔ جسطرح ابراہیم علیہ السلام کا
حال تھا بنی اسرائیل کے انبیاء نے اپنی قوم بنی اسرائیل کے سوا کسی اور قوم سے غرض نہ رکھی
زرتشت اور کنفیوشس اور بدھ خواہ انبیاء ہوں خواہ مصلح اپنی اپنی قوم یا اپنے اپنے ملک تک انکی
تعلیم محدود رہی زرتشت کا ایران سے اور کنفیوشس کا چین سے اور بدھ کا ہندوستان سے باہر کوئی پیغام نہ تھا
پیغمبر رسول عربی سے کہ عرب ہو عجم یا عربستان اور ایران اور چین اور ہندوستان
اور روم غرضکہ ایشیا اور یورپ اور افریقہ اور امریکہ اور جزائر [illegible]
میں انکی تعلیم یکساں کارگر رہی۔ انہوں نے کالے اور گورے اور [illegible]
اور غلام کی تمیز بالکل معدوم فرمائی۔ اور سب کو ایک ماں باپ کی اولاد قرار دیا
اور یہ اعلان فرمایا کہ رب العالمین سے یہ فرمان آیا ہے "يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا
خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ
اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ" لوگو! ہم نے تم
کو ایک مرد (آدم) اور ایک عورت (حوا) سے پیدا کیا اور (پھر) تمہاری قومیں اور
برادریاں ٹھیرائیں تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کرسکو!
تم میں بڑا شریف وہ ہے جو تم میں بڑا پرہیزگار ہے [illegible]
مہربان ہے۔"

ذاتِ مبارک نے کسی خاص قوم یا ملک کو مخاطب نہیں کیا۔ تمام لوگوں کو مخاطب کیا ہے۔ یہ بات بھی اس امر کی دلیل ہے کہ رسول عربی ہر ایک انسان کے لیے رہنما ہیں۔ نہ اسے دکھو نہ کہتا یا قوم محمدؐ اور یا قریش اور یا عرب کہا جاتا۔ رسول اللہ کی زندگی میں خود ہر ایک قوم کے آدمی کو مسلمان بنانے تھے بلال رضی اللہ عنہ حبشی تھے۔ سلمان رضی اللہ عنہ پارسی اور صہیبؓ رومی تھے۔ نیز رسول اللہ نے نامور یعنی علما اور صوفیائے عظام نے بھی روئے زمین کے تمام لوگوں کو اسلام کی دعوت دی۔ خود رسول اللہ نے شہنشاہ روم اور دیگر بادشاہوں کو دعوت اسلام ارسال فرمائے۔

دوم۔ رسول اللہ کی خصوصیت یہ تھی کہ دیگر انبیاء [illegible] قوم کو وعظ و نصیحت فرماتے۔ اور رسول عربی تعلیم بھی دیتے تھے۔ لیکن [illegible] تزکیہ نفس بھی ساتھ ساتھ کیا کرتے تھے۔ گویا واعظ اور معلم اور مرشد سب کچھ تھے۔ خالی وعظ و تعلیم اور ہدایت اور ارشاد میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ خالی وعظ کا اثر اس قدر نہیں ہوتا جتنا تعلیم کا ہوتا ہے۔ بنا بریں جو انبیاء پر بجز معدودے چند [illegible] ایمان نہیں لائے [illegible] رسول عربی کی تعلیم اور ہدایت نے وہ اثر کیا کہ تھوڑے عرصے میں تمام جزیرہ عرب دست بستہ آیا۔ اور دور دور تک اسلام کی خوشبو پہنچ گئی

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝ وَآخَرِينَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ۝ (جمعہ) [illegible] جاہلوں میں سے محمدؐ کو پیغمبر بنا کر بھیجا کہ وہ [illegible] خدا کی [illegible] پڑھ کر سناتے [illegible] پاک صاف کرتے

ُن کو کتاب (الٰہی) اور عقل (کی باتیں) سکھاتے ہیں ورنہ (اس سے) پہلے تو یہ
لوگ صریح گمراہی ہیں (مبتلا) تھے ہی اور (نیز خدا نے ان پیغمبر کو) اور لوگوں کی
طرف (بھی بھیجا ہے) جو ابھی تک ان (عرب کے مسلمانوں) میں شامل نہیں ہوئے (مگر
آخرکار ان میں آملیں گے) اور خدا زبردست (اور) حکمت والا ہے (پیغمبری) اللہ
کا فضل ہے جس کو چاہے عنایت کرے۔ وہ اللہ کا فضل (بہت) بڑا ہے۔

ان آیات میں تعلیم اور ہدایت کی طرف اشارہ ہے۔ اور نیز یہ کہ رسول عربی
تمام جہان کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ نوح علیہ السلام ساڑھے نوسو برس
میں صرف اپنی قوم کو راہ راست پر نہ لا سکے۔ اور رسول عربی نے ساڑھے نو برس
میں جزیرہ عرب کو نور ایمان سے منور فرمایا۔ غرضکہ رسول عربی کا طریقہ تبلیغ و
تعلیم دیگر انبیا سے جدا اور نرالا تھا۔

سوم خصوصیت رسول عربی کی یہ تھی کہ جو کوئی رسول عربی پر ایمان لاتا
تھا۔ وہ اُن کا عاشق ہوجاتا تھا۔ اور اُنپر جان دینے کو تیار ہوجاتا تھا بلکہ اب بھی
جسکے دلمیں ذرہ بھر ایمان ہو وہ رسول عربی کو اپنے مال و اولاد سے زیادہ پیارا
جانتا ہے۔ اور تمام عمر اُنکے روضۂ اقدس کی زیارت کا مشتاق رہتا ہے۔ دوسرے
انبیاء کا یہ حال نہ تھا۔ عیسےٰ علیہ السلام کو اُنکے حواریوں نے عین ہلاکت کے
وقت تن تنہا چھوڑ دیا بلکہ ایک نے یہاں تک غداری کی کہ تیس روپیہ رشوت
لیکر انکو پکڑوادیا۔ موسیٰ علیہ السلام ہمیشہ بنی اسرائیل سے شاکی رہتے تھے۔
وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِيْ وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّيْ رَسُوْلُ
اللّٰهِ اِلَيْكُمْ فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ
الْفٰسِقِيْنَ ۝ (اے پیغمبر! لوگوں کو وہ وقت یاد دلاؤ) جب موسیٰ نے اپنی قوم
کے لوگوں سے کہا کہ بھائیو مجھے کیوں ستاتے ہو۔ اور (دل میں تو) تم کو (بھی)

یقین ہو گیا ہے کہ میں [illegible]

تیری ہی چال چلے۔ خدا نے انکی سمجھ بھی [illegible]

نہیں دیا کرتا۔

برخلاف اسکے حضرت علی [illegible]

اپنی جان کو خطرہ میں ڈالکر رسول [illegible]
رضی اللہ عنہ اسی واقعہ میں تین رات تک رسول اکرم کے ساتھ [illegible]
تمام صحابہ رسول اکرم پر ہمیشہ اپنی جانیں فدا [illegible]
[illegible] کا اسقدر گرویدہ ہے کہ وہ تمام عمر یہی رہتا ہے کہ کاش خواب میں ہی رسول
اکرم کا دیدار ہو جائے (لاکھوں نے مدینہ منورہ دیکھا ہے۔ کمال اشتیاق دیدار
مزار سے میرے آنسو ٹپک پڑتے تھے) اور ہر ایک مسلمان کی یہ خواہش ہوتی
ہے کہ میں رسول اکرم کے زمانہ میں ہوتا۔ اور انکی جگہ اپنی جان قربان کرتا۔ صلی اللہ
علیہ وسلم۔ خدا جانے حضور کی روح اطہر میں کس شان کی کشش مقناطیسی ہے کہ ایک
متبع کی روح کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ مبارک وہ ہے جو حضور کا پیرو ہے۔

چہارم خصوصیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيِّينَ عَلَىٰ بَعْضٍ ۖ وَآتَيْنَا دَاوُودَ زَبُورًا ۝ ہم نے بعض پیغمبروں پر بعض کو
برتری دی ہم ہی نے داؤد کو زبور (کتاب) عطا فرمائی"۔

انبیاء میں بعضوں کی بعضوں پر فضیلت یہ ہے کہ بعض انبیاء صرف نبی تھے
رسول نہیں تھے۔ جیسے سموئیل علیہ السلام وغیرہ۔ اور بعض نبی اور رسول دونوں
تھے۔ مگر انکو کتاب نہیں دی گئی۔ جیسے زکریا اور یحییٰ اور ادریس وغیرہم علیہم السلام
بعض وہ تھے کہ انکو کتاب دی گئی یا کوئی صحیفہ دیا گیا۔ مگر وہ خلیفہ نہ تھے جیسے
ابراہیم علیہ السلام اور اسمٰعیل علیہ السلام اور جیسے خلیہ السلام۔ بعض وہ تھے کہ دنی

اور رسول اور خلیفہ تھے مگر وہ الوالعزم نہ تھے۔ جیسے داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام۔ یہ رسول اکرم ہی تھے کہ نبی بھی تھے مرسل بھی تھے۔ الوالعزم بھی تھے۔ اور صاحب کتاب بھی تھے۔ اور خلیفہ بھی تھے۔ غرض سب کچھ تھے ؛

نبوت اخلاق الٰہی میں سے بہت سے اخلاق پر شامل ہے۔ جیسے جود، کرم، قدرت، قوت، علم، مغفرت، عفو، پردہ پوشی، فساد کی اصلاح، حق کی طرف مائل ہونا، باطل سے روگردانی کرنی۔ ظلمت کو دفع کرنا، حق کو قائم کرنا دین کی مدد کرنی، لوگوں کے حقوق کی حفاظت کرنی۔ اور سعادت حاصل کرنے کے لیئے اُنکے واسطے قواعد مقرر کرنا۔ اور رسالت کے یہ اخلاق ہیں، نرمی، خوش کلامی، لوگوں سے محبت کے ساتھ ملنا، حق کی جانبداری کرنی، عدل کو قائم کرنا، قواعد اسلامی کو شائع کرنا، مسلمانوں کو راحت پہنچانی، اور انکی تکلیف دور کرنی، اور انکی مدد کرنی ؛

اور خلیفہ کے یہ اخلاق ہیں۔ حکمت، شجاعت، عفت، عدالت، دشمنوں کو دفع کرنا، دوستوں کے ساتھ عنایت کرنی، خدا کے بندوں کو راہ راست بتلانی خدا کی طرف اُنکو حکمت اور نصیحت اور مجادلہ کے ساتھ بلانا۔ اور اُنکے واسطے رفیقوں اور مددگاروں اور کارکنوں کا ہونا بھی ضروری ہے۔ جن کے ذریعہ سے تنزیل کی اشاعت کیجائے۔ یَا اَیُّهَا النَّبِیُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝ اے پیغمبر! اللہ اور مسلمان جو تمہارے فرمان میں تم کو بس کرتے ہیں"۔ اسی کی طرف اشارہ ہے۔ رسول عربیؐ ہی تھے کہ تمام اخلاق الٰہی سے متصف تھے۔ گویا مجمع کمالات اور ذات وصفات واسمار کے مظہر اتم تھے۔ کسی نے سچ کہا ہے ؎

حُسن یوسف دمِ عیسےٰ ید بیضا داری آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

پنجم۔ خصوصیت رسول عربی کی یہ ہے کہ دنیا میں بڑے بڑے اولوالعزم
انبیاء اور فلاسفر اور حکماء ہو گزرے ہیں۔ مگر سب کے نام صرف کتابوں میں مذکور
ہیں۔ روزانہ یا ہفتہ وار یا ماہوار یا سالانہ انکو کوئی بھی یاد نہیں کرتا بڑے
بڑے تاجدار اور سپہ سالاروں نے اس ارمان اور آرزو میں جان دی کہ بعد از موت
ان کی کوئی یادگار رہے حتی کہ عظیم الشان مکان بنوائے۔ اپنے اپنے مجسمے تیار
کرا کر عام گزرگاہوں اور بازاروں میں کھڑے کرائے۔ مگر ان کی یہ کوشش بیکار
گئی۔ کوئی ان کا نام نہیں لیتا۔ صرف رسول عربی کی روح مبارک ہو کہ جب تک دنیا
میں رہے تب بھی مشہور رہے اور بعد رحلت بھی ایک گھنٹہ ایک سکنڈ بلکہ ایک سانس
بھی انکے ذکر سے خالی نہیں جاتا۔ دنیا میں تقریباً چالیس کروڑ مسلمان آباد ہیں
اور ہر ملک میں موجود ہیں۔ دن میں پانچ دفعہ تو صرف اذان میں لاکھوں آدمی
اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ و اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ بڑے درد
اور خوش الحانی سے پکارتے ہیں۔ اور کروڑوں آدمی اذان میں اسی کلمہ کا جواب دیتے
ہیں سبحان اللہ کیا شان ہے۔ دن میں نمازیں ہیں۔ فجر، اشراق، ظہر، عصر
اور رات میں نمازیں ہیں۔ مغرب و عشاء اور تمام رات۔ اگر کہیں رات ہے تو کہیں دن
ہوگا۔ اگر ایک ملک میں رات کی نمازیں پڑھی جاتی ہیں تو دوسری جگہ دن کی نمازیں
پڑھی جاتی ہونگی۔ اور ہر نماز میں حضورؐ پر درود بھیجا جاتا ہے۔ نماز شروع کرنے سے
پہلے اور نماز کے اندر التحیات۔ گویا ہر نماز میں کروڑوں درود حضورؐ پر بھیجے جاتے
ہیں۔ اور جتنے نفوس انسانی درود بھیجتے ہیں۔ اتنے ہی بلکہ اُنسے زیادہ فرشتے بھی
آدمیوں کے ہمنوا ہو کر حضورؐ کی ترقی درجات کی دعا مانگتے ہیں۔ اور اسیطرح سال بھر
ہر ملک میں ربیع الاول کے مہینے میں مولود شریف کی مجالس قائم ہو جاتی ہیں اور
لاکھوں آدمی حضورؐ کے ذکر و اذکار میں مصروف رہتے ہیں۔ اور نیز تمام سال اور

حضور صلعم کے زمانے میں ہزاروں آدمی مدینہ منورہ جاتے ہیں اور وہاں مسجد نبوی میں روضہ شریف کے سامنے آہ و بکا کرتے ہیں۔ اور طالب شفاعت رہتے ہیں۔ علاوہ اسکے وہ ضعیف لوگ جن کا علم دینی کم ہوتا ہے۔ اور انکو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہمکلام ہونے کی طاقت نہیں ہوتی یعنی کلام اللہ نہیں پڑھ سکتے ہیں ان کا پنجگانہ وظیفہ درود شریف ہوتا ہے۔ کوئی درود اکبر کا ورد رکھتا ہے۔ کوئی دلائل الخیرات کا۔ کوئی کسی اور درود کا۔ غرض کہ ہر دم کروڑوں جن و انس اور ملائکہ حضورؐ پر درود بھیجتے ہیں۔ اور خود خدا ہر وقت خود اُن کی روح مبارک پر رحمت نازل فرماتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۔ اللہ اور اسکے فرشتے پیغمبر پر درود بھیجتے رہتے ہیں۔ (تو) مسلمانو! (تم بھی) پیغمبر پر درود و سلام بھیجتے رہو۔ بلکہ ساتھ ساتھ درود خواں اور رسول اکرمؐ کی آلؑ اور اصحابؓ پر بھی خدا کی رحمت نازل ہوتی ہے اور آل سے مراد پارسا مومن ہے۔ پس کیا آدم کی اولاد میں کوئی ایسا عظیم الشان دوسرا شخص ہے کہ وہ نبی بھی ہو۔ مرسل بھی ہو۔ خلیفہ بھی ہو۔ اولوالعزم بھی ہو تمام اوصاف فاضلہ یعنی عفت اور حکمت اور شجاعت اور عدالت میں یکتا ہو اور ہر وقت اور ہر آن کروڑوں آدمی اسکی وصف و توصیف میں رطب اللسان ہوں۔ کوئی آدمی رسول عربیؐ کی نظیر پیش نہیں کر سکتا نہ خود آدم علیہ السلام انکی مانند تھے۔ اور نہ آدمؑ کی اولاد سے کوئی اُنکے درجہ کو پہنچ سکتا ہے۔

حاجی محمد اللہ کاکاخیل اویسی

سلہ التماس محمودی۔ تمام علاقہ میں وارفیہ بہت زور سے شروع ہوا ہے۔ میرے گھر کے تمام چھوٹے بڑے بیمار پڑے ہیں میں جلدی جلدی مضمون کو ختم کر رہا ہوں کہ کہیں بخار نہ چڑھ آئے مضمون ختم کرتے ہی بخار نے تاڑ لیا۔ اور حیاتی جو کچھ بھی ہے بحوالہ خدا۔ پنشت گیا۔ اگر یہ میرا آخری مضمون ہے تو ناظرین نظام المشائخ دعائے مغفرت کریں"

فضائل رسولؐ

سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے ساری کائنات عالمِ وجود میں آئی۔
لولاک لما خلقت الافلاک +

سرورِ کائنات حضرت آدمؑ کی پیدائش سے پہلے نبی تھے۔ کنت نبیاً وکان
الآدم بین الماء والطین +

سرورِ کائنات کا نور مبارک خدائے عزوجل نے سب سے پہلے پیدا کیا۔ اول ماخلق اللہ
نوری +

سرورِ کائنات کو اللہ تعالیٰ نے عمدہ اخلاق اور بہترین اعمال میں کامل و اکمل بنا کر بھیجا
ان اللہ بعثنی لاتمم مکارم الاخلاق وکمال محاسن الاعمال +

سرورِ کائنات کے حوالے خدائے تعالیٰ نے زمین کے خزانوں کی کنجیاں کر دیں۔
اعطیت مفاتیح خزائن الارض +

سرورِ کائنات کو پروردگارِ عالم نے صبا (ہوائے شرقی) سے مدد عطا کی اور قوم عاد کو
دبور (ہوائے غربی) سے ہلاک فرمایا۔ نصرت بالصباء واھلکت
عاد بالدبور +

سرورِ کائنات کو خالق ارض وسما نے دو باتوں میں حضرت آدم پر فضیلت دی ایک تو
آپ کا شیطان کافر تھا خدا کی مدد سے مسلمان ہو گیا۔ دوسری یہ کہ
آپ کی ازواج مطہرات امور دارین میں آپ کی معین و مددگار رہیں
اور حضرت آدمؑ کا شیطان کافر تھا اور انکی بیوی نے انکو خطا پر آمادہ
کرنے کیلئے اعانت کی۔ فضلت علی آدم بخصلتین کان شیطانی

کافرا فاعانی اللہ حتی اسلم وکنا ازواجی عونا لی وکان شیطان ادم کافرا وکانت زوجتہ عونا علی خطیئتہ ۔

سرورِ کائنات کو خود اللہ تعالیٰ نے ادب سکھایا۔ اور اچھا ادب سکھایا۔ ادبنی ربی فاحسن تادیبی ۔

سرورِ کائنات کو اللہ تعالیٰ نے تمام نبیوں پر چھ امور سے فضیلت عطا کی (۱) آپ جوامع الکلم تھے (۲) آپ کو رعب مرد دیگئی۔ (۳) مال غنیمت آپکے لیے حلال کیا گیا۔ (دوسرے نبیوں کو حکم تھا کہ مال غنیمت جلا دیا جائے) (۴) آپ کے لیے ساری زمین پاک اور مسجد (خدا کی عبادت کی جگہ) قرار دیگئی (دوسرے نبیوں کو مسجد ہی میں نماز ادا کرنے کا حکم تھا) (۵) آپ ساری مخلوق پر نبی بنا کر بھیجے گئے (دوسرے نبی اپنی اپنی قوم ہی کے نبی تھے) (۶) آپ پر نبوت ختم کی گئی۔ فضلت علی الانبیاء بستۃ اعطیت جوامع الکلم ونصرت بالرعب واحلت لی الغنائم وجعلت لی الارض طھورا ومسجدا وارسلت الی الخلق کافۃ وختم بی النبیون ۔

حضورؐ اللہ کے حبیب ہیں۔ حضورؐ ہی کے دست مبارک میں قیامت کے دن لوارالحمد ہوگا۔ جسکے سایہ میں تمام انبیاء واولیا ہونگے۔ حضورؐ پہلے شخص ہوں گے جو خدا سے شفاعت فرمائینگے۔ حضورؐ ہی پہلے شخص ہونگے۔ جن کی شفاعت قیامت کے دن مقبول ہوگی۔ حضورؐ ہی پہلے شخص ہونگے کہ جنت کے دروازے کی زنجیر کھٹکھٹائیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ حضورؐ ہی کی خاطر جنت کا دروازہ کھول دینے کا حکم دے گا۔ جس میں صالحین ومتقین داخل ہونگے۔ اور حضورؐ ہی

اگلے پچھلے سب لوگوں میں بزرگ ہیں۔ حضورؐ کا ارشاد ہے یہ سب واقعی باتیں ہیں۔ کوئی فخر کی بات نہیں۔ انا حبیب اللہ ولا فخر وانا حامل لواء الحمد ولا فخر وانا اول شافع واول مشفع یوم القیامۃ ولا فخر وانا اول من یحرک حلق باب الجنۃ ولا فخر وانا اول اکرم الاولین والآخرین۔

حضورؐ کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمام اولاد آدمؑ کا سردار بنائے گا۔ انا سید ولد آدم یوم القیمۃ۔

حضورؐ کو اللہ تعالیٰ حوض کوثر پر بے سامان عطا کرے گا۔ انا فرطکم علی الحوض۔

حضورؐ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں دنیوی معاملات میں تمہاری طرح بشر ہوں یعنی مجھ سے سہو بھی ہوتا ہے اور صواب بھی۔ اور جب میں تم کو کسی امر دین کے متعلق حکم دوں تو اسکو تم مانو۔ اذا امرتکم بشیٔ من امر دینکم فخذوا بہ واذا امرتکم بشیٔ من رائی فانما انا بشر۔

حضورؐ سب سے بڑھکر اللہ کو جاننے والے اور اللہ سے ڈرنے والے تھے۔ انی اتقاکم واعلمکم باللہ انا۔

حضورؐ گو سوتے تھے مگر حضورؐ کا دل بیدار رہتا تھا۔ تنام عینی ولا ینام قلبی۔

حضورؐ کے پیرو قیامت کے دن تمام نبیوںؑ کے پیرووں سے بڑھکر ہونگے۔ انا اکثر الانبیاء تبعا یوم القیامۃ۔

حضورؐ حضورؐ ہی سب سے پہلے اپنے مزار مبارک سے جلوہ افروز ہونگے۔ انا اول الناس خروجا اذا بعثوا۔

حضورؐ امی تھے۔ نہ حضورؐ نے علم وعمل کی باتیں کسی سے سیکھیں نہ حضورؐ علماء کی صحبتوں میں بیٹھے۔ نہ حضورؐ نے اہل علم کے ساتھ سفر کیا۔ غرض کسی سے اکتساب علم وفضل نہیں فرمایا۔ باایں ہمہ حضورؐ نے جو احادیث بیان فرمائیں اور جن حالات کی بابت آخر زمانے میں ہونے کی خبر دی۔ اگر کوئی غور کرے تو معلوم ہوگا کہ حضورؐ کو وہ علم جو ورائے عقل ہے بدرجۂ کمال حاصل تھا۔ اور حضورؐ پر وہ سب باتیں منکشف تھیں جیسے وہ امور غیب اور خواص عبادات دریافت ہوسکتے ہیں جن کو عقل دریافت نہیں کرسکتی۔ اور یہی امور ہیں جیسے حضورؐ کے نبی ہونے کی صداقت ہوسکتی ہے۔ باوجود امی ہونیکے حضورؐ کی زبان مبارک سے جو احادیث نکلیں وہ ایسی تھیں کہ روئے زمین کے علماء وفضلاء وحکماء نے حضورؐ کے علم و عقل کو تسلیم کیا۔ حضورؐ کو بڑا فلاسفر جانا اور بہت سے اہل علم وحکمت نے حضورؐ کی پیروی کی۔ کئی لوگوں نے حضورؐ سے مشکل سوالات اور مغلق اعتراضات کئے اور مسکت جوابات سنکر حیران ہوگئے۔ حضورؐ میں علم وعقل و اخلاق وآداب کے سارے کمالات مجتمع تھے۔ حضورؐ کے صفات حمیدہ وفضائل جلیلہ حضورؐ کے نبی حق ہونیکے شاہد ہیں۔ سبحان اللہ آپ سے امی کو ادیب ملا بھی تو کیسا ملا حضورؐ نے ادبنی ربی فاحسن تادیبی میں تعلیم پائی اور انا افصح العرب والعجم کا تمغہ پایا۔ ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم +

کمترین ذہین

خط وکتابت کرتے وقت اسکا خیال رکھیئے کہ نام وپتہ کے ساتھ نمبر خریداری بھی لکھا جائے۔ ورنہ آپ کے حکم کی تعمیل نہوسکے گی +

منیجر

۶۸۹

عبدیت اور رسالت

ہر نبی اور ہر نبی کی نبوت کا گو توحیدی رنگ میں ایک ہی مدعا ہوتا ہے لیکن تبلیغی رنگ میں کچھ نہ کچھ امتیاز ہوتا ہے۔ اور یہ ہونا بھی چاہیئے۔ شروع میں جو رنگ رکھی تھیں۔ رفتہ رفتہ وہ بدلتا گیا۔ کیونکہ انسانی تشریحات اور ضروریات یا اغلاط اور اصلاحات کے تحت ان امور کی ضرورت پڑتی گئی جو اوقاتی اعتبارات سے لابدی تھے۔ تمام کتب سماوی کو دیکھ جاؤ تو جو توحیدی رنگ قرآن لیئے ہوئے ہے وہ کوئی دوسری کتاب نہیں رکھتی ہے جس رنگ میں رسول عربی نے پیش پورا کیا ہے وہ رنگ کوئی دوسرا نبی نہیں رکھتا۔ اور یہ اختلاف ضروری ہی تھا کیونکہ اعلان توحید کے بعد زمرۂ توحید میں جو فرق آچکا تھا۔ اور جو کمزوریاں اس رنگ میں پیدا ہو چکی تھیں۔ اُن کا ازالہ خصوصی رنگ میں ہی ہو سکتا تھا رسول کریم کی نبوت میں جو کلمہ سکھایا گیا۔ وہ گویا ایک نیا طرز تبلیغ تھا۔ کلمہ کیا ہے۔ تمام اسلام کا خلاصہ یا تمام اسلام کا نچوڑ۔ غور کرو گے تو اس کلمہ میں سارا اسلام اصولی حیثیت سے آجاتا ہے۔ یہ جامعیت کسی اور نبی کے خلاصہ احکام دینی میں نہیں پائی جاتی ہے۔ یہ کلمہ ہی کی خصوصیت ہے کہ وہ ایسا جامع واقعہ ہوا ہے۔

کلمہ شہادت یوں ہے :-

اشہد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ واشہد ان محمداً عبدہٗ ورسولہٗ

اس کلمہ شہادت کے اور اجزاء کی تفصیل تو ہم کسی اور وقت کرینگے۔ بالفعل عبدہٗ و رسولہٗ کی مختصراً تفصیل کرتے ہیں؛

یہ سوال ہو سکتا ہے کہ لفظ عبد رسالت یا رسول کے پہلے کیوں لایا گیا

کیوں یوں نہیں کہا گیا۔ رسولہ وعبدہ۔ کیونکہ اُنہیں رسالت کا امتیاز بمقابلہ عبد کے زیادہ تر ہے۔ اسلئے کہ رسالت ایک فخر اور احترام الٰہی ہے۔ میری رائے میں یہ بحث یا یہ سوال درست نہیں۔ عبدیت رسالت کا منظہر ہے۔ اس واسطے عبدیت مقدم ہے اور رسالت مؤخر۔ رسالت اگرچہ ایک احترام اور اکرام ہے۔ لیکن اُسکا منظہر عبدیت ہے یا یوں کہو کہ رسالت ایک مواد ہے اور عبدیت ایک ظرف ہے۔ اگرچہ مواد کیسا ہی محترم ہو۔ پھر بھی اُسکے واسطے ایک ظرف کی ضرورت ہے +

اگر رسول کا لفظ عبدیت سے پہلے لایا جاتا تو یہ نسبت اور یہ موزونیت قائم نہ رہتی۔ ایک صورت تو یہ ہوئی۔ دوسری یہ کہ رسالت ایک عطیہ اور احترام ہے جسکا تعلق معطی کے ساتھ ہے یا معطی کے ساتھ ہونا چاہیئے۔ عبدیت ایک ہستی ہے جسکا تعلق دوسرے رنگ میں معطی کے ساتھ ازلاً وابستہ ہیں۔ پہلے عبد ہونا لازم ہے اور اُن فرائض کو پورا کرنا جو عبدیت سے وابستہ ہیں۔ اُسکے بعد احترام رسالت ایک ملکہ ہے اور عبدیت ایک ظرف ملکہ۔ بایں حالات چونکہ عبدیت مقدم ہے اسی واسطے عبد کا لفظ رسول سے پہلے لایا گیا۔ رسول کریمؐ فرماتے ہیں:-

میں عبد ہوں اور اُسکا رسول بھی +

بالفاظ دیگر یہ کہ میں ایک عبد کامل ہوں۔ اور میں نے فرائض عبدیت کو پورا اور مکمل کر دیا ہے۔ اس واسطے میں رسول ہوں۔ یعنی یہ کہ مجھے رسالت کا شرف بخشا گیا ہے۔ ہم مسلمان اسبات کی شہادت دیتے ہیں کہ ہمارے رسول پہلے اول عبد تھے۔ اور بعد ازاں رسول۔ اس سے یہ ثابت کرنا منظور تھا کہ عبدیت ہی منظہر رسالت ہو سکتی۔ اور عبد ہی یہ فیوض پا سکتا ہے اور درست ہے۔ یہ کہ حضور صمدی میں عبد ہو کر ہی شرف حاصل ہو سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص عبدیت کے دائرے سے نکلکر خدا سے تعلق رکھنا چاہے تو وہ رکھ نہیں سکتا۔ اگر کوئی رسول

پا سکتا ہے کہ دربار صمدی میں اپنے شرف کی سند حاصل کرے تو اسکا یہ فرض اولین ہے کہ وہ عبدیت کے جامہ سے ملبس ہو کر پیش ہو۔ صوفیانہ رنگ میں یہ کہ اپنی ہستی کو عبدیت کے رنگ میں رنگے۔ روحانی پہلو سے باوجود اسقدر احترامات اور اکرامات کے عبدیت ثابت کرے کہ ہر رنگ میں اور ہر پہلو سے توحید کا اعلان ہوتا ہے۔ دیکھو وہ رسول جس کی ذات کی نسبت یہ کہا گیا ہے کہ من یطع اللہ فقد اطاع اللہ اس کا یہ کہنا کہ میں اول ایک عبد ہوں۔ اور پھر رسول ہوں کسقدر یقین دلانے والی بات ہے اور اس سے توحید کی تبلیغ کیسی جامع معلوم اور ثابت ہوتی ہے وہ ساتھ ہی اسکے یہ بھی کہ وہ۔

انسانیت اور عبدیت کی قیمت کیسی اعلےٰ نکلتی ہے۔ ایک ذات اقدس رسول ہو کر بھی جب عبدیت کو اول رکھتی ہے تو اس سے سمجھنے والے یہ سمجھ سکتے ہیں کہ بارگاہ ربانی میں عبدیت کا احترام کیا کچھ ہے اور ایک عبد تحت افضالِ الٰہی کے کیا کچھ احترامات پا سکتا ہے۔

ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاءُ

ناظرین سوچ سکتے ہیں کہ اس فقرہ عبدہٗ و رسولہٗ میں کسقدر رمز ہے اور رسالت کے احترام کو عبدیت کے ساتھ کیسا وابستہ کر رکھا ہے۔ اور عبد یا عبدیت کے ذاتی احترام کو ایک افتخار بخش کر کیسا ثابت کیا گیا ہے۔ مسلمانوں کو کہا گیا ہے کہ :۔

تم اس بات پر شہادت دو کہ :۔

(محمد صلے اللہ علیہ وسلم) عبد ہیں اور رسول بھی۔ عبدیت کا اعتراف رسالت سے پہلے کر دیا گیا ہے۔ کیونکہ اگر ہم عبد کی عبدیت چھوڑ کر صرف رسالت کا اعتراف کریں تو ہمیں رسالت کی تکریم ہی باقی نہیں رہتی۔ رسالت کی تکریم ہی اُسی صورت میں

مقصود ہے کہ جب اُسکے ساتھ عبدیت کا اعتراف بھی ہو۔

ایک عبد جو رسول بھی ہے خلعت رسالت سے مفتخر ہوکر اپنی عبدیت کی اعلیٰ قیمت کا اعتراف کراتا ہے۔ کیا وہ لوگ جو اس رنگ میں عبدیت کا اعتراف کرسکتے ہیں۔ اُنکے دل و دماغ میں کبھی بھی شرک و کفر کا خیال پیدا ہوسکتا ہے۔ یا اس صورت میں وہ سچے مسلمان ہوسکتے ہیں۔ جو رسول یہ کہتا ہے کہ میں اول عبد ہوں۔ بعد ازاں رسول۔ اُسکی اُمت کبھی مشرک بھی ہوسکتی ہے۔

ایک صاحب کا قول ہے کہ:۔ "مسلمان کبھی مشرک ہو ہی نہیں سکتا" اللہ اکبر رسول اکبر کی اُمت میں ہوکر ہم اُس بلائے عظیم سے محفوظ رہتے ہیں جو کبائر میں سے ہے۔ اور جس کی نسبت خود اللہ کریم فرماتے ہیں:۔

"سوائے شرک کے اور سب گناہ بخشدیئے جاوینگے"

جب ہم مشرک ہو ہی نہیں سکتے۔ یا بہت کم لوگ اس بلا میں گرفتار ہوتے ہیں تو کیا ہم اپنے رسول کے احترام اور اکرام سے غافل اور بیخبر رہ سکتے ہیں اور کیا ہم ایسے رسول کریم کے نام لیوا ہوکر اپنی موجودہ حالت کا محاسبہ نہیں کرسکتے۔ خدا نے ہمیں اُس نبی کی اُمت بنایا۔ جو ہمیں خدا اور عبدیت کے حلقہ سے اس رنگ میں آگاہ کرتا ہے اور ہمیں عبدیت کی اُن حدود سے واقف کرتا ہے جن تک وہ پہنچ سکتا ہے۔ اور ان فضائل اور اُن اکرام سے آگاہ کرتا ہے جو ایک عبد عبد ہوکر روحانی اور جسمانی رنگ میں حاصل کرسکتا ہے۔ ملائکہ سے جو حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرایا گیا تھا۔ اُسکی فلاسفی میں یہی تھی۔ وہ سجدہ تعظیمی تھا۔ بار بار عبدہٗ ورسولہٗ کے فلسفہ پہ غور کرو۔

سلطان احمد۔ گوجرانوالہ

سرورِ کونین

نحمدہٗ و نصلّی علیٰ رسولہ الکریم

جس طرح خدائے تعالیٰ کے نودو نہ ناموں کے علاوہ ہر ایک ملکی زبان میں دو چار اور نام بھی مشہور اور زبان زد صغیر و کبیر ہیں۔ اسیطرح جناب رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے نام مبارک بھی سوائے اُن ناموں کے جو صاحب دلائل الخیرات نے جمع کئے ہیں اکثر زبان میں روزمرہ استعمال کے لئے اہل زبان نے مقرر کئے ہوئے ہیں مثلاً حبیب پاک رسول پاک، سرور عالم، آنحضرت، سرورِ انبیاء، سرورِ کونین، وغیرہ وغیرہ اگر یہ سب نام صفاتی ہیں۔ ذاتی اسماء خدا و رسول کے ہر ایک زبان میں ایک ہی ہیں اللہ اور محمد گاڈ اور محمڈ کہنے والے بھی جب تیغ لا کے سایہ میں آجاتے ہیں۔ اسوقت ان کی زبان بھی اللہ اور محمد بخوبی ادا کرنے لگتی ہے۔ پرمیشور اور اکال پرکھ کے گیت اور شبد گانے والے جب ہمارے بے نقط گایتری منتر اور مختصر شلوک کو ایک بار تہہ دل سے جپ لیتے ہیں تو انکی زبان سے بھی بے ساختہ اللہ اور محمد سنائی دینے لگتا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے جسقدر صفاتی نام ہیں وہ کئی قسم کے معلوم ہوتے ہیں کچھ تو بطور خطاب بارگاہ صمدیت سے عطا ہوئے ہیں (جن میں کچھ تو بحیثیت خلافۃ اللہ ہیں۔ اور کچھ بحیثیت محبوبیت اور کچھ بمنصب وزارت اور بعض بعہدہ فیلڈ مارشل اور کمی ٹیک بصلہ حسن خدمات وغیرہ ہیں) انکے علاوہ آپکے اسمائے مبارک میں بعض نام امت مرحومہ کے پیشکردہ ہیں۔ اور بعض اسمائے گرامی آپکے خانہ برانداز غلاموں کی زبان بے زبان سے بحالت بیخودی و اضطراب صادر ہوتے ہیں۔

اس وقت آپکے سب اسمائے گرامی و خطابات سامی ایسے رل مل کر ایک ہوگئے ہیں

کہ باریک ہیں اور نکتہ فہم نظر کے سوا ان کے منصب وحیثیت کا پہچاننا ذرا مشکل ہے مجھ کم سواد اور ہیچمدان سے یہ تو ہو نہیں سکتا کہ فرداً فرداً ہر ایک اسم گرامی کی تحقیق اور تنقید لکھ سکوں۔ البتہ جس نام نامی کو خاکسار نے زینت مضمون کے لیے پرتو فروز ناصیہ قرطاس بنایا ہے اُسکے بارہ میں چند خیالات کا اظہار کرونگا۔ شاید رسول اکبر کا کوئی رسن نشر اعمال کے وقت اڑ کر میرے ہاتھ میں آ جائے اور یہ پیارے واحدی کی کوشش واحد القہار کی بارگاہ سطوت و جبروت میں میری نجات کا باعث ہو جائے ورنہ میری کم استعدادی تو فقط یہی داد لینے کی مستحق ہے کہ ع

کانٹوں پہ آفتاب گھسیٹا غضب کیا

اوپر عرض کر چکا ہوں کہ حضور پرنور کے اسمائے گرامی میں بعض نام نامی ایسے بھی ہیں جو امت مرحومہ نے آپ کی خدمت بابرکت میں پیش کیے ہیں۔ جیسا کہ اس وقت قوم نوابوں یا لیڈروں کی خدمت میں نام و خطاب پیش کر رہی ہے۔ منجملہ ان اسمائے گرامی کے ایک نام سرور کونین بھی ہے۔ جسکے معنی ہیں دو جہان کے سردار۔ جبکہ قوم بلا سبب کوئی خطاب تجویز نہیں کرتی تو ہمارے اسلاف نے بھی بلا سبب یہ خطاب اس سرکار میں پیش نہیں کیا ہوگا۔ ہاں البتہ یہ ممکن ہے کہ آجکل کی طرح مشورے۔ جلسے نہ کیے گئے ہوں۔ پرچے نہ تقسیم ہوئے ہوں۔ ریزولیوشن نہ پاس ہوئے ہوں۔ تعلقات کا مطالعہ نہ کیا گیا ہو بلکہ ایک دم زبان امت پر نقارۂ خدا کی چوٹ گونج اٹھی کہ سید کونین ہیں تو آپ ہی ہیں۔ مگر یونہی نہیں۔ ثبوت اسکی کوئی خاص وجہ ہوگی۔ یہ خطاب خود ہندوستانی ترکیب بتلا رہی ہے کہ یہ ہندوستانی امت کا پیش کردہ ہے۔ کیونکہ اس میں دونوں لفظ عربی اور فارسی سے مرکب معلوم ہوتے ہیں جو خاص ہندوستانی تراش ہے۔ لفظ سرور کے معنی سردار کے ہیں اور سردار ہندوستان میں عموماً حاکم اور افسر کو کہتے ہیں کونین عربی لفظ ہے۔ کون بمعنی ہستی (جو عدم سے وجود میں آئی ہو) کا تثنیہ ہے۔

اس لحاظ سے سرورِ کونین کے معنی یہ ہوئے کہ دو ہستیوں کے حاکم یا افسر اور دو ہستیوں
سے مراد دنیا و آخرت ہے ÷

ہندوستانی امت کا یہ خطاب حضور سراپا نورؐ کے لیے تجویز کرنا بہ پہلو سے
مناسب اور انسب ہے۔ بخلاف اسکے۔ سراج الملت، یا نصیر الاسلام، یا خلیفۃ
المسلمین وغیرہ میں سے اگر کوئی ہوتا تو جیسا کہ یہ خطابات اپنے موجودہ مخاطبین کی
بانسوں بلند ہیں۔ ایسا ہی آپ کی شان ان خطابوں سے آسمانوں بلند تھی۔ مثلاً
سراج الملۃ۔ ملت مقدم سراج موخر۔ حالانکہ آپ مقدم ملت موخر۔ نصیر الاسلام
اسلام پہلے ہو تو نصیر کی ضرورت ہو۔ حالانکہ آپ پہلے ہوئے۔ اسلام آپکے فیض قدم
سے مرحمت ہوا۔ علیٰ ہذا القیاس ÷

مشیت ایزدی نے خود بخود دکھا دیا کہ سرورِ کونین کہو! سراج، نصیر، خلیفہ
وغیرہ دھرے سے رہنے دو۔ سراج جامع مسجد میں جلتا تو کلیسا و مندر، لالٹین میں بھی
مندا روشن ہے۔ نصیر اگر اسلام کی مدد کرتا ہے تو اسکو اپنی ذریات کا علاقہ بھی افراط
تفریط پر مجبور کرتا ہے۔ خلیفہ چادر کے اندر ہے۔ چادر چھن گئی تو خلیفہ جی بھی غائب!

خدائے تعالیٰ نے عدم کی دو ہستیاں بنائیں۔ جیسے کوئی انجنیر مہندس پہلے
خاکہ بناتا ہے۔ پھر اسکو مکمل کرکے پکا نقشہ تیار کرتا ہے۔ اسیطرح باریتعالیٰ نے پہلی
ہستی جو عدموں کے اندر ہے بطور خاکہ کے بنائی۔ اور اسکے مکمل ہونے پر دوسری
ہستی جو پختہ نقشہ کی طرح ہمیشہ ابدالآباد رہیگی موقوف رکھدی۔ پہلے نقشہ میں
ہر ایک قسم کے محکمے موجود تھے۔ مالی، ملکی، فوجداری، دیوانی، سرحدی، جنگی
نکالی، جرنیلی، عدالت، چک بست، نہری، دیہی، مال شماری، مردم شماری
وغیرہ۔ اور ان سب کا افسر آنحضرتؐ کو قرار دیا۔ آپکے سوانح میں ہر ایک انتظام کی
مثال ملیگی۔ ایسا مکمل محکمہ کسی افسر کی ماتحتی میں نہیں دیکھ سکتے۔ آپکے ماتحت عملہ میں

ہر ایک نکتہ کا منتظم اور منصرم ایسا ایسا کامل واکمل نظر آئے گا کہ اگر تمام عالم کے عقلمند اور حکیم اور فلاسفر ملکر اپنی طبیعتوں کو ایک جگہ فراہم کرکے آنحضرتؐ کے کسی شاہکار سے مقابلہ کریں تو ایسی ہوگی جیسے سورج اور کالے توے کا مقابلہ! یا تمام دنیا کے بہادر، سورما، کشور کشا، نبرد آزما، قلعہ شکن جمع ہو کر آنحضرتؐ کے فوجی لعن فیدا کو پکاریں کہ ھل من مآ ذر ۔ تو وہ مثل ہوگی کہ باد آمد پشہ برفت۔ یہ مبالغہ کی باتیں نہیں ہیں۔ تاریخ شاہد حال ہے۔ آپکے فرائض لا تعد لا تحصی ہیں۔ اسلیئے آپ نے چوتھائی صدی تک اس ہستی ناپائدار کا انتظام کرکے چارج اپنے مشیروں کو دیا۔ اور خود بنفس نفیس آئیدہ ہستی پائدار (جو پختہ روغنی نقش کی طرح ہے) کے انتظام میں مشغول ہوئے۔ کیونکہ وہ بہت بڑا معرکہ ہے۔ رنگروٹ بھرتی کرنے آسان اور تھوڑا کام ہے پاس کرانے اور ٹھکانے لگانے بڑا کام ہے۔ آپنے اس ہستی کی زمام سرسری اسی وجہ سے تھوڑے عرصہ تک دست مبارک میں تھامی کہ یہ ہستی خاکی خاکہ ہے اور وہ ہستی مکمل ایک معرکۃ الآرا ہنگامہ ہے۔ میدان حشر میں جب رنگروٹ پاس کرانیکا وقت ہوگا۔ اُسوقت آپ کا سرور کونین ہونا بچشم تعین نظر آئیگا۔ یہاں تو صرف ۲۳ برس آپکو بھرتی کرنے میں صرف ہوئی۔ وہاں پچاس ہزار برس کی بات چیت ہے۔ ایک بیرسٹر جیسے تمام قوائے جسمانی ڈاکٹری سرٹیفکٹ رکھتے ہیں۔ ہٹا کٹا غش میں سوا گھنٹہ بحث کرکے آتا ہے تو مارے پسینے کے شرابور ہوتا ہے۔ اور دم پھولا ہوا سودا، برف ہیکی قلی پکارتا ہے۔ اس امت کے بیرسٹر کی ہمت دیکھو۔ گھنٹہ دو گھنٹہ نہیں۔ دن نہیں مہینہ نہیں سال نہیں پورے پچاس ہزار برس! جہانپر نہ دن کو دن اور نہ رات کو رات کہہ سکتے ہیں۔ اس امت مرحومہ کے لیئے کتنی بحث اور پیروی کرنی پڑے گی! عدالت میں بحث کرنے کے علاوہ شاہی پولیس کی جو روک تھام کرنی ہوگی وہ الگ! +

آسمان پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہوکر اڑ گیا۔ پہاڑ روئی کے گالوں کی طرح مارے مارے پھرنے لگے۔ آفتاب اپنے مستقر سے ڈھلکر سوا نیزے پر آگیا۔ سمندر تمازت سے بھاپ بنکر جو ہوا میں ملگیا۔ عناصر تتر بتر ہیں۔ اجرام مضطرب ہیں۔ گڑبڑی مچ گئی ہل چل پڑگئی۔ زمین خالی کانپ رہی ہے۔ درخت گر گئے۔ ٹیلے ڈھے پڑے۔ اونچ نیچ برابر ہوگئی۔ زمین گیند کی طرح ادھر سے ادھر ماری ماری پھر رہی ہے۔ نہ محور کا پتہ ہے نہ مرکز کا آخر۔ ماہ تمام اس قیامت خیز ہڑبڑاہٹ کے بعد بارش شروع ہوئی اس پانی نے زمین کو ڈھانپ لیا۔ بھیگ کر بھاری ہوگئی۔ اب ہلا نہیں جاتا۔ سکون ہوا۔ سناٹا چھاگیا۔ خاموشی کا عالم طاری ہے۔ پتا نہیں کھڑکتا۔ روڑا نہیں کہ بجے۔ یکایک سریلی آواز سے یہ سنائی دیتا ہے لمن الملک الیوم۔ کوئی نہیں جو سنے ان سنتوں کو سنائی جارہی ہے۔ صدیوں قرنوں یہ زمزمہ سرائی رہی اسکے بعد بگل بجا اور ترلوکی سمٹ پتالی سے۔ سب سے اول وزیر اعظم نے وردی پہنی۔ پھر تو چل میں چل۔ آن کی آن میں خدائی بھر کی عدالتیں قائم ہوگئیں۔ محکمے اتر پڑے۔ مسلیں نکالی جارہی ہیں۔ محاسب بیٹھ گئے۔ پروانے جاری ہونے لگے۔ وارنٹ کٹ گئے۔ کالی وردی والے غول کے غول زنجیریں۔ بیڑیاں۔ ہتکڑیاں لیے ہوئے چلے جاتے کہہ رہے ہیں۔ دیکھنے والے سہمے جارہے ہیں۔ پیشیاں ہورہی ہیں۔ بگل بند ہے۔ گھنٹی بجی۔ تخت اترا۔ دربار لگ گیا۔ نقیب پکارا۔ اب بنی سب کی جان پہ۔ پیادے چھوٹے اور آن کی آن میں پکڑ پکڑ کر لانے لگے۔ مجرم چیختے ہیں۔ چلاتے ہیں۔ کوئی نہیں سنتا۔ روتے ہیں۔ منتیں کرتے ہیں کوئی ترس کھانے والا نہیں ہے۔ کہرام مچ رہا ہے۔ دہائی پڑی ہوئی ہے بیڑیاں جھنکاریں۔ ہتکڑیاں بجیں۔ زنجیریں ہلیں۔ وہ جکڑا۔ اسے پکڑا۔ اسکی مشکیں بندھیں۔ وہ مارا وہ پٹا۔ یہ حال دیکھکر لوگ اپنے اپنے رہنما سرداروں کو ڈھونڈنے لگے۔ یہاں دیکھ۔ وہاں دیکھ۔ کچھ پتہ نہیں چلتا۔ بڑی تگ و دو کے بعد اگر کسی کا پتہ لگا بھی

گیا تو دیکھا عالم غشی طاری ہے۔ مارے خوف کے حواس قائم نہیں۔ اپنی اپنی پڑی ہوئی ہے۔ نفسی نفسی پکار رہے ہیں۔ عزیب کہہ رہے ہیں کہ حضور چلئے تشریف لے چلیے۔ ہمارے لیئے ٹھنڈا دم مارئے دیجئے۔ وہاں سے جواب ملتا ہے۔ جاؤ مت ستاؤ اپنی اپنی نبیڑو۔ یہاں خود لالے پڑ رہے ہیں۔ اتنے میں پولیس کے پیادے نام بنام پکار رہے ہیں۔ چلو فلاں، چلو فلاں، مقدمہ سر پیش ہے۔ یہ منتیں کرتے ہیں کہ ذرا ٹھیرو۔ ہم وکیل کر لیں۔ سفارش لے آئیں! اچھا جلدی کرو۔ دھمکیاں ملتی ہیں ڈانٹ پڑ رہی ہے۔ اب بھاگا بھاگ دوسرے کسی کے پاس گئے۔ وہاں بھی کورا جواب ملا۔ اسی طرح نہیں ٹھنڈی چھاؤں نہ ملی۔ ناچار سب نے صلاح کی کہ آؤ اس جھنڈے کے نیچے دیکھیں۔ کون لوگ پڑے ہوئے ہیں۔ جنکو اطمینان اور سکون حاصل ہے۔ اس جانکاہ سانحہ میں مزے سے بیٹھے ہوئے ہیں۔ آکر دیکھتے ہیں کہ دربار لگا ہوا ہے۔ جانباز سرفروش دست بستہ حاضر ہیں۔ عاشقان جمال محمدی محو تماشا ہیں۔ کسکی قیامت کسکا حشر۔ کہاں کی عدالت۔ کسکی داوری۔ اپنے وجود تک کی خبر نہیں۔ لواء الحمد کے سایہ کے نیچے پڑے جھوم رہے ہیں۔ بیکسوں غریبوں کا جمگھٹ ہو گیا۔ الغیاث الغیاث پکار رہے ہیں۔ زبان کانٹا ہو گئی۔ حرف نہیں سمجھ میں آتے۔ آنجناب دریافت فرماتے ہیں کہ کیا ہے۔ کون ہیں۔ کیا چاہتے ہیں۔ سب رو رو کر عرض حال کرتے ہیں کہ حضرت آج کوئی پرسان حال نہیں ہے۔ بچارا دکھڑی ہو رہی ہے۔ کسی کی پوچھ کچھ کام نہیں دیتی۔ جہاں گئے۔ کورا ٹکا سا جواب ملگیا ہر طرف سے مایوسی ہو گئی۔ اب سوائے حضور کے کوئی ٹھکانا نظر نہیں آتا۔ آپ ہمارے حال زار پر توجہ فرمائیے۔ ورنہ پڑے گے تو پھر کہیں کے نہ رہیں گے ٭

آپ توجہ سے حال سنکر فرماتے ہیں کہ اچھا چلو ہم آتے ہیں۔ پھر عرض کرتے ہیں کہ حضور آپ بغیر ہم کیونکر جائیں۔ وہاں پر جو گیا۔ پکڑا گیا۔ پھر اسکا پتہ نہیں لگا۔ حکم

ہوتا ہے کہ اچھا ہمارا ریکارڈ لے جاؤ۔ اور پیش کر دو۔

تعزیر گناہوں کا ابھی حکم نہ دینا
اے داورِ محشر ذرا آجائے محمدؐ

جب پیش کر دیا گیا۔ اسیوقت بارگاہ صمدیت سے ارشاد ہوا۔ ٹھہرو!!! ہمارے حبیب کی آمد ہے۔ شور و غوغا بند ہو۔ تو [illegible] سے لگ جاؤ۔ سب کا جہاں [illegible] گیا۔ اور نظریں اسطرف جم گئیں [illegible] ذرا سی سنبھل گئے۔ جلوہ [illegible] حبیب ہوشیار ہوگئے۔ اب حضورؐ کی سواری کا انتظار ہے۔ [illegible] بخشش فرمائی۔ [illegible] کی بارگاہ عالی کا رخ کیا۔ لاکھوں [illegible] محمدی کے جلو [illegible] جاں نثار [illegible] کردوں [illegible] اولیاء پیچھے پیچھے نظر بر قدم آرہے ہیں [illegible] دوسرے پر گرے پڑتے ہیں۔ اور [illegible] آپ کی تشریف آوری سے [illegible] استقبالی پیش آئی [illegible] آنکھیں بچھا کر داخل دربار ہوئے۔ نہیں معلوم اندر کیا راز و نیاز ہوئے کہ آپ [illegible] باہر تشریف لائے [illegible] بلند فرمایا کہ میرے پیارے [illegible] دیکھتے ہو۔ دنیا العطش پکار رہی ہے۔ تم تو [illegible] العطش کا [illegible] ہونا چاہیے۔ جاؤ کوثر پر [illegible] لگا دو ہم پرچے [illegible] ہیں۔ جسکے پاس پرچہ ہو اُسے سیراب کرا دو۔ [illegible] آگے جانیکا راستہ کھلا دو۔

میرے جان بازو۔ میرے شیرو میرے دم کے شریکو۔ جاؤ تو ذرا [illegible] کھڑے کیوں رہے ہو۔ ذرا اس بے رحم پولیس کو توڑ دو۔ کس بے رحمی سے غریبوں کو جکڑ باندھ رکھا ہے۔ ہم ابھی آتے ہیں۔ خبردار ہماری اجازت بغیر کوئی [illegible] ادھر نہ ہونے پائے۔ آپکے خدام حکم سنتے ہی ٹوٹ پڑے۔ اور سب کو جا [illegible] میں لیکر

چار گروہوں میں تقسیم کرکے چوکیاں بٹھادیں ساب طمینان سے بیانات ہونے لگے۔ خاندان کا خاندان آتا ہے۔ اور اپنے رہبر کی وساطت سے بیانات دیتا ہے حضور اکرم بحث کرتے ہیں۔ سب سے اول۔ سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود کا سوال ہوتا ہے۔ اور بال کی کھال اتاری جارہی ہے۔ اس سوال میں سرکاری وکیل کریدکرید کر جرحیں اور نکتہ چینیاں کرتا ہے۔ پھر حقوق کا سوال ہوتا ہے۔ پھر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی مسل پیش ہوتی ہے۔ غرض جب سب نامۂ اعمال حرفاً حرفاً بھگتایا جاتا ہے۔ تب جاکر ایک اسامی الگ بٹھائی جاتی ہے۔ اب نقشہ کی پیشی پیش ہوتا ہے اور فرد نمبروار شامل مسل کی جاتی ہے۔ جس کی کمی ناقابل معافی ثابت ہوئی۔ اسکی طرف سے آپ سوال ناداری پیش کراتے ہیں اور بحث مباحثہ کے بعد مہر شفاعت سے مزین کرکے پروانہ راہداری دلاکر خوش و خرم سبیل کوثر کیطرف روانہ فرمادیتے ہیں۔ ہاں اگر کوئی بدقسمت بے نصیب ہر ایک سوال میں ناکارہ رہا۔ اور جس نے عمر بھر آپ کی دلآزاری میں کمی نہ کی ہو وہ اگر آپ کی نعمت شفاعت سے محروم رہجا تو عجب نہیں۔ مگر آپ اِسیطرح پورے پچاس ہزار برس تک جبتک ایک ایک کا حساب اپنے مواجہ میں نہ کرلیں گے اور کام نہ کرینگے +

میرا مطلب آپ کے نام نامی مدثر کو دینے کی علت غائی بتانیکا تھا۔ سو اُسکا نمونہ عرض کردیا۔ ورنہ آپکا منصب شفاعت اگر بالتفصیل لکھنے کا ارادہ کروں تو میں کیا اور میرا منہ کیا۔ع میں کون ہوں کیا بساط میری + غور کرنیوالوں کو خود اندازہ ہوجائیگا کہ آپنے کیا کیا کام کیئے اور کیا کچھ کرنا ابھی باقی ہے۔ اور وہ باقی کام کسقدر اہم اور معرکۃ الآرا ہے۔ اور جو کام ابھی تک ہوچکا ہے وہ کس قدر مہتم بالشان ہے +

اللھم صل علی سیدنا محمد و علی الہ وصحبہ واحبابہ وذریاتہ واولیائہ وسلم و بارک فیہ ابدًا ابدًا برحمتک یا ارحم الراحمین ○

مراقب ربانی اویسی

امین الرحمٰن، مہبط القرآن

(۱)

محمد مصطفیٰ صلعم

کالزهر فی ترف والبدر فی شرف — والبحر فی کرم والدهر فی همم

مولانا جامی

چون بهار از تازگی مانند بید اندر شرف — همچو بحر اندر کرم چون ابر نعمت گاہ اندر همم

+

وان من امة الا خلا فیها نذیر آخر — محمد ہی محمد ہیں نذیر انس و جاں باقی
نہ کاہن کو، نہ موسیٰ کو نہ گوتم کو نہ عیسیٰ کو — میسر تھی یہ تعدیل قوائے جسم و جاں باقی
رہا دنیا میں گر افراط و گر تفریط کا دورہ — فضائل میں تو ہے کیا شبہ کو ان سے کار باقی

+

ہمارا عقیدہ ہے کہ انسان اشرف المخلوقات اور انسانوں میں اشرف انبیاء اور انبیاء میں اشرف سرور کائنات محمد عربی علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ وہ عبد اتم اور رسول خاتم ہیں کہ کمال عبدیت و رسالت اُن کی ذات بابرکات پر ختم ہو گیا +

ہم تو ہیں ہی حلقہ بگوش شان محمدؐ۔ مگر غیر مسلم محققین بھی ہمارے ساتھ متفق ہیں اور انکو بھی ماننا پڑا ہے کہ مذہبی، اخلاقی، تمدنی اور ملکی اصلاح اسی ذات والا سے وابستہ تھی +

وہ خود ہی سپہ سالار تھے، خود ہی قافلہ سالار۔ اور خود ہی مدبر و منتظم۔ انسانیت جو تہذیب و شائستگی کی نمائندہ ہے۔ اُسی ذات اقدس کی ممنون ہے اور جب تک

انصاف پسندی اور راست بازی صفحہ ہستی سے معدوم نہ ہوگی ہمیشہ مندرج رہیگی۔ اِس مضمون میں ہم عقیدتمندانہ لحاظ سے نہیں بلکہ محققانہ انداز سے غیر مسلم مؤرخین کی زبانی بتانا چاہتے ہیں کہ قبل از بعثت رسول عربیؐ دنیا باعتبار اخلاق مذہب سیاست و معاشرت کیا تھی۔ اور بعد از بعثت کیا ہوگئی۔ ہم مورخانہ حیثیت سے اس عظیم الاثر انقلاب کا ذکر کرینگے جو اصولی طور پر انسانیت کو معراج کمال پر لے گیا۔

مگر قبل اسکے کہ ہم آپ کی مقدس مبارک زندگی سے چند واقعات کا ذکر خیر کریں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے اصلاحی کارناموں کی اہمیت کا اندازہ کرنیکے لیے واقعات کی روشنی میں مختصر طور پر بتائیں کہ قبل از بعثت دنیا کی باعتبار مذہب اخلاق سیاست تمدن کیا حالت تھی۔

مذہبی اور اخلاقی حالت

تمام روئے زمین پر شرک کا تسلط تھا۔ اور شرک ہی وہ ظلم عظیم ہے جسے تمام سیہ کاریوں اور انواع و اقسام کی بدکرداریوں کا سرچشمہ کہنا چاہیے۔

دنیا اشیاء پرست، نیچر پرست، مخلوق پرست اور بت پرست تھی۔ باطل پرستیاں اپنے انتہائی کمال پر پہنچ گئی تھیں۔ خدائے بلند و برتر معاذ اللہ تخت قدوسیت اور مسند الوہیت سے اتار دیا گیا تھا۔ اور اسکی جگہ وہم پرستیوں نے جھوٹے معبودوں کو دے رکھی تھی۔

بلحاظ عقائد تثلیث کا دور دورہ تھا۔ ہندوؤں میں برہما، وشنو اور شیو کی تثلیث۔ عیسائیوں میں باپ، بیٹا اور روح القدس کی تثلیث۔ بعض مورخ بیان کرتے ہیں کہ پال نے مصریوں کی اتباع میں جو اسیرسیس، ایسیس اور ہورس یعنی دیوتا، دیوی اور ربوبیت کی تثلیث کو مانتے تھے عیسائیوں میں عقیدہ تثلیث جاری کیا۔ بودھ مذہب پیغمبر، منوا، اور کمبشن کی تثلیث کو مانتے تھے۔ ایرانیوں میں ثنویت رائج تھی

یعنی یزدان اور اہرمن کا عقیدہ۔ یزدان نیکی اور اہرمن بدی کا خالق سمجھا جاتا تھا۔

مختصر یہ کہ چھٹی صدی میں دنیا کی تمام قومیں مذہبًا مشرک اور بت پرست تھیں ہر ایک قوم اپنے قومی بتوں کی پرستش اور ان کی تعظیم و تکریم میں مبالغہ آمیز بے سروپا کہانیاں بیان کرتی تھی۔

بتوں پر انسانی قربانیوں کا دستور عالمگیر تھا۔ بادشاہ وقت بھی کبھی کبھی اپنی پرستش کراتے اور اپنے آپ کو دیوتاؤں کی اولاد کہتے تھے۔ چندر بنسی اور سورج بنسی ہندوستان میں، فراعنہ مصر میں، جمشید و کیکاؤس ایران میں، نمرود بابل اور نینوا میں، اور سکندر اعظم یونان میں اپنا انتساب سورج یا کسی دوسرے دیوتا سے کیا کرتے یا معاذ اللہ خود ہی خدائی کے دعوے دار بن جاتے تھے۔

اس قسم کی جھوٹی شیخی اور بیجا تکبر سے غرور نسبی کی بنیاد پڑی جس نے وحدت انسانی کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا۔ انسان کو انسان سے جدا کر دیا۔ اور ذات پات کی پابندیوں سے انسان کی عزت و عظمت کو بلحاظ انسانی خاک میں ملا دیا۔

ہندوؤں کے برہمن۔ مجوسیوں کے موبد، نصرانیوں کے ناگی، یہودیوں کے احبار، اور عیسائیوں کے پوپ۔ اس کلیہ کے چند نظائر ہیں۔ انہی پجاریوں نے مخلوق خدا کو بہشت اور دوزخ میں بھیجنے کا ٹھیکہ لے رکھا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بنی نوع انسان کا کثیر حصہ شودر اور غلام بنا دیا گیا۔

جب مساوات انسانی مفقود ہو گئی۔ تو ایک طرف عیاشی و تمرد۔ اور دوسری طرف مسکنت و ذلت نے سوسائٹی میں توازن اور میانہ روی کو نیست و نابود کر دیا۔ اور یہی وجہ ہے کہ غلاموں کی کثرت اور امراء کی عیاشی نے یونانیوں، رومانیوں، اور ایرانیوں کی سلطنت کو تباہ و برباد کر دیا۔ اخلاق اور معاشرت کے لحاظ سے یہ زمانہ بدترین زمانوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ شراب خواری، زناکاری اور قماربازی عالمگیر

اور طغرائے امتیاز تھی۔ قریباً تمام دنیا میں دختر کشی اور اولاد کشی مستحسن خیال کی جاتی تھی یونانیوں اور ایرانیوں میں خواجہ سراؤں لونڈیوں اور بے تعداد عورتوں کے ساتھ نکاح کیا جاتا تھا۔ عورتیں نیلام اور قمار بازی میں ہاری یا جیتی جاتی تھیں ہندوؤں میں شکتی اور شولنگ کی، یونانیوں میں ایفروڈائٹ کی، رومانیوں میں وینس کی، بابیوں کلدانیوں اور اسوریوں میں اسٹارٹی امرائی لناکی، حیاسوز اور مخرب اخلاق پرستش جاری تھی +

اگر کالدیہ اور اسیریا میں زنا کے مندر تھے تو ہندوستان اور دیگر ممالک میں بھی ان کی کمی نہ تھی +

میگوزرتشت یعنی پارسیوں کے ہاں بخلاف دیگر اقوام در بارہ زنا۔ ماں بہن اور دختر کا بھی امتیاز اٹھا دیا گیا تھا +

اخلاقی حالت یہاں تک ردی ہو گئی تھی کہ کرشن جی مہاراج جیسے بزرگ کو گوپیوں کے ساتھ ناچتا کھیلتا اور بنسری بجاتا دکھایا گیا ہے +

مختصر یہ کہ تینوں ام الخبائث یعنی شراب، زنا، اور قمار۔ سوسائٹی کے لیے موجب فخر و مباہات تھے +

رسول عربی صلے اللہ علیہ وسلم ۵۷۱ء میں پیدا ہوئے۔ یہ عہد نوشیرواں ساسانی کا تھا اور قیصر جسٹی نین اول ۵۶۵ء میں وفات پا چکا تھا۔ بلحاظ سیاست اُس وقت دنیا میں طوائف الملوکی کا دور دورہ تھا۔ دنیا میں صرف دو سلطنتیں یعنی ساسانیوں اور رومانیوں کی تھیں۔ جو باہم برسر پیکار تھیں۔ ایرانی۔ میگو زرتشت یعنی مجوسی تھے۔ اور یونانی مذہباً عیسائی تھے +

مجوسی اپنی مسیحی رعایا پر اور رومانی مجوسیوں پر سخت گیری کیا کرتے تھے۔ دونوں سلطنتوں میں رعایا کی نہایت ردی حالت تھی۔ شاہی ٹیکس۔ اُمرائی ٹیکس۔ فوجی ٹیکس

جاری تھے اور انواع واقسام کے جبر و قہر سے روپیہ وصول کیا جاتا تھا جس سے رعایا غریب اور مفلوک الحال ہوگئی تھی۔

ساسانیوں میں وراثت سلطنت کا کوئی قاعدہ نہ تھا جب بادشاہ مرتا تو خانہ جنگی ہوتی تھی جس سے جانشینی کا فیصلہ کیا جاتا تھا۔ نوشیرواں کیقباد کا سب سے چھوٹا لڑکا ہے جو تخت پر بٹھایا گیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے عدل و انصاف کے ساتھ سلطنت کی۔ مگر حالات کے لحاظ سے اسپر یہ مثل صادق آتی ہے کہ:۔

"اندھوں میں کانا راجہ"

ایک شخص مزدک نے جو ایران کا ایپکیورس یونانی حکیم تھا جس کا اصول مذہب عیاشی تھا۔ نوشیرواں کے باپ کو اپنا پیرو بنالیا تھا۔ یہ شخص اپنے آپکو زرتشت کا جانشین کہتا تھا عورت اور جائداد میں سب آدمیوں کو حصہ دار بناتا تھا۔ اور کہتا کہ جب سب انسان آگ پانی اور ہوا سے یکساں مستفید ہوتے ہیں تو کیوں جائداد اور عورات سے بھی مساوی حظ نہ اٹھائیں۔ نوشیرواں نے اسکو اور اسکے اسی ہزار پیرووں کو قتل کرایا۔

نوشیرواں باقتدار بادشاہ گزرا ہے۔ اُس نے جسٹی نی ان قیصر روم سے خراج لیا اور عرب میں یمن کے حصہ پر اپنی فضیلت قائم کی۔ مگر ذاتوں کی درجہ بندی کے اثر سے جو جمشید کے وقت سے ایران میں رائج تھی۔ یہ بھی محفوظ نہ رہ سکا۔ فردوسی شاہنامہ میں لکھتے ہیں کہ ایک موچی نے درخواست دی کہ اُسکے بیٹے کو پڑھنے کی اجازت دی جائے کیونکہ ہندو شودروں کی طرح ادنے قوم کے لڑکے لکھ پڑھ نہ سکتے تھے۔ نوشیرواں نے اسکی درخواست نامنظور کی اور لکھا ؎

ہنر یابد از مرد موزہ فروش سپارد بدو چشم بینا و گوش
بدست خرد مند مرد نژاد نماند بجز حسرت و سرد باد

نوشیرواں کے ہمعصر جسٹی نی ان ۵۲۷ء تا ۵۶۵ء نے ایک مجموعہ قوانین بنایا

جس میں یہ دفعات تھیں کہ تہیت عیسائیوں کے سوا کوئی شخص فوجی یا جوڈیشل عہدے حاصل نہ کرے۔ یہودیوں کو حقوق نہ دیئے جائیں۔ ان کا کوئی مجمع نہ ہو اور ان کی کتابیں جلائی جائیں + (گرین ۔ ہسٹری)

گویا تنگ دلی اور تنگ خیالی کا دور دورہ تھا۔ یہود اپنے سوا ساری دنیا کو پلید، اور یونانی سب دنیا کو باربرین (وحشی) اور ان کی اتباع میں رومانی بھی سب دنیا کو وحشی کہتے تھے۔ یہودی مرتے مگر اپنے آپ کو برگزیدگان خدا ہی کہتے رہے +

موبد کاروبار سلطنت میں دخیل تھے۔ ایک ہزار سپاہی پر ایک موبد تعینات ہوتا تھا۔ جو لڑائیوں میں حسن کارگزاری کی رپورٹ کیا کرتا تھا +

نوشیروان متوفی ۵۷۸ء کے بعد ہرمزو اُسکا لڑکا تخت سے اتار کر قتل کیا گیا۔ ہرمزو کے بعد اسکا بیٹا خسرو پرویز کے لقب سے سنہ ۵۹۰ء میں تخت نشیں ہوا۔ ہرمز کی وفات پر حسب معمول خانہ جنگی ہوئی۔ خسرو پرویز۔ مارس قیصر روم کی مدد سے غالب آیا۔ مارس کو نوکس نے فریب سے قتل کر دیا۔ نوکس غاصب تھا۔ خسرو پرویز نے انتقام لینے کیلئے رومیوں سے جنگ شروع کی ۶۰۹ء میں ملک شام پر حملہ کیا اور ۶۱۴ء میں دمشق اور یروشلم کو فتح کر لیا۔ یروشلم کی مقدس تصویروں اور مذہبی تبرکات کی سخت توہین کی۔ لوگوں کو آفتاب پرستی پر مجبور کیا۔ ۶۱۶ء میں اسکندریہ پر فوجکشی کر کے اُسے لیلیا۔ ۶۲۰ء میں ایرانیوں کا قبضہ چالسڈال اور ایشیا کوچک پر ہو گیا +

قیصر ہرقل روم نے ۶۲۲ء میں اُسے شکست دی اور ۶۲۷ء میں فارسیوں کی دار السلطنت پر جو مدائن کے قریب تھا قبضہ کر لیا۔ خسرو پرویز نے ایک عالیشان محل عیش و عشرت کے لیئے بنایا۔ اور "طاق بستان" نام رکھا۔ پندرہ ہزار مغنیہ کنیزیں ہمیشہ اُسکے ساتھ رہتی تھیں +

ادب میں اس بادشاہ کے متعلق تین نادرۂ روزگار چیزیں مشہور ہیں +
شبدیز گھوڑا - شیریں معشوقہ اور باربد مطرب +
شکارگاہوں اور کشتیوں کی سیر کے وقت - اسباب نشاط ، رباب و بنسری
اور پندرہ ہزار غنیہ صورتیں اسکے ہمراہ رہتی تھیں +

حضرت نظامیؒ کی مثنوی شیریں خسرو اسی بادشاہ کے حالات میں ہے۔ ناصر الدین
قاچار شاہ ایران اپنے سفرنامہ میں رقمطراز ہیں کہ اگر بادہ فرغانہ اور سوسیانہ کی سیاحت
صرف طاق بستان کے کھنڈر اور شبدیز کی تصویر دیکھنے کے لئے کیجائے تو یہ
تکالیف سفر کا کافی سے زیادہ معاوضہ ہے +

یہاں یہ لکھ دینا مناسب ہوگا کہ خسرو پرویز اور قیصر ہرقل کی طرف ہمارے نبی
کریمؐ نے دعوت اسلام کے خطوط بھیجے تھے +

شیرویہ نے اپنے باپ خسرو کو ۶۲۸ء میں قتل کر دیا اور کیقباد دوم کے لقب سے
تخت سلطنت پر بیٹھ گیا حسب معمول خانہ جنگیاں شروع ہوئیں جو ۶۳۲ء میں یزدجرد
کی تخت نشینی پر ختم ہوئیں +

قادسیہ کے میدان میں یزدجرد کے سپہ سالار رستم ساسانی کو حضرت عمر فاروق
رضی اللہ عنہ کے عہد میں سعد بن وقاص نے ۶۳۵ء میں شکست دی - اسکے بعد نہاوند
کے میدان میں مسلمانوں نے سلطنت ساسانیہ کا خاتمہ کر دیا - یزدجرد ۶۵۱ء میں
کہیں بھاگ کر گمنامی کی حالت میں مر گیا ؎

یاد ہیں وہ کارنامے سعد بن قاصؓ کے — گوش آذر میں سنائی جب مؤذن نے اذاں
یاد ہے تاریخ دانوں کو فرار یزدجرد — مر گیا آوارگی میں بیکس و بے خانماں

یہاں یہ بیان کر دینا بھی مناسب موقع معلوم ہوتا ہے کہ ۵۳۳ء میں نوشیرواں
کے عہد میں ابرہہ حبشہ کے عیسائی بادشاہ نے یمن پر قبضہ کر لیا تھا اور حمیر کو نکال کے

کعبہ پر بھی حملہ آور ہوا۔ سورۂ اصحاب فیل میں اس حملہ کیطرف اشارہ ہے +

معدی کرب ایک بہادر عرب نے نوشیرواں سے مدد لیکر ۵۷۳ء میں حبشیوں کو یمن سے نکال دیا۔ ۵۹۷ء میں عیسائیوں نے معدی کرب کو مار ڈالا۔ اسپر یمن فارس کے ماتحت ہوگیا۔ اور اسکا نائب السلطنت جسکو "مرزبان" کہتے تھے۔ مدائن سے مقرر ہوکر آتا تھا۔ آخیر مرزبان باذان نامی کو خسرو پرویز نے ۶۰۶ء میں مقرر کیا تھا۔ باذان کے عہد میں یمن مسلمانوں کے قبضہ میں آیا۔ اور خود باذان نے بھی اسلام قبول کیا +

جب ساسانیوں اور رومانیوں میں یہ لڑائیاں ہورہی تھیں۔ اور قوم غسان اور حیرہ والی ان دونوں سلطنتوں کے حلیف تھے۔ غسانی رومیوں کے اور حیرہ والے ایرانیوں کے معاون اور عراق عرب میں رہتے تھے۔ بعض مؤرخ خصوصاً عیسائی لکھتے ہیں کہ پیغمبر خدا نے اپنے چچا ابو طالب کے ہمراہ ۵۸۲ء میں سفر شام کیا۔ اور یہ تباہ کن اور خانہ برانداز مناظر اپنی آنکھ سے دیکھے۔ دوسرا سفر حضور انور نے بحیثیت تاجر غالباً ۵۹۴ء میں کیا۔ جبکہ خسرو پرویز اور قیصر روم کے مابین سخت لڑائیاں ہورہی تھیں۔ یہ عرب جہالت میں سب کے سب گروہ تھے۔ باہم قبائل میں کشت و خون فساد و خونریزی کا بازار گرم تھا۔ اور یہ بھی اندیشہ تھا کہ عراق عرب کی قومیں بامداد ساسانیاں یا رومانیاں جیسی کہ صورت ہو۔ عرب پر حملہ آور ہوں +

اسپر آپنے ایک کونسل بنائی جو تاریخ میں حلف الفضول کے نام سے مشہور ہے مقصد یہ تھا کہ امن اندرونی و بیرونی قائم کیا جائے۔ حجاج کی حفاظت اور انکے مال و جان کی صیانت کیجائے۔ جنکو شوریدہ پشت عرب لوٹ لیا کرتے تھے۔ یہاں ترتیب واقعات قائم رکھنے کے لیے ہم بیان کرنا چاہتے ہیں کہ اس زمانے میں عورتوں کی کیا حالت و حیثیت تھی +

ہندوؤں میں عورتوں کی کوئی حیثیت تسلیم نہیں کیگئی۔ وہ بعد شادی اپنے خاوند کی

کو ترمیں مستغرق ہو جاتی ہے۔ اور یہی حال رومانیوں میں تھا کہ عورت کی کوئی علیحدہ حیثیت قانون روما میں تسلیم نہیں کی گئی۔ اسی قانون کی اتباع میں عیسائیوں نے بھی عورت کی علیحدہ شخصیت سے انکار کیا۔ وہ بعد شادی اپنے نام سے بھی محروم ہو جاتی ہے۔ اور مسز فلاں اور فلاں کہلاتی ہے۔ جس کی تقلید کر کے ہمارے نوجوان انگریزی خواں "بیگم زید و بیگم بکر" وغیرہ لکھتے ہیں +

ہندوؤں میں عورت وراثت سے محروم۔ اور اگر خاندان مشترک ہو تو صرف حیات گزارہ کی مستحق ہے۔ دختر اپنے پدر کے ہوتے محروم ہے۔ دوامی بیوگی اور ستی کی رسوم سے ظاہر ہوتا ہے کہ عورت کا وجود محض خاوند کے آرام و آسایش کے لیے بنایا گیا ہے۔ لڑکیاں مندروں پر نذر چڑھائی جاتی ہیں۔ چنانچہ مدراس کے مندروں میں عموماً یہ لڑکیاں ناچنے گانے اور زناکاری میں مبتلا رہتی ہیں +

چینی سیاحوں نے جن میں بڑا مشہور ہیونگ سانگ ہے جو ۶۳۰ء میں ہندوستان آیا وہ ان رسومات ستی اور دیگر امور پر معتد بہا روشنی ڈالتا ہے۔ شاعر بھوبھوتی اور اس کا ڈراما متعلق کالی دیوی اسی زمانہ میں بنایا گیا تھا۔ مندروں میں عورتوں اور ان کے تعلقات میں مردوں کی فحش تصاویر کے متعلق مذہبی احساسات کو قائم رکھنے کے لیے واضعان قانون کو تعزیرات ہند کی دفعہ ۲۹۲ سے ایک استثنا قائم کرنا پڑا +

ایک عورت کئی ایک خاوند کر سکتی تھی۔ اور نیوگ کا بھی جواز بڑی شد و مد کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے +

ایرانیوں کے خیالات فردوسی رحمہ کے دو شعروں سے جو انھوں نے دقیقی ایک متقدم شاعر کی سند پر لکھے ہیں ظاہر ہوتے ہیں ؎

کسے کو بود مہتر انجمن — کفن بہتر او را ز فرمان زن
نکو گفت دانا کہ دختر مباد — چو باشد بجز خاک کش افسر مباد

یہودی بھی عورات کی کچھ قدر نہیں کرتے۔ اور اپنی مذہبی روایات کی بنا پر بڑی تعداد میں عورتوں کے ساتھ نکاح کرتے ہیں ٭

عورتوں کی حالت کا اندازہ کرنیکے لیئے ہم قارئین کرام کی توجہ لفظ "وومین" کی طرف منعطف کرتے ہیں۔ جو انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں درج ہے:-

اُسمیں لکھا ہے کہ ۵۸۶ء میں عیسائیوں نے ایک کونسل منعقد کی اور بحث یہ تھا کہ آیا عورتوں میں روح ہے یا نہیں۔ بڑے سرگرم مباحثوں کے بعد کثرت رائے سے یہ قرار پایا کہ عورت میں روح ہے۔ ورنہ یہ بیچاری اس سے پہلے روح سے محروم تھی ٭

مختصر یہ کہ دنیا پر بلحاظ مذہب اخلاق سیاست و تمدن تیرہ و تاریکی فسق و فجور کا بازار گرم تھا۔ غلامی کا رواج ہر ایک ملک میں پایا جاتا تھا ٭

پیغمبر خدا کا نکاح جب حضرت خدیجہ رضہ سے ہوا تو انہوں نے ایک غلام زید نام آپکو دیا۔ آپنے اُسے ۵۹۵ء میں آزاد کر دیا۔ مگر یہ غلام آپ کے حسن سیرت اور حسن سلوک کا گرویدہ تھا کبھی آپ سے جدا نہوا۔ اور اسی کا بیٹا مشہور محدث اسامہ رض ہے جو ۱۱ھ میں سپہ سالار عساکر اسلامیہ بنایا گیا۔ اور حضرت ابوبکر رض اور حضرت عمر رض جیسے جلیل القدر بزرگ اسکے ماتحت کیے گئے۔ یہ سب واقعات جو بندِ حلف الفضول اور کعبہ میں حجر اسود نصب کرنے پر باہم قبائل کے تنازعہ کے متعلق ہیں۔ قبل از نبوت ہیں ٭

قوم نے عرب قوم نے جو کسی کی فضیلت تسلیم نہ کرتے تھے۔ آپ کو صداقت و راستبازی کی وجہ سے لقب "امین" دیا تھا جس سے اُن "مجسمہ انسانیت کبرے" کی سیرت کا پتہ چلتا ہے ٭

جب آپ کی صداقت اور راستبازی کا شہرہ حضرت خدیجہ نے سُنا تو آپ کو اپنے مال کی تجارت کرنیکے لیے مقرر کیا۔ اور آپنے وہ تعداد منافع کثیر اپنی دیانت و امانت کی وجہ سے بڑھائی کہ اسکا عشر عشیر بھی کبھی پہلے وصول نہ ہوا تھا ٭

دسیر حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نکاح کی درخواست کی جو منظور ہوئی
وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنَىٰ ۔

وہ یتیمی اور یہ لقب جو اُس صادق و مصدوق کو ملا ۔ دنیا و جہان کے لیے ایک بہترین نمونہ ہے ۔

صداقت سے اعتبار بڑھتا ہے ۔ اعتبار سے مال ملتا ہے ۔ اور مال سے فراغ حاصل ہوتا ہے ۔ اور فراغ خاطر سے حضور قلب اور حضور قلب سے خاصان خدا کو نبوت حاصل ہوتی ہے ۔ اور پردہ دنیا و مافیہا کو یقیعہ نور بنادیتے ہیں ۔

مگر یاد رہے کہ یہ سب مراحل معاملات میں صداقت اور راست بازی پر مبنی ہیں ۔ پس تزکیہ نفس اور صفائی قلب کا پہلا زینہ صداقت ہے ۔

(۲)

نشیں در چشم ما در دل کن منزل زدین جا کہ از بہر تو دائم این ہمہ جا و منزلہا
کنون کز عجب رحمت آباد کردی مزرع وحدت صلا میزن بمشتاقان کہ بزار شد حاصلہا

مختصر یہ کہ چھٹی صدی عیسوی کے اخیر میں مجوسیوں کے آتشکدے ۔ ہندوؤں کے بتکدے ۔ یہودیوں کے مندر (سناگاگ) اور صابئین کے معابد اور عیسائیوں کے گرجے شرک و بت پرستی کے مرکز تھے ۔

ایک طرف ساسانی ایران میں کفر و ضلالت میں مبتلا اور عیش و عشرت کے شیدا تھے دوسری طرف عیسائی بر سر حکومت اور تصویروں اور بتوں اور آثار کی پرستش میں منہمک تھے ۔ پال مقدس عیسائیت کو تبلیغی مذہب بنا گیا تھا ۔ جب یونانیوں، یہودیوں، مصریوں اور مختلف اقوام نے دین مسیحی اختیار کیا تو وہ اپنے اپنے خیالات اور پرانی رسومات جو اُنکی ملکی تھالوجی میں پائی جاتی تھیں ساتھ لائے ۔

مصریوں کے ہاتھ میں دیوتا (۱) ثیریس دسنعا (۲) تھاہ ۔ Thoth

(۳) اموں۔ Ammon قابل احترام و پرستش سمجھے جاتے تھے۔ جیساکہ ہندوؤں میں برہما۔ شو، اور وشنو۔

ان تینوں دیوتاؤں میں مصری لوگ۔ خالقیت، مالکیت اور قادریت کی صفات کے قائل تھے۔ اسلیئے عیسائیوں کا خیال تثلیث، مصری روایات کے مطابق مستحکم ہوگیا اور دوسری طرف مصریوں نے بھی باپ، بیٹا، اور روح القدس یعنی عیسائیوں کی تثلیث کو اپنی روایات کا مؤید پایا۔ اس طرح پر یہ دونوں قسم کے لوگ خیالات اور تصورات میں مل جل گئے۔

دورِ مشرکانہ میں تقریباً ہر ایک ملک کے علم الاساطیر (مائی تھالوجی) کے مطابق ہر ایک دیوتا کی بیوی بھی ہوتی تھی۔ جسکو دیوی کہتے ہیں۔ چنانچہ ہندوؤں کی مائی تھالوجی میں ہر ایک دیوتا کے ساتھ اسکی بیوی کا نام بھی لیا جاتا ہے۔ جو اسکی ہمدم اور غمخوار تھی۔ ایسا ہی مصریوں کے علم الاساطیر میں اوسی ریس دیوتا کی بیوی آیسس تھی جس طرح ہندوؤں کے ہاں شیو اور پاربتی سے گنیش جی پیدا ہوئے۔ اسیطرح اوسی ریس اور آیسس کے ملاپ سے ہورس پیدا ہوا۔

مصریوں کے ہاں ہورس آیس کی گود میں بیٹھا ہوا تھا۔ جب وہ عیسائی ہوگئے تو ہم کیا دیکھتے ہیں کہ جناب عیسیٰ اپنے بچپن کی تصویر میں حضرت مریمؑ کی گود میں بیٹھے ہوئے ہیں وہی پرانے خیالات مصریوں کے عیسائیوں میں رائج ہوگئے۔ عیسائیت اور بت پرستی میں کوئی تمیز نہ رہی۔

چھٹی صدی عیسوی میں اخیر عیسائیت کے پانچ مرکز حسب ذیل تھے

(۱) یروشلم (بیت المقدس) (۲) اسکندریہ (۳) کارتھیج (۴) قسطنطنیہ اور (۵) روم۔ اور ان کے ماتحت اور بھی چھوٹے چھوٹے گرجے تمام سلطنت روما میں جابجا واقع تھے۔

مدت سے ان پانچوں مرکزوں میں دربارہ فضیلت اسقف بحث چھڑی ہوئی تھی آخرکار سنہ ۵۹۰ء میں جبکہ جناب والا کی عمر مبارک بیس اکیس سال کی تھی گریگوری اسقف روم گریگوری اعظم کے لقب سے پوپ بن گیا۔ یہ پہلا پوپ ہے جس سے سلسلہ پاپائی مسیحی دنیا میں قائم ہوا۔ پوپوں کی مبسوط تاریخ میں کہیں آزادی اور آزاد خیالی کا نام نہیں۔ پادریوں کے سوا کوئی لکھ پڑھ نہ سکتا تھا۔ کلرجی کے سوا کوئی بائبل کا مطالعہ نہ کر سکتا تھا۔ دینی اور دنیوی اقتدار پوپ کے ہاتھ میں تھا۔ وہ بہشت و دوزخ کا ٹھیکہ دار اور انواع و اقسام کے حیلوں سے دولت جمع کرتا تھا جسکو چاہے تخت سلطنت پر بٹھائے اور جسکو چاہے معزول کرے۔ تمام فرنگستان اسکے زیر نگیں تھا۔ مذہب مادیات سے تبدیل ہو گیا بت پرستی پھیل گئی۔ فرقہ مریمیہ جو مریم کی عبادت کرتا تھا۔ پیدا ہوا۔ مورت پرستی کا رواج ہوا۔ معجزوں اور تبرکات پر اعتبار بڑھا۔ بجائے دوا کے دعا کی طرف رجوع کیا جاتا تھا۔ خدا کو بھلا دیا گیا۔ علم و حکمت کا امتناع ہوا۔ علاج بھی معجزوں کے ذریعہ کیا جاتا تھا۔ بزرگوں کی ہڈیاں اور آثار فروخت کیے جاتے تھے۔ اور جسقدر کوئی زیادہ قیمت دے بہشت خرید لیتا تھا۔

قوتِ تمیز وقفِ اقتدائے پوپ تھی — معنی استفت قلبک" آج سمجھائے کوئی
اسفل السافلین تھا انساں پال کی تعلیم میں — احسن التقویم کی سند یہ بتلائے کوئی

قبل اسکے کہ ہم سیرت محمدیہ کے مبارک تذکار سے بہرہ اندوز ہوں "رہبانیت" پر جو اس زمانہ میں عالمگیر تھی ایک اجمالی نظر ڈالی جاتی ہے۔ ہندوؤں میں مجرد رہنے کی عادت زمانہ قدیم سے چلی آتی ہے۔ بدھ نے تو مردوں اور عورتوں کو باضابطہ طور پر گداگری اور تجرد حاصل کرنیکے لیئے ریاضات شاقہ میں لگایا۔

یہ عادت تجرد یونانیوں مصریوں اور یہودیوں میں بھی تھی۔ "منک" یونانی لفظ ہے اور "نن" لاطینی الفاظ مصریوں اور یہودیوں سے عیسائیوں نے سیکھے، خاصکر عیسائیت

میں جب تیسری صدی کے آغاز میں فرقہ ناغویہ پیدا ہوا۔ بعینہ اسی قسم کے تارک الدنیا عیسائیوں میں پیدا ہوئے جو ہندوؤں اور بدھوں میں ترک دنیا کر کے پہاڑوں اور جنگلوں میں نکل گئے تھے۔

عیسائیوں میں پہلا منک یا راہب ایک شخص انتھانی نام ۲۵۶ء میں سکونت چھوڑ کر جنگل میں چلا گیا۔ دوسرا پالس ہے۔ یہ دونوں اپنے زہد و ریاضت کی وجہ سے بہت مشہور ہوئے۔ تھوڑے دنوں میں ان کے پیرو جنہیں تن آسانی یا بعض کو واقعی نجات کے لئے یہ شوق دامنگیر ہوتا تھا۔ تمام عیسائی دنیا میں پھیل گئے۔ مرد "منک" اور عورتیں "نن" بن گئیں۔ ضروریاتِ زندگی میں خشک پھل اور تھوڑا پانی اور کبھی کبھار سوکھی روٹی کا ٹکڑا کافی سمجھا جاتا تھا۔ گرم پانی کا استعمال عشرت میں داخل تھا۔ جسمانی تکلیفات کی کوئی حد نہ تھی۔ سردیوں میں پانی میں رہنا اور گرمیوں میں دھوپ میں۔ ہاتھ آسمان کی طرف اٹھانا اور ہمیشہ اسی حالت میں رہنا۔ نہ آرام کرنا نہ سونا۔ اور لوہے کی زنجیر کے ساتھ لٹکا رہنا۔ جس تناسب سے طرح طرح کی تکلیفیں اٹھائی جائیں اسی نسبت سے خدا کا قرب حاصل ہوتا ہے۔ سالہا سال تک آنکھیں بند کر کے بیٹھے رہنا بیان کیا جاتا ہے کہ پانچویں صدی عیسوی میں سی می ان نام ایک راہب ساٹھ فٹ بلند ایک ستون بنا کر اُس پر ایک مربع فٹ آسن پر تیس سال لگاتار بیٹھا رہا۔ اپنے آپ کو زنجیروں سے بند ہوا اور دعا اور شکر گزاری کے لئے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے۔ اور اسی حالت میں مر گیا سینٹ امن ہمیشہ ننگا رہا۔ انتھانی اور پاتس نے نوے ۹۰ سال تک کسی سے گفتگو نہ کی۔

بعد میں ان منکوں نے مذہبی مباحث اور ملکی معاملات میں بھی حصہ لیا۔ عموماً عیسائی کونسلوں میں جو عقائد نسبت "ابنیت"، "الوہیت" و "تثلیث" جناب عیسٰی کے قائم ہوئے۔ ان میں ان راہبوں کا معتدبہ حصہ تھا۔

پوپ جان بست و دوم المتوفی ۱۳۲۴ء یوں رقمطراز ہے کہ راہبوں میں آجتک چوبیس پوپ دو سو کارڈنل، سات ہزار آرچ بشپ، پندرہ ہزار بشپ اور پندرہ ہزار ایبٹ۔ چار ہزار ولی۔ سینتیس ہزار منسٹر۔ بیس قیصر، دس قیصرہ، سینتالیس بادشاہ اور پچاس ملکہ اور بیس شہزادے قیصر، اور اٹھتالیس شہزادے۔ ننو شہزادیاں راہب بنی ہیں۔ ڈیوک اور ارل اسکے علاوہ ہیں۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ عامۂ خلائق کس تعداد تک اس گروہ میں شامل ہوئی ہوگی +

مختصر یہ کہ چھٹی صدی عیسوی کے اخیر میں مسیحی دنیا میں راہبوں کے غول در غول (جن کی نسبت قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ رہبانیت ایک بدعت ہے) اور تثلیث کا ایک پیچیدہ عقیدہ اور پھر اسپر ابنیت، الوہیت، تبنیت اور نوعیت حضرت عیسیٰؑ کے بے معنی حاشیے اور پھر مریمؑ ورشپ اور بت پرستی کا اضافہ۔ عقائد بنانے کے لیے کونسلوں پر کونسلیں۔ اور انکے تشویش انگیز فیصلے۔ بلوے اور خونریزیاں فتنہ و فساد جن کی قرآن حکیم ان لفظوں میں خبر دیتا ہے کہ: ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تمرد و طغیان۔ ضلالت و گمراہی۔ ظلمت کفر و عصیاں۔ تمام دنیا میں شرک کا دور دورہ اور انکے ماتحت انواع و اقسام کی باطل پرستیاں کعبۃ اللہ میں تین سو ساٹھ بت۔ گویا عرب میں اور قبائل عرب میں باضابطہ بت پرستی ایک منتظم صورت میں یہ سب ضلالتیں اور گمراہیاں اس امر کی مقتضی نہیں کہ خدائے ذوالجلال والاکرام کا زبردست ہاتھ اُن بے راہیوں اور گمراہیوں کا ہمیشہ کے لیئے خاتمہ کردے۔ اور اصولی طور پر شرک کی بنیادیں متزلزل ہو جائیں۔ حق و صداقت کا بول بالا ہو اور باطل و کذب کو شکست فاش ہو +

یہ سارا سلسلہ باطل پرستیوں کا جو روئے زمین پر پھیلا ہوا تھا ایک لفظ "امید و بیم" سے پیدا ہوا۔ گرد و پیش کی جس چیز سے انسان کو امید منفعت یا خوف مضرت ہوتا تھا اسکی پرستش کیجاتی تھی۔ گویا غیر اللہ سے "امید و بیم" پر تمام ضلالتیں اور گمراہیاں

مبنی تھیں۔ اگر ہم "وہ مشرکانہ" کی ذمائم و قبائح کو ایک لفظ میں بیان کرنا چاہیں تو وہ یہ ہے کہ انسان ابتدائی حالت میں بیرونی اشیاء یا بیرونی موثرات کی جنہیں "بیرونی طاقت" سے نامزد کیا جا سکتا ہے۔ اطاعت کرتا تھا۔ اور یہ سمجھتا تھا کہ وہ اُن کا ماتحت ہے۔ پس دنیا کافر تھی اور غیر اللہ سے ڈرتی اور شرک میں مبتلا تھی۔ شرک ضلالت ہے "وَمَن يُشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيدًا" الآیہ۔ شرک افترا ہے:۔ "وَمَن يُشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰى إِثْمًا مُّبِينًا" الآیہ۔

(۳)

عُبّاد کو تو نے محوِ تجید کیا ‏ ‏ عُشّاق کو مستِ لذتِ دید کیا
طاعت میں ہا نہ حق کے ساجھی کوئی ‏ ‏ توحید کو آکے تو نے توحید کیا

عیسائیوں میں کفارہ کے عقیدہ نے اخلاقی بنیادیں متزلزل کردیں۔ انسان شرافت طبعی سے محروم کیا گیا۔ وہ فطرتاً بدطینت اور بدسرشت قرار دیا گیا۔ روحانیت میں سعی جہد ایک لاحاصل چیز ٹھیری۔ وہ موروثی گنہگار بن گیا۔ حضرت آدمؑ کے ارتکاب گناہ میں حضرت حوا نے اعانت کی تھی۔ اس لئے عیسائی دنیا میں عورتیں نہایت ہی ذلیل اور بے وقار سمجھی گئیں۔ یہ عام خیال تھا کہ اُن میں روح نہیں۔ ہم ذکر کر آئے ہیں کہ ۵۸۶ء کی کونسل میں وہ پہلا موقع ہے جس میں کثرت رائے سے یہ قرار پایا کہ ان میں روح ہے ورنہ اس سے پہلے وہ بیچاری روح سے بھی محروم تھی۔ نجات کی صرف ایک صورت تھی "بپتسمہ"۔ سوائے اسکے انسان کبھی نجات حاصل نہیں کرسکتا تھا۔

ہندوؤں میں عقیدہ تناسخ نے بھی انسانیت اور وحدت انسان پر مضر اثر کیا کرم جنم سے مقدم تھا۔ کوئی پیدائشی برہمن تھا۔ اور کوئی پیدائشی شودر۔ برہمنوں اور شودروں کے گھر میں پیدا ہونا۔ پہلے جنم کے اعمال و کردار پر موقوف تھا عفو و رحم کی صفات خدا میں تسلیم نہ کی گئیں۔ اور صفائے قادر و قدیر کو رحمانیت اور رحیمیت سے

سے معاذ اللہ محروم کر دیا گیا۔ اسکی قادریت اور مالکیت کی نفی کی۔ اور روح اور مادہ کی قدامت تسلیم کرنے سے اُسے وحدہٗ لاشریک نہ رہنے دیا۔

ساتویں صدی عیسوی کے آغاز میں اس عقیدہ کے بہت لوگ ایران میں موجود تھے جن کا اثر کم و بیش عراق و عجم تک پھیلا ہوا تھا۔ "دورِ مشرکانہ" کی اجمالی تاریخ نامکمل رہے گی اگر ہم اُس فلسفیانہ مسئلہ کا ذکر نہ کریں جس کا نام ہندو فلاسفی میں "ادویت" ہے۔

قارئین کرام نے اس بات پر غور کیا ہوگا کہ دورِ مشرکانہ کی ابتداء "اشیاء پرستی" (فیٹش ازم) سے ہوئی۔ اس حالت میں انسان کنکروں، پتھروں، پہاڑوں، دریاؤں اور دیگر اشیاء کی پرستش کرتا تھا۔ جب اس سے آگے بڑھا تو "عناصر پرستی" اختیار کی اس حالت میں اسنے آگ، پانی، ہوا، اور مٹی کی پرستش شروع کی۔ ان عناصر کو اس نے دیوتا۔ اور قاضی الحاجات سمجھا۔

جب اس حالت سے ترقی کی۔ اور نجوم میں کسی حد تک دستگاہ حاصل کی تو اس حالت میں "ستارہ پرستی" کی نوبت آئی۔ سورج، چاند، زہرہ، مشتری اور انکے اسماء پر مندر بنائے۔ مختصر یہ کہ جب مختلف اقوام کو اپنے مختلف معبودوں کے ہر وقت اپنے پیش نظر رکھنے اور انکی پوجا کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی تو سنگ تراشی کی صنعت نے ترقی پاکر بت بنائے۔ اور پھر اُن بتوں کی پرستش دنیا میں عالمگیر ہوگئی۔ "بت پرستی" پر مصوری نے نہایت دلکش اور نفیس حاشیے چڑھائے۔ جسکے نظائر ہندوستان، یونان، بابل، نینوا، اور بالآخر اطالیہ میں بڑی کثرت سے ملتے ہیں۔

اسلام کی فیاضانہ اور عالمگیر تعلیم ہمیں سکھاتی ہے کہ اس دورِ مشرکانہ میں بھی بمصداق "لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ" اور "وَإِنْ مِّنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ" وقتاً فوقتاً

انبیائے کرام مختص القوم، مختص المقام، مختص الامر۔ شریعتیں لیکر آئے۔ اور اپنے اپنے ممالک یا حلقہ اثر میں توحید کا وعظ کہا۔ اور خدائے وحدہٗ لا شریک کی عظمت وجبروت کو قائم کرنا چاہا۔ مگر دنیا راہ راست پر نہ آئی۔ اگر کچھ اثر ہوا بھی تو بمرور زمانہ زائل ہو گیا +

جہاں یہ جماعت انبیار توحید کیطرف توجہ دلاتی تھی۔ وہاں مختلف قوموں اور مختلف ملکوں میں حکمار اور فلاسفر بھی پیدا ہوئے جنہوں نے اپنے اپنے میلانات ورجحانات کی وجہ سے دلائل فلسفیانہ سے شرک کو مٹانا چاہا ہ

ہندوؤں کا فلسفہ ویدک زمانہ سے ہی "ادویت" کے رنگ میں رنگین ہو گیا۔ اور حکمار کی فلسفیانہ تعلیم میں "ایکو برھم دنیا ناستی" کے نعرے بلند ہوئے یعنی کائنات میں ایک ہی خدا وائرد سا رہیہے۔ دوسرا کوئی نہیں۔ ہمارا وجود اور نیز دیگر اشیار کا وجود محض نمایا ئشی ہے۔ یہ صرف دھوکا ہے۔ حقیقت میں ہر ایک جگہ اور ہر چیز میں خدا ہے بلکہ ہر ایک چیز خدا ہے ۔

اسی "ادویت" کو فارسی میں "ہمہ اوست" اور عربی زبان کی عجمی اصطلاح میں "وحدت الوجود" کہتے ہیں خاص عربی میں اس کیفیت کے اظہار کے لیئے کوئی ایک لفظ موجود نہیں +

یاد رہے کہ یہ فلسفیانہ تخیل کسی شخص یا اشخاص یا کسی قوم یا اقوام کے متعلق انکے اپنے اپنے رجحان و میلان کی وجہ سے مختلف اثرات پیدا کرتا ہے۔ اور انہیں اثرات کے زیر اثر دیکھا جائے گا کہ کہاں تک کوئی قوم یا اقوام یا کوئی شخص یا اشخاص معقولات کو مادیات سے اور طبیعیات کو الٰہیات سے جدا اور علیحدہ رکھ سکتی ہیں +

خدا کی غیر محدودیت کا مفہوم انکے لیئے یہ امر مشکل بنا دیتا ہے کہ وہ عبد اور معبود یا خالق و مخلوق میں کوئی تمیز کر سکیں۔ وہ اپنے آپ اور خدا میں کوئی فرق نہیں کر سکتے۔

آخر کار وہ خدا اور اشکال کائنات کو ایک واحد وجود سمجھتے ہیں +

یہ سلسلہ خیالات انہیں رفتہ رفتہ اس منزل پر لیجاتا ہے۔ جو بھگوت گیتا میں یوں بیان کیا گیا ہے کہ عبد و معبود اور خالق و مخلوق ایک ہی ہیں۔ اور ان میں باہمی کوئی تمیز نہیں۔ اس طرح پر ہم دیکھتے ہیں کہ خدا اور فلاسفر جن کی آمی شکل کو ماننے کی تھوڑے کیسے عجیب عجیب طور سے اپنے انتہائی اظہار میں اشیا پرستی (یعنی تہیئش ازم) میں پھنس گئے +

یہ وہ اشیا پرستی تھی جو خدا کی ہستی ماننے سے پہلے سوسائٹی کی ابتدائی اور غیر مہذب حالت میں موجود تھی۔ جسکو ہم اب حقیقی دنیا میں "وحدت وجود" یا "ہمہ وست" کی شکل میں محسوس یا عالم دیکھتے ہیں۔ یہ عقیدہ وہ ہندو زمانہ کی فلسفیانہ خصوصیت ہے جسے ہم کسی فرصت کے وقت شرح و بسط سے بیان کرینگے +

"اشیا پرستی" میں خدا کی وجہ سے اشیا کی پرستش جاری ہوتی ہے۔ اور بتدریج ترقی کرتی ہوئی بت پرستی تک پہنچتی ہے۔ گر اس عقیدے یا مسئلہ کی رو سے معاذ اللہ ہر ایک چیز خدا بن جاتی ہے۔ پھر کہاں عبد اور کہاں معبود۔ کہاں خالق اور کہاں مخلوق۔ کون حاکم اور کون محکوم۔ کہاں ضابطہ اور کہاں پابندی۔ ہر ایک بات کی اجازت عام ہے +

ساتویں صدی عیسوی سے پہلے اس عقیدہ کے ہندو لوگ مشرقی فارس کے صوبجات میں سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ اور مانی زرتشتی بھی توران سے بھاگ کر ایران میں آگئے تھے ناسٹک فرقہ کے عیسائی یعنی وہ فرقہ عیسائیوں کا جنہوں نے مسیحیت میں افلاطون کا اشراق اور مختلف مشرقی خیالات داخل کر دیئے تھے۔ یہاں مقیم ہو چکے تھے ہندو وشنو اور کرشن جی مہاراج کو اوتار سمجھتے تھے۔ اور کرشن اور گوپیوں کے تعلقات سے واقف۔ اور کرشن کا آسمان سے آنا۔ ان کے عقیدے میں داخل تھا +

گویا ایران مختلف النسل اور متضاد عقیدہ لوگوں کا مسکن بنا ہوا تھا۔
فتوحات اسلام کے بعد جب ایرانی مسلمان ہوئے تو یہ مختلف نسل لوگ اپنے
معلومات اور رجحانات ساتھ لائے۔ اور اسلام کی تعلیم میں مختلف رنگ آمیزیاں ہوئیں
جن کا ذکر کبھی پھر کریںگے۔
یہاں صرف اس قدر کہنا ضروری سمجھتے ہیں کہ اس عقیدے کی وجہ سے اکثر حصہ
دنیا میں خداوند کریم کی "قہاریت" متزلزل ہوگئی تھی۔ لوگ بھول گئے تھے کہ نہ ذات
واحد جو بدیع السموات والارض، خالق السموات والارض، مدبر السموات والارض
ہے اپنے بندوں پر قاہر اور ضابط ہے لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ۔ کو کوئی نہ جانتا تھا۔ خالق
کل شیٔ وھو واحد القہار، طاق نسیان پر رکھا ہوا تھا۔ اس عقیدے کی وجہ سے انسان
کی شخصیت اور خدا کی قدسیت اور جلال بھلا دیا گیا تھا کہ غیرت حق جوش میں آکر "فادخلی
فی عبادی" کا اعلان کرتی ہے اور "فادخلی فی ذاتی" کا امتناع۔ وصلی اللہ علی نور
کز وشد نورہا پیدا۔

(۴)

محمد است امام و چراغ ہر دو جہاں محمد است فروزندہ زمین و زماں
خدا مگویمش از ترس حق مگر بخدا خدا نماست وجودش برائے عالمیاں

ہم دیکھتے ہیں کہ وحشیوں کی وحشیانہ "اشیاء پرستی" اور داناؤں کی دانایانہ "خدا پرستی"
کے ڈانڈے یہاں آکر ایک دوسرے کے ساتھ ملگئے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہی کہ پہلی
حالت میں خوف محرک ہوا۔ اور دوسری حالت میں عقل کا گھمنڈ۔ مسئلہ "ادویت" ایک
مشغلہ ہی فرصت کا۔ اور اسنے انہیں ملکوں میں جنم لیا اور فروغ پایا۔ جنکے ذرائع پیداوار
ضروریات زندگی کے لئے کافی سے زیادہ تھے۔
متخیلہ فلاسفی نے اسمیں جدت طرازیاں پیدا کیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستان

میں اس نے مذہب کی شکل اختیار کی جسکا نام "ویدانت" رکھا گیا۔ اس مذہب کے مدعیاں نے ویدوں کی مقدس شرتیوں کی شرحیں سنے منشاء مطلب کیں۔ اور اس تہذیب کو "ویدانت" کے نام سے عامۃ الناس میں پھیلایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستان ذو پولیٹیکل اہمیت اور عملی قوت ہمیشہ کیلیے رخصت ہو گئی۔ وہ ایک قالب بیجان رہ گیا اور بیرونی حملہ آوروں نے اپنی عملی قوت سے کام لیکر اسپر قبضہ کر لیا۔

ایران کے "ہمہ اوستیوں" کا بھی یونانیوں کے مقابلے میں یہی حال ہوا۔ اور یونانیوں کو بھی جو پہلے بھی اسی ہمہ اوست میں مستغرق ہو گئے تھے۔ اپنی نوبت میں رومانیوں کے مقابلے میں ذلیل ہونا پڑا۔

اس "ادویت" کی وجہ سے کوئی قومی مرکز قائم نہ ہوا۔ اگرچہ ہندوستان میں چھوٹی چھوٹی راجدھانیاں تھیں تو یونان میں بھی چھوٹی چھوٹی ریاستیں تھیں۔ ایک دوسرے سے جدا۔ اور اشتراک فی العمل سے بے بہرہ تھیں۔ اب آریہ سماج نے اس مذہب کی مخالفت میں جد و جہد شروع کی ہے۔ اور انکی جماعت روز بروز بڑھتی جاتی ہے۔

وہ کہتے ہیں اور یہ کہنے میں حق بجانب بھی ہیں کہ مشت خاک کو ذات پاک سے کیا نسبت۔ اور ایک انسان بدکردار کیسے خدا ہو سکتا ہے۔

"ادویت" کے لطائف اور نکات کو بیان کرنیکے لیے علم موسیقی اور ملک کے شاعرانِ عالی خیال سے کام لیا گیا۔ کیونکہ بغیر موسیقی کی نزاکتوں اور شاعروں کی نکتہ سنجیوں کے اُن کا بیان کرنا مشکل تھا۔

"ویدانت" ہیجان خیالات کی مقتضی ہے۔ اور یہ خاصہ "راگ" میں بدرجہ اتم موجود ہے۔

مصوری اور موسیقی اُن فنون لطیفہ میں شامل ہیں۔ جنہوں نے عموماً عیاشی کے زمانہ میں ترقی کی ہمیشہ اِن فنون نے ملکوں اور قوموں کی پولیٹیکل حالت پر مضر اثر

پیدا کیے ہیں *

جو قومیں "ویدانت" یا "ادویت" کی دلدادہ ہیں وہ ہمیشہ راگ کی بھی شیدا ہیں۔ راگ کے ساتھ زیادہ تر ہیجان خیالات پیدا کرنے کیلئے ناچ اور مزامیر کی بھی ضرورت لاحق ہوتی ہے۔ راگ اور ناچ تو ہندوستان زمانہ قدیم میں سب قوموں کا پیشرو تھا۔ اور اسکی یہی وجہ ہے کہ وہ "ویدانت" ہی سب سے آگے تھا۔ ان نزاکتوں اور نازکخیالیوں نے "اہنسا پرمو دہرم" جیسی ضرب المثال کو پیدا کر کے قوت غضبی اور طاقت مدافعت کو ہمیشہ کے لیے رخصت کر دیا جسکا نتیجہ لازمی طور پر غلامی ہے۔ جو صدیوں سے ہندوستان اور ہندوستانیوں کے حصے میں آئی۔ اور ہندوستان میں آنیوالوں اور مستقل اقامت کرنے والوں کو بھی لے ڈوبی۔ فاعتبروا یا اولی الابصار *

مصوری اور جنگجوئی دو متضاد چیزیں ہیں۔ رومانیوں نے جب مصوری میں ترقی کی تو پھر جنگجو نہ رہے۔ ان کی پولٹیکل عظمت اور ملکی جلال مٹ گیا۔ مدتوں تک وہ اپنا بے نظیر اقتدار ضائع کر کے آسٹریا کے ماتحت رہے۔ تاآنکہ مرفی اور گری بالڈ نے اُن میں قومیت کی روح پھر از سر نو پھونکی۔ اور وہ آسٹریا کی غلامی سے آزاد ہوئے *

ڈاکٹر سموئل سمائلس اپنی کتاب "سیرت" نام میں یوں رقمطراز ہیں کہ جوں جوں روم میں فن مصوری ترقی کرتا گیا۔ قوم قعر تنزل میں گرتی گئی۔ پوپ لیو دہم کا زمانہ ترقی

سلہ ہندوستان میں فن موسیقی کو دو دو یا، گندھرب وِدیا، راگ ودیا اور شام ودیا۔ یعنی ان مختلف ناموں سے پکارتے ہیں۔ شام وید جو چوتھا وید ہے۔ راگ اور بھجنوں میں ہے۔ یونان قدیم میں بس موزیکی اور فرانس میں موزیک اور لاطینی میں موزیکا۔ فرنچ اور لاطینی لفظ کا ماخذ یونانی لفظ موزیکی ہے۔ عربوں نے یہ لفظ یونان سے لیا اور بجنسہ وہی نام موسیقی رکھا۔

شام یعنی بھجن یونانی ہے۔ اور اس سے کسی قدر تغیر کے ساتھ یہ لفظ فرنچ اور لاطینی میں بھی مستعمل ہے اور انگریزی میں بھی سام کہتے ہیں۔ یعنی مذہبی گیت۔ غالباً یہ لفظ "شام" ہندی ہے جو شام وید کے ساتھ منسوب ہے۔ شام وید راگ اور مذہبی بھجنوں کا مجموعہ ہے۔ ایران میں ایجاد موسیقی اور مزامیر جمشید کیطرف منسوب کیا جاتا ہے۔ اور یونان میں حکیم فیثا غورث سے جو ہمعصر جمشید تھا *

فنون کا زمانہ ہے۔ مگر اسی زمانہ میں عیاشی، بدکاری اور شہوت پرستی کا زور تھا۔ ادنے اعلیٰ امیر غریب۔ عوام و خواص۔ پوپ و پادری سب عیاش اور لہو ولعب میں وقت گزارتے تھے۔

اللہ اکبر! کیا عجیب تعلیم ہے کہ مصوری کے ہتسنل نے اسلام میں امیر شجاع اور خالدؓ جیسے جانباز پیدا کئے۔

ہم ابھی بیان کر آئے ہیں کہ فن موسیقی خیالات میں تہیج پیدا کرتا ہے۔ اور یہ ہیجان مختلف طبیعتوں پر مختلف اثرات پیدا کرتا ہے۔ نیک طینت انسان کا میلان نیکی کی طرف اور بدسرشت کا بدی کی طرف ہوتا ہے۔ برائیوں کو انسان آسانی اور جلدی سے قبول کرتے ہیں مگر ہم دیکھتے ہیں کہ نیکی کی طرف رجحان بہت تھوڑے انسانوں کا ہوتا ہے۔ اس لیے ثابت ہوا کہ موسیقی کا عام اثر اچھا نہیں۔ قانون ساز قانون بنانے والا اور شارع تشریعی احکام جاری کرنے میں عام حالات اور عام موثرات کو دیکھتا ہے کہ استثنا یہ صورتوں کو استثنا یہ صورتوں کے لیے عام قانون مختص نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام میں موسیقی کو بحیثیت فن حاصل کرنے کی ممانعت ہے۔

راگ، مصوری اور ناچ راحت و سرور کے سرچشمے ہیں اور وہ فی حد ذاتہ شہوت انگیز بھی نہیں۔ تاہم بسا اوقات شہوت انگیزی پر اُن کا انجام ہوتا ہے۔

راگ اور مصوری کے ساتھ لزوماً دلی طاقتوں کو نہیں بڑھاتا۔ اور عام طور پر سیرت عالیہ پیدا کرتا ہے۔

یہ بہت ہی مشتبہ امر ہے کہ مصوری اور موسیقی کی ترقی نے جو معمولی طور پر عیاشی کی طرف منجر ہے کبھی بنی نوع انسان کی ترقی میں وہ حصہ لیا ہے جو مغربی اقوام ان کی طرف منسوب کرتی ہیں۔ یہ ہو سکتا ہے اور بسا اوقات ایسا ہوا ہے کہ راگ اور مصوری کا مذاق سیرت کو ترقی دینے کی بجائے انسان سے معدوم کر دے۔ کیونکہ ان کے حلقہ اثر میں

اکثر حظوظ نفسانی سامنے آجاتے ہیں جو تخیل کی بلند پروازیوں کے ساتھ کاہلی، سہل انگاری اور اکثر عیاشی میں منہمک کر دیتے ہیں۔ پھر ان سے جرات اور دلیری کم اور سیرت نہایت ضعیف ہو کر انسان مطیع جذبات ہو جاتا ہے۔ اسی کا نام مجذوبیت ہے، اور اسی کو دیوانگی اور مجنونیت بھی کہتے ہیں۔ اقوام کی تنزل پذیر حالت میں "شخصی دولت" جو قومی دولت سے الگ چیز ہے پیدا ہوتی ہے۔ اور یہ دولت مصوری، راگ، رنگ، مزامیر اور ناچ کی سرپرست بنتی ہے۔ چنانچہ مصوری اور راگ رنگ اور بدکاریاں اکثر دوش بدوش اور ایک دوسرے کے ہمعصر رہی ہیں۔ دامارگی ہندوستان کے مزدکی ایران کے ایپکیورین یونان کے اپنے اپنے عہد کی یاد تازہ کرتے ہیں۔ پمپی کے کھنڈرات سے جو فحش تصاویر نکلیں وہ اٹلی کی تہذیب پر شاہد ہیں۔

ڈاکٹر سموئل کہتے ہیں کہ فنون لطیفہ کے کرشمے اور کارسازیاں بلاشبہ مذاق انسانی کو بڑھاتی ہیں۔ مگر ایک واحد اور اکیلا نیک نمونہ اعمال صالح جو لوگوں کو عملی طور پر دکھایا جائے۔ انسانی قلوب اور سیرت پر ایک نہایت اعلیٰ اور مستقل اثر پیدا کرے گا جو بدرجہا اور بمراتب ان اثرات سے بڑھ چڑھ کر ہوگا جو ایک وسیع احاطہ میں مجسموں اور تصویروں کے دیکھنے سے پیدا ہوگا۔ کیونکہ وہ چیز جو انسان کو عظیم اور جلیل بناتی ہے وہ اس کا دل و دماغ ہے نہ کہ محض مذاق فنون لطیفہ۔

وہ کہتے ہیں اور بڑے زور سے کہتے ہیں کہ اگر مصوری اور راگ انسان کو نیک بنا سکتے تو روم کی شجاعت اور قدیم نیک نامی معدوم نہ ہوتی۔ اور فیڈیس اور اکٹیونوس دو مشہور یونانی مصور اپنی عیاشی کی وجہ سے قید خانے میں نہ مرتے۔ اور نہ جلال ایتھنز معدوم ہوتا۔ جنہیں سپارٹا والوں نے شکست دیکر ملیامیٹ کرکے اپنی فتح کی یادگار بڑے پیمانے پر قائم کی تھی۔ ڈاکٹر موصوف ان تمام واقعات سے نتیجہ نکالتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں کہ ان کی رائے میں تقدس اور صفائی دل و دماغ فنون لطیفہ سے بدرجہا

اچھی ہیں کیونکہ مصوری اور راگ سے بسااوقات سیرت کمزور اور اخلاق ذمیم ہو جاتے ہیں۔ اور تزکیۂ نفس سے اخلاق حسنہ سیرت فاضلہ اور ہمت بلند پیدا ہوتی ہے۔

جب ہم حضرت نبوی میں حاضر ہونگے "وفد مشرکانہ" کی ہر ایک سیئات کے مقابل "وفد موحدانہ" کی ہر ایک حسنات کو لائینگے۔ مگر یہاں اس قدر کہے بغیر نہیں رہا جا سکتا کہ اسلام نے مصوری کی قطعاً ممانعت کی ہے۔ ہاں موسیقی اور مزامیر کے ساتھ موسیقی کے متعلق فقہا اور بعض صوفیا میں اختلاف ہے۔ میری رائے ناقص میں اسلام نے موسیقی کو بطور فن کے حاصل کرنے کی اجازت نہیں دی کیونکہ اس کی مضرتیں نسبت فوائد کے زیادہ ہیں۔

مگر یہ بھی یاد رہے کہ یہ بھی ایک فطری مادہ ہے۔ ہر ایک شخص اپنے اپنے وجد میں گنگناتا اور کچھ نہ کچھ موزوں طریق پر خلوت و جلوت میں خوش آوازی کے ساتھ گاتا ہے۔ اور اسلام فطری مذہب ہے۔ اور خصوصاً انسانیت کی نشو و نما اور ربوبیت کا مکمل ہے۔ پس قربان جائیے نبی کریم کی تعلیم پر کہ جتنا زیادہ غور کریں اتنی ہی زیادہ جدت ذات والا صفات کی ہے۔ آپ نے غنا کو معدوم نہیں کیا۔ ہاں نظام موسیقی کو مردود قرار دیا۔ غنا کا زیادہ مزا ترتیل قرآن کریم میں ہے۔ اور راگ کا مزہ "زینوا اصواتکم بالقرآن" میں ہے (بخاری)۔

صبح شام اور عشا کی نمازوں میں غنا کا مزہ ہے۔ اور یہی اوقات غنا کے لیے موزوں ہیں کہ انسان روزمرہ کے کاروبار سے فارغ ہو کر اطمینان سے قرآن کریم سنتا اور محظوظ ہوتا ہے۔ ایسا ہی بلند ہمتی پیدا کرنے والے قومی اشعار آپ نے کعب بن زہیر اور حسان بن ثابت سے سُنے۔ پس ہمیں بھی انکی اتباع میں اس سنت حسنہ پر کاربند ہونا چاہیئے۔ مگر خرافات کے سننے سے اجتناب لازم ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ اسلام کے مجاہد قرآن کریم کی آیات تلاوت کرتے اور اپنی خوش الحانی سے جوش پیدا کر دیتے تھے۔ مگر اسے فن کے طور حاصل نہ کرنا چاہیئے۔

(۵)

پیش از ہمہ شاہان غیور آمدۂ ہر چند کہ آخر بظہور آمدۂ
اے ختم رسل قرب تو معلومم شد دیر آمدۂ ! ز راہ دور آمدۂ

ہم نے اجمالی طور پر بیان کیا ہے کہ بیرونی طاقتوں کے تعبد یعنی "شرک" نے انواع اقسام کے ذمائم اخلاق پیدا کیے۔ اب ہم بتائیں گے کہ اندرونی طاقت کی اطاعت یعنی "ایمان باللہ" ہی مکارم اخلاق کا سرچشمہ ہے۔

ہم نے ثابت کیا ہے کہ "شرک" کذب و افترا ہے اور منبع سیئات۔ اب ہم دکھائینگے کہ "توحید" صدق و صفا ہے اور سرچشمۂ حسنات۔ پیشتر اسکے کہ ہم ذکر خیر خیر الانام سے بہرہ اندوز سعادت ہوں جناب والا کے ابتدائی حالات سے چند نتائج کا ذکر کرتے ہیں جو ہر ایک انسان کو اسکی زندگی میں رہنمائی اور نور ہدایت کا کام دیں۔

(۱) کسب معاش کے واسطے تجارت کو پسند فرمایا۔ جسکے اتباع میں مسلمانوں میں یہ ضرب المثل مشہور تھی کہ اسلام اور تجارت لازم و ملزوم ہیں۔ اگر کوئی مسلمان اعلیٰ یا ادنیٰ درجہ کی تجارت نہیں کیا کرتا تھا تو لوگ تعجب سے کہا کرتے تھے کہ کیا فلاں شخص مسلمان ہے اور تجارت نہیں کرتا؟

(۲) اندرونی امن قائم کرنے اور بیرونی حملوں سے حفاظت کے لیے ایک انجمن حلف الفضول نامی بنائی۔ جسکا مدعا یہ تھا کہ قوم اتفاق و یکجہتی سے کام لیکر اپنی جان و مال کی حفاظت اور امن چلادان سے بسر کرے۔ اس انجمن نے نہایت ہی مفید کام کیا کہ عرب بیرونی حملوں سے محفوظ ہو گیا۔ دیکھو سپرٹ آف اسلام مصنفہ سید امیر علی۔

یہ جماعت اشتراک فی العمل کا ایک عملی نمونہ تھا جس پر آیندہ "امت وسطی" کی بنیادیں قائم کی گئیں۔ اور جماعت اسلامیہ کارگزار اور کارروان بنائی گئی۔ چنانچہ ہم مناسب موقع پر نماز، نماز جماعت، حج اور روزہ کی نسبت ثابت کرینگے کہ اُن کا مقصد اصلی یہی تھا

کہ مجددین جہاں روحانیت میں پیش پیش ہوں۔ وہاں اُنکی جسمانیت بھی سب قوموں سے ارفع واعلیٰ ہو ✦

اگر اُنکے ایک طرف "اِنَّ اِلٰی رَبِّکَ الْمُنْتَھٰی" کا منظر ہے تو دوسری طرف "وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ" کی حقیقت بھی پیش نظر ہے ✦

(۳) زیدؓ بن حارث ایک غلام تھا جسے سیّدۃ النساء حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے نے اُنہیں بخش دیا تھا۔ اور حضرت خدیجہؓ نے جناب والا کو بوقت نکاح ۵۹۵ء میں دیدیا تھا۔ آپ نے اُسے آزاد کر دیا۔ جسمیں یہ بصیرت موجود ہے کہ انسان انسان کا غلام بنکر نہیں رہ سکتا۔ وہ آزاد ہے۔ اور اپنے قوٰی فطری سے کام لیکر آزادی کے ساتھ ترقی دینی و دنیوی کر سکتا ہے۔ اِس غلام نے مرتے دم تک آستانۂ عالیہ نہیں چھوڑا۔ جنگ موتہ میں عیسائیوں کے مقابلہ میں شہید ہوا۔ اُسکا بیٹا اُسامہؓ بڑے پایہ کا محدث اور صحابہ میں خاص امتیاز رکھتا تھا۔ یہی وہ بزرگ ہیں جنہیں جناب رسالتمآبؐ نے ۱۱ھ ہجری میں سپہ سالار منتخب کیا کہ اُنکے ماتحت ایک لشکر عراق عرب میں عثمانیوں کے ساتھ لڑنے کو جائے اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ ایسے جلیل القدر صحابہ اُسکے ماتحت کر دیئے۔ اسلام میں ایسے تھے غلام۔ اور ایسے تھے غلام زادے جنپر امیر اور امیرزادے رشک کرتے ہیں۔ مختصر یہ کہ اِس واقعہ سے جناب والا کی رائے نسبت غلامی معلوم ہوتی ہے کہ گو اُنہوں نے کچھ مدت تک غلامی کے عالمگیر رواج کو منسوخ نہیں فرمایا۔ مگر وہ بہ نفس نفیس اُسکو مستحسن نہیں سمجھتے تھے ✦

(۴) جب عمر مبارک پینتیس سال کی تھی۔ قبائل عرب میں حجر اسود نصب کرنیکے متعلق ایک جھگڑا برپا ہوا۔ غالب تھا کہ جنگ چھڑ جائے اور عرب خانہ جنگی میں تباہ ہو جائے کیونکہ ہر ایک قبیلہ حجر اسود کو اُٹھانے اور نصب کرنیکے لیئے اپنا حق دوسرے قبائل سے فائق بتاتا تھا۔ اتفاق حسنہ سے جناب والا کا گزر اُن پر ہوا۔ سب پکار اُٹھے کہ وہ امین

آ گئے۔ جو کچھ وہ فیصلہ فرمائیں سب منظور کریں +

آپنے چادر مبارک فرش زمین پر بچھائی۔ اور حجر اسود کو اٹھاکر چادر کے درمیان رکھکر ہر ایک قبیلۂ متخاصم کو کہا کہ چادر کے چاروں کونے پکڑکر اٹھائیں اور حجر اسود کو کعبہ کی طرف لے چلیں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ اور پاس پہنچکر خود دست مبارک سے حجر اسود کو اٹھاکر کعبہ میں موقع مناسب پر نصب کر دیا +

اللہ اکبر کیسی تھی بالغ نظر اور کیسی تھی ذکاوت۔ اور کیا تھی قوت فیصلہ کہ عرب ایک خونریز اور وحشیانہ جنگ سے بچ گیا +

(۵) سب سے آخر مگر سب سے مقدم آپکو صدق و صداقت کی وجہ سے قوم نے امین کا معزز لقب دیا۔ جو آجتک عرب میں کسی کو نصیب نہوا تھا۔ وہ عرب میں "محمد امین" کے خطاب سے پکارے جاتے تھے +

اگر متبعین رسول انام صادق اور راستباز نہیں تو وہ ہرگز مسلمان کہلانے کے حقدار نہیں صداقت سیرت کا سنگ بنیاد ہے جسپر دینی اور دنیاوی خوبیاں متفرع ہوتی ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ جناب الاہر ایک خطبہ میں فرمایا کرتے تھے کہ لا ایمان لمن لا صدق لہ "توحید" صداقت ہے اور شرک کذب۔ توحید حق ہے اور "شرک" باطل۔ باطل کو نیست و نابود کرنا چاہیئے تاکہ حق کا بول بالا ہو +

صداقت سے اعتبار بڑھا۔ اعتبار سے مال ملا۔ مال سے فراغ خاطر اور فراغ خاطر سے حضور قلب حضور قلب سے نور نبوت نور نبوت سے بقعۂ عالم بقعۂ نور ہو گیا لہٰذا

(اسوۂ حسنہ) (الف دین)

فدائیان رسول

پیغامبروں اور اللہ کے رسولوں کے فضائل و مراتب اور ایک دوسرے پر مرتبہ اور شان میں فضیلت و برتری کی آیات و علامات جہاں اور بہت سی باتیں ہیں جو صحائف سماوی و کتب آسمانی میں بیان کیگئی ہیں اور بتلائی گئی ہیں۔ انہیں میں سے ایک نشان صدق انکے اصحاب و حواریین کے حالات و کیفیات بھی ہیں۔ ان اصحاب و حواریین کی حالتوں سے اس امر کا صحیح اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ کس نبی یا رسول کی تعلیم و طریق تعلیم اور اُس کی قوت رسالت و نبوت کسقدر موثر ہے اور دوسرے نبیوں اور رسولوں میں اور ان میں کیا فرق ہے۔

ہم آج اس معیار سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی عظیم القدر و جلیل الشان حیات رسالت پر کچھ روشنی ڈالنی چاہتے ہیں۔ ہمارا دعوے ہے اور واقعات کے دلائل اسکے مؤید ہیں کہ اس نیلگوں آسمان کے نیچے اور اس زمین کے اوپر کوئی نبی یا رسول ایسا مبعوث نہیں ہوا جسکو خداوند قدوس نے ایسی اتم و اکمل قوت نبوت عطا فرمائی ہو جیسی کہ ہمارے ہادیٔ اعظم رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائی تھی چنانچہ اثبات نبوت رسول اللہ اور دیگر انبیائے کرام کے وہ اصحاب و حواریین ہیں جو انبیاء و رسل کی زندگی میں خود انہیں کے ذریعہ سے ہدایت یاب ہوئے اور بغیر کسی واسطہ اور ذریعہ کے براہ راست مشکوٰۃ نبوت سے فیضیاب ہوئے۔ ان کا باہم موازنہ و مقابلہ کیجئے تو یہ حقیقت منکشف اور عیاں ہوجائے گی کہ رسول عربی کی صحبت و تعلیم انبیائے سابقین سے کسقدر زیادہ مؤثر و دل پسند تھی۔

حضرت موسیٰ جنہوں نے بنی اسرائیل کو فرعون جیسے ظالم و مستبد بادشاہ کی

غلامی سے نجات دلائی تھی۔ اور غلامی بھی وہ بدترین غلامی جس کی مثال اور کوئی موجود نہیں۔ اور وہ بنی اسرائیل جنپر بے شمار نعمتیں اتاری گئی تھیں۔ جن کے ذکر سے قرآن پاک کے خدا معلوم کتنے صفحات پر ہیں۔ اور وہ بنی اسرائیل جو فرعون کی حکومت میں ہمیشہ بربریوں سے زیادہ ذلیل تھے۔ اور حضرت موسیٰ نے انکو تعبد و غلامی کی ذلت سے نکالکر اوج حکومت پر بٹھلا دیا تھا۔ یٰبنی اسرائیل اذکروا نعمتی التی انعمت علیکم و انی فضلتکم علی العلمین۔ وہی بنی اسرائیل تعلیم موسوی سے صرف اسقدر متاثر ہوئے تھے کہ جب حضرت موسیٰ چالیس دن کے لئے ان سے جدا ہوئے تو وہ گوسالہ پرستی میں مبتلا ہو گئے اور نہ صرف یہ بلکہ ایک موقع پر حضرت موسیٰ نے جب انکو خدا کی راہ میں جہاد کرنے کا حکم دیا تو ان لوگوں نے صاف کہدیا۔ اذھب انت و ربک۔ ہم سے کوئی واسطہ نہیں۔ تم جاؤ اور تمہارا خدا۔ اسیطرح بنی اسرائیل کی بیوفائیوں کی بیسیوں مثالیں کتب تاریخ میں ملسکتی ہیں +

حضرت عیسیٰ کے خصوصیت کے ساتھ بارہ حواری بہت مشہور ہیں جن کو اب عیسائی دنیا نبوت کے عہدہ اشرف سے سرفراز کر رہی ہے۔ لیکن ان میں سے جناب پطرس نے اس خاص نازک وقت پر اپنے ہادی کا ساتھ چھوڑ دیا جبکہ مسیح کو صلیب دی جا رہی تھی اور نہ صرف یہ کہ ساتھ چھوڑ دیا بلکہ اپنی جان بچانے کے لیے مسیح سے انکار کر دیا۔ اور انپر تبرّا کیا اور ان کا پتہ بھی بتلا دیا۔ گویا خود ہی جناب حواری صاحب نے مسیح کو دشمنوں کے حوالہ کرکے انکو علی الرغم اسلام مصلوب کرا دیا +

اب اس کے مقابلہ میں اصحاب محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھو کیسے جان نثار و فدائی تھے۔ انکو اپنے رسول سے کیسی محبت و شیفتگی تھی۔ اور وہ ادنے اشارہ پر کس طرح اپنی جانیں قربان کر دیتے تھے۔ سب سے پہلے تم ایک غیر مسلم کی زبانی اصحاب محمدؐ کی کیفیت ملاحظہ کرو۔ صلح حدیبیہ کے وقت قریش کی طرف سے یکے بعد دیگرے وکیل آتے تھے انہیں سے

ایک شخص عروہ بن مسعود بھی ہے ۔یہ سب سے آخر آیا تھا۔ اور ساری کیفیت دیکھکر قریش سے جاکر بیان کی تھی۔ اور اُسکے سمجھانے پر صلح حدیبیہ کا معاملہ طے پایا تھا۔ عروہ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے مکہ واپس گیا تو اُسنے قریش سے کہا۔ اے لوگو! مجکو بارہا نجاشی بادشاہ اور قیصر و کسریٰ کے درباروں میں جانے کا اتفاق ہوا مگر مجکو کوئی بادشاہ ایسا نظر نہ آیا۔ جسکی عزت و عظمت اسکے درباریوں کے دلمیں ایسی ہو جیسی کہ محمدؐ کی اصحاب محمدؐ کے دلمیں ہے۔ محمدؐ تھوکتا ہے تو اُس کا آب دہن زمین پر نہیں گرنے پاتا۔ جب محمدؐ کوئی حکم دیتا ہے تو اُسکی تعمیل کیلئے ہر شخص پیشقدمی کرتا ہے جب وہ وضو کرتا ہے تو وضو کے پانی پر ایسے گرتے ہیں گویا لڑائی ہوجائے گی۔ جب وہ بات کرتا ہے تو سب کے سب خاموش ہوجاتے اور ہمہ تن گوش بن جاتے ہیں۔ لوگ دل میں محمدؐ کا اتنا ادب ہے کہ وہ اُسکے سامنے نظر اٹھاکر نہیں دیکھتے ۔ میری رائے ہے کہ اُسے صلح کرلو۔

عروہ بن مسعود نے یہ تقریر بحالت کفر کی تھی جبکہ دوسرے کفار کیطرح یہ بھی مسلمانوں کا دشمن تھا۔ اس سے بحیثیت مجموعی اصحاب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و فرماں برداری و ادب و احترام پر روشنی پڑتی ہے۔ لیکن انفرادی واقعات بھی اس کثرت سے ہیں کہ ایک ضخیم کتاب اس موضوع پر تیار ہوسکتی ہے۔

کفار قریش کو اسلام، مسلمانوں اور رسول خدا سے جیسی سخت و شدید عداوت تھی وہ پوشیدہ نہیں ہے۔ اور جیسی تکلیفیں ان سنگدل ظالموں نے رسول اللہ اور اصحاب رسول اللہ کو پہنچائی ہیں وہ صفحات تاریخ پر ثبت ہیں جنکو پڑھکر اور سُن کر انسانیت کی روح لرز جاتی ہے مگر استثنا کے لیے ایک مثال بھی ایسی نہیں پیش کیجاسکتی کہ ان مصائب و آلام سے اُکتاکر کسی صحابی نے اپنے رسول کا ساتھ چھوڑدیا ہو۔ یا اُن کی معیت و اعانت سے منہ موڑ لیا ہو۔ بخلاف اسکے سیکڑوں مثالیں ایسی موجود ہیں کہ الفت رسول و محبت نبی کی وجہ سے اپنی جانیں نذر کردیں۔ اور رسول خدا کی خاطر سخت سے

سخت خطرات و مہالک میں اپنے تئیں ڈالدیا جسمیں سے بعض مصائب و صعوبات برداشت کرکے بچگئے۔ اور بعض واصل بحق ہوگئے ۔

حضرت بلال، سمیہ، عمار، یاسر، ابو کعب۔ یہ وہ گروہ عزم و ثبات تھے جن کی خدا و رسول کے ساتھ محبت و شیفتگی کے استحکام و استقلال نے قریش کے سنگدل اور فرعون صفت ظالموں کو ظلم کرتے کرتے تھکا دیا تھا۔ مگر کبھی ایک لمحہ کے لیے ان بزرگوں کے پائے صراط مستقیم سے نہیں ڈگمگائے اور نہ محبت رسول میں انکے پر ذرہ برابر فرق آیا۔ حضرت بلال کو لوہے کی زنجیروں سے پیٹا گیا۔ یہاں تک کہ اُن کا مقدس جسم لہولہان ہوگیا اور گرم ریت پر انکو لٹا دیا جاتا تھا۔ اوپر سے گرم اور بھاری پتھر کی سلیں رکھدی جاتی تھیں۔ اور خدا معلوم کن کن طریقوں سے انکو اذیت دیجاتی تھی کہ وہ رسول خدا کی محبت عقیدت کو ترک کردیں۔ مگر اس حالت میں بھی کہ آپ پٹتے پٹتے بیہوش ہوجاتے تھے آپ کی زبان مبارک سے وہی کلمے نکلا کرتے تھے جو رسول نے انکو تعلیم کردیئے تھے۔

ہجرت نبوی کے موقع پر حضرت ابو بکرؓ اور حضرت علیؓ کی جان نثاری و فداکاری کے واقعات کو دنیا کبھی فراموش نہیں کرسکتی۔ جبکہ تمام قریش نے آنحضرت کو شہید کردینے کی سازش کی تھی۔ اور ہر ایک قبیلہ کے ایک ایک شخص کو اس کام کے لیے منتخب کیا گیا تھا تاکہ تمام قبائل قریش کی شرکت کیوجہ سے اصحاب محمد بدلہ نہ لے سکیں اور یہ طے ہوا تھا کہ سب لوگ رسول اللہ کے گھر کو گھیر لیں اور آپ کی بوٹی بوٹی اُڑادیں۔ اِس نازک موقعہ پر حضرت ابو بکرؓ تو آنحضرتؐ کی حفاظت کے لیے آپکے ہمراہ ہوئے اور اپنی جان کو خطرے میں ڈالدیا۔ کیونکہ اگر رسول خدا اس موقع پر گرفتار ہوجاتے تو حضرت ابو بکرؓ کی جان کی بھی خیر نہ تھی۔ اور حضرت علیؓ رسول خدا کی بجائے اُن کے حکم سے آپکے بستر پر لیٹ رہے۔ اور اپنے تئیں اس خطرے میں ڈالدیا۔ اور اس علم کے ساتھ کہ باہر قریش گھر کو گھیرے ہوئے کھڑے ہیں۔ اور بہت ممکن ہے کہ ایکبارگی

ٹوٹ پڑیں۔ اور آپ کی زندگی کا خاتمہ کر دیں۔ مگر ان خطرات و مہالک کے باوجود اپنے رسول محبوب کے حکم کو سُن کر بغیر خوف و خطر بستر پر لیٹ گئے۔ اور جب قریش کو معلوم ہوا کہ رسول اللہؐ اُن کی آنکھوں میں خاک ڈالکر اُنکے قبضہ سے نکل گئے تو مارے غصہ کے حضرت علیؓ کو زدوکوب کرنا شروع کر دیا اور مارتے ہوئے خانہ کعبہ تک پکڑ لائے آخر مجبور ہوکر چھوڑ دیا۔ اور حضرت ابوبکرؓ کی یہ حالت کہ گھر میں جسقدر روپیہ تھا سب رسول اللہؐ کے آرام و آسایش اور راستہ میں انکو امداد دینے کے لیئے اٹھا لیگئے۔ اسماء بنت ابوبکرؓ کا قول ہے کہ گھر میں ایک پیسہ بھی نہ چھوڑا یعنی پانچہزار درم یا دینار تھے۔ وہ سب کے سب لیگئے حالانکہ یہاں مکہ میں آپکے تمام متعلقین موجود تھے۔ لیکن رسول خداؐ کی محبت و شیفتگی نے کسی کی پرواہ نہ کی +

عمارہ بن زیاد جسوقت شہید کیئے گئے تو آپنے اپنے رخسار سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تلووں سے لگا دیئے تھے۔ کیا یہ انتہائے محبت و شیفتگی کی دلیل نہیں ہے؟

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے جنگ اُحد میں اپنے ہاتھ کو رسول خدا کے روئے اقدس کا سپر بنالیا۔ اور حملہ آوروں کی ضربوں اور دشمنوں کے تیروں کو اپنے ہاتھ پر روک لیا چنانچہ وہ ہاتھ ہمیشہ کے لیئے شل ہوگیا +

حضرت انس بن نضر نے جنگ اُحد میں دیکھا کہ چند مسلمان مغموم بیٹھے ہوئے ہیں اور ہتیار پھینکدیئے ہیں۔ دریافت کیا کہ کیوں خاموش اور اُداس بیٹھے ہو تو اُنھوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ کا انتقال ہوگیا۔ اس جواب کو سُنکر انس بن نضر پر گویا بجلی سی کوندگئی۔ اور نہایت جوش میں آکر پکار اُٹھے۔ موتوا علے مامات رسول اللہ آؤ جہاں رسول اللہ نے جان دی ہے[1] ہم اس کام میں ہم بھی جان قربان کریں کیونکہ زندہ رہکر کیا کرینگے۔ چنانچہ یہ فدائی رسولؐ اسی جوش فداکاری میں حملہ آور ہوا۔ اور دشمن

---

[1] جنگ احد میں رسول اللہ صلعم صدمات اور زخموں کی وجہ سے بیہوش ہو کر ایک غار میں گر پڑے تھے۔ اور دشمن نے آپکے قتال کی خبر اڑادی تھی جس کی وجہ سے مسلمان سراسیمہ ہوگئے اور ان کا بہت نقصان ہوا تھا۔

جنگ اُحد کے بعد سنہ ہجری میں کفار قریش نے مسلمانوں کو دھوکا دیکر قتل کرنے کی ایک یہ ترکیب کی تھی کہ کچھ لوگوں کو رسول اللہ کے پاس بھیجا کہ ہمارے قبیلے اسلام لا چکے ہیں آپ ہمارے ساتھ مبلغ و معلم کر دیجئے تاکہ وہ قوم کو دعوت دیں اور احکام بتلائیں۔ چنانچہ رسول اللہ نے اصحاب میں سے دس آدمیوں کو ان لوگوں کے ساتھ کر دیا جب یہ داعیان حق کفار کی حد میں پہنچ گئے۔ تو کمینگاہ سے دو سو جوان قریش کے ان پر ٹوٹ پڑے اور چاہا کہ زندہ گرفتار کر لیں تاکہ پھر خوب اذیتیں اور تکلیفیں پہنچا کر قتل کر ڈالیں۔ لیکن انمیں سے آٹھ صحابی تو مقابلہ کرتے ہوئے مارے گئے لیکن دو گرفتار ہو گئے ان گرفتار ہونے والے بزرگوں کے نام حبیب بن عدیؓ اور زید بن دثنہ تھے۔ قریش انکو پکڑ لے گئے اور ایک مکان میں جا کر قید کر دیا اور چند روز تک کھانے پینے کو بھی نہ دیا۔ اسکے بعد ان دونوں کو صلیب کے نیچے لیجا کر کھڑا کر دیا اور کہا کہ اسلام چھوڑ دو تو تمہاری جان بچ سکتی ہے۔ ان فدائیان اسلام نے جواب دیا کہ جب اسلام ہی باقی نہ رہا تو ہم آئندہ رہکر کیا کرینگے۔ چنانچہ اس جواب کے بعد ان دونوں جاں نثاران رسولؐ کو سولی پر لٹکا دیا گیا۔ اور سنگدل ظالموں نے انکے مقدس جسموں کو تیروں کی انی سے گود گود کر لہو لہان کر دیا۔ اور تمام جسم کو چرکوں اور زخموں سے چور چور کر ڈالا۔ یہاں تک کہ ایک بدبخت وحشی مزاج و فرعون صفت سنگدل نے نیزے کی انی جگر کے اندر چبھو کر پار کر دی اور کہا اب تو تمہارا بھی جی چاہتا ہوگا کہ محمدؐ تمہاری جگہ پھنس جائے اور تم بچ جاؤ۔ حضرت حبیبؓ نے یہ سن کر نہایت جوش فداکاری و ولولہ محبت و شیفتگی کے ساتھ فرمایا کہ میں تو اسکو بھی گوارا نہیں کر سکتا کہ میری جان بچانیکے لئے رسول اللہ کے پائے مبارک میں کانٹا بھی چبھے۔

حضرت حبیبؓ نے اس عالم میں اپنی حالت کا فی البدیہہ اشعار میں نقشہ کھینچا ہے جس سے آپ کے صبر و استقلال، خدا اور رسولؐ سے آپ کی محبت و شیفتگی کا پتہ

چلت ہے۔ اشعار بخوف طوالت حذف کر کے انمیں سے بعض کا ترجمہ دیا جاتا ہے۔
بہت سے لوگ میرے گرد جمع ہو گئے ہیں اور انہوں نے بڑی بڑی جماعتوں کو بلا لیا ہے
یہ تمام لوگ میرے دشمن ہیں اور میں اس قتل گاہ میں بندھا ہوا کھڑا ہوں۔ لوگوں نے اپنی عورتوں
بچوں کو جمع کر لیا ہے۔ اور مجھکو ایک مستحکم اور بلند ستون کے پاس لے آئے ہیں۔ وہ کفر نہ قبول
کرنے پر مجھکو آزاد کر دینے کو تیار ہیں مگر اس سے تو موت میرے لیے بہت آسان ہے
کہ کفر اختیار کروں۔ میری آنکھوں کے آنسو جاری ہیں مگر مجھے کچھ ناشکیبائی نہیں۔ میں دشمن
کے سامنے آہ وزاری اور عجز والحاح نہ کرونگا۔ کیونکہ مجھکو معلوم ہے کہ میں خدا کی طرف جا رہا
ہوں۔ صاحب عرش عظیم نے مجھسے کوئی خدمت نہیں چاہی اور مجھکو صبر کے لیے
فرمایا ہے۔ ان لوگوں نے مار کر میرے تمام گوشت کو ٹکڑے کر دیا ہے۔ اور میں زندگی
سے مایوس ہو چکا ہوں۔ میں اپنی غریب الوطنی اور بیکسی اور درماندگی کی شکایت
اور ان آرزوں کی فریاد جو میرے قتل کے بعد یہ لوگ رکھتے ہیں۔ خدا سے کرتا ہوں
بخدا جب میں اسلام پر جان دے رہا ہوں تو تو مجکو یہ پرواہ نہیں کہ راہ خدا میں کس کروٹ
پر گر کر جان دیتا ہوں۔ خداوند قدوس سے یہ امید ہے کہ وہ پارہائے گوشت کے
ایک ایک ٹکڑے کو برکت عطا فرمائے +

اسکے بعد آپنے دعا فرمائی اللھم بلغنا رسالۃ رسولك فبلغہ ما یصنع بنا
اے خدا! ہم نے تیرے رسول کے احکام پہنچا دیئے۔ اب تو ہمارے حال کی خبر اور ان
ظالموں کے ظلموں کی اطلاع اپنے رسول کو فرما دے +

کیا کوئی مذہب اپنے متبعین میں ایسے فداکارانہ جوش و جاں نثارانہ ایثار و قربانی
کی مثال پیش کر سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ پھر یہ کیا تھا کہ چند روز کی صحبت میں اسقدر فدائیت
جان نثاری کے جذبات پیدا ہو جاتے تھے۔ کیا یہ اس ہادی اعظم و رسول اکرم صلے اللہ
علیہ وسلم کی بے مثل قوت ہدایت و ملکہ نبوت پر دال نہیں؟

لیکن دوسری اقوام کے سامنے اسکو بطور معارضہ پیش کرنے کی بجائے خود مسلمانوں کو اس پر غور کرنا چاہیئے۔ اور اس معیار سے اپنی قوت ایمانی کو جانچنا چاہیئے۔ کیا فی الحقیقت ہم میں بھی کوئی محبت رسول کی تڑپ موجود ہے؟ اور کیا ہم بھی کسی درجہ میں رسول خدا سے محبت و شیفتگی کا دعوے کر سکتے ہیں؟

آہ! اسکا جواب سوائے نفی کے اور کچھ نہیں۔ کیونکہ ہم میں کوئی علامت و آثار الفت و محبت رسول کے نہیں پائے جاتے۔ فیا حسرتا علی العباد۔

عارف ہسوی

یثرب نگری میں

اے دل! کہیں نہ ہو غلطی نگاہ کی
میں اور بارگاہ رسالت پناہ کی

دنیا والوں کے ڈھنگ دیکھکر جب نہ رہا گیا۔ دنیا کا رنگ دیکھکر جب غم نہ سہا گیا تو طائر خیال نے صنمخانۂ ہند کے کنگرہ کو خیرباد کہا۔ مُلّا کی دوڑ مسجد تک! بیچارہ حجاز کا رخ نہ کرتا تو کدھر جاتا۔ اِس ریگستانی قطعہ زمین میں پہنچکر وہ ذرا کی ذرا رکا اور منزل مقصود کی تلاش میں اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ حرم کعبہ کے مقدس کبوتروں نے حجازی مسافر نوازی کی شان دکھائی سر ہلا ہلا کر اپنے پاس بلایا مگر دل شیدا نے جو مرغ تخیل کے قدم بقدم چل رہا تھا سختی سے روک کر کہا ؎

حاجی برہ کعبہ و ماں کیں رہ دین است
خوش باش کہ ہر دو را مقصود زین است

یہ انتباہ سفر شوق کے لیے تازیانہ تھا۔ خیال تیزی سے ایک اور سمت رواں ہوا۔ جذب محبت نے رہنمائی کی۔ اور مردان راہ کے سامنے اِس طرح گڑگڑانے کی نوبت آئی ع

اے ترک سوار نواح عرب! یثرب نگری بتلا دینا

یثرب نگری! ہاں ہاں وہی یثرب نگری جسے ہم سب کے دل اچھی طرح جانتے پہچانتے ہیں۔ اب آنکھوں کے سامنے تھی۔ مگر وہاں سے لئے اسکے دیکھا ہی کیا تھا کہ ایک گنبد کے سینہ پر، جو فنِ انجنیری کا نادرالوجود نمونہ کہلائے جانیکا مستحق ہے، سرا ہلال سبز ہے، پیلا پیلا کلس ہے، شامیانے کی طرح تنا ہوا کھڑا تھا۔ مگر ایسا دم بخود۔ اِس قدر سناٹے کے عالم میں گویا کوئی سنتری کسی بہت ہی بڑے بادشاہ یا کوئی اسیر محبت کسی نہایت ہی عزیز دوست کی خوابگاہ کا پہرہ دے رہا ہے

دل نے کان لگائے تو لُوئے زبان سے بے زبانی سے یہ شعر گنگناتے ہوئے سُنا ؎

اے حشر! مدینہ میں نہ کر شور

چُپ چُپ۔ سرکار سو رہے ہیں

سرکار۔؟ اُف!!! اُف!! ع خامہ از دست بگرید کہ من از کار شدم ؎

زعالم قبلہ گاہ جانِ من اوست　　　فدایش جانِ من۔ جانانِ من اوست

بہ تن ورتب بدل در تاب از ویم　　　زدیدہ غرق۔ خونِ ناب از ویم

طولانی بہت طولانی وقفہ کے بعد، جوشش و خروش کی جسارت انگیزی نے بیخودی شوق کا قفل زور لگا کر توڑ دیا۔ اور وہ داستان درد جو چھڑتے ہی "سرکار" کے مشارٌالیہ کا تصور بندھ جانے سے رک گئی تھی۔ اس طرح اختتام پذیر ہوئی؛۔

"سرکار سو رہے ہیں"! کیا یہ سچ ہے؟ کیا فی الواقع رسول العرب والعجم سید الملل والامم۔ بابی ہو وامی۔ محوِ استراحت ہیں؟ ہاں بیشک سنتی تو ہوں یہی۔ پر کیا کروں کمبخت دل نہیں مانتا۔ کہتا ہے۔ بھلا کہیں یوں بھی کوئی سویا کرتا ہے کہ اُمت کے اعمال خدمت میں پیش ہوتے جائیں۔ نیکیوں سے خوشی بُرائیوں سے غم کا اثر محسوس ہوتا رہے۔ اور پھر نیند کی نیند برقرار! آرام کا آرام قائم!! اچھا فدا انکے بھائی قثم ابن عباسؓ سے تو قسم لیکر پوچھنا۔ صاف بتادیجے کہ میں نے انہیں خواب گاہ میں آرام فرماتے وقت آنکھیں بند کر لینے کے بعد اُمتی!!! اُمتی!! کہتے سُنا۔ مگر آہستہ آہستہ زیر لب۔

واہ! میرے اچھے نبیؐ! تم پر خدا کا درود و سلام۔ اچھا سونا قربان ایسی نیند کے۔

اے لو! میری طرف سے اُن کی خدمت میں تحیۃ الصلوٰۃ پیش کردیا گیا۔

لو اور سنو!!۔ انہوں نے سُن کر قبول بھی فرمالیا۔

آہ! اب یہی کھلا۔ کچھ بھی نہیں۔ کچھ بھی نہیں۔ صرف ایک ادائے ناز! ایک شانِ محبوبیت!! ؎

چشم بد دور ہے اس ادا پر دیکھنے والے نثار — منہ کو یوں لپیٹے ہیں گویا آنکھ نیند آ ہی گئی

یا نبی اللہ! السلام علیک — انما الفوز والفلاح لدیک

بسلام آمدم جوابم دہ — مرہمے بر دلِ خرابم نہ

بس بود جاہ و احترام مرا — یک علیک از دو صد سلام مرا

اے لمبی تان کر سونے والے آقا! اے نیند کے ماتے پیغمبر!! حاشا وکلا آپکے آرام میں خلل اندازی ہمارا مقصود نہیں۔ آپ تو سوتے میں بھی سُن سکتے ہیں۔ ہم "من فی القبور" سے مخاطب نہیں ہیں۔ بلکہ "من فی القلوب" کو اپنا دردِ دل سناتے ہیں۔ پھر کیوں خدا نخواستہ "الا تسمع" کے اندیشے سے ہمت پست کریں۔ شاہا! اپنا دکھ درد ہم آپ سے نہ کہیں تو خود ہی فرمائیے کہ اور کس سے کہیں۔ جب عزت کی بارگاہ رعب و جلال میں ناصیہ فرسائی کی جرأت تو اس وقت کریں جب "وابتغوا الیه الوسیلة" پر نظر ہو۔

آج ہمیں قسمت کی رسائی اس درِ دولت پر لے آئی ہے جس کی حسرت میں سلاطینِ عالم کے بال سفید ہو گئے۔ مگر اس آستانِ سر بر آسمان کی خاک بوسی انہیں نصیب نہ ہوئی۔ ہم سے بڑھکر کون حرمان نصیب ہوگا اگر اس وقت بلا پس و پیش اپنا دل کھولکر تیرے سامنے نہ رکھدیں۔ ہاں ہم ایسا ہی کرینگے۔

سب سے پہلے ہم ایک خلوص سے بھری محبت میں ڈوبی، شکایت زبان پر لاتے ہیں کہ اربابِ صفا کے مشرب میں اخفائے شکایت سے بڑا کوئی گناہ نہیں۔ کیوں حضرت ذرا خدا لگتی کہنا۔ تم نے ہمیشہ خدا لگتی ہی کہی ہے۔ کیا یہی شرطِ مروت ہے؟ کیا غریب پروری اسیکا نام ہے کہ رعیت پر آفاتِ ارضی و سماوی کا نزول دشمنان

داخلی و خارجی کا ہجوم ہو۔ اور بادشاہ سیٹھی نیند سویا کرے۔ بھیڑیوں کا غول سنجر ناسوں میں بے زبان بکریوں کا صفایا کر رہا ہو۔ اور گلہ بان درخت کے سایہ میں بیٹھ کر آرام کا لطف اٹھاتا رہے +

یا ابطحی لقب! شوریدہ عشق جامی نے انہیں بے نیازیوں پر بایں آیت سے کام لیکر ع

"آشوب ترک، شور عجم، فتنۂ عرب"

کے لقب سے یاد کیا تھا +

مگر میں ایک کم ہمت۔ کم طاقت فرقہ سے تعلق رکھتی ہوں۔ میرا دل ایسا قوی نہیں ہے کہ یہ الفاظ شان عالی میں استعمال کر سکوں۔ مگر ہاں گستاخی معاف اتنا کہے بغیر رہ بھی نہیں سکتی سے

یہ تمہاری خواب رحمت نے اٹھائی فتنۂ حشر نہ تم اپنا منہ چھپاتے نہ یہ آشکار ہوتا

ہاں کہ ظلمت فتن کا دور ہونا۔ نور محمدی کا ظہور ہونا۔ قیام قیامت پر موقوف ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ حیات بشری کی ہنگامہ آفرینیاں۔ کفر و باطل کا عروج و کمال، حق و صدق کا زوال اگر قیامت نہیں تو اور کیا ہے؟ سے

یا محمد! اگر محشری برآری سر ز خاک سر برآر ایں قیامت در میان خلق ہیں

ہاں اگر ہم بنام کنندۂ نکو نامے چند مسلمانوں کی ہتجاوز عن الحد سیاہ کاریوں نے تجھے ہم سے متنفر کر دیا ہے تو بیشک تیرا غصہ بالکل حق بجانب ہے۔ اور تیری خفگی نہایت برمحل ہم نہایت ندامت کے ساتھ معترف ہیں کہ ہم نے خدا کی اطاعت کا جوا اپنی گردنوں سے اُتار پھینکا۔ اور تیری پند و نصیحت کا اثر اپنے دلوں سے محو کر دیا۔ تو نے جو جو حکم تاکید کے ساتھ صادر فرمائے۔ ہم نے سوچ سوچ کر انہیں کی خلاف ورزی کی۔ تو نے جن جن عادات کی مذمت پر زور دیا۔ ہم نے چن چن کر انہیں کو اپنی طبیعت ثانیہ بنایا +

یہ ظلم، یہ غضب، یہ اندھیر کسی فرقے، کسی طبقے، کسی صنف سے مختص نہیں۔ بلکہ رونا تو یہی ہے کہ ہمارا آوے کا آوا بگڑ گیا۔ کہتے ہیں کہ ایک مچھلی تالاب کو گندہ کر دیتی ہے۔ مگر یہاں تو تالاب کی سبھی مچھلیاں گل سڑ گئیں مرد ہوں یا عورتیں۔ جوان ہوں یا بوڑھے۔ امیر ہوں یا فقیر۔ ایک سرے سے سب شجرِ اسلام کی بیخ کنی میں ہمہ تن منہمک نظر آتے ہیں۔ مگر اس مہم کا سر کرنا بچوں کا کھیل یا منہ کا نوالا نہ تھا۔ وہ کبھی کامیاب نہ ہوتے۔ اگر واعظانِ دینِ متین اور عالمانِ شرعِ مبین خدا فراموشی و دین فروشی کے تیشے و تبر ہاتھ میں لیکر اُنکی امداد پر کمر بستہ نہ ہو جاتے ؎

واعظِ نابوئے حق نشنیدہ بشنو ایں سخن — در حضورش نیز میگویم نہ غیبت میکنم

اے مخبرِ صادقؐ! آج سے تیرہ سو برس پہلے تیرے قلبِ منیب کو جس بات کا اندیشہ تھا وہ آخر کار ظہور پذیر ہو گئی۔ وہ درد انگیز و عبرت خیز وقت جو تمام امم سابقہ کو پیش آ چکا تھا۔ ہم پر بھی گزر گیا۔ گزر رہا ہے۔ یا کم از کم گھڑی ساعت میں گزرا چاہتا ہے ہم ارشیت ایزدی پر صابر و قانع ہیں۔ لکل امۃ اجل۔ اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ +

لیکن ہمیں ندامت ہے تو یہ ہے اور سر بگریباں ہیں تو اسلیئے کہ ہم ہی وہ ننگِ اسلام گروہ ثابت ہوئے۔ جن کی پیشانیوں پر "عدو من انفسہم" کا داغ کلنک کا ٹیکا بنکر لگا ہوا ہے اور جن کی بابت ارشادِ ربانی ہوا تھا۔ یا محمد! انی اذا قضیت قضاءً فانہ لا یرد۔ وانی اعطیتک لا متک ان لا اھلکھم بسنۃ عامۃ۔ وان لا اسلط علیہم عدوا من سوی انفسہم فیستبیح بیضتہم ولو اجتمع علیہم من علیہم من باقطارھا۔ حتی یکون بعضہم یھلک بعضاً ولیبی بعضہم بعضاً(۱) +

۱ ۔ یہ الفاظ ایک حدیث کا جزو (آخر یہیں)۔ جسکا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ "خدا نے تعالیٰ نے حضورِ رسالتمآب (ﷺ) ...

اے بسترا پوشِ یثرب بخواب — خیز کہ شد مشرق و مغرب خراب

حضور! سرکار!! میرے اچھے سرکار!!! ذرا دیکھنا۔ آپ کو اسی ادا کی قسم ہے جسے خفتگانِ غفلت "خوابِ اجل" اور ہوش والے "آنکھیں بند کرکے "خوابِ ناز" کہتے ہیں۔ ہاں اپنی اسی مرغوب ادا کی قسم۔ بس ایک ذرا کی ذرا بردیمانی کا گوشہ رُخِ پُرنور سے ہٹا کر معراج کی دید والی پتلیوں سے مژگاں کی چلمن اٹھا کر دیکھنا کہ بالینِ مبارک پر یہ کون سر جھکائے پشتِ پا کی طرف نظریں گڑائے کھڑا ہوا ہے؟ ہائیں حضور! کیا آپ اسے نہیں پہچانتے۔ کیا اِسکی حالت اتنی متغیر ہوگئی ہے کہ خاص اپنا مربی۔ اپنا سرپرست شناخت نہ کرسکے؟ اے نبی آخر الزماںؐ! میری جان آپ پر قربان۔ یہ آپ کی نصیبوں جلی امت ہے۔

ہاں ہاں یہ وہی ہے۔ جسے فاطمہ سے زیادہ ناز و نعم کے ساتھ پالا گیا تھا۔ یہ وہی ہے جو کبھی حسینؓ کی طرح کسی کی آغوشِ محبت میں اُچھلا کودا کرتی تھی۔ یہ وہی ہے جو طفلانہ شوخیوں پر اسی شفقت سے ڈانٹی جاتی تھی جیسے حسنؓ کو صدقہ کی کھجور منہ میں رکھ لینے پر۔ بیشک اب دستِ رسالت کی مشاطہ گری کا بناؤ چناؤ اسکے جسم سے

بقیہ حاشیہ کے سامنے مشرق و مغرب کا منظر پیش کیا اور بتایا کہ امت محمدیہ ان کی مالک و قابض بنے گی پھر آپکو سرخ و سفید دونوں خزانے عطا فرمائے حضرت نے اپنے پروردگار سے عرض کیا کہ میری امت کو عام خشک سالی سے ہلاک نہ کیجیو اور خود انکے نفس کے علاوہ کسی اور دشمن کا ان پر ایسا غلبہ نہ دیجیو جو انکی بیخ و بن کو اکھاڑ کے پھینکے۔ حق تعالیٰ نے اس التماس کو منظور فرمایا کہ میں مسلمانوں کو عام خشکسالی سے ہلاک نہ کرونگا اور اگر انکے دشمن تمام اطراف زمین سے جمع ہو کر بھی آمادہ مخالفت ہونگے تو بھی میں انہیں غالب ہونے دونگا۔ جب تک خود مسلمانوں کا ایک گروہ دوسرے گروہ کو قتل و اسیر نہ کرے۔ چنانچہ ظاہر ہے کہ زوال اسلام کا سب سے بڑا سبب فرقہ بندی اور اختلافات باہمی ہیں مگر ہم واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا کے فرمانِ عالی کو پس پشت ڈال دیتے تو تسبیح کا ایک ایک دانہ اس طرح زمین پر بکھرا نظر آتا ہے سنو تو یہ اسلام کیا کہہ رہا ہے: مسلمانوں کے ہاتھ سے لٹ گیا ہوں۔

جدا ہو چکا ہے۔ آج حکومت کی کلاہ تغافل اسکے سر پر نہیں ہے۔ آج علم و حکمت کی قبا اسکے بدن پر نظر نہیں آتی۔ آج ا ۔ ت کی کفش ندین سے پاؤں معرے ہیں چہرے سے شگفتگی کا حسن لفزاغازہ۔ آنکھوں سے نور آگہی[1] کا مجلی بصر سہرمہ بن ہوسے شرم عصیاں کا تیل۔ لباس سے باطنی طہر و لطافت کی خوشبو نابود کر اور غضب یہ ہے کہ بار خداوندی کی بخشی ہوئی۔ الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا۔ کی سند بھی ہاتھ سے غائب ہے +

اس بے سنوری تمثال خوبی و رعنائی کی جگہ آج چشم تحیر کو ایک ایسی تصویر عبرت نظر آرہی ہے جو بیابان تقدیس کے اتر جانے سے ننگ وجود کہلانے کی مستحق ہے۔ فرقہ بندی اور اختلافات نے پہاڑ بنگ نے اسکی ہڈی ہڈی سے چمڑا لگا دیا ہے۔ دنیا کے فرعونی جاہ و جلال نے مرعوب کر کے اسکے رخساروں کو بلدی میں رنگ دیا ہے۔ غذائے دولت کو ترسنے کے سبب ہونٹوں پر خشکی اور آنکھوں میں حلقے پڑے ہوئے ہیں۔ اخوت اسلامیہ کا زور گھٹ جانے بلکہ ٹوٹ جانے سے دلمیں، دماغ میں تملکت کا نام و نشان باقی نہیں رہا۔ سب کچھ کھو بیٹھنے کے بعد سر نبوت سے ہاتھ دھو بیٹھنے کے بعد اسکے دیکھ اندھے کی لکڑی۔ بڈھے کا عصا اکیلے کی تلوار یعنی تیری محبت ضرور بچ رہی ہے۔ اگرچہ اسکا نام لیتے ہوئے بھی جی شرماتا ہے کہ کوئی یہ کہہ بیٹھے ؎

لوکان حبک صادقا لاطعتہ ان المحب لمن یحب مطیع

خیر تیری محبت نہ سہی۔ تیرے نام ہی کی سہی۔ جو کچھ بھی ہو بہر حال اس کے بل بوتے پر آج یہ بیچاری آفت کی ماری گرتی پڑتی۔ تیری درگاہ میں حاضر ہوئی ہے ؎

زضعف دست بدیوار دادہ آمادہ ام بہر دو گام زمانے ستادہ آمدہ ام

عاجز و درماندہ ہے مگر کوئی دستگیر نہیں۔ بے پناہ ہے مگر کوئی پناہ دینے والا نہیں

[1] حدیث اتقوا من فراسۃ المؤمن ۔ فانہ ینظر بنور اللہ کیطرف اشارہ ہے ۱۲

مظلوم ہے۔ مگر کوئی فریاد نہیں سنتا۔ بلکہ ستم ظریف اور الٹا ستاتے ہیں چھیڑتے ہیں۔ بعض ہنس ہنس کر قہقہے لگا لگا کر کہتے ہیں کہ تم تو خیر الامم ہو۔ تمہارا پیشہ "تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر" ہے۔ تمہارے آقائے نامدار تو دارین کے بادشاہ اور کافۃ للناس کے مصلح ہیں۔ بھلا تمہیں ہم گمراہوں کی مدد کیوں مطلوب ہونے لگی؟۔ یا حبیب المومنین! سب کچھ سہہ لیا۔ سب کچھ سن لیا۔ مگر تیرا طعنہ تو ہم سے آج سنا جاتا ہے نہ کل۔

ہم اچھے ہیں یا بُرے۔ لائق ہیں یا نالائق جیسے کچھ بھی ہیں تیرے ہیں اور صرف تیرے۔ چنانچہ۔ کل شئ یرجع الی اصلہ کے مطابق۔ .... آج ٹوٹا برتن کمہار کے سر پڑتا ہے۔ آج گھٹنے پیٹ کی طرف جھکتے ہیں۔ آج بیٹا اپنے پیر سے چمٹتا ہے۔ آج جسکا نیزہ ہے اسکے دوار جاتا ہے۔ یعنی آج "ان الدین لیارذ الی المدینۃ" کی پیشین گوئی پوری ہوتی ہے۔

چھوٹوں کا ناز بڑوں پر۔ بچوں کا ماں باپ پر۔ خادم کا آقا پر۔ رعیت کا بادشاہ پر۔ محمدیوں کا ناز فخرہ یا محمد! انچہ پر طوبےٰ لعبد انکون مولاہ۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا تو بھی اوروں کی طرح ہمیں اپنے آستانہ سے دھکے دیکر نکال باہر کرے گا نہیں نہیں۔ یا رحمۃ للعالمین! تیرا یہ شیوہ نہیں۔ دشمنوں کے ساتھ جیسے حسن سلوک کی تعریف "لعنت لھم" کے سادہ الفاظ میں کی گئی ہو .... اسکی ذات سے یہ امر بالکل بعید ہے ع برمن ہنگر بکرم خویش نگر۔

جس باغ کے سینچنے میں تو نے اپنا خون پانی ایک کر ڈالا تھا۔ کیا گلچیں کے ہاتھوں اسکی تاراجی تجھے گوارا ہو سکتی ہے؟۔

جس مقصد اعلیٰ کی خاطر تو نے راتیں آنکھوں میں کاٹ کر اور دن کو پیٹ پر پتھر باندھکر بسر کیے۔ کیا وہ اس آسانی سے فوت ہو جائے گا؟۔

کیا اسی نتیجے کے لیے سر مطہر خون آلودہ و دندان مبارک شہید و پائے اقدس متورم ہوئے تھے؟ کیا نفرین و دشنام کی تلواروں، استہزا کی برچھیوں، ملامت کے نشتروں کے سامنے تو نے اپنے مقدس محترم وجود کو اسی لیے سینہ سپر فرمایا تھا؟

خواجہ ملت!! آیۂ رحمت!! صدقہ صحابہ کبار کا۔ طفیل عترت طاہرہ کا۔ بلکہ واسطہ اس احکم الحاکمین کا۔ جس نے تیری ذات کو محبوب۔ تیری دعا کو مسموع اور شفاعت کو مقبول بنایا۔ ایک بار، ہاں بس ایک بار۔ امتحاناً آزمائش کے طور پر اپنی گنہگار مگر بیشتر ساری امت کی خطا معاف کر۔ اور اگر اولاد کی طرح پیار کیے جانے قابل اسکا منہ نہیں تو ایک دست پرورد سمجھکر شفقت کا ہاتھ اسکے سر پر پھیر، محبت کے دامن سے اسکے آنسو پونچھ۔ میرا مطلب یہ ہے کہ حاکم مطلق جل جلالہ و عم نوالہ کی بارگاہ عالم پناہ میں سفارش فرما کہ امام آخر الزمان کو پردہ غیب سے نکلنے کا حکم دے ؎

ز ہر گوشہ دجال برپا سے خاست   جہاں گشت پر شور مہدی کجاست

ایک مسلمان خاتون از علی گڈھ

یہ مضمون میں سیدی و مولائی حضرت خواجہ حسن نظامی کی معرفت ملا ہے۔ اسکے آخر میں صرف "ایک مسلمان خاتون از علی گڈھ" تھا اور خواجہ صاحب نے بھی لکھنے والی کا نام نہیں بتایا۔ ہم اس تعلیم کو جو آجکل ہندوستان کی مسلمان عورتوں میں عام طور سے رائج ہے قطعی اچھی نظر سے نہیں دیکھتے اور اسکی مذمت کرتے رہنا اپنا انسانی اور اسلامی فرض سمجھتے ہیں جس کا ثبوت وہ بیسیوں مضامین ہیں جو خطیب میں وقتاً فوقتاً شائع ہوتے ہیں ہم نے موجودہ طریقہ تعلیم نسواں کی نسبت ہمیشہ یہی کہا کہ اس سے لاکھ درجہ بیبیوں کا جاہل رکھنا اچھا۔ مگر مسلمان خاتون علی گڈھ کی تحریر کو پڑھکر بے اختیار زبان سے نکل گیا کہ اس تعلیم یافتہ پر بیشک جاہلیں قربان۔ کیونکہ اسکی طبیعت میں پرانی مستورات کی شان پائی جاتی ہے جن کے دامن پر فرشتے نماز پڑھتے تھے۔ یہ جذبات جدید تعلیم و تربیت سے پیدا ہی نہیں ہوسکتے۔ اس کی تعلیم و تربیت یقیناً قدیم طریقہ سے کی گئی ہے۔ خوش نصیب ہیں ماں باپ جسکی وہ بیٹی، وہ دولہن سہاگ اس گھر کے جہاں کی یہ بہو ہو۔ میں اس مضمون کو کتابت کرانے کے لیے دیکھ رہا تھا کہ میری چار سالہ بچی زاہدہ خاتون آگئی میں نے ہاتھ اسکے سر پر رکھدیا اور دعا کی کہ بطفیل آنحضرت صلعم خدا اسکو بھی ایسا ہی قابل بنائے اور یہ بھی دین و ملت کی اسیطرح والہ و شیدا ہو۔ عبدالواحدی

میرے ہتیار تیرے قدموں میں

میں ہار گیا۔ شکست کو مان گیا۔ ہتیار ڈالتا ہوں۔ قدموں میں سر جھکاتا ہوں۔ اور اے سب سے بڑے فاتح تیرے امن کے دامن میں پناہ چاہتا ہوں۔

تیری شمشیر کی آب و تاب سلامت رہے۔ تیرے تیروں کی نوکیں اب سے زیادہ تیز اور سینہ شگاف ہوں۔ تیرا برچھا چمکے۔ اور دلوں کو پارہ پارہ کرنے میں آگے بڑھتا رہے۔ تیرے جہاز سمندروں میں تیریں۔ اور ہوا میں اڑاتے ہوئے دوڑیں۔ تیرے گھوڑے ہنہنائیں۔ اور ٹاپیں مارتے گرد و غبار اڑاتے میدانوں میں فتحیاب ہوں۔

اے مجھ سرکش کو جیتنے والے۔ اے میرے غرور کو نیچا دکھانیوالے۔ تیرا ہمیشہ بول بالا ہو۔ اپنے جھنڈے کو بلند کر۔ اور اس جگہ اسکو گاڑ۔ جہاں تیری مخالفت کے پھریرے لہراتے تھے۔ اب وہ سب جھنڈے سرنگوں ہوگئے اب ان تمام پھریروں نے سر جھکا دیئے۔ اب ان نشانوں کی سب شانیں ملیا میٹ اور نابود ہوگئیں۔

جب تیرا جھنڈا بلند ہوگا۔ میں تھکے ہوئے اور ہارے ہوئے دشمن کی طرح اسپر دانت نہیں پیسوں گا۔ اور دل نہیں جلاؤں گا بلکہ میرے دل میں ایسی خوشی کی لہر پیدا ہوگی جیسی ایک اطاعت گزار دست کے دل میں ہونی چاہیئے۔

اے سب سے بڑے تاجدار۔ میری خطاؤں کو معاف کر کیونکہ تو مجرم خطاکاروں کا خطابخش ہے۔ میں نفس و شیطان کے اغوا سے تیرے مقابلہ میں کھڑا ہوگیا تھا

مجھے اپنی نفسانی قوتوں اور عقلی طاقتوں پر ایک گھمنڈ تھا۔ اور اسی کبر و رعونت نے
تجھ جیسی عظیم الشان طاقت سے میرا سامنا کرا دیا تھا۔

میں بلا شرط ہتھیار ڈالتا ہوں۔ میں ذلت کے ساتھ التوائے جنگ
کی درخواست کرتا ہوں۔ تو جو شرائط التوائے جنگ کی پیش کرے گا میں
انکو عاجزوں، ذلیلوں اور تباہ شدہ لوگوں کی طرح قبول کر لونگا۔ میں
سب ہتھیار تیرے قدموں میں ڈال دونگا۔ میں سارا سامان جنگ تجھکو دیدونگا
میں اپنے کھانے اور پینے کو بھی تجھ سے کچھ طلب نہ کرونگا۔

محمد عیب پوش، درگزر شعار، تیرا نام ہے۔ احمد رؤف و مہربان تیرا
خطاب ہے۔ اپنے خلق عظیم کی شان دیکھ۔ میری خطاکاریوں کو شمار نہ کر۔ میرے
جرائم کو نہ گن ورنہ میرا کہیں ٹھکانہ نہ لگیگا۔

دنیا میں تیرے قدموں کے سوا اب کہیں میرے لئے پناہ نہیں ہے۔ یہ
بداعمالیاں درحقیقت ایک باغیانہ اور سرکشانہ جنگ تھی جو نفس و شیطان کے
کہنے سے میں نے تیرے خلاف قائم کی تھی۔ مگر میں ہار گیا مجکو شکست ہو گئی
میری ذلت کی اب کوئی حد باقی نہیں ہے۔ میں تیرا ہی تھا تیرا ہی ہوں تیرا ہی رہونگا۔ اس
عارضی زمانہ خطا کو فراموش کر دے۔ اور پھر اپنا گمراہ اپنا سمجھکر ہاتھ پکڑ لے۔ مجھے
اس خوف و مایوسی سے بچا کر دامن میں چھپا لے۔ دامن میں چھپا لے۔

میرے معبود کے سب تاجدار تخت سے اتر گئے۔ تیری جمہوریت مساوات کے
قانون دنیا کے ہر باشندہ نے تسلیم کر لیے۔ اب سب نے تیری بتائی ہوئی طرز
زندگی اور طرز حکومت اختیار کرنی شروع کر دی۔ اب وہی زمانہ آگیا جس میں
تیری انسانی اور جمہوری شہرپاسی کا ڈنکہ بجے گا۔ اور تیرے قرآن کا لایا ہوا
قانون مساوات جاری کیا جائیگا۔ انسانوں کی خدائی مٹے گی انسانوں کی

غلامی اور بندگی نابود ہوگی۔ دولت دنیا کا اقتدار فنا ہوگا۔ آدمیت کی حیثیت آدمیت کے اپنے حقوق پائے گی۔ اپنے اختیارات حاصل کرے گی۔ اور دولت کی فرعونیت کا قبضہ آدمی کی دماغی قلبی اور روحانی قوتوں سے اٹھ جائیگا۔ تیری سلطنت کا نام کچھ بھی رکھا جائے۔ اسکو عرب کہیں۔ انگریز نام رکھیں۔ امریکہ کے نام سے پکاریں۔ یا کسی اور اسم سے مسمی کریں مگر عمل قرآن ہی پر ہوگا۔ اور اسکے بتلائے ہوئے قانون پر حکومت کی جائے گی۔ نہیں زندگیاں نیچر کی حکومت کے حکمران بسر ہونگی۔

اسی واسطے تمام دنیا کے منکرین، معترضین و غافلین کے قائم مقام کی حیثیت سے میں اپنی تمام دنیا کی طرف سے اپنے ان سب ہتھیاروں کو تیرے قدموں میں ڈالتا ہوں اور تیرے پاک نام کا نعرہ لگاتا ہوں جسکے حرف حرف میں امن۔ حریت۔ مساوات کے سمندر جوش مارتے ہیں۔ اور کہتا ہوں۔ محمدؐ فاتح۔ محمدؐ فتحیاب۔ محمدؐ کی آخری جیت۔ محمدؐ ہی کا نام آخر جہان تک سلامت ہے۔

حسن نظامی

وہ نورِ ذاتِ مطلق کس کس ادا میں آیا

وہ نورِ ذاتِ مطلق کس کس ادا میں آیا — تھی ابتدا اُسی سے جو انتہا میں آیا
تصویرِ حسن بن کر شیشے میں آیا جہاں میں — [illegible] عشق ہو کر آہ رسا میں آیا
پہلے تو [illegible] — [illegible] الست ہو کر [illegible]
آدم [illegible] کی صورت [illegible] — [illegible] بقا [illegible] آیا
آتش کی شکل میں تھا نمرود [illegible] — طوفان نوح بن کر آب و ہوا میں آیا
[illegible] ستم کئے [illegible] کی شکل ہو کر — [illegible] شکار [illegible] میں آیا
اک بت پہ [illegible] کے چند [illegible] کر توڑا — پھر [illegible] آتش [illegible] میں آیا
اپنا ذبیح تھا وہ تیغ اور سے اپنی — خود اپنے بسملوں کی [illegible] خوں بہا میں آیا
وہ عشق میں زلیخا خود حسن میں تھا یوسف — یعقوب بن کے خود ہی آہ و بکا میں آیا
[illegible] میں جا کے چمکا موسیٰ کا روپ دھارا — عیسیٰ نفس بنا اور قم کی صدا میں آیا
یک نورِ حسن کو [illegible] شب [illegible] میں — جو آفتاب بن کر غارِ حرا میں آیا
اے [illegible] سب پہ [illegible] دنیا ہے — اب غور کر کے دیکھو وہ کون ہے وہ کیا ہے

تاباں ازمرار چانی۔

اے زرخت شمس و قمر مستنیر

جن و ملک در خمِ زلفت اسیر

مرہمِ زخمِ جگرِ خستگان — ناخنِ تدبیرِ گرہ بستگان
والہ و شیدائے تو ربِّ جلیل — سرمہ کشِ خاکِ درت جبرئیل
باعثِ صد نازِ جہان آفرین — تابعِ فرمانِ تو چرخِ برین
گوہرِ تاجِ سرِ پیغمبران — قبلۂ جان کعبۂ دین پروران
سرورِ کونین گدایان پناہ — دلق بہ بر خسروِ زرین کلاہ
گوہرِ اکلیلِ شریعت توئی — طرۂ دستارِ حقیقت توئی
موسیٰ و داؤد کمین چاکرت — معجزِ عیسیٰ لبِ جان پرورت
شمع ز شمعِ دگر آرد ضیا — نورِ تو از نورِ خدا شد جدا
زندہ کنی مردۂ صد سالہ را — دردِ تو ہر رنج و الم را دوا
صورتِ آئینۂ نورِ خدا — عکسِ جمالِ تو ہمہ ماسوا
نورِ تو پیش از ہمہ بعد از خدا — ظلمتِ تنہائی ہمہ ماسوا
[illegible] تقریب — مخزنِ اسرارِ [illegible] کل خاص رب
[illegible] تو منزلِ [illegible] — [illegible] تو سجدہ گہ کروبیان
در شبِ معراج تو بشتافتی — کون و مکان زیرِ قدم یافتی
عرش ز پایت شرف اندوختہ — چہرۂ عیش و طرب افروختہ
شد ز ازل محو جلالت [illegible] — [illegible] اسبابِ دوئی برملا
سرمۂ مازاغ بہ چشمت کشید — چشم چنین کحل چنین کس ندید
رحم بہ فرمائے بحالِ حزین — چند بود خاطرم اندوہگین
در پے جور و ستم ایں چرخِ دون — خوار و ذلیلم ز بختِ نگون
گوہرِ مقصود [illegible] — اشترِ بختم بزمین رو نہاد
مرحمتی آمد [illegible] — [illegible] شد بدرِ بندگی

خدیو سی شد ہر دو سرا — دور ہستید از درگہ مرا
سینہ فگار است و دلم داغدار — بشگفد از فضل تو چوں نوبہار
گشت زہمہ جرم و معاصی فزوں — چوں نہ شوم غرق بہ دریائے خوں
سوئے گدا دیدۂ رحمت کشا — عفو بکن ایں ہمہ جرم و خطا
اے کہ فدایت دل و جاں [illegible] — تاک رحمت کو ثمر آمد [illegible]
کوثر ز رخت آباد

ثنائے مصطفیٰ

وہ زباں شیریں ہو جس پر ہو ثنائے مصطفیٰ — وہ دل آئینہ ہے جس میں ہو ولائے مصطفیٰ
[illegible] رحمت میں ہے — [illegible] گر ہے دل میں [illegible] مصطفیٰ
[illegible] — مجھکو رویا میں نظر آئے لقائے مصطفیٰ
[illegible] ہوا اسکا جو پہنچا عرش تک — [illegible] دل صدقے پائے مصطفیٰ
ہیں بہت پابوس سے محروم لیکن ہیں نصیب — اور چومے آسماں نعلین پائے مصطفیٰ
اسکا کیا کہنا ہو جس میں نور خورشید ازل — جان و دل قربان چشم سرمہ سائے مصطفیٰ
عرش تک پہنچی بڑھی یہ عزت و توقیر شان — خاک لیکن خاک پاک کفش پائے مصطفیٰ
ایسی شان اللہ اکبر دیکھئے قرآن کو — کی ہے کیسی حق تعالے نے ثنائے مصطفیٰ
[illegible] جس سے دل کو اطمینان ہے — مصطفیٰ اپنے نبی ہیں دل فدائے مصطفیٰ
سر اسی کو کہئے جس سر میں ہو سودا آپ کا — دل اسی کو کہئے جس دل میں ہو حب مصطفیٰ
[illegible] آپ کا حلم آپ کا صبر [illegible] — مرتضیٰ [illegible] ثنائے مصطفیٰ
طور پر موسیٰ نے دیکھا جلوۂ نور خدا — [illegible] دیکھیں ہم لقائے مصطفیٰ

خلعت الفقر فخری سے طبیعت ہے غیور — مال دنیا سے ہے مستغنی گدائے مصطفےٰ
میں غلام مصطفےٰ ہوں کیا مجھے دہر کا غم ذہین — بس ہے بخشش کیلئے مجھکو ولائے مصطفےٰ

غلام مصطفےٰ ذہین از حیدرآباد دکن

ذرہ کوئے محمدؐ سے ہے کمتر آفتاب

اے فلک نازاں عبث ہے اپنی ضو پر آفتاب — ذرہ کوئے محمدؐ سے ہے کمتر آفتاب
دیکھ لے گر آپ کا روئے منور آفتاب — صورت آئینہ ہو حیران و ششدر آفتاب
روبرو روئے محمدؐ کے ہے دن بھر آفتاب — دور قرآں میں رہا کرتا ہے اکثر آفتاب
ذرہ نور حبیب حق سے بنکر آفتاب — ہے ضیا بخش مہ و انجم فلک پر آفتاب
دامن حضرتؐ کے سائے کے تلے ہو جاؤنگا — حشر کے دن آئیگا جو وقت سر پر آفتاب
عارض شمس الضحٰی کا وصف لکھنا ہے مجھے — دے کوئی مجھکو فلک سے کاغذ زر آفتاب
ہیں لب و دندان حضرتؐ سے خجل لعل و گہر — ہے رخ حضرتؐ سے شرمندہ فلک پر آفتاب
رعب نور عارض شمس الضحٰی سے دیکھنا — کانپتا ہے مرتعش کی طرح تھر تھر آفتاب
شائق دیدار عشاق رسول اللہؐ ہے — روز میری قبر پہ کیونکر نہ آئے آفتاب
سر کو سنگ آستان شاہ پر رگڑا کرے — اس سے بڑھکر گر ہوا چاہے منور آفتاب
دیکھ لوں گر جلوہ مہر رخ شمس الضحٰی — میری قسمت کا ستارہ ہو چمک کر آفتاب
کوچۂ حضرتؐ کا ذرہ آفتاب عرش ہے — کیوں عبث نازاں ہے تو چوتھے فلک پر آفتاب
ذرۂ خاک در اقدس سے پانے کو فروغ — روز انکے در پہ جاتا ہے کھلے سر آفتاب
چمکے گر آئینۂ نقش کف پائے نبیؐ — اے فلک ہو شرم سے تیرا مکدر آفتاب
دلمیں رکھتا ہوں جو داغ ہجر احمدؐ اے حسن — ظلمت مرقد میں چمکے گا یہ بن کر آفتاب

محمود حسن حسیب از قصبہ [illegible]

۷۸۶

علمک مالم تکن تعلم

نبی کا علم کیا ہے؟ علمک مالم تکن تعلم
خدا نے خود کہا ہے "علمک مالم تکن تعلم"

ملا امّی کو حصّہ مکتب علم لدنی سے
کہ شان مصطفےٰ ہے "علمک مالم تکن تعلم"

رسول ہاشمی تلمیذ استادِ ازل ہے تو
سبق تونے پڑھا ہے "علمک مالم تکن تعلم"

کسی کو بحث کیا ہوگی محمد کی نبوت میں
کہ ناطق فیصلہ ہے "علمک مالم تکن تعلم"

خدا نے تا کہ شک میں مسئلہ تعلیم سرور کا
اشارہ کر دیا ہے "علمک مالم تکن تعلم"

وہ فخر کائنات آگاہ تھا ہر راز قدرت سے
یہ ثابت کر رہا ہے "علمک مالم تکن تعلم"

نہیں پوشیدہ حضرت سے عزیز اسرار حق اصلا
کہ فرمان خدا ہے "علمک مالم تکن تعلم"

عزیز مخدومی از امرتسر

۷۸۶

زاری فراق

اے رسول عربی ہاشمی و مطلبی
لعبت ای تو قربان تو امّی و ابی

نظر لطف تو بر ہر عربی و عجمی
گاہ باشد کہ مرا ہم بہ در خود طلبی

بره ہجر تو خونے کہ فشاند دل من
دل من داند و من دانم و داند دل من

دیکھ لے آ کے ذرا صورت بیمار فراق
جلد چل ہو نہ کہیں رخصت بیمار فراق

کیا کہوں تجھ سے میں کیفیت بیمار فراق
قابل شرح نہیں حالت بیمار فراق

آتش از سوز فراق تو کہ دارد دل من

دلِ من داند و من دانم و داند دلِ من

کسی بیکس کی دعاؤں میں بھی اثر ہے کہ نہیں ۔ دور افتادہ پہ بھی تیری نظر ہے کہ نہیں

دیکھ تو حال مرا نوع دگر ہے کہ نہیں ۔ کچھ تجھے بھی مری آہوں کی خبر ہے کہ نہیں

آہ جاں کاہ کہ از درد برآرد دلِ من

دلِ من داند و من دانم و داند دلِ من

رنگ کی طرح نگاہوں سے اڑا جاتا ہوں ۔ میں مزار سرِ رہ ہوں کہ مٹا جاتا ہوں

ٹیس وہ ہوتی ہے دل میں کہ مرا جاتا ہوں ۔ صورتِ شمع تپِ غم سے جلا جاتا ہوں

چہ وہم شرح بہ سوزے کہ بسازد دلِ من

دلِ من داند و من دانم و داند دلِ من

نہ رکوں گرچہ اوٹ لاکھ کہو۔ دیکھ سنبھل ۔ سامنے روضۂ اقدس کے گروں سر کے بل

دردِ سر کیسے ہو خاکِ مدینہ صندل ۔ یہ تمنائے غسل کا مرے سے مجمل

آہ یک چہ بگویم کہ چہ خواہد دلِ من

دلِ من داند و من دانم و داند دلِ من

دونوں عالم میں کیا حق نے سرفراز مجھے ۔ اپنی رحمت سے دیا خلعتِ اعزاز مجھے

بس ہے اک تیری نگاہِ غلط انداز مجھے ۔ امتی ہوں ترا۔ تقدیر پہ ہے ناز مجھے

بغلامی تو ز انسان کہ بنازد دلِ من

دلِ من داند و من دانم و داند دلِ من

تیرا عاشق کبھی بدنام ہو۔ رسوا ہو کبھی ۔ مرضِ عشق کا یارب نہ مداوا ہو کبھی

ہاں مرا درد نہ منت کشِ عیسےٰ ہو کبھی ۔ اے مسیحا ترا بیمار نہ اچھا ہو کبھی

لذتِ دردِ محبت کہ بیابد دلِ من

دلِ من داند و من دانم و داند دلِ من

کرتی ہیں سیری تمناؤں کا اظہار آنکھیں — حسرتِ دید میں ہیں نقش بدیوار آنکھیں
بند ہوتی ہی نہیں آہ طلبگار آنکھیں — بعد مردن بھی کھلی ہیں پئے دیدار آنکھیں

اشتیاقے کہ بہ دیدار تو دارد دلِ من
دلِ من داند و من دانم و داند دلِ من

امجد از حیدرآباد دکن

نعت

مدینہ کا سفر

اللہ اللہ مری قسمت کہاں لائی دیکھو — بعد مدت مری امید برآئی دیکھو
ناخنِ بخت نے کی عقدہ کشائی دیکھو — درِ جاناں پہ ہوئی آج رسائی دیکھو

سامنے گلشنِ طیبہ جو نظر آتا ہے
غنچۂ خاطرِ پژمردہ کھلا جاتا ہے

آج ہے سامنے آنکھوں کے وہ دلکش منظر — فرطِ شادی سے مرے بس میں نہ دل ہے نہ جگر
الحمد سے ہٹے دل سے سب آلامِ سفر — بن گئے خار و خسِ راہ گلِ تازہ و تر

روح بے چین ہے سینے سے نکلنے کیلئے
شوق کہتا ہے مجھے دوڑ کے چلنے کیلئے

پیشوائی کو مری آئی ہوائے جنت — تاکہ آغوشِ محبت میں سلائے جنت
اب نہیں جچتی نگاہوں میں فضائے جنت — گرچہ رضواں مجھے سو بار دکھائے جنت

کھب گئی ہے مری آنکھوں میں بہارِ طیبہ
باغِ فردوس سے بڑھکر ہے دیارِ طیبہ

دیکھ لو ہے یہی مرقدِ سرِ عرشِ بریں — دل سے اللہ کو مرغوب ہے طیبہ کی زمیں

حسن میں حوروں سے بڑھکر ہیں مدینے کے حسیں　　نور اللہ کا دن رات برستا ہے یہیں

بے ادب پا منہ اینجا کہ عجب درگاہ ست

سجدہ گاہِ ملک روضۂ شاہنشاہ ست

شمع ساں جب غمِ دوری سے پگھلتا تھا میں　　سر سے چلتا تھا کبھی آنکھوں سے چلتا تھا میں

یا نبیؐ کہہ کے جو گرتا تھا سنبھلتا تھا میں　　پیچھے رہتی تھی صبا آگے نکلتا تھا میں

شکر ہے ختم ہوئی آج مصیبت میری

سحرِ عیش سے بدلی شبِ غربت میری

کھولے کیا چرخ پہ حورانِ جناں نے گیسو　　دفعتہً چھا گئیں صحرا میں گھٹائیں ہر سو

ہر طرف پھیل گئی پیرہن حور کی بو　　مست و بے خود ہوئے خوشبو سے حرم کی آہو

آئی آواز کہ لو منزلِ مقصود ہے یہ

جستجو جس کی تھی دن رات وہ موجود ہے یہ

شکر کی جا ہے سفر میرا ہوا آج تمام　　سر کے بل چلتا ہوں اب جا کہ دکھلا ہے مقام

گنبدِ سبز میں آرام میں ہیں شاہِ انام　　حاضر اس در پہ ملائک ہیں بشکلِ خدام

مدح حضرت کی خدائے دو جہاں کرتا ہے

عظمت و شان کو قرآں میں بیاں کرتا ہے

اپنا محبوب خدا نے انہیں فرمایا ہے　　شبِ معراج میں کس شوق سے بلوایا ہے

آپ کی شان میں لولاک لما آیا ہے　　شافعِ عرصۂ محشر کا لقب پایا ہے

خلق سے افضل و اعلیٰ ہے وہ ذاتِ حضرتؐ

کس کا منہ ہے جو کرے مدحِ صفاتِ حضرتؐ

اے مرے شاہ، مدینے کے بسانے والے　　گمرہوں کو رہِ فردوس بتانے والے

اپنی امت کے لیے رنج اٹھانے والے　　اور گنہگاروں کو دوزخ سے بچانے والے

رخ انور سے نقاب آج اٹھا دو آقا
اپنا جلوہ مجھے للہ دکھا دو آقا

ہوں مصیبت میں مدد کو مری آ جاؤ شاہا — درد کی تم ہو دوا بگڑی بنا جاؤ شاہا
تشنہ ہوں شربت دیدار پلا جاؤ شاہا — راہ بھولا ہوں مجھے راہ بتا جاؤ شاہا

چھوڑ کر آپ کی چوکھٹ کو یہ جائے کہاں
در اقدس کے سوا سر کو یہ ٹکرائے کہاں

یا نبی آپ پہ قربان ہوں سو بار بھی — دشت طیبہ میں ہو مسکن مرا سو بار بھی
در پہ حاضر رہوں تا زیست اگر بار بھی — ہو مرا خاتمہ بالخیر تمنا ہے یہی

چشم رحمت سے تمہارا جو اشارا ہو جائے
بحر عصیاں سے مرا پار سفینا ہو جائے

سید محمد اسمعیل [illegible] ہمدانی از گیا

محفل میلاد

شعار اہل شریعت ہے محفل میلاد — طریق اہل طریقت ہے محفل میلاد
جنھیں علم حقائق یہ معرفت ہے انہیں — کہ شرح سر حقیقت ہے محفل میلاد
کیا نبی نے [illegible] ذکر مولد پاک — کہاں مخالف سنت ہے محفل میلاد
عموم آیۂ [illegible] میں ہے داخل — ظہور پاک کی فرحت ہے محفل میلاد
[illegible] کہتے ہیں — پسند خاطر حضرت ہے محفل میلاد
[illegible] — کہ ہر بلا سے حمایت ہے محفل میلاد
[illegible] — سبھوں کا مذہب ملت ہے محفل میلاد

اب اُن کی کون سُنے جو مخالف جمہور — کہیں کہ سیئہ بدعت ہے محفل میلاد
عقیدہ اپنا تو رہیں گے ہم سلف کا سا — کہیں گے عین ہدایت ہے محفل میلاد
جو ایک ہو تو کہوں فیض بے نہایت ہے — شفا ہے خیر ہے برکت ہے محفل میلاد

الگ جو اس سے ہو اس کا گلہ نہ کر بیدل
کہ کرتا صاحب قسمت ہے محفل میلاد

محمد عبدالسمیع بیدل رامپوری

نظام المشائخ

قسم دوم — قسم دوم

افضل الذکر لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

روحانی تسلی و تسکین کا ماہوار پیام

مذہب اخلاق اور تصوف کے مضامین کا ایک دلنواز مجموعہ
جو سیدی و مولائی حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب خواجہ زادہ حضرت سلطان
نظام الدین اولیا محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کی زیر سرپرستی بڑی پابندی
وقت کے ساتھ ہر چاند کی ٹھیک چھٹی تاریخ کو شائع ہوتا ہے

ایڈیٹر

خادم الفقراء محمد الواحدی دہلوی

قیمت سالانہ مع محصول ڈاک عہ ششماہی ۸ر

مقام اشاعت دار السلطنت دہلی کوچہ چیلان

مطبوعہ درویش پریس دہلی

پرنٹر و پبلشر محمد الواحدی

نئے سال کی درویش جنتری چھپ گئی

اور ۱۳۵۳ھ بھی چل رہا ہے آج ہی ایک کارڈ لکھکر نئے اسلامی سال کی درویش جنتری منگا لیجئے تاکہ ابتدائے سال ہی سے آپ اس کی مفید ہدایات پر عمل شروع کردیں جن لوگوں نے سالہائے گزشتہ کی درویش جنتری دیکھی ہے وہ شہادت دے سکتے ہیں کہ مسلمانان ہند کی موجودہ حالت اور انکی موجودہ دینی ضروریات کے لحاظ سے اس وقت فی الحقیقت ہندوستان میں کوئی جنتری درویش جنتری سے بہتر شائع نہیں ہوئی بیہودہ عقاید فضول توہمات مضر رسوم کی اصلاح کرنے والی اور دینی و دنیوی امور میں مسلمانوں کو صراط مستقیم پر چلانیوالی یہی ایک جنتری ہے جس کا ہر صفحہ پڑھنے کے قابل اور ہر سطر کار آمد و دلچسپ ہوتی ہے خصوصاً ۱۳۵۳ھ کی درویش جنتری تو بفضلہ تعالیٰ ایسی خوش اسلوبی سے تیار ہوئی ہے کہ انشاءاللہ ہر ایک سمجھدار مسلمان اسے بیحد پسند کریگا۔ دینی معلومات اور دلچسپ اصلاحی مضامین کا کافی ذخیرہ ہے دوسری قسم کی دلچسپیاں بھی معمول سے زائد ہیں۔ کئی مضمون نہایت قابل قدر ہیں لکھائی چھپائی بھی عمدہ ہے اور پھر قیمت بھی باوجود گرانی کاغذ کے صرف چھ آنہ ہے (۶؍)

فہرست مضامین

درویش جنتری ۱۳۵۳ھ

قیمت صرف چھ آنے

ملنے کا پتہ

منیجر رسالہ نظام المشائخ دہلی

مطبوعہ [illegible] پرنٹنگ ورکس دہلی

نظام المشائخ

جلد ۳ بابت ماہ ربیع الثانی سنہ ۱۳۳۱ ہجری مقدس نمبر ۴

فہرست مضامین

خضاب ترُت پھرُت

خضابوں کے اشتہار پڑھتے پڑھتے خلقت کی عمریں بیت گئیں بال سیاہ سفید ہوگئے مگر بے عیب، آسان، بے ضرر، اور جلدی اثر کرنے والا آجتک کوئی خضاب میسر نہ آیا۔ کسی میں بو کا عیب کسی میں گھنٹوں باندھے رکھنے کا خلجان کسی میں ٹھوڑی کو کمزور کرنیکا نقصان، کوئی جلد میں دھبا ڈال دیتا ہے جو چہرہ کو بھدا کر دیتے ہیں۔ کوئی نزلہ پیدا کرتا ہے اور آنکھیں دکھنے آجاتی ہیں۔ اور ایسا خضاب تو ایک ہی نہیں جسمیں استرا برہ کا جھگڑا نہ رہے۔ یعنی پہلے خضاب کا استر لگایا جاتا ہو۔ اور پھر کچھ دیر بعد ابرہ کا استعمال ہوتا ہو جس سے کامی آدمیوں کو تضیع اوقات میں کوفت ہوتی ہے۔

ترُت پھرُت خضاب اسم بامسمیٰ خضاب ہے۔ یعنی آناً فاناً میں بال سیاہ کر دیتا ہے۔ اور مذکورہ جھگڑوں اور تکلیفوں اور نقصانوں میں سے کسی ایک کا بھی اسمیں دخل نہیں ہے۔ شاہجہاں بادشاہ کی بیاض خاص کا یہ نسخہ ہے جیسا وہ بادشاہ نفاست پسند تھا ویسا ہی یہ خضاب ہے کہ بدبو نام کو نہیں ایک عرق ہے جو برش سے لگایا جاتا ہے۔ لگانیکے بعد سوکھنے تک بس چند منٹ کی دیر ہوتی ہے۔ اسکے بعد بال سیاہ ہو جاتے ہیں۔ اور ایسے سیاہ کہ کوئی شخص خضاب کا شبہ تک نہیں کر سکتا کیونکہ بالوں میں سختی اور کھردرا پن نہیں رہتا ریشم کی سی نرمی اور اصلی شباب کی سی چمک نظر آتی ہے۔

خضابوں کا قاعدہ ہے کہ چند روز کے بعد جب خضاب کا اثر کم ہونا شروع ہوتا ہے تو بالوں کی رنگت بھوری اور نہایت بدنما نکل آتی ہے اسمیں یہ عیب نہیں ہے بلکہ خضاب کا اثر کم ہونیکے بعد بھی خوشنما رنگ نمودار ہوتا ہے۔ جس کے بعد فوراً دوسری بار استعمال کر لینا چاہیئے جلد پر دھبا نہیں پڑتا جہاں ذرا گیلے کپڑے سے صاف کیا فوراً صاف ہو جاتا ہے۔ سوکھنے کے بعد جب ہی تو ڈرا دُل جاتا ہے۔

قیمت فی شیشی کلاں ایک روپیہ بارہ آنے شیشی اوسط عہ خورد ۸ر

بسم اللہ

نظام المشائخ

فریاد

ہند میں تنگ ہوں اب یا شہ بطحا فریاد
میرے والی میرے آقا میرے داتا فریاد

سرد ہو جائیگا دوزخ بخدا میں جس دم
حشر میں شافع محشر سے کرونگا فریاد

لے چلو ساتھ تم اے قافلۂ الو مجلہ
رہ یثرب میں کرونگا جرس آسا فریاد

ہجر میں سرور عالم کے دل محزوں کا
شغل ہے صبح و مسا آہ و فغاں یا فریاد

اے نسیم سحری قاصد عشاق ہے تو
روضۂ پاک کی جانب مری لیجا فریاد

عمر ہوتی ہے عزیز آہ بسر شیون میں
دور افتادہ کی سن لیجیے شاہا فریاد

عزیز مخدومی از امرتسر

جوشِ رحمت

یَا مَلَآئِکَتِیْ قَدِ اسْتَحْیَیْتُ مِنْ عَبْدِیْ وَلَیْسَ لَہٗ غَیْرِیْ

سنا ہے کہ اک شخص تھا خوش خصال | خدا ترس فرماں بر ذوالجلال
نہ بھاتا اُسے کوئی دنیا کا کام | عبادت میں مصروف تھا صبح و شام
نکلتا نہ خلوت سے باہر کبھی | اُٹھاتا نہ سجدہ سے وہ سر کبھی
دعا کرتا تھا یوں ہی اک رات | اُٹھا کر سوئے آسمان دونوں ہات
سراپا تھا مصروف آہ و فغاں | صدا آئی اک غیب سے ناگہاں

برو ورد دعائے تو مقبول نیست | بخواری برو یا بزاری بایست

مگر اُن سے پیچھے نے چھوڑا نہ کام | رہا یوں ہی محو دعا صبح و شام
مرید ایک اُسکا تھا سادہ خیال | ہوا اُسکو اس سانحہ سے ملال
کہا پیر سے اپنے با صد ادب | کرو عمر کیوں رائگاں بے سبب
عبادت کا سب حال معلوم ہے | کہ فیض اجابت سے محروم ہے
ابھی ہوش تم نے سنبھالا نہیں | نہ مانگو جہاں دینے والا نہیں

چو پیر از مریداں سخنہا شنید | بسوز از جگر نعرہ برکشید

کہا آہ یاں سے کہاں جاؤں گا | کریم اس سے بڑھکر کہاں پاؤنگا
نصیحت بصد شوق تو کر مجھے | دکھا اس سے بہتر کوئی در مجھے
کہا اتنا۔ اور پھر بسوز و گداز | پکارا کہ اے خالق کارساز
نظر ہے مری تیری رحمت پہ بس | سوا تیرے ہے کون فریاد رس
تجھے کہتے ہیں سب غفور الرحیم | تو اب رحم فرما بے حال سقیم

چو [illegible] | [illegible]

علاجِ غم سے جب تیرا نام لیتا ہوں میں | تڑپ کر ترا نام لیتا ہوں میں

تسلی ہے میری ترے نام سے | نہ محروم کر رحمتِ عام سے

نہ دیکھوں گا حوروں کی شکل مہیب | نہ جاؤں گا اس در سے اب [illegible]

یہ مانا کہ بے حد گنہگار ہوں | سزا تو جو دے میں سزاوار ہوں

[illegible] | [illegible] معذرت خواہ ہے

[illegible] | [illegible]

سوا اس کے جب [illegible] | [illegible]

[illegible] بخت بیدار ہے | کسی نے بھی [illegible] میں پایا ہے

یہاں گر جو ہو آرزو یا امید | مرے بندے [illegible] نا امید

[illegible] باقی نہیں | یہاں نا امیدی کی [illegible] نہیں

[illegible] تجھ کو رحمت مری | نہ جائے گی خالی عبادت تری

[illegible] گرچہ [illegible] نیستش | کہ [illegible] دیگر نیستش

امجد از حیدرآباد

رباعیات

ہوں خاک [illegible] کا نہیں | وابستہ ہوا [illegible] کا نہیں

کیوں غیر خدا سے اپنی حاجت چاہوں | بندہ ہوں میں ایک در کا [illegible] کا نہیں

— + —

[illegible] تلاشش تو صدا بر ہر در | در شوقِ وصال او دویدم در در

تا [illegible] چشم و چشم سوزش نگران | [illegible] من بانتظارش بر در

امجد از حیدرآباد

توبہ

قرآن مجید میں خداوند کریم فرماتا ہے۔ یَآ اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَی اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا عَسٰی رَبُّکُمْ اَنْ یُّکَفِّرَ عَنْکُمْ سَیِّاٰتِکُمْ وَیُدْخِلَکُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۔ اس آیت کا یہ مطلب ہے کہ خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ کی جناب میں خالص توبہ کرنی چاہیئے تاکہ وہ جملہ گناہوں کو معاف فرماکر بہشت میں داخل کرے اور عیب پوشی تمام خطاؤں کی فرماوے ؎

آیت میں لفظ آمنوا آیا ہے۔ اور اس سے مراد وہ تمام اشخاص ہیں جو خدا تعالیٰ۔ جملہ انبیائے کرام اور خصوصاً حضور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہ جو لوگ مسلمان ہیں۔ اور انہیں کے واسطے یہ حکم ہے ؎

یہاں کل انسانوں سے بحث نہیں کیجاتی صرف مسلمانوں سے تعلق ہے ہمارا کیا واسطہ ہے۔ جناب رسالت مآب صلعم اور خدا سے؟ اللہ تعالیٰ نے ہمیں پیدا کیا۔ دنیا میں ہمارے واسطے تمام سامان آسائش مہیا فرمادیا۔ ہم کون ہیں؟ عبد۔ جسکے معنی ہیں غلام۔ غلام اُس شخص کو کہتے ہیں۔ جسے کسی نے دام دیکر خرید لیا ہو عقل چاہتی ہے کہ جب ہم کسی کو دام دیکر خرید لینگے خواہ وہ چیز جاندار ہو یا بے جان۔ تو اُسکے مالک کلی طور پر ہو جائینگے۔ چنانچہ بازار سے ہم بکری یا گائے خریدتے ہیں۔ اور جب کوئی وجہ پیدا ہو جاتی ہے تو فروخت کرڈالتے ہیں۔ یا ذبح کرلیتے ہیں۔ دنیا میں ہم انسانوں کا جانداروں کے ساتھ یہ سلوک ہے۔ کیوں؟ محض اس واسطے کہ ہم نے اپنے روپے خرچ کرکے ان کی حیات و ممات کو خرید لیا۔ اور مالک بن گئے۔ اسی طرح خداوند کریم ہمارا مالک ہے۔ اُسکا حق ملکیت

سلہ نظام المشائخ بابت جمادی الاولیٰ ۱۳۳۸ھ میں میں نے ایک مضمون "توبہ" پر لکھا تھا (بقیہ صفحہ ۷)

اس وجہ سے اور زیادہ ہے کہ وہ روزانہ تا حیات ہماری کل ضروریات کو نہایت آسانی سے مہیا فرماتا رہیگا۔ بعد ختم بھی اور دیا ملی سے بھی کسی معاوضہ کا طالب نہیں ہوگا ۔

عقل سلیم تبلاتی ہے کہ اگر ایسا شفیق آقا مہیا ہو تو اس کی اطاعت سچے دل سے کرنی چاہئیے۔ جو شخص اطاعت میں کوتاہی کریگا تو وہ ضرور سزا کا مستوجب ہوگا۔ دنیا میں کوئی خدمتگار اگر ذرا بھی کام کرنے میں تساہل کرتا ہے تو آقا کا فوراً معتوب ہوتا ہے۔ اور جب اسی کاہلی زیادہ ہوتی جاتی ہے تو آخر میں نتیجہ ملازمت سے برطرفی ہوتی ہے۔ لیکن ہمارے خدا کا معاملہ یہاں بھی نرم کا ہے۔ وہ باوجود نافرمانی کے سلسلہ کو موقع پر موقع توبہ کا دیتا ہے۔ یہاں تک کہ اپنے حبیب پاک صلعم کے ہاتھ پیام بھیجتا ہے کہ میرے بندو! توبہ کرو تاکہ ؎

ہر چند کہ بے حساب زلات شوند　　بیرون ز شمار گرچہ سیئات شوند

یک ذرہ ندامتے چو در دل آرند　　سیئات مبدل شدہ حسنات شوند

کس قدر مہربان وہ آقا ہے کہ اپنے غلاموں کو ہادی برحق حضرت رسول کریم صلعم کے ہاتھ ہوشیار کرتا ہے۔ الحمد للہ ۔

حضرت ابن ماجہ رض (بروایت حضرت ابو ہریرہ رض) فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد پاک ہے:۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ) اپنے لحاظ سے وہ کلیۃً عادی مضمون تھا۔ لیکن حال میں ایک صاحب نے اصرار فرمایا کہ اسی بحث پر کچھ اور لکھوں۔ اور اتفاق سے توبہ و استغفار کے متعلق چند بزرگان دین کی کتابیں بھی پیش نظر تھیں۔ چنانچہ اللہ کا نام لیکر یہ چند سطریں لکھدیں۔ دیکھنے والے غور سے دیکھیں اس مضمون کا رنگ زیادہ دوہرا ہے ۔"

محمد شفیع الدین خان

لو عملتم الخطایا حتی تبلغ السماء ثم ندمتم فتاب اللہ علیکم۔
من حدیث اگر گناہ آسمان تک بھی پہنچ جائیں اور تم نادم ہوجاؤ تو حق تعالیٰ توبہ کو قبول فرمائیگا ہمارا اور خدا کا تعلق عبد اور معبود کا ہے اور بے شک حکیم آقا کا یہ منصب ہے کہ وہ نافرمان بندوں کی خطاؤں کو معاف فرمائے ؎

عصیاں سے کبھی ہم نے کنارا نہ کیا
پر تونے دل آزردہ ہمارا نہ کیا
ہم نے تو جہنم کی بہت کی تدبیر
لیکن تیری رحمت نے گوارا نہ کیا

◆

موالید ثلاثہ۔ اجرام ارضی وسماوی وغیرہ لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم کی بہترین تفسیر ہیں لیکن تمام صوری اور معنوی برکات میں سب افضل اور ہر ایک سے برتر ذات والا صفات جناب خاتم الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم کی ہے ؎

زباں پہ بار خدایا یہ کس کا نام آیا
کہ میری نطق نے بوسے مری زباں کیلیے

باوجود اس قربت و شرف کے ہمیشہ حضور انور استغفار فرماتے رہے تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ محمدی توبہ نہ کریں ۔

◆

ایک شخص شباب کے ہاتھوں اسقدر وارفتہ رہا ہو کہ اسکی زندگی کے دونوں رخ یعنے دل و دماغ پر تاریکی کا بھی اثر نہ پیدا کرسکیں۔ خواہشات نفسانی کا مطیع شبانہ روز شباب کی بے خودی میں مبتلا۔ سیہ مستی میں سرتاپا گرفتار مآل اندیشی سے بے خبر۔ شاعروں کی صحبتیں۔ ہر دم شاہدان مجازی کے تذکرے حسن پرستی کے چسکے ؎

وہ رند ہیں کہ زہد میں بھی تھا خیالِ مے
چسکا کچھ اس بلا کا پڑا تھا شراب کا

مصور غم علامہ راشد الخیری کی کتاب

شام زندگی

زندگی کی بہار ہندوستان میں صدیوں سے خزاں رسیدہ سمجھی جاتی ہے خلقت جو ہے ہر مرگ مرنے سے بدتر ہے
جینے کی تیمارداری پر ہے اور گھرداری عورت کا دوسرا نام ہے۔ عورت کی حالت یہ ہے کہ نہ وہ اپنی اذیت
کو محسوس کرتی ہے نہ مرد کی طلب زیست کو سمجھتی ہے۔ مرد روتے ہیں عورت حیران ہے۔ عورت کہتی ہے مرد نادان

ہیں نہ ان کو صبح زندگی کی خبر اور نہ ان کو شام حیات سے سروکار۔ مولانا راشد الخیری دہلوی نے قلم
اٹھایا اور صبح زندگی کا خاکہ کھینچکر دکھا دیا کہ ناحق زندگی گزاری کرتے ہو جینے کی ابتدائی بہاریں یوں ہوتی ہیں
عورتوں نے مردوں سے جو بسر کی اس کو جس کا نام صبح زندگی تھا دیکھنا پڑا تو جانا کہ زندگی شروع
ہونے کا ہے سب کو یہ طریقہ اختیار کرنا چاہئے جو کتاب صبح زندگی میں ہے۔ مولانا راشد زندگی کو دوپہر
کی دھوپ میں چھوڑ کر چپ ہو گئے تو ہندوستان کے چاروں کھونٹ سے آوازیں آئیں کہ زندگی کو شام
تک پہنچاؤ دوپہر ہی نہ چھوڑ دو۔ انہوں نے قلم برداشتہ تحریر کی انگلی رکھ دی اور شام زندگی چمک کر نمودار
ہو گئی۔ شام زندگی کتاب ہے صبح زندگی سے زیادہ لاجواب ہے۔ عورتیں اس کتاب کو پڑھ لیں
تو ان کو اپنی زندگی کا مزا ہی آ جائے اور مردوں کی زندگی بھی بہشت بن جائے۔ شام زندگی ایک
دلچسپ قصہ ہے درد و غم کا افسانہ ہے عشق کا اردو کا سمندر ہے۔ جو پڑھے ہنسے روئے مزے لے اور
پھر پڑھے پھر سوچے اور بے اختیار ہو کر پھر پڑھے کسی طرح جی نہ بھرے یہ عجیب جادو اس کتاب
میں ہے اور تاثیر کی یہ حالت ہے کہ پڑھنے والا اپنے خود بخود تصور کرتا ہے زندگی کے نقص محسوس کرتا
جاتا ہے اس کی اصلاح کی تدبیریں اپنے ذہن میں جوانی شروع کر دیتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ داستان تو
مصور غم خیری نے عجیب لکھی ہے وجہ یہ ہے کہ عقل شعور مصنف نے ضرورتوں کو پڑھ کر یہ کتاب لکھی ہے۔

شام زندگی ہر گھر میں زندگی پیدا کر دیگی اسکو پڑھ کر عورتیں اپنے بھولے ہوئے فرائض جان جائیں
گی اور ان کو شریفوں کی طرح نیک بیویوں کی مانند ہر سلیقہ مند گھر والی کی مثل خاوند کا دل موہنا
اور سارے کنبے اور سارے شہر سارے قوم اور سارے ملک کی واہ واہ حاصل کرنا آ جائے گا
کتاب شام زندگی عورتوں سے زیادہ مردوں کو مفید ہو گی۔ کیونکہ مرد اگر عورتوں کے طریق حیات
اور ضرورت سے آگاہ ہونگے تو انکے گھر دنیا میں بہشت اتر آئے گی اور وہ دیکھیں گے کہ زندگی اس کا نام ہے
شام زندگی مولانا راشد الخیری کی بہترین تصنیف ہے۔ شام زندگی اردو ادب کی لاجواب نشانی ہے۔
شام زندگی اصلاح معاشرت کی اثردار استانی ہے۔ شام زندگی دنیا کی آواز ہے جس سے اس دو شہر کی حیات کا
ثبوت ملتا ہے آپ خریدیئے گھر کے لیے منگا لیجیے بچوں کو لیکر دیجیے دوستوں میں تقسیم فرمائیے زندگی کو بنا لیجیے
دیکھیے دیکھیے اس کتاب کا جینا جلانا جاگنا جگانا ہنسنا رلانا اور باتوں باتوں میں دل کے اندر اتر جانا دیکھیے۔ اس
کتاب کے پانچ ایڈیشن قریب قریب ختم ہو چکے ہیں قیمت صرف ایک روپیہ علاوہ محصول

المشتہر منیجر رسالہ نظام المشائخ دہلی

[illegible]

جب سیہ کاری کے ہاتھوں تباہ ہو کر وماندہ توبہ کرتا ہے تو خداوند جل علاقبول کر لیتا ہے۔ سچ ہے دامن پکڑنے کی بڑی لاج ہوتی ہے۔ رحمت خاص ہے خدا کی مسلمانوں پہ کہ باوجود شدید نافرمانی کے وہ اپنے غلاموں کو معاف فرما دیتا ہے۔

حدیث شریف میں وارد ہے کہ خدا تعالے بندہ کی توبہ سے بہت خوش ہوتا ہے۔ خوشی کا مرتبہ قبول کرنے سے بہت زیادہ ہے۔ جب مالک اپنے غلاموں سے خوش ہو تو اس سے بڑھکر اور کیا بات ہو سکتی ہے۔

ایک بزرگ شراب فروش تھے۔ مدت تک یہ معمول رہا کہ جمعہ کے دن دوستوں کو ساتھ لیکر کسی باغ میں یا پہاڑ پر چلے جاتے۔ اور محفل نشاط گرم کرتے۔ یہانتک کہ دوسری صبح ہو جاتی۔ اتفاق سے ایک جمعہ کو بارش ہوگئی گویا سونے میں سہاگہ ملگیا۔ بادہ خواران سیہ مست کیواسطے بارش بڑی مزے کی چیز ہے۔ وہ شور لاؤ سلاؤ کا بلند ہوا کہ ساری شراب ختم ہو گئی۔ آخر یہ بزرگ اسی مینہ میں بھیگتے دکان پر آئے اور ایک خم شراب گدہے پر لادکے چلے۔ چونکہ مینہ برس رہا تھا اور جابجا کیچڑ ہو رہی تھی۔ یہ بزرگ گدہے کو مارتے ہوئے لیجا رہے تھے۔ آخر منزل مقصود آگئی اور گدھا پہاڑ پر چڑھا۔ لیکن پھسلن تھی۔ بیچارہ گر پڑا۔ ان بزرگ کو بےحد غصہ آیا اور مارنا شروع کیا۔ گدہا بزبان انسانی گویا ہوا کہ تم مجھے کیوں مارتے ہو۔ جواب دیا کہ تو میرا کہنا نہیں مانتا۔ اور جلد نہیں چلتا۔ گدہے نے کہا۔ غافل انسان! صرف اتنی سی بات ہے کہ تمہاری شراب لیکر بارش اور کیچڑ کیوجہ سے میں گر پڑا۔ اتنا زدوکوب تم تو عمر بھر اپنے مالک کی نافرمانی کرتے رہے۔ جب وہ سزا دے گا تو کیا کروگے؟ یہ کہکر گدہا مر گیا۔

ان بزرگ پر بہت اثر ہوا۔ اور خوف الٰہی سے لرزاں ہو کر وہیں غار میں معتکف ہو گئے۔ بس بیداریٔ چشم نے کام کیا۔ باطن صاف کر دیا۔ اور مقام ولایت پر فائز ہو گئے

مسعود ستر۔

سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ توبہ کی تین شرطیں ہیں۔

(۱) گناہوں پر پشیمان ہونا۔

(۲) گناہوں کو ترک کر دینا اور ان کی طرف دوبارہ توجہ نہ کرنا۔

(۳) مخلوق کے حقوق ادا کرنے میں سعی کرنا یعنی جس شخص پر کوئی ظلم ہو چکا ہے اس کا معاوضہ دے دینا یا معافی چاہنا۔

حضرت ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ توبہ کی تین قسمیں ہیں۔

۱۔ توبہ۔ یہ ابتدائی درجہ ہے؛

۲۔ انابت۔ یہ درمیانی درجہ ہے؛

۳۔ اوبت۔ یہ آخری درجہ ہے؛

جو شخص اپنے آقا (خدائے بزرگ و برتر) کے خوف سے توبہ کرے۔ وہ تائب کی (درجہ اول) بطمع ثواب توبہ کرنے والا منیب (درمیانی) کہلاتا ہے لیکن سب سے بڑا درجہ اس شخص کا ہے جس نے بغیر کسی لالچ کے محض خداوند تعالیٰ کے واسطے توبہ کی ہو۔ ایسے شخص اواب (آخری درجہ) کہلاتے ہیں اور یہی مومنین ہیں۔ ارشاد پاک ہے۔ توبوا الی اللہ جمیعاً یا یہا المومنین لعلکم تفلحون۔

حضرت ابو الحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ توبہ حاصل وہ ہو جو ہر

ماسوی اللہ سے توبہ کیجائے۔ یعنی بندہ ہر شے کو حق تعالیٰ کا غیر اور ماسوی نہ دیکھے
اگر اسکو کوئی بات اسکے سوا نظر آئے تو توبہ کرے۔ جو کچھ دیکھے حق دیکھے ۔
یہ درجہ کاملین کا ہے۔ مشکل تو ہے لیکن ناممکن نہیں اگر کوئی سمجھ ...
... اپنے راز ہستی پر غور کرلیا ہے تو سب کچھ حاصل ہوجائے ۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں عوام کی توبہ
گناہوں سے ہوتی ہے اور خواص کی غفلت سے ۔

حضرت عبداللہ بن محمد بن علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے ...
... اور غفلت سے توبہ کرنے میں فرق ہے ۔

عاصیاں از گناہ توبہ کنند — عارفاں از عبادت استغفار

اختتام

ایمان کی دو قسمیں ہیں (۱) تقلیدی۔ یہ عوام الناس کا ایمان ہے جو کچھ سنتے ہیں
سچ مانتے ہیں اور ہمیشہ اسی پر قائم رہتے ہیں۔ (۲) کشفی۔ یہ مقربین کا ایمان ہے
نور الٰہی سے انکے سینے کشادہ ہوجاتے ہیں اور وہ دیکھ لیتے ہیں کہ سب کا
مرجع خدائے تعالیٰ کیطرف ہے۔ اسلئے موجودہ خدا کے سوا اور کوئی نہیں یہ لوگ خدا کے
بہت قریب رہتے ہیں انکے مقامات مختلف ہیں جس درجہ معرفت کے حساب سے ...
تفاوت معرفت میں ہوگا اتنا ہی قرب میں بھی فرق ہوگا۔ اسی لحاظ سے توبہ بھی ہوگی
خداوند کریم ہر مسلمان کو توبہ کی توفیق عنایت فرمائے آمین ثم آمین ۔

محمد شفیع الدین خاں مرادآبادی

غزل

پرتوِ رخ تیرا گر ذو برابر دیکھئے
دیکھنے والے تجھی کو زندگی بھر دیکھئے

سنئے میری ہی زباں سے داستانِ عندلیب
میری آنکھوں سے تماشائے گلِ تر دیکھئے

بار خاطر گر نہ ہو اے باغبانِ چار دن
سیرِ گل ہم بھی ترے گلشن میں جا کر دیکھئے

دیکھتے ہی دیکھتے عمرِ رواں رخصت ہوئی
رہ گئے ہم صورتِ آئینہ ششدر دیکھئے

تو حریمِ غیر میں کب تک رہیگا جلوہ گر
ہم بھی تو بے پردہ تیرا روئے انور دیکھئے

سامنے آؤ ہمارے بھی نقاب الٹے ہوئے
طور کیونکر جل گیا اے شعلہ پیکر دیکھئے

چل بسے بدرِ حزیں اچھا ہوا موت آگئی
اور جیتے آسماں کے اور چکر دیکھئے

بدر جلالی از مراد آباد

رباعی

ہر حسن کی خواہش ہے طلب گار ہو کوئی
ہر مال یہ چاہتا ہے خریدار ہو کوئی
یوں ہی تری رحمت بھی خداوندِ جہاں سے
اس فکر میں رہتی ہے گنہ گار ہو کوئی

بدر جلالی از مراد آباد

تقلید

خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ وَيَتُوبَ عَلَيْكُمْ ۝ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝ وَاللّٰهُ يُرِيدُ أَن يَتُوبَ عَلَيْكُمْ وَيُرِيدُ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الشَّهَوَاتِ أَن تَمِيلُوا مَيْلًا عَظِيمًا ۝ يُرِيدُ اللّٰهُ أَن يُخَفِّفَ عَنكُمْ وَخُلِقَ الْإِنسَانُ ضَعِيفًا ۝ خدا چاہتا ہے کہ (انبیاء و صلحاء) جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں ان کے طریق تم سے کھول کھول کر بیان کرے اور تم کو انہیں طریقوں پر چلائے اور تم پر مہر کی نظر رکھے اور اللہ سب کچھ جانتا ہے اور ہر ایک کام حکمت سے کرتا ہے اور اللہ چاہتا ہے کہ تم پر مہر کی نظر رکھے۔ اور جو لوگ نفسانی خواہشوں کے پیچھے پڑے ہیں۔ ان کا مطلب یہ ہے کہ تم (راہ راست سے بھٹک کر) بہت دور ہٹ جاؤ۔ اللہ چاہتا ہے کہ تم پر سے (بوجھ) ہلکا کرے۔ کیونکہ انسان طبیعت کا کمزور پیدا کیا گیا ہے (احکام سخت کے بار کا متحمل نہیں ہو سکتا)۔

لوگ دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک روحانی دوسرے نفسانی۔ یا ایک آخرتی دوسرے دنیاوی۔ یا ایک فرمانبردار دوسرے نافرمان۔ یا ایک مسلم۔ دوسرے کافر۔ روحانی جو کچھ کرتے ہیں خدا کے لیے اور آخرت کے لیے کرتے ہیں ؎

نشان آں دلے کز فیض اسلام است نورانی — توجہ باشد از سوئے دار الملک روحانی
ز دنیا روئے گردانیدن و فکر اجل کردن — کہ چوں مرگ اندر آید خوش توانی دن بجانانی

نفسانیوں کی توجہ تمام تر خواہشات نفسانی کی طرف مبذول ہوتی ہے۔ وَوَيْلٌ لِّلْكَافِرِينَ مِنْ عَذَابٍ شَدِيدٍ ۝ الَّذِينَ يَسْتَحِبُّونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا عَلَى الْآخِرَةِ

وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ وَيَبْغُونَهَا عِوَجًا ط أُولٰٓئِكَ فِي ضَلٰلٍ بَعِيدٍ ۝
کافروں کے حال پر افسوس ہے کہ یہ لوگ آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی زندگی
کو پسند کرتے ہیں اور اللہ کے رستے (پر چلنے) سے (لوگوں کو) روکتے اور اس
میں کجی پیدا کرنی چاہتے ہیں۔ یہی لوگ (ہیں جو) پرلے درجہ کی گمراہی میں ہیں۔

اس آیت میں انہیں لوگوں کی طرف اشارہ ہے۔ روحانیوں کو انبیاء اور
صدیق اور شہداء اور علماء کہتے ہیں اور نفسانیوں کو مجرمین اور فجار اور فساق
کہتے ہیں۔ انبیاء اور صدیق اور شہداء اور علماء کے افعال اور اقوال اور اعمال کو
سنت یا سنن کہتے ہیں۔ اور فساق کے افعال اور اقوال اور اعمال کو بدعت کہتے
ہیں۔ سنت تمامتر ہدایت اور بدعت ضلالت (گمراہی) ہے۔ آدم علیہ السلام سے
اس دم تک ایک ہی دین اور ایک ہی شریعت رہی ہے۔ اور اسکو اسلام یا دین
فطرت کہتے ہیں۔ دین اور شریعت میں کبھی فرق نہیں آیا۔

شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوحًا وَّالَّذِيٓ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا
بِهٖٓ إِبْرٰهِيمَ وَمُوسٰى وَعِيسٰٓى أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ ط كَبُرَ عَلَى
الْمُشْرِكِينَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ ط اَللّٰهُ يَجْتَبِيٓ إِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيٓ إِلَيْهِ
مَنْ يُّنِيبُ ۝ وَمَا تَفَرَّقُوٓا إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ط
وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ إِلٰٓى أَجَلٍ مُّسَمًّى لَّقُضِيَ بَيْنَهُمْ ط وَإِنَّ الَّذِينَ
أُورِثُوا الْكِتٰبَ مِنْ بَعْدِهِمْ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيبٍ ۝ (لوگو!) اس نے تمہارے
لیے دین کا وہی رستہ مقرر کیا ہے۔ جس (پر چلنے) کا اس نے نوح کو حکم دیا تھا اور (اے
پیغمبر!) تمہاری طرف (بھی) ہم نے اسی رستہ کی وحی کی ہے اور جسکا ہم نے
ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو (بھی) حکم دیا تھا کہ (اسی) دین کو قائم رکھنا اور اس میں
تفرقہ نہ ڈالنا (اے پیغمبر!) تم جس دین کی طرف مشرکین کو بلاتے ہو وہ ان کو بہت

شفاق کرتا ہو، جس کو چاہتا ہے انتخاب کرکے اپنی طرف کھینچ لاتا ہے اور جو اس کی
طرف رجوع لانے میں انھیں کو اپنے تک پہنچنے کا راستہ [illegible]
[illegible] تو سمجھ لے کہ یہ اپنی بات [illegible]
ایسے ہی [illegible] اگر تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک وقت مقرر [illegible]
[illegible] ان لوگوں کے [illegible] اختلافات کا فیصلہ
کبھی کا ہو گیا ہوتا اور جو لوگ ان کے بعد کتاب الٰہی کے وارث ہوئے
[illegible] اس کی طرف سے شک و شبہ میں پڑے ہیں۔

غرض کہ جب تک انبیا [illegible] قائم رہے لوگ سنت پر قائم رہے
جب انبیا اور صلحا دنیا سے اٹھ [illegible] تو پیچھے ایسے
[illegible] پیدا ہوئے کہ انہوں نے دین میں [illegible] اور قسم قسم کی بدعتیں پیدا
[illegible] جگہ بجائے سنت کے رواج ہو گیا۔ فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ
وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ۔ پھر ان کے بعد ایسے ناخلف جانشین
[illegible] نمازیں [illegible] نفسانی خواہشوں کے پیچھے پڑ گئے سو ان کی گمراہی
[illegible] آگے آئے گی۔ پس انبیا اور صلحا کے طریقے کو سنت اور اہل ہوا کے طریقہ
کو بدعت کہتے ہیں۔ اور ہم انبیا و صلحا کی پیروی کرنے والوں کو اہل سنت اور اہل
ہوا کی پیروی کرنے والوں کو اہل بدعت کہیں گے۔ اہل سنت کی تقلید مامور بہ
اور اہل بدعت کی تقلید حرام قطعی ہے۔ اہل سنت کی تقلید کو اللہ تعالیٰ نے
[illegible] اور اس کی فرضیت اور وجوب نص سے ثابت ہے۔ خدا تعالیٰ کلام مجید
[illegible] علیہ السلام اور اسحٰق اور یعقوب اور نوح علیہم السلام اور ان کی اولاد
[illegible] اور یوسف اور موسیٰ اور ہارون اور زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور
اور [illegible] اور یونس اور لوط علیہم السلام اور ان کی اولاد اور بھائیوں

ہدایت یافتہ ہونے کا ذکر فرما کر اخیر پر حکم دیا کہ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ ھَدَی اللّٰہُ فَبِھُدٰھُمُ اقْتَدِہْ قُلْ لَّآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا اِنْ ھُوَ اِلَّا ذِکْرٰی لِلْعٰلَمِیْنَ ۔ یہ وہ لوگ تھے جن کو اللہ نے راہ راست دکھائی تو (اے پیغمبر!) ان ہی کے طریقے کی (تم بھی) پیروی کرو (اے پیغمبر!) ان لوگوں سے کہدو کہ میں قرآن پر تم سے کچھ مزدوری (تو) نہیں مانگتا یہ قرآن تو دنیا جہان کے لوگوں کے لیئے نصیحت ہے۔

اہل سنت کی تقلید محمود ہے۔ اور اہل بدعت کی تقلید مذموم ہے اہل بدعت کے پاس اپنے باپ دادوں کی تقلید کی کوئی دلیل یا حجت نہیں ہوتی ہے۔ قُلْ اَرَءَیْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ اَرُوْنِیْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَھُمْ شِرْکٌ فِی السَّمٰوٰتِ اِیْتُوْنِیْ بِکِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ ھٰذَا اَوْ اَثٰرَۃٍ مِّنْ عِلْمٍ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ (اے پیغمبر! ان لوگوں سے) کہو کہ بھلا دیکھو تو سہی کہ خدا کے سوا جن کو تم پکارتے ہو (ایک نظر) مجکو تو دکھاؤ کہ اُنہوں نے کون سی زمین پیدا کی ہے یا آسمانوں (کے بنانے) میں اُن کا ساجھا ہے اگر تم (اپنے دعوے میں) سچے ہو۔ تو اس سے پہلے کی کوئی کتاب یا علمی روایت میرے سامنے پیش کرو۔

تمام بدعات عقلاً بھی بُری معلوم ہوتی ہیں۔ مگر چونکہ ان میں نفس و ہوا کا حصہ ہوتا ہے۔ اہل ہوا اور اہل بدعت۔ بدعت کو ترک نہیں کرسکتے ہیں۔ اور چونکہ سنت میں نفس کا کچھ چسکہ نہیں ہوتا۔ اہل ہوا پر سنت کا اختیار کرنا بہت شاق گزرتا ہے۔ خدا پناہ دے۔ بدعت کو اعتقادات اور عبادات اور معاملات سب میں دخل ہے۔ اہل ہوا کا کوئی حال یا عمل بدعت سے خالی نہیں۔ بدعت لغت میں نئی چیز کو کہتے ہیں۔ مگر دین میں اس فعل کو کہتے ہیں جو سنت کے برخلاف ہو۔ مثلاً اہل سنت کا یہ عقیدہ ہے کہ تمام کائنات کا خالق اور خیر کیمرا یک ذات

والاصفات ہے جسکو اللہ کہتے ہیں اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ۔ اسی ہی ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور وہی ہر چیز کا خبرگیراں ہے ۔

بعض اہل بدعت کہتے ہیں کہ کائنات کا خالق کوئی نہیں۔ یہ تمام اشیا خود بخود پیدا ہو کر فنا ہو جاتی ہیں۔ یہ زمانہ کا تغیر و تبدل ہے۔ نہ اسکا آغاز ہے نہ انجام ہے وَقَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا اِلَّا الدَّهْرُ ۚ وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۚ اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ۔ اور کہتے ہیں ہماری تو یہی دنیا کی زندگی ہے اور بس کہ یہیں مرتے ہیں اور یہیں جیتے ہیں اور زمانہ ہی ہم کو (ایک وقت خاص تک زندہ رکھ کر) مار دیتا ہے اور ان کو اسکی کچھ تحقیق تو ہے نہیں یہ تو نرے اٹکل کے تکے چلاتے ہیں ۔

اہل سنت کہتے ہیں کہ اللہ ایک ہے۔ بعض اہل بدعت کہتے ہیں کہ خالق دو ہیں شر کا خالق اہرمن اور خیر کا خالق یزدان کہلاتا ہے۔ اہل سنت کہتے ہیں کہ اللہ والد اور ولدیت سے بے نیاز ہے۔ اہل بدعت خدا کو اولاد والا ثابت کرتے ہیں۔ اہل سنت کہتے ہیں کہ ملائکہ خدا کی مخلوق موجود ہے۔ اہل بدعت کہتے ہیں کہ ملائکہ جدا مخلوق کوئی نہیں فرشتے کو قوائے طبعی سے تعبیر کرتے ہیں۔ اہل سنت کہتے ہیں کہ خدا نے بعض انبیاء پر کتابیں بھیجی ہیں۔ اہل بدعت کہتے ہیں کہ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ (خدا نے کسی بشر پر کوئی شے نازل نہیں کی) اہل سنت کہتے ہیں کہ خدا نے پیغمبر وقتاً فوقتاً ارسال کیے ہیں۔ اہل بدعت کہتے ہیں کہ خدا نے کوئی رسول نہیں بھیجا۔ اور نہ رسول کی ضرورت ہے اور نہ الہام اور وحی کی حاجت ہے سب باتوں کے سمجھنے کے لیے عقل کافی ہے۔ اہل سنت کہتے ہیں کہ ایک دن ایسا آئیگا کہ اس دن تمام مخلوق کا حساب کتاب ہوگا جسکو یوم الآخر کہتے ہیں۔ اہل بدعت کہتے ہیں کہ یوم الآخر کوئی نہیں۔ اہل سنت کہتے ہیں کہ خیر و شر کا خالق خدا ہے اور انسان اسکا

کا ہے۔ مگر اہل بدعت کہتے ہیں کہ خیر و شر انسان ہی پیدا کرتا ہے۔ اہل سنت
کہتے ہیں کہ مرنے کے بعد تمام لوگ پھر اٹھائے جائیں گے۔ اہل بدعت کہتے ہیں کہ یہ غلط
ہے کہ ہم مرے پیچھے جلا اٹھائے جائیں گے۔ وَقَالُوا إِنْ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ
بِمَبْعُوثِينَ ۔ اور کہتے ہیں کہ یہ جو ہماری دنیا کی زندگی ہے اس کے علاوہ اور کسی طرح
کی زندگی نہیں۔ اور یہ غلط ہے کہ ہم مرے پیچھے جلا اٹھائے جائیں گے۔ اہل سنت
کہتے ہیں کہ نماز روزہ اور زکوٰۃ اور حج اسلام کے فرض ہیں اور موجب نجات ہیں
اہل بدعت کہتے ہیں کہ خدا کو ہماری نماز کی کوئی ضرورت نہیں۔ اور روزہ ناحق کی
سزا ہے۔ اور زکوٰۃ آمدنی کا ایک ٹیکس ہے۔ اور حج عرب کے زمانہ جاہلیت کا ایک
دستور ہے۔ اہل سنت نے ایک قاعدہ مقرر کیا ہے کہ بعض مآکل اور ماکول اور
مشروب اور لباس کو حرام اور ممنوع قرار دیا ہے۔ اور بعض کو حلال اور مباح
جیسے والدہ اور خالہ اور بیٹیاں وغیرہ محرمات سے ہیں۔ اور ان کے ساتھ نکاح کرنا
حرام ہے۔ اہل بدعت سب سے نکاح کرنا جائز جانتے ہیں۔ اہل سنت بعض جاندار
مثلاً مردار اور خون اور سور اور خبیث حیوان جیسے چمگادڑ یا چوہا کو حرام جانتے
ہیں۔ اہل بدعت تمام اشیاء کو حلال اور مباح جانتے ہیں۔ اور شراب وغیرہ پینے
سے دریغ نہیں کرتے۔ اہل سنت کا لباس سفید اور سادہ نہ زیادہ کشادہ نہ زیادہ
تنگ ہوا کرتا ہے۔ اور نہ ریشمی کپڑا استعمال کرتے ہیں۔ اہل بدعت کا لباس یا تو
زیادہ کشادہ یا زیادہ تنگ ہوا کرتا ہے۔ بعض اہل بدعت زنانہ لباس پہنتے ہیں
بعض ریشمی لباس استعمال کرتے ہیں۔ بعض عورتوں کی طرح زیور پہنتے ہیں۔ اہل سنت
نہ داڑھی کو مونڈتے ہیں نہ گھوڑے کی دم کی طرح بہت لمبی کرتے ہیں نہ اس کو
گھونگر دار بناتے ہیں۔ اور مونچھوں کو لبوں کے پاس تراشتے ہیں۔ اہل بدعت
یا تو داڑھی بہت لمبی چھوڑتے ہیں یا بالکل منڈواتے ہیں اور مونچھوں کو لمبی لمبی

چھوڑتے ہیں۔ اہل سنت کی رفتار اور گفتار میں وقار ہوتا ہے۔ اور اہل بدعت کا سارا معاملہ بے قاعدہ ہوتا ہے۔ اہل سنت خواہ نبی یا صدیق یا شہید یا ولی یا بڑا عالم یا فاضل ہو سیدھا سادہ ہوا کرتا ہے۔ بازار میں پھرتا ہے۔ سودا سلف خود لاتا ہے۔ اپنے کپڑے خود سیتا ہے۔ جوتیوں کو خود گانٹھ لگا لیتا ہے۔ کچھ فرق فریب نہیں کرتا۔ وہ عام لوگوں میں ملا جلا رہتا ہے۔ مگر اہل بدعت اگر تھوڑی سی ریاضت بھی کرے بڑے کر و فر سے رہتا ہے۔ اکثر پالکیوں میں پھرتا ہے یا پلنگ میں۔ لوگوں کی گردنوں پر سوار رہتا ہے کسی سے معافی نہیں کرتا۔ آپ میں خبط رکھتا ہے۔

مجھے ایک دفعہ کسی جنازے میں شریک ہونا پڑا۔ وہاں اتفاق سے ایک مبتدع بھی آیا جب جنازے سے فراغت ہوئی اور میت دفنائی گئی اور لوگ گاؤں کی طرف چلے تو اس بدعتی کو لوگ اس طرح ہاتھوں میں اٹھائے ہوئے تھے جیسے کہ مکڑی کو چیونٹیاں اٹھا لیتی ہیں۔ اور وہ اس حال میں بڑا خوش تھا۔ ایک شخص نے فقیر راقم کو مخاطب کیا کہ یہ کیسا بڑا ولی ہے۔ میں نے کہا کہ یہ ولی نہیں ورنہ اس حالت سے خوش نہ ہوتا۔ اور نیز یہ جاہل ہے۔ لَا يَتَّخِذُ اللّٰهُ جَاهِلًا وَلِيًّا خدا تعالیٰ جاہل کو دوست نہیں بناتا۔ وہ بدعتی بے علم بھی تھا۔ نوشت و خواند تک نہیں جانتا تھا۔ دستخط کی جگہ انگوٹھا لگاتا تھا۔ اور علم شریعت سے بالکل ناآشنا تھا غرض کہ سنت کا طریقہ ایک ہی ہے اور وہی صراط مستقیم ہے اور اسکی پیروی کرنی چاہیئے۔ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۚ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۔ اور فرمایا کہ یہی ہمارا سیدھا راستہ ہے تو اسی پر چلے جاؤ اور (دوسرے) رستوں پر نہ چلنا کہ یہ تم کو خدا کے رستے سے (بھٹکا کر) تتر بتر کر دیں گے۔ غرض یہ (سب) باتیں اہل

جن کا خدانے تم کو حکم دیا ہے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔

پرعتیں بے شمار ہیں۔ اگر کسی کو زیادہ جستجو مطلوب ہو تو کتاب غنیۃ الطالبین کو مطالعہ کرے وہاں اہل بدعت کے تمام فرقوں کی تفصیل موجود ہے۔ میں یہاں تمام کو نقل نہیں کر سکتا کہ موجب طوالت ہے۔ نتیجہ اس تمام تحریر کا یہ ہے کہ اہل بدعت کی تقلید حرام ہے۔ اور اہل سنت کی تقلید واجب ہے۔ بلکہ نظام عالم ہی تقلید سے وابستہ ہے۔ بلکہ عدم تقلید میں سراسر گمراہی ہے۔ اگر عزازیل دیگر فرشتوں کی تقلید کرکے آدم کو سجدہ کر لیتا تو اسکا نام ابلیس اور شیطان الرجیم نہ پڑتا اور نہ ملعون ہوتا۔ کسی کے قول یا فعل کی پیروی بغیر دلیل اور حجت کے حق سمجھکر کرنا تقلید ہے اور جو لوگ بڑے مدارج اور منازل پر پہنچے ہیں۔ تقلید سے پہنچے ہیں۔ بزرگوں کی باتوں میں چھیڑ چھاڑ کرنا شقاوت کی نشانی ہے۔ اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ ۚ فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّاَجْرٍ كَرِيْمٍ۔ تم تو بس اسی کو ڈرا سکتے ہو جو سمجھانے پر چلے اور بے دیکھے (خدائے) رحمٰن سے ڈرے تو اسکو گناہوں کی معافی اور (اعمال نیک کے بدلے میں) عزت کے اجر کی خوشخبری سنا دو۔

اگر فرعون بادشاہ مصر موسیٰ علیہ السلام کی تقلید کرتا تو ہلاک نہ ہوتا۔ جو قومیں مثل قوم نوح و عاد و ثمود تباہ ہوئیں۔ عدم تقلید اور معجزہ طلب کرنے سے ہوئیں۔ قَالُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۭ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَاۗؤُنَا فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ۔ وہ لگے کہنے کہ تم بھی تو بس ہماری ہی طرح کے آدمی ہو چاہتے ہو کہ جن (معبودوں) کو ہمارے بڑے پوجتے آئے ہیں ان (کی پرستش) سے ہمکو روک دو (اچھا تو اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو) تو ہم کو (ہماری خواہش کے مطابق) کوئی (صاف) صریح معجزہ لا دکھاؤ۔

فرزند کو اپنے والد اور شاگرد کو اپنے استاد خواہ کسی پیشے کا استاد ہو

تعلیم و تعلم کا۔ اور نوکر کو اپنے آقا اور مرید کو اپنے مرشد کی تقلید و پیروی لازم
اور لابدی ہے۔ اگر جرمن افواج جنرل ہنڈنبرگ اور میکنسن اور دیگر سپہ سالاروں
کی تقلید اور پیروی نہ کرتی تو روس جیسی عظیم الشان سلطنت کو برباد نہ کرتی۔ اور
رومانیہ کو شکست فاش نہ دیتی۔ ہر کام میں نیکوں کی تقلید ضرورت ہے۔ اگر سلوک
میں تقلید کی اشد ضرورت ہے۔ مرید کے دل میں پیر کی طرف سے اگر ذرا سا شک
بھی آجاتا ہے تو پیر فوراً اسکو نکال دیتا ہے۔ اور وہ مرید ہمیشہ کے لیے راندۂ درگاہ
الٰہی ہو جاتا ہے اگر موسیٰ علیہ السلام خضر علیہ السلام کی تقلید کرتے اور تحقیق نہ کرتے
تو خضر علیہ السلام هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَبَيْنِكَ کہنے پر مجبور نہ ہوتے اور موسیٰ علیہ السلام
پر بڑے بڑے اسرار کا انکشاف ہو جاتا۔ جو کوئی سنت کی تقلید و پیروی کرتا ہے
اسکو مومن اور جو بدعت کی پیروی کرتا ہے اسکو فاسق کہتے ہیں۔ مومن اور فاسق
برابر نہیں۔ أَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا لَا يَسْتَوُونَ ۝ أَمَّا الَّذِينَ
آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ جَنَّاتُ الْمَأْوَىٰ نُزُلًا بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ وَ
أَمَّا الَّذِينَ فَسَقُوا فَمَأْوَاهُمُ النَّارُ كُلَّمَا أَرَادُوا أَنْ يَخْرُجُوا مِنْهَا أُعِيدُوا
فِيهَا وَقِيلَ لَهُمْ ذُوقُوا عَذَابَ النَّارِ الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تُكَذِّبُونَ ۝ وَلَنُذِيقَنَّهُمْ
مِنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۝ وَمَنْ أَظْلَمُ
مِمَّنْ ذُكِّرَ بِآيَاتِ رَبِّهِ ثُمَّ أَعْرَضَ عَنْهَا إِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِينَ مُنْتَقِمُونَ ۝
تو کیا ایمان لانے والا اسکے برابر ہو جائیگا جو نافرمانی کرتا ہے (دونوں فریق ہرگز برابر
نہیں ہو سکتے تو جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل (بھی) کیے ان کے لیے رہنے
کو باغ ہونگے (یہ) مہمانداری انکے (نیک) عملوں کا بدلہ ہے، جو (دنیا میں) کرتے رہے
اور جو لوگ نافرمانی کرتے رہے ان کا ٹھکانا دوزخ ہوگا۔ جب جب اُس سے نکلنا چاہینگے
اُسی میں لوٹا دیے جائینگے۔ اور اُن سے کہا جائیگا کہ جس عذاب دوزخ کو تم جھٹلاتے رہے

اب اسی کے مزے چکھو۔ بڑے عذاب سے پہلے ہم ان کو ایک عذاب کا مزہ بھی چکھائینگے جو عنقریب ہوگا تاکہ یہ لوگ (ہماری طرف) رجوع کریں۔ اور اس سے بڑا ظالم کون ہی کہ اسکو اُسکے پروردگار کی آیتوں سے نصیحت کی جائے اور وہ ان سے مُنہ پھیرے۔ بیشک ہم گنہگاروں سے بدلہ لیکر رہیں گے۔

جو قول یا فعل خلاف سنت ہو اور مرتکب اس کا جانتا ہو کہ یہ عمل خلاف سنت ہی تو اسکو خطا یا اثم اور گناہ کہتے ہیں۔ مثلاً ایک شخص غیر کا مال کھاتا ہی یا غیر کی عورت سے مباشرت کرتا ہے اور وہ جانتا ہے کہ شریعت میں اس کی اجازت نہیں تو یہ گناہ ہے اور جو کوئی حرام حلال میں تمیز نہیں کرتا جیسے زندیق اور اباحتی تو یہ بدعت اور فسق ہے۔ الٰہ العالمین ہر کسی کو بدعت سے پناہ دے یا ایک شخص ریشمی کپڑا پہنتا ہے اور اسکو حرام جانتا ہے تو یہ گناہ ہے مگر جو شخص ریشمی کپڑے کو مباح جانتا ہے تو یہ بدعت ہی۔ یا ایک نوجوان آدمی اپنی ڈاڑہی کو جوانی کی مستی میں منڈواتا ہے اور اسکو بُرا جانتا ہے تو یہ گناہ ہے مگر جو عمر رسیدہ شخص ڈاڑہی منڈواتا ہی اور اُسکو مباح جانتا ہے تو یہ بدعت ہی جو کام ذرہ بھی خلاف سنت ہو وہ بدعت ہی اور بُرا ہے مگر بعض بدعت دوسری بدعت سے زیادہ قبیح اور غلیظ ہوتی ہے۔ مثلاً حرام مال میں اباحت۔ لباس کی اباحت سے زیادہ قبیح ہوتی ہے۔ یعنی حرام کھانا ننگ حد یا ریشمی کپڑے پہننے سے زیادہ غلیظ ہے۔ مگر جہاں تک ہوسکے بدعت سے بچنا چاہیئے۔ انبیاء اور انکے حواریوں اور حکماء الٰہی اور انبیاء کے ورثاء یعنی علماء دین کی تقلید کو سنت کہتے ہیں اور حکماء بے دین اور زنادیق کی پیروی بدعت ہی۔ جہاں تک ہوسکے نیکوں کی تقلید کرنی چاہیئے کہ ذرہ ذرہ کا حساب ہوگا۔

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ۔ وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ۔ وَ قَالَ

اِلْاِنْسَانُ مَالَهَا ۔ یَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ۔ بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا ۔ یَوْمَئِذٍ یَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا لِّیُرَوْا اَعْمَالَهُمْ ۔ فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْرًا یَّرَهٗ ۔ وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا یَّرَهٗ ۔ جب زمین بڑے زور سے ہلا دی جائے۔ اور یہی زمین اپنے دفینے نکالدے اور انسان بول اٹھے کہ اسے کیا ہو گیا۔ اس دن یہ اپنی خبریں بیان کردے گی۔ اس لئے کہ تمہارا پروردگار اسکو حکم دے گا۔ اس دن لوگ (میدان حشر میں جمع ہو کر) وہاں سے مختلف حالتوں میں (حساب کتاب کے لئے) لوٹیں گے تاکہ انکے عمل انکو دکھائے جائیں تو جس نے ذرہ بھر نیکی کی (ہوگی) وہ اس (نیکی) کو (بچشم خود) دیکھ لے گا۔ اور جس نے ذرہ بھر برائی کی (ہوگی) اس (برائی) کو (بچشم خود) دیکھ لے گا۔ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ۔

(حاجی) محمد اسد کاکاخیل اویسی

تضمین برغزل خان بہادر پیر مظفر احمد صاحب فضلی

ابتدا آئے زندگی کے دن بھلے — نام محسری قسمت کا دے
ساقیا ہاں دور ساغر کا چلے — بستم از جام تو سستم یافلے
سرخوش از نام تو ہستم یافلے

تخت و تاج لے ساقیا کس کام کے — زندگی کے ساتھ سو جھگڑے لگے
رند ہوں میں یہ ہی کافی مجھے — ستم از جام تو سستم یافلے
سرخوش از نام تو ہستم یافلے

دل گرفتار خیال نرگساں — رمع معرف نشاطِ جاوداں
قید تسبیح و مصلے اب کہاں — یافلے یاراں کہ در دیر مغاں
عہد با پیمانہ بستم یافلے،

ایک رند مست صہبائے کہن — سرخوش شرب سرور روح و تن
میکدے میں ہر طرح تھا نعرہ زن — محتسب پیمانہ ام بشکست و من
محتسب را سر شکستم یافلے

پیر میخانہ سے کہنا اے صبا! — بار ہجراں سے تن لاغر دبا
چاک کر دی میں نے دستار و قبا — خرقۂ سالوس را کردم قبا
بر میاں زنار بستم یافلے

کیوں اٹھاؤں غیر کے جور و ستم — کیوں سہوں میں تشنہ کامی کے الم
مست ساقی کروں کیوں صبا دم — کام دل یا از فضل رحم یا قسم
جام جسم آمد بدستم یافلے

... باخبر جہاں ... شاں — تو ... قب آئی چ ...

مصنفات حضرت خواجہ حسن نظامی کی کتاب

میلاد نامہ

معہ

رسول بیتی

[illegible] جناب رسول [illegible] ہے [illegible] آنحضرت [illegible] حال [illegible]
مشہور و صحیح روایتوں [illegible] گیا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بزرگوں کے حالات سے شروع
کیا ہے [illegible] نظم و نثر کی [illegible] سے قلمبند کرکے بچپن جوانی کے کل واقعات لکھے ہیں
[illegible] حالات [illegible] آنحضرت کی [illegible]
[illegible] آخر میں آپ کے اخلاق و عادات و لباس طعام وغیرہ کی کیفیت ہے۔

میلاد نامہ کی زبان ایسی آسان اور دلچسپ ہے کہ بچے اور عورتیں بلا تکلف پڑھ سکتے ہیں
[illegible] ہندوستان [illegible] شائع ہوتے ہی [illegible]
[illegible] ختم ہو گیا [illegible] قیمت ایک روپیہ

مصنفات حضرت خواجہ حسن نظامی کی کتاب

محرم نامہ

یہ وہ کتاب ہے جس کا مضمون شیعہ سنی دونوں فرقوں [illegible] اور جس کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ [illegible]
[illegible] ہزاروں [illegible] فروخت ہوگئی [illegible]
[illegible] سنی علماء و شیعہ مجتہدین کا اتفاق ہے کہ ایسی
[illegible] کتاب [illegible] جس میں حضرت [illegible] خلافت [illegible] اور [illegible] جھگڑا [illegible]
[illegible] بیان ہوا [illegible] اختلاف کی گنجائش نہ [illegible] ملک کے تمام مشہور لوگوں نے [illegible]
[illegible] بہترین کتاب [illegible] اسلام کی ابتدائی تاریخ سے [illegible]
ہوا [illegible] حقیقت جان جاتے [illegible] محرم نامہ میں کربلا کی دردناک لڑائی کا نظارہ ایسا لکھا ہے کہ [illegible]
آنکھوں کے سامنے [illegible] پڑھنے والے [illegible] بےقرار ہوجاتے ہیں جنگ جمل [illegible]
[illegible] محرم نامہ کے سوا کسی اردو کتاب میں نہیں ہے قیمت [illegible]

المشتہر منیجر رسالہ نظام المشائخ دہلی

دلی پرنٹنگ ورکس دہلی میں چھپا

کلماتِ حضرت شیخ اکبرؒ [1]

جو علم اہل اللہ کے واسطے مخصوص ہے اسکی حسب ذیل سات اقسام ہیں اِنکا
واقف حقیقی واقف ہے اور ہر علم الحقائق کا کوئی مسئلہ خواہ کیسا ہی مشکل ہو بغیر
منکشف ہوئے نہیں رہتا۔

۱۔ معرفت اسمائے الٰہی ۲۔ معرفت تجلیات الٰہی۔
۳۔ معرفت لسان اللہ بزبان شریعت ۴۔ معرفت کمال و نقص وجود
۵۔ معرفت انسان بجہت حقائق ۶۔ معرفت کشف خیالی
۷۔ معرفت امراض و ادویہ

اصحاب کمال ان علوم کو سکھلاتے ہیں جن کا نام صوفیا ئے کرام اور فقرائے
عظام ہیں۔

پابند شریعت اور صحیح العقل عوام کے عقیدے سادہ اور درست ہونے ہیں
وہ صحیح الفطرت اور سچے مسلمان ایسے ہی ہیں کہ انکے والدین یا مربیوں نے
خدائے تعالیٰ، قرآن مجید اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت نصائح مفیدہ
کی ہیں۔ اللہ پاک کا فضل ہے کہ عوام اہل اسلام عقائد سلیمہ رکھتے ہیں۔ بحمد اللہ

دلائل دو قسم کی ہیں (۱) سمعی (۲) عقلی۔

جب ان دونوں دلیلوں سے کوئی امر ثابت ہو جائے۔ اور اسکا یہ عہدہ طرح
اُن کے معیار پر صحیح اترے تو بلا شک و شبہ ٹھیک ہے۔ طالب حق کا عقیدہ
قرآن مجید کے موافق ہونا چاہیئے۔

[1] شیخ اکبر سے مراد حضرت شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہود نے فرمایش کی کہ اللہ پاک کی کوئی تعریف بیان فرمائیں۔ چنانچہ وحدہ لاشریک لہ نے سورۂ اخلاص نازل فرمائی اور اسکے واسطے کوئی دلیل نظری قائم نہ فرمائی۔ اگر ارشاد ہوا تو اتنا۔ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ (کہہ دو خدا ایک ہی) اس میں ایک کا۔ جو ثابت کیا اور تعدد کی نفی فرمائی۔ خدائے پاک کا یگانہ و یکتا ہونا ثابت ہے۔ اَللّٰهُ الصَّمَدُ (اللہ بے نیاز ہے) اس میں خدائے پاک کی نفی جسمانیت کی ہے۔ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ میں والد اور ولد دونوں کی نفی ہے وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ۔ اسمیں بیوی کی نفی ہے۔

خدائے پاک ارشاد فرماتا ہے۔ لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا (زمین و آسمان میں اگر کئی خدا ہوتے تو کائنات تباہ ہو جاتی) یہ کلام کس قدر غور کے قابل ہے اور ہر ذی ہوش خیال کر سکتا ہے کہ معبود صرف ایک ہی ہونا چاہئے تھا۔ دنیا میں اور بھی مذاہب ہیں۔ جن میں متعدد خداؤں کا وجود ہے۔ لیکن جاننے والے جانتے ہیں کہ تعدد نے کتنی خرابیاں پیدا کر رکھی ہیں۔ سب سے بڑی خرابی تو یہی ہے کہ سوائے اسلام کے اور کسی میں روحانیت باقی نہیں۔

خدائے پاک بے مثل ہے۔ وہ فرماتا ہے لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَّهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ (خدا کی مثل کوئی چیز نہیں وہ دیکھنے اور سننے والا ہے)۔

مومنوں کو آخرت میں خدا کا دیدار ہوگا۔ قرآن مجید وعدہ کرتا ہے وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ (قیامت کے دن بہت سے تر و تازہ منہ اپنے رب کو دیکھنے والے ہونگے) وَكَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ (قیامت کے دن کافر اپنے رب سے حجاب میں ہوں گے)۔

خدائے پاک قادر مطلق ہے اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (خدائے پاک ہر چیز پر قادر ہے)۔

خدائے پاک ہر شئے پر علم رکھتا ہے وَاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا (خدا کے علم نے ہر شئے کا احاطہ کیا ہے)۔

خدائے پاک نے ارادہ کا مالک ہے فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ (خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے)۔

خدائے پاک سننے اور دیکھنے والا ہے وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ (خدا سمیع اور بصیر ہے)۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ قرآن مجید ہے جو ایسا معجزہ ہے جسکے واسطے منکرین کو چیلنج کیا گیا تھا کہ وَاِن ... فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ (اگر کوئی سورہ اس کی مثل سے بنا لاؤ) لیکن وہ لوگ عاجز رہے۔ اسکے بعد اللہ پاک نے ارشاد فرمایا ہے قرآن پاک ہمارا کلام ہے اس لئے اسکا مقابلہ کبھی کوئی بھی نہ کر سکے گا۔

خدائے پاک نے قرآن مجید میں ایسے لوگوں کا بھی ذکر کیا ہے جنہوں نے قرآن مجید کے مقابلہ کا ارادہ کیا اور عاجز ہوئے۔

خالق اکبر نے اپنے کلام متبرک میں مسلمانوں کے واسطے خیر و برکت اور مریضان شک و جہل کے لیے شفا رکھی ہے۔ وہ وعدہ فرماتا ہے کہ قرآن مجید میں سینہ کی تمام بیماریوں کی دوا موجود ہے۔ الحمدللہ۔

علم کلام کی ضرورت کی بابت میں گفتگو کلام ہو سکتا ہے لیکن یہ ضرورت نہیں ہے کہ ہر شخص اس سے مستفیض ہونا فرض ہو بلکہ طبیب کی طرح ایک شہر میں اگر ایک عالم علم کلام موجود ہو تو وہی کافی ہے۔ البتہ ضرورت تو علمائے شریعت کی ہے کہ ہر شخص انکا محتاج ہے۔ مرنے کے بعد خدائے پاک کسی شخص سے علم کلام کی اصطلاحات کو نہیں دریافت فرمائیگا بلکہ سوال ہوگا تو امور شریعت کے علم یا جہل کا۔ لہذا طالب حق کو لازم ہے کہ جو عقیدہ عامہ اہل اسلام کا مسلّم ہے اُسے بغیر دلیل و برہان مضبوط پکڑ لے۔ اللہ تعالیٰ

توفیق نیک نصیب کرے۔ آمین۔ محمد شفیع [illegible]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہود نے فرمایش کی کہ اللہ پاک کی کوئی تعریف بیان فرمائیں۔ چنانچہ وحدہٗ لاشریک لہٗ نے سورۂ اخلاص نازل فرمائی اور اُنکے واسطے کوئی دلیل نظری قائم نہ فرمائی۔ اگر ارشاد ہوا تو اتنا۔ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ۔ (کہدو خدا ایک ہی) اس میں ایک کا وجود ثابت کیا اور عدد کی نفی فرمائی۔ خدائے پاک کا یگانہ و یکتا ہونا ثابت ہے۔ اَللّٰهُ الصَّمَدُ (اللہ بے نیاز ہے) اسمیں خدائے پاک کی نفی جسمانیت ہی۔ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ میں والد اور ولد دونوں کی نفی ہی وَلَمْ یَکُنْ لَّهٗ کُفُوًا اَحَدٌ۔ اسمیں بیوی کی نفی ہے۔

خدائے پاک ارشاد فرماتا ہے۔ لَوْ کَانَ فِیْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا۔ (زمین و آسمان میں اگر کئی خدا ہوتے تو کائنات تباہ ہو جاتی) یہ کلام کس قدر غور کے قابل ہے۔ اور ہر ذی ہوش خیال کر سکتا ہے کہ معبود صرف ایک ہی ہونا چاہئے تھا۔ دنیا میں اور بھی مذاہب ہیں۔ جن میں متعدد خداؤں کا وجود ہے۔ لیکن جاننے والے جانتے ہیں کہ تعدد نے کتنی خرابیاں پیدا کر رکھی ہیں۔ سب سے بڑی خرابی تو یہی ہے کہ سوائے اسلام کے اور کسی میں روحانیت باقی نہیں۔

خدائے پاک بے مثل ہے۔ وہ فرماتا ہے لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْءٌ وَّهُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ (خدا کی مثل کوئی چیز نہیں وہ دیکھنے اور سننے والا ہے)۔

مومنوں کو آخرت میں خدا کا دیدار ہوگا۔ قرآن مجید وعدہ کرتا ہے وُجُوْهٌ یَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰی رَبِّهَا نَاظِرَةٌ (قیامت کے دن بہت سے تر و تازہ منہ اپنے رب کو دیکھنے والے ہونگے) وَکَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ یَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ (قیامت کے دن کافر اپنے رب سے حجاب میں ہوں گے)۔

خدائے پاک قادر مطلق ہے اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (خدائے پاک ہر چیز پر قادر ہے)۔

خدائے پاک ہر شئے پر علم رکھتا ہے وَاِنَّ اللّٰہَ قَدْ اَحَاطَ بِکُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا (خدا کے علم میں ہر شئے کا احاطہ ہے)۔

خدائے پاک اپنے ارادے کا مالک ہے۔ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ (خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے)۔

خدائے پاک سننے اور دیکھنے والا ہے وَھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ (خدا سمیع اور بصیر ہے)۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ قرآن مجید ہے۔ یہ ایسا مستحکم اعجاز ہے جسکے واسطے منکرین کو حکم دیا گیا تھا کہ فَاْتُوْا بِسُوْرَۃٍ مِّنْ مِّثْلِہٖ (کوئی سورۃ مثل اسکے بنا کر لاؤ) لیکن وہ لوگ عاجز رہے۔ اسکے بعد اللہ پاک نے ارشاد فرمایا کہ قرآن پاک ہمارا کلام ہے۔ اس لئے اسکا مقابلہ کبھی کوئی بھی نہ کرسکے گا۔

خدائے پاک نے قرآن مجید میں ایسے لوگوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ جنھوں نے قرآن مجید کے مقابلہ کا ارادہ کیا اور عاجز ہوئے۔

خالق اکبر نے اپنے کلام متبرک میں عقلمند کے واسطے خیر و برکت اور مریضان شک و جہل کے لئے شفا رکھی ہے۔ وہ وعدہ فرماتا ہے کہ قرآن مجید میں سینہ کی تمام بیماریوں کی دوا موجود ہے۔ الحمد للہ۔

علم کلام کی بزرگی میں کسکو کلام ہوسکتا ہے لیکن یہ ضرورت نہیں ہے کہ ہر شخص اس سے مستفیض ہونا فرض ہو بلکہ طبیب کی طرح ایک شہر میں اگر ایک عالم علم کلام موجود ہو تو وہی کافی ہے۔ البتہ ضرورت تو علمائے شریعت کی ہے کہ ہر شخص انکا محتاج ہے۔ مرنیکے بعد خدائے پاک کسی شخص سے علم کلام کی اصطلاحات کو نہیں دریافت فرمائیگا بلکہ سوال ہوگا تو امور شریعت کے علم یا جہل کا ہوگا۔ لہٰذا طالب حق کو لازم ہے کہ جو عقیدہ عامہ اہل اسلام کا مسلّم ہے اُسے بغیر دلیل و برہان مضبوط پکڑے۔ اللہ تعالے توفیق نیک نصیب کرے۔ آمین۔

مساواتِ اسلامی

گئے دولتسرائے سیدہ پر ایکدن سلماںؓ
نظر آیا تجلی زار وہ کاشانۂ عرفاں

تجلی نورِ حق کی چھن رہی تھی گوشہ گوشہ سے
در و دیوار پہ چھائی ہوئی تھی ہیبتِ یزداں

تھی مصحف تھے بچے مصحف ناطق کے پارے تھے
زمیں بارِ امانت سے دبی تھی حاملِ قرآں

جبینوں نے یہاں تک خاک کی عزت بڑھائی تھی
شبستاں کا ہر اک ذرہ بنا تھا کوکبِ ایماں

وہ گھر گو پست تر تھا شہپرِ اکثر کا نور سے
مگر تھا اونچا اُس سے کم پہ ہر اک سقفِ گنبد گرداں

نہ سلی چار دیواری نہ تھی کچھ اسکی مستحکم
گھر ایسا تھا کہ جسکے رو کے ہیں قائم عالم کے ارکاں

متاعِ دنیوی سے پاک مانندِ دلِ عارف
قناعت اور توکل کا مگر سامان باساماں

نگاہِ زہد پرور سے یہ صورت اسطرح دیکھی
اُبل آیا دلِ سلماں سے اور اک چشمۂ ایماں

امینِ وحی کا شہزادہ اک جانب تڑپتا تھا
نبیؐ کی لاڈلی بیٹی مگر تھی آسیا گرداں

بھرے جاتے تھے موتی جیسے لوحِ مصحف پر
یہ محنت سے جبینِ سیدہ تھی یونہی افشاں

لہو احمدؐ کا دستِ فاطمہؓ سے بہتا جاتا تھا
محیطِ آسیا تھا اور خوں بحرِ مرجاں

یہ حالت دیکھکر سلماںؓ کی تعرض "شہزادی"!
مشقت اسقدر اس ناتوانی پر نہیں شایاں

کہاں ہے وہ کنیزِ خاص فضہ نام ہے جسکا
اُسے تو بہرِ خدمت دیجئے ہیں سیدِ دوراں

یہ سن کر سیدہ فاطمہؓ نے ارشاد فرمایا
ملا ہے بارگاہِ احمدیؐ سے ہمکو یہ فرماں

کروں اک روز گھر کا کام میں اور ایکدن فضہ
یہی ہے مرضیٔ مولیٰ یہی ہے مرضیٔ یزداں

مساوات اسکو کہتے ہیں یہی ہیں اخلاقِ اسلامی
یہ باتیں ہیں کہ جن پر مظہرِ اسلام ہے نازاں

عزیز لکھنوی

رؤیائے صالحین

رؤیائے صالحین کے درجہ اور عظمت کا اندازہ اس ایک امر سے ہو سکتا ہے کہ وحی کا پہلا زینہ یہ سلسلہ تھا کہ انبیاء علیہم السلام کو اول اول عمدہ اور پاکیزہ خوابوں کے ذریعہ بشارت دی جاتی تھی۔ اسکے بعد الہام و وحی کا نمبر تھا۔ اسلیے سچے خواب بھی گویا ایک طرح خداوند عزوجل کا لطف و الہام ہے۔

اور بزرگان دین رحمہم اللہ علیہم سے تو بہت سے ایسے حالات منقول ہیں کہ ہیں کہ خواب ہی انکے زہد و تقوی کے مرتبہ کے باعث ہوئے۔ اور رؤیائے صالحہ کے ذریعہ انہوں نے رشد و ہدایت حاصل کی۔ بعض اوقات غلطی پر خواب کے ذریعہ متنبہ ہوئے کبھی حسن اعمال کی ترغیب اور کبھی قبیح افعال کی توبیخ۔ غرضکہ صالحین کے رؤیا صادقہ یا بھی صالح موجب خیر و برکت اور باعث رشد و ہدایت ہوتے ہیں بہت سی ایسی باتیں ہیں جن کو تم ہیچ اور حقیر و ذلیل سمجھتے ہو اور انکی طرف کبھی تمکو اعتنا نہیں ہوتا۔ مگر بزرگوں کو اسی خواب کے ذریعہ اس حقیر عمل کی عظمت منکشف ہوتی ہے اور بہت سے لوگ اس عمل حقیر کی وجہ سے خداوند قدوس کی خوشنودی حاصل کر چکے ہیں۔ اسی طرح بہت سے افعال ہیں جنکو معمولی سمجھکر تم اُنسے بچنے اور باز رہنے کی کوشش نہیں کرتے ہو۔ حالانکہ بزرگان کرام کے خوابوں کے مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے لوگوں سے معمولی فروگذاشت پر سخت مواخذہ کیا گیا ہے۔

چونکہ خواب اور رؤیا کے ذریعہ انسان اپنی سعادت و شقاوت کا حال معلوم کر سکتا ہے۔ یعنی اگر اسکو عمدہ اور صالح خواب نظر آئے ہوں تو اس سے اسکی حالت حسن کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ اور اسکے برخلاف اُسکی برعکس حالت پر روشنی پڑتی ہے

اس لیے ہم آج اس عنوان سے بعض بزرگان دین کے خواب لکھتے ہیں جو علاوہ عجیب ہونیکے مفید بھی ہیں۔ اور انسے عمدہ سبق حاصل کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ ایک بزرگ کا قول ہے کہ مومن کو خواب سے مسرت و خوشی حاصل ہوتی ہے۔ اور وہ مغالطے میں نہیں پڑتا۔ یعنی مومن کامل کی گویا پہچان یہ ہوئی کہ اسکو اچھے خواب نظر آئیں کیونکہ مسرت تو اچھے ہی خواب سے حاصل ہو سکتی ہے۔

سب سے پہلے ان خوش نصیب اور خوش قسمت بزرگوں کے خواب لکھے جاتے ہیں جن کو خداوند تعالیٰ نے اپنے دیدار کی نعمت سے سرفراز فرمایا۔

مکارم الاخلاق میں لکھا ہے کہ احمد بن خضرویہ نے حضرت رب العزۃ کو خواب میں دیکھا۔ اللہ عزوجل نے ان سے کلام کیا۔ اور فرمایا سب لوگ مجھ سے جنت مانگتے ہیں مگر ابو یزید کہ وہ صرف میرا طالب ہے۔ خود حضرت ابو یزید نے جناب باری کو خواب میں دیکھا اور عرض کی کہ اے رب! "کیف الطریق الیک"۔ یعنی تیری طرف آنے کا کونسا راستہ ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا۔ "اترک نفسک و تعال الی"۔ یعنی اپنے نفس کو چھوڑ دے اور میری طرف چلا آ۔ سچ ہے ؎

حجاب چہرہ ندارد نگار دلکش ما　　　تو خود حجاب خودی حافظ از میاں برخیز

خیرۃ الخیرہ میں مذکور ہے کہ امام احمد حنبل رضی اللہ عنہ نے رب العزۃ کو خواب میں دیکھا اور عرض کیا کہ "یارب ما افضل ما تقرب بہ المتقربون الیک"۔ فرمایا۔ "بکلامی یا احمد"۔ یعنی میرے کلام کے ذریعہ تقرب ڈھونڈھنا سب سے زیادہ افضل ہے۔ اسکے بعد حضرت احمد حنبل رضؓ نے عرض کیا "بفہم و بغیر فہم" یعنی سمجھکر یا بے سمجھے۔ ارشاد ہوا "بفہم او بغیر فہم"۔ یعنی سمجھکر بھی اور بغیر سمجھے بھی۔

ان لوگوں کے بعد جن کو جمال رب پاک کا دیدار نصیب ہوا۔ پھر وہ لوگ خوش بخت و خوش قسمت ہیں جن کی آنکھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے منور ہوئیں

حضرت ابو سعید خراز رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت
رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھے
معاف کیجیے اللہ کی محبت نے آپ کی محبت سے مشغول رکھا۔ حضرت نے
ارشاد فرمایا اے مبارک جس نے اللہ کو دوست رکھا اس نے مجھ کو دوست رکھا۔

حضرت صالح مری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے حضور کو خواب
میں دیکھا۔ اور آپ پر قرآن پڑھا۔ آپ نے مجھ سے فرمایا کہ "یا صالح ہذہ القراۃ فاین البکاء"
یعنی اے صالح یہ تو قراءۃ ہوئی رونا کہاں ہے؟ اس سے رقت وخشوع قلب کی
محبوبیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

نیز تفسیر میں مذکور ہے کہ حضرت محمد بن حنیف نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کو خواب میں دیکھا کہ آپ فرماتے ہیں۔ من عرف طریقا الی اللہ فسلکہ ثم رجع
عنہ عذبہ اللہ عذابا لم یعذب بہ احدا من العالمین۔ یعنی جس نے اللہ
کے رستہ کو دریافت کر لیا۔ اور چلا اس پر پھر لوٹ پڑا اس راستے سے اللہ تعالیٰ اس کو
ایسے سخت عذاب میں مبتلا کرتا ہے کہ کسی کو دنیا والوں میں سے اسقدر سخت عذاب نہیں
دیتا۔ اس ارشاد سے ہدایت کے بعد ضلالت اختیار کرنے کی شقاوت کا حال معلوم ہوتا
ہے ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا۔

نواب صدیق حسن خان صاحب اپنی کتاب الدار والدوار میں لکھتے ہیں کہ ایک
شخص کا باپ کہ مر گیا تو اس کا منہ بعد مرنے سیاہ ہو گیا۔ اور پیٹ پھول گیا اس کے
بیٹے نے کہا لاحول ولا قوۃ ایک تو غربت کی موت پھر اس حالت میں۔ اتنے میں وہ سو گیا
اس نے دیکھا کہ ایک خوب صورت شخص نے جسکے جسم سے خوشبو آتی تھی اس کے
باپ کے جسم پر ہاتھ پھیرا۔ اس کی سیاہی دفع ہو گئی۔ اسکے بیٹے نے پوچھا تم کون ہو
آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں تیرا نبی محمد رسول خدا ہوں۔ تیرا باپ مسرف تھا۔ لیکن مجھ پر

[illegible]

[illegible] ... اچھی طرح

[illegible] ... کی خدمت ... فضیلت کا اثبات

[illegible]

* * *

بعض بزرگوں نے اپنے سے پہلے بزرگوں کو خواب میں دیکھا ہے اور انکی موجود حالت پر وہ مطلع ہوئے ہیں۔ یہ خواب بھی نتیجہ خیز ہیں بشرطیکہ چشم بینا اور قلب آگاہ ہو۔

حضرت شبلی رہ کو کسی نے خواب میں دیکھا اور انکا حال پوچھا۔ آپنے فرمایا۔ مجھسے ایسا مطالبہ کیا گیا کہ میں ناامید ہوگیا۔ جب میری ناامیدی دیکھی تو مجھے اپنی رحمت میں ڈھانپ لیا۔ سچ ہے۔ الایمان بین الخوف والرجاء۔

ایک اور بزرگ کو کسی نے خواب میں دیکھکر حال پوچھا تو انھوں نے جواب دیا حاسبونا فدققوا ثم منوا فاعتقوا۔ یعنی حساب میں بہت سختی کی۔ پھر احسان کرکے آزاد کردیا۔

اسی طرح ابوبکر بن مسلم نے ورقا بن بشر حضرمی کو خواب میں دیکھا اور کہا تمہارا کیا حال ہے۔ انھوں نے جواب دیا بڑی جانکاہی کے بعد چھٹکارا ملا ہے۔ اسکے بعد دریافت کیا۔ آپنے کس عمل کو سب سے افضل پایا۔ آپنے کہا اللہ کے خوف سے رونے کو۔

یزید بن ہارون کہتے ہیں کہ واسطے عام میں ایک عورت مرگئی تھی۔ اُسکو اسکے باپ نے خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ اے جان پدر! مجھسے آخرت کا حال بیان کر۔ اسنے کہا۔ ابا جان! ہم ایک بھاری کام پر پہنچے ہیں۔ یعنی آخرت ایک مشکل مقام ہے ہم جانتے ہیں اور عمل نہیں کرسکتے۔ اور آپ کرسکتے ہیں اور عمل نہیں کرتے۔ واللہ ایک بار۔

مصورِ فطرت حضرت خواجہ حسن نظامی کی کتاب

چٹکیاں اور گدگدیاں

سو روپیہ کا مضمون پڑھتے پڑھتے جی اکتا گیا تھا حضرت خواجہ صاحب نے دل لگی کی کتاب بھی لکھدی ہے ایسی ہنسی کے مضامین ہیں کہ پڑھنے اور سننے والے مارے ہنسی کے لوٹ لوٹ جائیں گے اور یہ خوبی ہے کہ ظرافت میں کوئی نہ کوئی مفید نتیجہ ضرور رکھتا ہے گویا مذاق بھی ہے اور نصیحت بھی۔

یہ کتاب تین عنوانوں میں تقسیم کی ہے پہلے عنوان میں کو وہ ہنسی ہے جس کا تعلق مذہبی باتوں سے ہے یعنی ہنسی مذاق سے مذہب کا شوق پیدا ہوتا ہے اور مذہبی خرابی سے عبرت ہوتی ہے۔

دوسرے عنوان میں شرارت اور ہنستے ہنستے کی باتوں کا ایسا مذاق ہے کہ ہندوستانی خود بخود اپنی حالت درست کرلیں۔ تیسرے عنوان میں صرف انشاپردازی کی ظرافت ہے۔

دراصل یہ مجموعہ ان مضامین کا ہے جو مختلف زمانہ میں اور رسالوں میں خواجہ صاحب نے لکھے تھے جو ہر اعتبار سے پڑھنے کے قابل ہیں۔ اردو زبان میں اپنا ثانی نہیں رکھتی قیمت صرف دس آنہ علاوہ محصول۔

مصورِ فطرت حضرت خواجہ حسن نظامی کی کتاب

بچوں کی کہانیاں

ہندوستانی گھروں میں عورتیں بچوں کے سامنے جی بہلانے کو جو مزیدار کہانیاں کہا کرتی ہیں وہ اس قابل تھیں کہ ایک کتاب کی شکل میں ان کو جمع کر دیا جائے کیونکہ نئی روشنی کے اثر سے اب ہمارے پرانے دستور مٹتے جاتے ہیں اندیشہ تھا کہ کہیں ان کہانیوں کا رواج بھی ترک نہ ہو جائے اور نسلوں کا خانگی نصاب تعلیم طفلی ڈھونڈے بھی نہ ملے۔ یہ کہانیاں بچوں کی عقل کے موافق ہوتی ہیں اور ان سے بچوں کو بہت فائدہ پہنچتا ہے اسواسطے بیگم خواجہ بانو یعنی اہلیہ خواجہ حسن نظامی صاحب نے ان کہانیوں کو قلمبند کیا ہے جس میں پہلے تو وہ کہانیاں ہیں جو بہت چھوٹے چھوٹے بچوں کے سامنے کہی جاتی ہیں اور اس کے بعد وہ ہیں جنکو ذرا بڑے اور سمجھدار بچے سنتے ہیں اردو زبان میں آجتک ایسی کوئی کتاب نہ تھی۔ یہ کتاب حضرت خواجہ حسن نظامی کی نظر اصلاح سے گزر کر شائع ہوئی ہے قیمت صرف ۲ علاوہ محصول۔

المشتہر مینیجر رسالہ نظام المشائخ دہلی

[illegible] حالت [illegible] کر بیٹھ گئے [illegible] اسکے بعد [illegible] گئی [illegible] دیکھا تو ماتھے پر [illegible] تھا [illegible] پھر اچھی طرح تجہیز و تکفین کی ۔ اس خواب سے [illegible] کی مذمت [illegible] و خوانی کی فضیلت کا اثبات ہوتا ہے ۔

بعض بزرگوں نے اپنے سے پہلے بزرگوں کو خواب میں دیکھا ہے اور اُنکی جو جو حالت پر وہ مطلع ہوئے ہیں ۔ یہ خواب بھی نتیجہ خیز ہیں بشرطیکہ چشم بینا اور قلب آگاہ ہو ۔

حضرت شبلی رح کو کسی نے خواب میں دیکھا اور اُن کا حال پوچھا ۔ آپنے فرمایا ۔ مجھسے ایسا مطالبہ کیا گیا کہ میں ناامید ہو گیا ۔ جب میری ناامیدی دیکھی تو مجھے اپنی رحمت میں ڈھانپ لیا ۔ سچ ہے ۔ الایمان بین الخوف والرجاء ۔

ایک اور بزرگ کو کسی نے خواب میں دیکھکر حال پوچھا تو اُنھوں نے جواب دیا حاسبونا فدققوا ثم منوا فاعتقوا ۔ یعنی حساب میں بہت سختی کی ۔ پھر احسان کرکے آزاد کر دیا ۔

اسی طرح ابوبکر بن مسلم نے ورقا بن بشر حضرمی کو خواب میں دیکھا اور کہا تمہارا کیا حال ہے ۔ اُنھوں نے جواب دیا ۔ بڑی جانکاہی کے بعد چھٹکارا ملا ہے اسکے بعد دریافت کیا ۔ آپنے کس عمل کو سب سے افضل پایا ۔ آپنے کہا ۔ اللہ کے خوف سے رونے کو ۔

یزید بن نعامہ کہتے ہیں کہ وباے عام میں ایک عورت مرگئی تھی ۔ اُسکو اُسکے باپ نے خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ اے جان پدر ! مجھسے آخرت کا حال بیان کر ۔ اُس نے کہا ۔ ابا جان ! ہم ایک بھاری کام پر پہنچے ہیں یعنی آخرت ایک مشکل مقام ہے ۔ ہم جانتے ہیں اور عمل نہیں کر سکتے ۔ اور آپ کر سکتے ہیں اور عمل نہیں کرتے ۔ واللہ ایک بار [illegible]

مطبوعہ دہلی پرنٹنگ ورکس دہلی

سبحان اللہ کتنا مجکو دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب و عزیز ہے ۔

ابراہیم حربی نے حضرت زبیدہ خاتونؒ کو خواب میں دیکھا اور کہا اللہ نے تمہارے ساتھ کیسا معاملہ کیا۔ آپنے جواب دیا۔ مجکو بخشدیا۔ اُنہوں نے پھر پوچھا کہ کیا خیرات و صدقات کے عوض میں؟ جو آپ نے مکہ معظمہ کے راستہ میں کیا تھا۔ آپنے فرمایا! اُنکا ثواب تو مالکوں کے پاس چلا گیا مجکو تو صرف نیت کے باعث بخش دیا ۔

کتانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جنیدؒ کو خواب میں دیکھا۔ پوچھا آپ سے کیا معاملہ کیا گیا؟ آپنے فرمایا وہ تمام اشارات تباہ ہوگئے اور وہ تمام عبارتیں کچھ کام نہ آئیں۔ صرف دو رکعتیں جو ہم رات کو پڑھا کرتے تھے بس وہی ہمکو ملیں ۔

امام اوزاعی رضی اللہ عنہ سے خواب میں کسی نے دریافت کیا ایسا کونسا عمل تھا جس نے اللہ کا تقرب حاصل کرادیا؟ آپنے فرمایا میں نے علماء کے رتبے سے کسیکا رتبہ بڑھکر نہیں پایا۔ پھر غمگین لوگوں کا ۔

غمِ دین خور کہ غم غم دین است ہمہ غمہا فرو تر از این است

علی بن موفق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا میں جنت میں گیا ہوں۔ وہاں میں نے ایک شخص کو دسترخوان پر بیٹھے ہوئے دیکھا کہ دو فرشتے اسکے دائیں بائیں بیٹھے ہیں۔ اور تمام اقسام کی بہترین غذائیں اسکو کھلا رہے ہیں۔ اور وہ شخص کھا رہا ہے۔ ایک دوسرے شخص کو باب جنت پر کھڑا ہوا دیکھا کہ وہ لوگوں کے چہروں کو غور سے دیکھ دیکھ کر جنت میں داخل کرتا ہے اور بعض کو پھیر دیتا ہے۔ میں انکو چھوڑکر حظیرۃ القدس میں آیا۔ یہاں آکر میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ ٹکٹکی باندھے ہوئے اللہ کو دیکھ رہا ہے۔ میں نے رضوان سے پوچھا کہ یہ کون شخص ہیں؟ انہوں نے کہا کہ یہ معروف کرخی ہیں۔ انہوں نے اللہ تعالی کی عبادت کی مگر نہ جنت کے

شوق سے اور نہ دوزخ کے خوف سے بلکہ محض اللہ کی محبت اور عشق میں کی اسلئے خدا نے ہمیشہ کے لیئے اپنی طرف نظر کرنا انکے لیئے مباح کر دیا ہے۔ اور کہا وہ شخص بشر ابن حارث اور احمد بن حنبل تھے +

بندار بن حسین نے مجنون بنی عامر کو خواب میں دیکھا اور کہا۔ "ما فعل اللہ بک"۔ اُنہوں نے کہا۔ غفرلی وجعلنی حجۃً علی المحبین +

ان علمائے اُمت کے رؤیائے صادقہ پر غور کرو اور دیکھو کہ ان میں تمہارے لیئے بھی کچھ سامان عبرت ونصیحت اور اسباب رشد و ہدایت ہیں کہ نہیں اگر تم غور سے کام لوگے تو ان میں ایک خواب بھی تم کو ایسا نظر نہ آئے گا جس میں تمہارے روحانی امراض کا معالجہ موجود نہو۔ سعادتمند وہ ہے جو دوسروں کے حالات سے نصیحت حاصل کرے + والسلام علی من اتبع الھدے +

عارف ہسوی

نظم

ثمرۂ نافرمانی

ایک دن گورِ غریباں کی طرف — لے گئے تشریف محبوبِ خدا
آہ عبرت خیز منظر تھا وہاں — ناگہاں اک قبر سے آئی صدا
ہر طرف سے آگ نے گھیرا مجھے — ہوں عذابِ قبر میں میں مبتلا
یہ زمیں بھی سخت مجھ پر ہو گئی — پیستی ہے مجھکو مثلِ آسیا
سن کے حضرت یہ صدا دل لرز اٹھا — آ کے یوں اہلِ مدینہ سے کہا
کہ دو تم اس واقعہ کو مشتہر — تاکہ آئیں اسکے جو ہیں اقربا
حکم حضرت سے سبھی حاضر ہوئے — اور دیا قبرِ اعزا کا پتا
لیکن اس کا تھا نہ کوئی سوگوار — اس کی تربت پر نہ تھا کوئی کھڑا
پھر دیا حکمِ منادی آپ نے — اک ضعیفہ ٹیکتی آئی عصا
ہو گئی آکر کھڑی اس قبر پر — اور لگی یہ کہنے باآہ و بکا
یا رسول اللہ! یا خیر البشر — آپ پر ماں باپ ہوں میرے فدا
میرے بدقسمت پسر کی ہے یہ قبر — جس نے ناخوش عمر بھر مجھکو رکھا

ہو گئے اس قبر کو چالیس سال | کوئی بھی اس کا عمل اچھا نہ تھا
سُنکے حضرتؐ نے کہا ازراہِ لطف | ہو رہا ہے یہ گرفتارِ بلا
عفو کر دے اسکے سب جرم و قصور | بخشدے تو اسکی تقصیر و خطا
سن لیا جب اُسنے ارشادِ نبیؐ | دست بستہ آپ سے اُس نے کہا
مجکو ہے انکار اس سے اے حضورؐ | نارضامندی کا پھل اسکو ملا
سُنکے اس سے یہ جوابِ دلخراش | آپ نے کی حق تعالیٰ سے دعا
اسکو تو دکھلا دے اب اسکا عذاب | اے خدا! اے مالکِ ارض و سما
قدرتِ حق کا تماشا دیکھئے | اُٹھ گیا جو کچھ حجابِ قبر تھا
دیکھتی ہے! قبر ہے آتش فشاں | معصیت کی مل رہی ہے یہ سزا
ہوگئی مضطر یہ منظر دیکھکر | اور لگی کرنے خدا سے التجا
بخشدے تو! اس سے میں راضی ہوئی | رحم کر اب رحم اے ربِّ علا

ہوگئے موقوف پھر اُسکے عذاب
ہوگئی بند آہ و نالہ کی صدا

محمد یعقوب آوج گیاوی

سیدنا ابراہیمؑ

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام آزر؎ تھا۔ آپ کا سلسلہ نسب نو واسطوں سے حضرت نوح ع سے ملتا ہے۔ آپ ولادت مسیح سے تقریباً دو ہزار سال قبل قدیم کلدانی سلطنت کے شہر بابل میں پیدا ہوئے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ جب بابل کی سلطنت بہ لحاظ تمدن کمال عروج پر پہنچ گئی تھی۔ خزانے معمور تھے۔ اور ملک کی سرحدیں دور تک پھیل چکی تھیں۔ کسی ہمعصر حکومت کو اس سے آنکھ ملانے کی جرات نہ تھی۔ بے شمار فوج وسیع مملکت اور اسباب تمدن نے حاکم بابل (نمرود بن کنعان) کے سر کو تکبر و نخوت سے پر کر دیا تھا۔ حتیٰ کہ وہ اپنے آپ کو خدا سمجھنے لگا تھا۔ چنانچہ اُس نے دارالسلطنت کی سب سے بڑی عبادت گاہ میں اپنا سونے کا بت رکھوا کر رعایا کو اُس کی پرستش کا حکم دیا۔ اور رفتہ رفتہ یہ قوم توحید پرستی کو چھوڑ کر بت پرست بن گئی۔ پس اس قوم کے کفر کے استیصال کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خدائے تعالیٰ نے منصب نبوت عطا فرمایا۔ چنانچہ آپ نے سن بلوغ میں قدم رکھتے ہی بت پرستی کے خلاف صدائے توحید بلند کی۔

کتب احادیث میں مروی ہے کہ ایک روز خدائی کے دعویدار نمرود نے ایک پریشان خواب دیکھا جس سے وہ بہت متردد ہوا۔ نجومیوں کو بلا کر اس کی تعبیر پوچھی۔ سبھوں نے یک زبان ہو کر کہا کہ "ستاروں کی رفتار سے معلوم ہوتا ہے کہ امسال اس شہر میں ایک ایسا شخص پیدا ہو گا جو ایک دن آپ کی سلطنت اور دین کو برباد کرے گا۔" نمرود یہ سنکر سخت گھبرا گیا۔ اور اسکو اسی وقت سے خوف تشویش ہونے لگی۔ بالآخر بہت کچھ غور و خوض کے بعد اس نے یہ احکام جاری کیے

؎ آذر کے معنی مدد کرنیوالے کے ہیں۔ توریت شریف میں آذر کا نام تارخ لکھا ہے اور اکثر مورخین بھی یہی کہتے ہیں تو شاید
[illegible]

کہ امسال جسقدر بچے پیدا ہوں اُنکو فوراً تہ تیغ بے دریغ کیا جائے۔ اس حکم کی تعمیل نہایت شدت وحدت یا اطاسے ہوتی رہی۔ خدا ہی جانتا ہے کہ کسقدر معصوم بچے دنیا میں قدم رکھتے ہی ملک عدم کو روانہ کیے گئے۔ لیکن مشیت ایزدی کے مقابلے میں بے چارے انسان کی کیا حقیقت *

آزر کی بیوی جو ایک نیک دل خاتون تہیں ان دنوں حمل سے تہیں انکے وضع حمل کا زمانہ قریب تہا سو اپنے معصوم بچے کی جان کے خوف سے اپنے مکان سے نکلکر آبادی سے بہت دور جنگل میں چلی گئیں۔ اور ایک غار میں وضع حمل ہوا۔ غرض اس طرح حضرت ابراہیم دنیا میں تشریف لائے۔ اور نمرود کی کل تدبیریں ناکام اور تمام پیش بندیاں بے نتیجہ رہیں۔ حضرت ابراہیم کی والدہ انکو شہر میں نہیں لائیں بلکہ اُسی غار میں رکھکر انکی پرورش کا سامان کرنے لگیں *

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ ایک روز میں اسقدر بڑہتے تھے جسقدر اور بچے ہفتہ میں۔ اور اسی طرح ایک ہفتہ میں آپ اس قدر نشوونما پاتے تھے۔ جسقدر دیگر اطفال ایک ماہ میں۔ غرض آپ اسی تیرہ وتار غار میں دن دونی اور رات چوگنی ترقی کرتے رہے یہانتک کہ آپ کئی سال کے ہوگئے لیکن اسوقت تک آپنے دنیا یا دنیا کی اور کوئی چیز نہیں دیکھی تہی اور اسوقت تک انکا کوئی اویب یا اُستاد نہ تہا۔ ایک رات کو آپنے اپنی والدہ سے سوال کیا کہ اس غار کے سوا کوئی اور دنیا بھی ہی؟ ماں نے تمام وسیع دنیا کا مفصل ذکر کیا اور یہاں انکے پوشیدہ رکھنے کا راز بہی سمجہایا آپنے فرمایا کہ ماں! اب تو مجہہ سے اس غار میں نہیں رہا جاتا۔ اسکے بعد آپ باہر تشریف لائے مفسرین کا قول ہی کہ جسوقت آپ باہر تشریف لائے اسوقت آپکی عمر سات یا تیرہ یا سترہ سال کی تہی

سب سے پہلے جو خیال اُنکے معصوم دل اور نازک دماغ میں آیا وہ خدا کا تہا۔ کیونکہ یہ انسانی فطرت ہی۔ اور معرفت الٰہی انسانی ہستی کا ایک راز ہے

چنانچہ آپ نے اپنی ماں سے سب سے اول اسی بارہ میں گفتگو کی۔

ابراہیم: میرا رب کون ہے؟

ماں: تم۔

ابراہیم: اور تمہارا؟

ماں: تمہارا باپ۔

جب آذر سے ملاقات ہوئی تو سب سے پہلے آپ نے اس سے بھی یہی سوال کیا۔ اس نے کہا۔ میرا رب نمرود ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے سوال کیا کہ اس کا رب کون ہے مگر اس کا جواب آپکو کچھ نہ ملا۔ بلکہ آپ کو خاموشی کی ہدایت کی گئی۔ غرض ان سوالوں سے حضرت ابراہیم کو ایک قسم کی تشویش ہو گئی۔ اور معرفت الٰہی کی آگ اور زیادہ بڑھ گئی۔ آپ غار سے کچھ اور آگے بڑھے تو مختلف شکل کی اشیاء گھوڑے گدھے حیوانات وغیرہ نظر سے گزرے۔ آپ نے خیال فرمایا کہ ان کا کوئی بنانے والا اور مالک ضرور ہو گا۔ اور یہ یقینی طور پر کسی زبردست طاقت کے ماتحت ہونگے۔

رات ہوئی تو آپ کی نظر زہرہ ستارے پر پڑی۔ اسکی روشنی نے آپ کی توجہ کو اپنی جانب کھینچا۔ خیال کیا یہی میرا رب ہے۔ مگر جب وہ افق میں پوشیدہ ہو گیا تو فرمایا۔ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ۔ یعنی میں زائل ہونے والوں کو دوست نہیں رکھتا پھر چاند نکلا تو اسکی عالمگیر روشنی کو دیکھکر آپ نے فرمایا۔ هٰذَا رَبِّيْ کیا یہ میرا رب ہے؟ مگر جب کچھ دیر کے بعد وہ غروب ہو گیا تو دلمیں کہنے لگے۔ رب کو تو ہمیشہ ایک ہی شان سے جلوہ افروز ہونا چاہیئے۔ تغیر و تبدل اور زوال تو شان ربوبیت سے بالکل بعید ہے۔ پھر گھبرا کر آپ نے فرمایا کہ اگر میرا رب میری رہنمائی نہ کرے گا تو میں بھی گمراہ لوگوں میں ہو جاؤں گا۔ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ۔ پھر صبح نمودار ہوئی تو آفتاب عالمتاب نے دنیا کو بقعہ نور بنا کر آسمان

پر اپنے آپ کو چمکایا۔ آپ اُسکی جانب متوجہ ہوئے۔ اور فرمانے لگے کہ بس یہی
میرا رب ہے۔ کیونکہ یہ سب سے بڑا ہے۔ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ۔ لیکن جب شام کو
اُسے بھی زہرہ و مشتری کی مانند افق مغرب میں روپوش ہوتے دیکھا تو فرمایا
کہ رب العالمین اور معبود حقیقی کو کسی جسد میں محدود و مقید کرنا ہی کجفہمی ہے۔ لوگو!
میں ان مصنوعی معبودوں سے بیزار ہوں جن کو تم معبود حقیقی کا شریک کرتے ہو
يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝ اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝

اس واقعہ کے بعد حضرت ابراہیم شرک و کفر اور بت پرستی کے خلاف جد و
جہد کرتے اور توحید کی اشاعت کرتے پائے گئے۔ سب سے پہلے آپ نے اپنے باپ آذر
سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ۔ اے باپ! کیا تو ان لکڑی، پتھر کی بے جان اور عاجز
مورتوں کو معبود مانتا ہے جنہیں خود اپنے ہاتھ سے تو نے گھڑ کر بنایا ہے۔ میں تو
تجھے اور تیری ساری قوم کو صریح گمراہی میں پاتا ہوں۔ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ
لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّيْٓ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِيْ ضَلٰلٍ
مُّبِيْنٍ ۝ آذر یہ سنکر غصہ میں بھر گیا اور کہنے لگا۔ اے ابراہیم! کیا تو میرے
معبودوں کو نفرت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ اگر تو اپنی اس حرکت سے باز نہ آئیگا تو
میں تجھکو سخت سزا دونگا۔ اب تیرے لیے یہی بہتر ہے کہ تو یہاں سے کہیں دوسری
جگہ چلا جا۔ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِيْ يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ۚ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ
لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا ۝ آپ نے اسکے جواب میں نہایت نرمی کے ساتھ
فرمایا۔ سَلٰمٌ عَلَيْكَ ۚ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا ۝

ایک مرتبہ نمرود نے آپ کو اپنے دربار میں طلب کیا اور خدا کے متعلق چند
سوال کیے جنکے جواب میں آپ نے فرمایا۔ میرا خدا وہ ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے

۹۸ء

موت اک زندگی کا وقفہ ہے
یعنی آگے چلیں گے دم لیکر

حیات بعد الموت

جس کا
انگلستان کی مشہور مصنفہ فلارنس میریٹ کی
کتاب

دیر از نو ڈیتھ

سے

مسٹر اختر محمد خاں صاحب ڈپٹی کلکٹر نے ترجمہ کیا ہے

ضخامت تقریباً چھ سو صفحے ۶۰۰ اصل قیمت چار روپے (للعہ ر)

۲۰ ربیع الثانی ۱۳۳۳ھ تک درخواست کرنیوالونکو صرف ۸ میں دیجائیگی

بشرطیکہ وہ ۸ بذریعہ منی آرڈر بھیجدیں یا اس اعلان کا حوالہ دیکر وی پی منگوائیں محصول بہرصورت بذمہ خریدار۔

المشتہر منیجر رسالہ نظام المشائخ دہلی۔

مطبوعہ دلی پرنٹنگ پریس دہلی

وہ کہنے لگا کہ میں بھی جلاتا اور مارتا ہوں۔ اسکے جواب میں آپنے فرمایا کہ اچھا میرا خدا تو سورج کو پورب سے نکالتا ہے۔ اگر تو واقعی خدائی کا دعوے کرتا ہے تو اسکو پچھم سے نکال۔ فَاِنَّ اللّٰهَ يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ۔ بس یہ سنکر وہ کافر ہکا بکا خاموش جواب سے عاجز و حیران رہ گیا۔

اسی طرح ایک مرتبہ نمرود کی قوم شہر کے باہر عید منانے کے لیئے گئی ہوئی تھی آپنے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور لگے سب سے بڑے بتخانے کے کل بتوں کو مسمار کرنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ ایک بڑے بت کے سوا آپنے تمام بتوں کو توڑ ڈالا جب وہ لوگ واپس آئے تو اپنے معبودوں کا یہ حال دیکھکر حیران رہگئے آخر رفتہ رفتہ یہ خبر انکو معلوم ہوئی کہ یہ کام ابراہیم کا ہے۔ چنانچہ وہ سب آپکے پاس آئے اور پوچھنا شروع کیا کہ اے ابراہیم تم نے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ کیا کیا۔ آپنے فرمایا کہ ہم نے تو تمہارے معبودوں کے ساتھ کوئی سلوک نہیں کیا بَلْ فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ هٰذَا فَسْئَلُوهُمْ اِنْ كَانُوا يَنْطِقُونَ۔ یعنی اس کام کو اس بڑے بت نے کیا ہے۔ اگر وہ بولتے ہوں تو تم اُن سے پوچھ دیکھو۔ یہ سنکر وہ [illegible] ششدر سے ہوگئے۔ آخر کہنے لگے کہ یہ بت تو بولتے ہی نہیں ہیں۔ ہم اُن سے کیا پوچھیں؟ غرض سبھوں نے جب اپنی زبان سے اپنے معبودوں کی بے بسی پائی کا اقرار کیا تو حضرت ابراہیم نے فرمایا۔ تف ہے تم پر اور اُن چیزوں پر جنکو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو۔ کیا تم اتنی بات بھی نہیں سمجھتے۔ اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ اَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝

غرض جب ابراہیم علیہ السلام نے [illegible] طرح سے لاجواب اور شرمندہ کر دیا تو وہ لوگ آپ کی ایذا رسانی [illegible] سبھوں نے آپکو [illegible] کیا [illegible] میدان میں خوب آگ [illegible]

ابراہیم کو اُسمیں ڈال دیا جائے۔ رائے پاس ہونے کی دیر تھی فوراً سامان مہیا ہوگیا۔ اور آپکو دہکتی آگ میں ڈالدیا گیا۔ آپ اُسمیں باختلاف روایات سات دن یا چالیس دن یا پچاس دن رہے +

کہتے ہیں کہ نمرودیوں نے ایک چاردیواری اُٹھائی جسکا طول تیس گز اور عرض بیس گز تھا اور اُسمیں خوب لکڑیاں بھریں۔ اور آگ لگادی۔ جب آگ روشن ہوگئی تو ابراہیم علیہ السلام کا اُسمیں ڈالنا مشکل ہوگیا۔ آخر ایک جھولے میں بٹھاکر آپ کو اسمیں پھینک دیا +

جب وہ لوگ آپ کو آگ میں ڈال رہے تھے۔ اُسوقت حضرت جبرئیل علیہ السلام آپکے پاس آئے اور کہنے لگے۔ اے ابراہیمؑ! تم مجھ سے کچھ کام لینا چاہتے ہو تو میں حاضر ہوں۔ آپنے فرمایا کہ مجکو تم سے کوئی کام نہیں۔ انھوں نے کہا تو پھر ایسے وقت میں اپنے پروردگار سے دعا کیوں نہیں کرتے۔ آپنے فرمایا میرا خدا میرے حال سے خوب واقف ہے۔ وہ خود میری مدد کرے گا۔ آخر اللہ تعالیٰ نے یہی کیا۔ یعنی آگ کو حکم دیا کہ تو ابراہیمؑ کے لیئے ٹھنڈی اور راحت ہوجا۔ یَا نَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓی اِبْرٰهِیْمَ۔ آپ کا اُس آگ سے ایک بال بھی بیکا نہ ہوا۔ صرف وہ مشکیں جن سے وہ کسے ہوئے تھے جل گئیں۔ اور آپ ایسے آرام کیسا تھ اُسمیں رہے کہ ہمیشہ فرمایا کرتے۔ وہ دن کیا آرام کے تھے۔ جب میں آگ میں تھا +

مذکورہ بالا واقعات ایسے تھے جن سے حضرت ابراہیمؑ کا دل بالکل مکدر ہوگیا تھا۔ آپ بارہا نمرود کی قوم کو شرک وکفر سے متنبہ کرتے رہے مگر وہ بجائے نصیحت سُننے کے آپ کو ستانے پر تل گئے۔ اس صورت میں آپ کو مجبوری اپنے وطن مالوف کو خیرباد کہکر ہجرت کرنی پڑی۔ اس سفر میں آپ کی بیوی سارہؑ اور آپکے بھتیجے لوطؑ بن ہارانؑ نے آپ کی رفاقت کا حق ادا کیا +

کہتے ہیں سب سے پہلے ابراہیم علیہ السلام ہی نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی اسوقت آپ کی عمر پچھتر سال کی تھی۔ آپ بابل سے حران کی طرف روانہ ہوئے اور پھر وہاں سے فلسطین کی طرف مراجعت فرمائی۔ یہاں آپنے ایک سرسبز قطعہ زمین کو پسند فرمایا اور چند سے سکونت اختیار کی۔ آپکے ہمراہ کچھ بھیڑ بکریاں بھی پال رکھی تھیں۔ خدا نے ان میں برکت دی۔ اور انکے گلے بڑھ گئے۔ جن کے دودھ پر یہ لوگ بسر اوقات کرنے لگے۔ ادھر حضرت لوطؑ کو سدوم اور دیگر شہروں کیطرف رسول بناکر بھیج گیا۔ پھر حضرت ابراہیم کچھ دنوں کنعان میں رہے لیکن جب یہاں عرصہ تک بارش نہ ہوئی جس سے وہاں کا صحرا بے آب ہوگیا اور سبزہ سے خالی ہوگیا تو آپ آگے بڑھے حتیٰ کہ مصر میں جا پہنچے۔

مصر میں اسوقت رقیون نامی بادشاہ حکمرانی کرتا تھا جو بابل کا باشندہ تھا اس نے بی بی سارہ کے حسن و جمال کو دیکھ کر خواہش ازدواج ظاہر کی۔ لیکن جب اسکو یہ معلوم ہوا کہ وہ خدا کے برگزیدہ نبی کی پاک نفس بیوی ہیں تو اس نے نہایت عذر و معذرت کی۔ اور جب وہاں سے حضرت ابراہیم آنے لگے تو اپنی بیٹی ہاجرہ کو بھی آپکے ساتھ کردیا تاکہ وہ انکو بھی اپنے سلسلہ ازدواج میں منسلک کرلیں۔ چنانچہ آپنے ہاجرہ سے نکاح کرلیا۔

چند روز کے بعد حضرت ہاجرہؑ کے بطن سے ایک لڑکا پیدا ہوا جسکا نام اسمٰعیل رکھا گیا۔ آپ حضرت اسمٰعیلؑ سے بمقتضائے طبیعت بشری بہت لطف و محبت کرنے لگے۔ بی بی سارہ کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو رشک سے آزردہ اور دلگیر ہوگئیں۔ کہنے لگیں۔ اس لڑکے اور اسکی ماں کو ابھی یہاں سے لیجاؤ۔ اور کسی ایسے لق و دق بیابان میں جہاں پانی اور سایہ کا نام نہ ہو چھوڑ آؤ۔ آپ [illegible] آپ نہایت عجیب پس و پیش میں ہوئے۔ آخر درگاہ باری تعالیٰ میں

التجا کی۔ حکم ہوا کہ سارہ کے کہنے کے موافق عمل کرو۔ چنانچہ آپ حضرت ہاجرہ اور اُس شیر خوار بچے کو سوار کر کے روانہ ہوئے اور منزل بمنزل طے کرتے ہوئے اس کنکریلی زمین میں آ پہنچے۔ جہاں اب خانہ کعبہ موجود ہے۔ اُسوقت آپکے پاس تھوڑی سی کھجوریں اور ایک پانی کا مشکیزہ موجود تھا آپنے اُنکو حضرت ہاجرہ کے حوالہ کیا۔ اور وہاں سے رخصت ہوئے۔ واپسی کے وقت جو کلمات آپ کی زبان مبارک پر آئے وہ یہ تھے۔ رَبَّنَآ اِنِّیۤ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِکَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَۃً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِیۤ اِلَیْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ یَشْکُرُوْنَ

ترجمہ۔ مالک ہمارے! میں نے اپنی کچھ اولاد کو ایک ایسے میدان میں لاکر بسایا۔ جس میں کھیتی نہیں ہوتی۔ تیرے آداب والے گھر کے پاس۔ مالک ہمارے! یہاں میں نے انکو اسلئے بسایا کہ وہ نماز کو درستی سے ادا کریں تو انکی گزر کے لیے ایسا کر دے کہ لوگوں کے دل اُنکی طرف جھک جائیں۔ اور انکو (طرح طرح کے) میوے کھلا۔ تاکہ وہ شکر کریں ⁂

یہاں حضرت ہاجرہ کے پاس جب تک مشکیزہ میں پانی اور کھجوریں باقی رہیں تب تک آپ کو اطمینان رہا۔ لیکن جب یہ دونوں چیزیں ختم ہو گئیں تو بھوک و پیاس آپ پر غالب ہوئی۔ آپ پانی کی تلاش میں نکلیں۔ اور کوہ صفا کی جانب جو وہاں سے قریب تر تھا تشریف لے گئیں۔ لیکن وہاں کوئی آدمی یا جانور آپ کی نظر سے نہ گزرا۔ جس سے پانی کا کچھ نشان ملتا بمجبوری مروہ کی طرف روانہ ہوئیں۔ مروہ چونکہ کچھ نشیب میں واقع ہے۔ اسلئے حضرت اسمٰعیلؑ آپکی نظر سے چھپ گئے۔ اُسوقت آپ کی طبیعت کا عجیب حال تھا آپ بیتاب ہوکر اُن کی طرف دوڑیں۔ لیکن جب اُنکو صحیح و سالم دیکھا تو مطمئن ہوئیں۔ اور پھر

دوسری جانب پانی کی تلاش میں نکلیں۔ غرض اس پانی کی تلاش میں صفا کو مروہ اور مروہ سے صفا تک آپکو سات مرتبہ آمد و رفت کا اتفاق پڑا۔ آخر مرتبہ جو آپ مروہ پر تشریف لے گئیں تو وہاں ایک آواز سنائی دی۔ اپنے جی میں کہنے لگیں سنیں تو سہی یہ آواز کیسی ہے۔ دوسری دفعہ پھر وہی آواز آئی۔ آپ اپنے بچہ کیطرف متوجہ ہوئیں۔ دیکھتی کیا ہیں کہ ایک فرشتہ اُس جگہ کو جہاں اب زمزم ہے اپنے پر یا ایڑی سے کریدتا ہے جس سے پانی کا چشمہ اُبل رہا ہے۔ آپ یہ دیکھکر بہت خوش ہوئیں۔ اور جلدی جلدی اپنے دونوں ہاتھوں سے اس پانی کو سمیٹ سمیٹ کر اُسے حوض کے جمع کرنے لگیں تاکہ پانی تلف نہ ہو جائے۔ وہ چشمہ فوارے کی طرح جوش مارتا اور جاری رہا۔

حدیث میں آیا ہے کہ اگر ہاجرہ اس پانی کو جلدی سے باندھ نہ دیتیں تو وہ چشمہ کی صورت سے ہمیشہ جاری رہتا۔ غرض حضرت ہاجرہؑ نے اس پانی سے خود بھی سیر ہو کر پیا اور اپنے پیارے فرزند کو بھی پلایا۔ اسکے بعد اُس فرشتہ نے آپ کو بہت تسلی اور دلاسا دیکر کہا کہ تم ہرگز خوف نہ کرو۔ یہاں ایک خدا کا گھر ہے جسکو یہ بچہ جوان ہو کر اپنے باپ کے ساتھ بنائے گا۔ خدا نے تعالیٰ اس گھر میں بسنے والوں کو کبھی ضائع نہ کریگا۔

القصہ حضرت ہاجرہ اور اسمٰعیل دونوں اُس چشمہ کے نزدیک رہنے لگے اسی اثنا میں قبیلہ جرہم کی ایک جماعت اس طرف سے گزری۔ چونکہ وہ لوگ پانی کی تلاش میں زمانہ سے سرگردان تھے۔ اس چشمہ کو دیکھکر بہت خوش ہوئے۔ اور حضرت ہاجرہؑ سے اجازت لیکر اُتر پڑے۔ اور چند روز کے بعد اپنے متعلقین کو بھی وہیں بلا کر آباد ہو گئے۔ اور ہر حضرت اسمٰعیلؑ بھی بفضل ایزدی جوان۔ اور قبیلہ جرہم سے عربی زبان سیکھکر نہایت زکی، قابل۔ تیز فہم ہو گئے تھے۔ حتیٰ کہ قبیلہ جرہم کے سرداروں نے اپنی لڑکی کا

نہایت آرزو اور چاہت سے انکے ساتھ نکاح کردیا۔ اسی اثنا میں حضرت ہاجرہ رضؓ نے انتقال فرمایا۔ چنانچہ آپ کی قبر بھی اسی جگہ بنائی گئی۔ جس کا نام اب حطیم ہے

ادہر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے یہاں بی بی سارہؓ کے بطن سے حضرت اسحٰقؑ پیدا ہوئے۔ جس سے فی الجملہ حضرت سارہؓ کا رشک حسد کچھ کم ہوگیا۔ اس وقت حضرت ابراہیمؑ نے اپنے بیٹے فرزند اسمٰعیلؑ کے پاس جانے کی اجازت چاہی حضرت سارہؓ نے بایں شرط اجازت دیدی کہ حضرت اسمٰعیلؑ کے گھر شب باشی نہ کریں تو نہ وہاں زیادہ توقف کریں۔ حضرت ابراہیمؑ تمام شرائط قبول فرماکر روانہ ہوئے اور جب اس مقام پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ اسمٰعیلؑ اب جوان ہوکر خانہ دار ہوگئے اور اُن کی ماں انتقال کرگئی ہیں۔ آپ حضرت اسمٰعیلؑ کے گھر پر تشریف لیگئے۔ وہاں معلوم ہوا کہ اسمٰعیلؑ شکار کے لئے باہر گئے ہوئے ہیں۔ چونکہ آپ بی بی سارہؓ سے وعدہ کرآئے تھے۔ اسلئے زیادہ توقف کرنا مناسب نہ سمجھکر واپس ہوگئے۔

چند روز کے بعد پھر حضرت ابراہیم کو اسمٰعیلؑ کے دیکھنے کا شوق ہوا۔ بی بی سارہؓ سے اجازت لیکر انکے مکان کی طرف روانہ ہوئے۔ لیکن اس بار بھی حضرت اسمٰعیلؑ سے ملاقات نہوئی۔ اسلئے آپ اسیطرح ناکام واپس ہوئے۔

اب آپنے پھر تیسری مرتبہ پھر حضرت سارہؓ سے اس امر کی اجازت لی کہ ابکی مرتبہ اسمٰعیلؑ سے بغیر ملاقات کئے نہ آؤنگا۔ بی بی سارہؓ نے اجازت دی۔ چنانچہ آپ انکے پاس جا پہنچے۔ اسمٰعیلؑ اسوقت زمزم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ جونہی اُن کی نظر حضرت ابراہیم پر پڑی۔ بے اختیار کھڑے ہوگئے۔ اور جیسے دو شخص مدت کے بچھڑے ہوئے ملتے ہیں۔ اسطرح معانقہ کیا گیا۔ جب باہمی ملاقات سے فارغ ہوئے تو حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا کہ بیٹا! مجھے حکم ہوا ہے کہ اس جگہ ایک گھر بناؤں۔ جسمیں خاص خدا کی پرستش و عبادت کیجائے۔ اگر تم بھی اس کام میں

میری شراکت کرو تو بہت بہتر ہو۔ حضرت اسمٰعیل نے فرمایا کہ خدا کا حکم ہو تو آپ بیشک وہاں مجھے بسر و چشم منظور ہے۔ بسم اللہ کیجئے میں حاضر ہوں۔ چنانچہ ابراہیم نے ۱۰ ذیقعدہ کو خانہ کعبہ کی بنا شروع کی ۔

حضرت اسمٰعیل کوہ ابو قبیس و حرا اور مقامات سے پتھر ڈھو ڈھو کر لاتے اور حضرت ابراہیم معماروں کی طرح انہیں لگاتے جاتے اور یہ دعا زبان مبارک سے فرماتے جاتے۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ۔ جب عمارت بقدر قد آدم اونچی ہو گئی اور پاڑ وغیرہ باندھنے کی ضرورت ہوئی تو حضرت ابراہیم نے اپنے پیارے فرزند حضرت اسمٰعیل سے فرمایا کہ تم میرے لئے ایک ایسا پتھر لاؤ جس پر کھڑے ہو کر آگے کی عمارت بناؤں۔ حضرت اسمٰعیل ایسے پتھر کی تلاش میں روانہ ہوئے۔ راہ میں حضرت جبرئیل نے ملکر کہا کہ آؤ میں تم کو ایسے دو پتھر بتلاؤں جو حضرت آدم کے ساتھ بہشت سے زمین پر اتارے گئے تھے۔ آپ انکے ساتھ ہو لئے۔ حضرت جبرئیل انکو کوہ ابو قبیس کے ایک غار میں لے گئے اور فرمایا کہ حضرت ادریس نے یہاں دو پتھر دفن کئے ہیں۔ ان میں سے ایک تو حضرت ابراہیم کے کھڑے ہونے کیلئے لیجاؤ۔ اور دوسرے کو کعبہ کے دروازے کے داہنی طرف نصب کر دو۔ تاکہ جو شخص خانہ کعبہ کا طواف کرے وہ اول اسی پتھر کو چوم لے[1]۔ آپ حضرت جبرئیل کے فرمانے کے بموجب ان دونوں پتھروں کو اٹھا لائے۔ جب حضرت ابراہیم اس پتھر پر کھڑے ہو کر تعمیر کعبہ میں مشغول ہوئے تو وہ بقدر بلندی عمارت خود بخود بلند ہونے لگا[2]۔ حتی کہ اس عمارت کے پورے ہونے تک آپ کو کسی سیڑھی وغیرہ کی ضرورت نہ ہوئی ۔

ف۱ یہ وہی پتھر تھا جسکو حجر اسود کہتے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ حجر اسود کا رنگ ابتدا میں نہایت ہی سفید اور نورانی تھا گنہگاران بنی آدم کے ہاتھ لگانے سے یہاں تک سیاہ ہو گیا کہ لوگ اسکو حجر اسود کہنے لگے ۔ ف۲ یہ پتھر بعد کو مقام ابراہیم کے نام سے مشہور ہوا۔ اس پر آپکے قدموں کے نشان بنے تھے۔ لیکن کچھ زمانے بعد وہ سب مٹ گئے ۔

جس وقت خانہ کعبہ بنکر تیار ہوا۔ اُسوقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی
عمر ۱۲۰ سال کی تھی۔ اور حضرت اسمٰعیلؑ کی عمر ۳۰ سال کی ہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب حضرت ابراہیمؑ خانہ کعبہ بنا چکے تو عرض کیا۔ "پروردگار! ہم نے اپنا کام تمام کردیا۔ اب ہمکو حج کا طریقہ سکھادے" حضرت جبرئیلؑ کو حکم ہوا کہ ابراہیمؑ کو تمام مناسک حج بتادو۔ چنانچہ اُنھوں نے آپ کو احرام سے لیکر حلق سر تک سارے حج کے ارکان آداب و مستحبات بترتیب سکھا دئیے۔ جب آپنے حج سے فراغت پائی تو جناب الٰہی سے حکم ہوا کہ تمام روئے زمین کے آدمیوں کو حج کی اطلاع دیدو۔ حضرت ابراہیمؑ نے عرض کی۔ الٰہی! میری آواز تمام عالم میں کس طرح پہنچے گی؟ حکم ہوا کہ آواز دینا تمہارا کام ہے اور اسکا پہنچانا میرا ذمہ۔ حضرت ابراہیمؑ نے اُسی پتھر پر چڑھکر تین دفعہ یوں آواز دی کہ "اے تمام جہان کے آدمیو! تمہارے خدا نے خاص اپنے لیے زمین پر ایک گھر بنایا ہے جسکی زیارت کے واسطے تمہیں بلاتا ہے۔ پس تم بشوق و ذوق خواہ پیادہ ہو یا سوار اس مبارک مکان کی زیارت کو آؤ" حق تعالیٰ نے اس آواز کو تمام موجودہ اہل جہان کے کانوں ہی تک نہیں بلکہ جو روحیں ماؤں کے پیٹ میں اور باپوں کی پشت میں تھیں سبھوں کو پہنچادیا پس جس نے اس آواز کو سن کر لبیک کہا وہ ایک نہ ایک دن اسکی زیارت کو ضرور جائے گا۔ اور جس نے اس آواز کی اجابت ہی نہ کی وہ حج سے محروم رہیگا۔

الغرض جب حضرت ابراہیمؑ کو احکام خداوندی پہنچانیسے فرصت ہوگئی تو آپکی نسل میں وہ شائستہ لوگ پیدا ہوے جن سے آسمانی دین کے پھیلنے اور رائج ہونیکا اطمینان ہو گیا تو پیغام اجل آپہنچا اور آپ ۱۷۵ سال کی عمر میں اس دنیائے فانی سے رحلت کرکے عالم جاودانی کو

ملاحظہ: واضح ہو کہ جو مناسک حج آج ملت محمدی میں رائج ہیں وہ سب حضرت جبرئیل کی معرفت حضرت ابراہیمؑ کو تعلیم کیے گئے اور پھر ایسے اس امت میں بذریعہ رسول خدا صلعم آئے ۱۲ منہ (۱) حضرت ابراہیمؑ کے چھ صاحبزادے اور تھے جن کے نام یہ ہیں۔ مدین۔ مدان۔ یقشان۔ زمران۔ اسبق۔ شوخ۔ [illegible] ان کی ماں کا نام قنطورا بنت یقطن۔ تمام کنعان [illegible]

مصنفہ حضرت علامہ راشد الخیری کی کتاب

طوفان حیات

جس نے دنیا میں دھوم مچادی اور جس کی تعریف میں اخبارات رطب اللسان ہیں اور جس کا استقبال اردو علم ادب نے نہایت شاندار کیا۔ اس کتاب کی ہیروئن کی زندگی اسقدر پر لطف اور پیچیدہ ہے کہ پڑھنے والا حیران ہو جاتا ہے۔ رسوم قبیحہ جنہوں نے مسلمانوں کا قافلہ اڑا دیا اس صفائی اور خوبی سے بیان کی گئی ہیں کہ اسکے پڑھنے کے بعد پھر گھر میں ایسی رسموں کا نشان باقی نہیں رہتا خصوصاً عام طور سے دنیا کے زوال پر جو لعنت ہے طوفان حیات کے مطالعہ سے ہر دل کو اس سے نفرت ہو جاتی ہے۔ اور انسان خدائے واحد کی عظمت کے آگے سر جھکا دیتا ہے۔ کتاب اسقدر دلچسپ ہے کہ بغیر ختم کئے چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا۔ واقعات اسقدر درد انگیز کہ ہچکی بندھ جاتی ہے۔ پہلا ایڈیشن قریب ختم ہے اور درخواستوں کی کثرت اسقدر زیادہ ہے کہ اگر فوراً فرمائش نہ کی گئی تو دوسرے ایڈیشن کا انتظار کرنا پڑے گا۔ قیمت صرف ایک روپیہ علاوہ محصول

مصنفہ حضرت خواجہ حسن نظامی کی کتاب

پورا میگزین

چھوٹے چھوٹے رسالوں کا دلچسپ مجموعہ ہے جسکو خواجہ صاحب نے جنگ یورپ کے شروعات کے وقت لکھا تھا جس حسب ذیل سات رسالے ہیں۔

توپ خانہ۔ بندوق۔ ہوائی جہاز۔ بم گولہ کا اعلان جنگ۔ بلجیم کا میدان جنگ۔ جرمن شہزادہ کی لاش

ان رسالوں میں دلچسپی کے ساتھ تصوف کے نکتے لکھے گئے ہیں اور ان کی خوبیاں بیان ہوئی ہیں مجموعی قیمت ۸

مصنفہ حضرت خواجہ حسن نظامی کی کتاب

ذکر خسرو

اس کتاب میں حضرت امیر خسرو کی زندگی کا خلاصہ بیان کیا گیا ہے اور بزم خسروی کے رسالہ کی نہایت مزیدار غزلیں اور نظمیں ہیں قیمت صرف ۲ ۔ چھ آنے علاوہ محصول ۔

المشتہر مینیجر رسالہ نظام المشائخ دہلی ۔

مطبوعہ دلی پرنٹنگ ورکس دہلی

نعت

ہے عرش بریں حق مقام احمد — ہے مرجع خاص و عام نام احمد

سب دفتر کائنات برہم ہوتا — ہوتا جو نہ زیر اہتمام احمد

آئینۂ حق نما ہے روئے احمد — ہے سنبل باغ خلد موئے احمد

گلیوں سے مدینے کی ہوا آتی اب تک — وہ نکہت زلف مشکبوئے احمد

فردوس بریں ہے نام کوئے احمد — ہے مظہر اسم ذات روئے احمد

رانڈوں کے یتیموں کے ہیں والی وارث — ملتی جلتی ہے حق سے خوئے احمد

عالم میں کھلا ہے لالہ زار احمد — رنگ گل قدرت ہے عذار احمد

ہے موج نسیم صبحگاہی پھر لا — وہ نکہت زلف مشکبار احمد

ہے نقش نگین عرش نام احمد — تفسیر کلام حق کلام احمد

ہے خلق عظیم اسم اعظم کوثر
کیوں خلق خدا نہ ہو غلام احمد

کوثر خیرآبادی

شیخ المشائخ شیخ رحمکار رح

(۱) شیخ رحمکار رح تحصیل نوشہرہ ضلع پشاور ملک خٹک (کوہستان) میں ایک کامل ولی گزرے ہیں۔ جس گاؤں میں وہ مدفون ہیں وہ گاؤں بھی انکے نامی (زیارت کاکا صاحب) سے مشہور ہے۔ شیخ رحمکار رح کو لوگ شیخ امین خراسانی بھی کہتے ہیں اور عرف آپ کا کاکا صاحب ہے۔ شیخ رحمکار رض ہاشمی حسینی سید ہیں۔ اسطرح کہ ہاشم سے عبدالمطلب پیدا ہوئے۔ اور عبدالمطلب سے جناب عبداللہ اور جناب عبداللہ سے حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم۔ اور حضرت محمد صلعم سے بی بی فاطمہ رض اور بی بی فاطمہ رض سے حضرت امام حسن رض اور امام حسین رض سے امام زین العابدین رض۔ اور امام زین العابدین سے امام محمد باقر رح اور امام محمد باقر رض سے امام جعفر صادق رض اور امام جعفر صادق سے حضرت اسمٰعیل رح اور حضرت اسمٰعیل رح سے سید خاتم معروف بہ سید کاظم رض حضرت سید خاتم سے حضرت سید فلاح معروف بہ سید الرجال۔ سید فلاح سے حضرت سید قاف معروف بہ سید خان بابا۔ سید قاف سے حضرت سید رجال معروف بہ گلی بابا۔ سید رجال سے حضرت سید گل معروف بہ لقمان بابا۔ حضرت سید گل سے حضرت علی اکبر معروف بہ تورخان بابا۔ حضرت علی اکبر سے حضرت سید سعدالدین معروف بہ تورے بابا۔ حضرت سید سعدالدین سے حضرت سید سیف الدین حضرت سید سیف الدین سے حضرت سید احمد معروف بہ انوس صاحب۔ حضرت سید احمد سے حضرت سید محمود معروف بہ یونس صاحب حضرت سید محمود سے حضرت سید باقر معروف بہ علی العالم یعنی قبلۂ عالم حضرت سید باقر سے حضرت سید محبت معروف بہ سید حسین۔ حضرت سید محبت سے

حضرت سید لیسین حضرت سید لیسین سے حضرت سید آدم بابا۔ حضرت سید آدم بابا سے سخی سرور اویسی چشتی۔ حضرت سخی سرور سے حضرت اویسی سید نادر معروف بہ ستے بابا۔ حضرت سید نادر سے حضرت اویسی سید بہادر معروف ایک بابا۔ حضرت سید بہادر سے شیخ المشائخ قطب حقیقی شیخ رحمکارؒ۔ ہاشم اور عبد المطلب مکہ معظمہ قبرستان حجر میں مدفون ہیں۔ اور جناب عبد اللہ نے ایام سفر یثرب (مدینہ) میں وفات پائی تھی۔ اور وہ مدینہ میں بنی نجار کے دار نابغہ میں دفن ہوئے (بحوالہ خطبات احمدیہ تالیف سر سید احمد خان صاحب) حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کا روضہ مبارک مدینہ منورہ مسجد نبوی میں واقع ہے۔ اور حضرت بی بی فاطمہؓ کا مرقد شریف مدینہ منورہ جنت البقیع میں ہے اور حضرت امام حسینؑ شہید کربلا کا مزار شریف کربلائے معلے واقع عراق عرب میں ہے۔ حضرت علی زین العابدین اور امام محمد باقر اور امام جعفر صادق اور حضرت اسمٰعیل مدینہ منورہ جنت البقیع میں مدفون ہیں۔ اور سید خاتم اور سید فاتح کا مقبرہ شہر مشہد ملک ایران میں ہے۔ سید قاف و سید رجال و سید گل بخارا شریف میں آرام فرما رہے ہیں۔ سید علی اکبر اور سید سعد الدین اور سید سیف الدین اور سید احمد اور سید محمود پشین میں مدفون ہیں۔ سید باقر شہر غزنی میں ایک پہاڑ کی چوٹی پر دفن کیے گئے ہیں۔ سید محبت ملک خوست اور وزیرستان کے درمیان مدفون ہیں۔ اور حضرت لیسین خاص ملک خوست میں مدفون ہیں۔ حضرت سید آدم بابا موضع کربوغہ سرحد ملک خٹک و بنگش میں مدفون ہیں۔ سخی سرور معروف بہ غالب بابا یا غائب بابا کی قبر علاقہ ڈیرہ جات اور مزار شریف موضع مردوبہ کے نزدیک علاقہ خوڑہ تحصیل نوشہرہ ضلع پشاور میں واقع ہے۔ سید بہادر معروف بہ ایک صاحب کی زیارت شریف موضع کنڈرخیل تحصیل نوشہرہ ضلع پشاور کے نزدیک ایک پہاڑی جنگل میں واقع ہے۔ مزار مبارک

شیخ المشائخ شیخ رحمکار صاحب موضع زیارت کاکا صاحب تحصیل نوشہرہ ضلع پشاور میں جو مرجع خلائق ہے واقع ہے۔ اب بھی تمام اطراف و اکناف سے لوگ واسطے طلب حاجات دینی و دنیوی خصوصاً صفائی حافظہ و ذہن کے آتے ہیں۔ ہر روز لوگوں کا ایسا انبوہ ہوتا ہے گویا عید کا میلہ لگا ہوا ہے (ماخوذ از مقامات قطبیہ و مقالات قدسیہ تصنیف شیخ عبدالحلیم صاحب فرزند چہارم کاکا صاحب مرتبہ حاجی محمد اسد نبیرہ شیخ عبدالحلیم صاحب بحوالہ تذکرہ شیخ یحییٰ صاحب معروف بہ حضرت جی صاحب ایک مرید المرید شیخ رحمکار صاحب)۔

ولادت و مجاہدہ اخوند سہیل صاحب مرید کاکا صاحب اپنی کتاب میں ذکر کرتے ہیں کہ انکو معتبر ذریعہ سے معلوم ہوا ہے کہ شیخ سید بہادر معروف بہ ایک صاحب والد بزرگوار شیخ رحمکار صاحب کے زمانے میں ایک شخص کشمیر نام کا بیٹا سخت بیمار ہوا۔ کشمیر اپنے بیٹے کو ایک صاحب کے پاس لایا اور ایک صاحب سے اسکی صحت کی دعا کی التجا کی۔ شیخ صاحب نے بحکم حدیث قدسی۔ من لم یذق فقد الولد بمحبتی و فناء الوالد بمودتی لم یجد لذۃ الوحدانیۃ الفردانیۃ۔ جو کوئی میری محبت میں اپنے بیٹے کے مرنے کا اور میری دوستی میں اپنے باپ کے فنا ہونے کا مزہ نہ چکھے وہ وحدانیت اور فردانیت کا مزہ نہیں چکھتا۔ اسلیئے انہوں نے بی بی صاحبہ کو حکم دیا کہ اپنے فرزند کی آنکھوں میں سرمہ لگا کر گہوارہ میں سلادو۔ بی بی صاحبہ نے ویسا ہی کیا۔ جب کچھ ساعت گزر گئی اور بی بی صاحبہ نے اپنے لڑکے کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ مر گیا ہے تو سخت غمگیں ہوئیں۔ اور نزدیک تھا کہ کچھ جزع فزع کریں کہ شیخ صاحب نے انکو تسلی دی اور کہا کہ خدا اسکے بدلے تمکو ایسا بیٹا دیگا کہ سورج کی طرح تمام جہان میں چمکیگا۔ بی بی صاحبہ نے صبر کیا۔ اور کشمیر کا لڑکا اچھا ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے بی بی صاحبہ کو فرزند متوفی کی جگہ شیخ رحمکار صاحب عطا کیئے جو آفتاب کی مانند تمام جہان پر چمکے۔

اور قطب حقیقی کے مرتبے پر فائز ہوئے۔ اولیاء اللہ میں قطب حقیقی سے زیادہ مرتبہ اور کوئی نہیں ہے۔ تمام ابدال و اوتاد۔ نجبا و قطب مدار و افراد قطب حقیقی سے نیچے ہیں۔

شیخ عبدالحلیم صاحب فرزند چہارم شیخ رحمکار اپنی کتاب مناقب کاکا صاحب میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ نے ایام طفولیت میں مجاہدہ شروع کیا تھا۔ ہمیشہ تھوڑا کھانا کھاتے تھے اور راتوں کو جاگتے تھے۔ لوگوں سے کنارہ رکھتے اور خاموش بسر کرتے تھے۔ یہاں تک کہ بچپن ہی میں ذکر و فکر میں ایسے مستغرق تھے کہ ایک روز ان کی والدہ کو کسی متاع خانگی کی ضرورت تھی۔ اور وہ اسکی تلاش کر رہی تھیں مگر نہ پا سکتی تھیں۔ شیخ صاحب نے اس چیز کو دیکھ لیا اور اٹھکر لانے لگے مگر دو تین ہی قدم اٹھا کر چلے تھے کہ ضعف سے بیہوشی طاری ہوئی اور گر پڑے والدہ صاحبہ نے شور مچایا اور وہ ڈریں کہ شاید کسی بھوت پریت کا اثر ہوا۔ شیخ صاحب نے فرمایا کہ میں تندرست ہوں مگر چیز مطلوبہ کے لانیکے لیئے اٹھا اور بسبب ضعف کے گر پڑا۔ بعد ازاں انہوں نے وہ چیز والدہ صاحبہ کو دکھلائی۔ انہوں نے اچھا کھانا کبھی نہیں کھایا۔ کبھی جو کی روٹی اور کبھی مکئی کی روٹی کھاتے تھے۔ روٹی میں نمک بہت ڈلواتے تھے۔ اور بہت سوکھی اور خشک روٹی کھاتے تھے۔ چنانچہ ان کی اولاد میں بھی زیادہ نمک اور خشک روٹی کھانے کی عادت ابھی تک موجود ہے دن رات پہاڑوں اور جنگلوں میں رہتے تھے۔ اور چونکہ اس زمانہ میں چوروں اور رہزنوں کا بڑا خطرہ رہتا تھا۔ انکی والدہ کو تشویش رہتی تھی۔ اور ہمیشہ گاؤں کے لوگ بھی شیخ صاحب کی تلاش رکھتے تھے اور سر شام گھر لے آتے تھے۔ جب جوان ہوئے تو انہوں نے اپنی والدہ اور بھائیوں سے کہا کہ یا تو گھر کا اختیار مجھکو دو کہ جس طرح چاہوں خرچ کیا کروں۔ ورنہ میں تم سے جدا ہوتا ہوں۔ والدہ اور بھائیوں

نے تمام گھر کا اختیار انہیں دے دیا۔ اور شیخ صاحب نے جود و سخا شروع کیا اور ایک ہی روز میں ستر بھیڑیں اور تین گائیں ذبح کرائیں اور اپنی سواری کا گھوڑا کتوں کے لیئے ذبح کرایا۔ اور کچھ حصہ گھوڑے کا جنگل میں چھوڑ آئے کہ دیگر درندے کھالیں ؎

جد ہست و جہد مایۂ اقبال آدمی — تا از حضیض خاک باوج سما رسد

مردان ز جد و جہد بجائے رسیدہ اند — آنرا کہ جد و جہد نباشد کجا رسد

اسی طرح بدنی ریاضت کے ساتھ ساتھ علم ظاہری یعنی کلام اصول اور تفسیر اور حدیث و فقہ میں درجۂ کمال کو پہنچے۔ اور علم باطنی میں بھی سرآمد زمانہ ہوئے غرضکہ شریعت اور طریقت اور حقیقت میں عالم متبحر بن گئے۔ گویا اپنے وقت کے بایزید بسطامی و شیخ عبدالقادر جیلانی اور جنید بغدادی ہو گئے۔ جب شیخ صاحب کا آوازہ بہت بلند ہوا تو دور دور سے لوگ زیارت کرنے اور فیض پانے کے لیئے آنے لگے۔ چونکہ حضرت کا طریقہ اویسیہ تھا وہ نہیں چاہتے تھے کہ انکی شہرت ہو اسلیئے انہوں نے گاؤں والوں کو منع کیا کہ زائرین کو نہ اپنے پاس سے کھانا دیا کرو اور نہ ان کا اپنا کھانا پکایا کرو۔ لیکن یہ سلسلہ نہ رکا۔ اور مشتاقان دیدار اپنا سامان ساتھ لاتے تھے اور اپنے لیئے اپنا کھانا آپ پکاتے تھے۔ بعد اسکے شیخ صاحب نے زائرین کے برتن اور دیگ توڑوا دیئے۔ اسپر بھی لوگ باز نہ آئے۔ اور بھوکے جب کسی طرح پر بھی لوگوں کا آنا بند نہوا۔ تو حضرت نے فرمایا کہ چونکہ یہ لوگ خدا لئے میرے پیچھے لگاتے ہیں۔ اسلئے خلاصی ناممکن ہے۔ تب انہوں نے لوگوں کو اجازت دی کہ جس کا دل چاہے زائرین کی خدمت کیا کرے۔ جب فتوح کا آنا شروع ہوا تو خود کھانا دینا شروع کیا۔ بلکہ قرض لیکے بھی مسافروں اور مہمانوں کو کھانا اعلیٰ قسم دیا کرتے تھے۔ اور ماہوار خرچ ہزاروں روپیہ پہنچ جاتا تھا۔ علاوہ دیگر نقد جود و سخا

انھوں نے تیس ہزار غلام خرید خرید کر آزاد کیے ۔ سعد اسد خاں وزیر حضرت کا آزاد
کردہ غلام تھا ۔ چند عرصہ کے بعد لوگوں کو ہدایت دینا بھی شروع کیا ۔

ارشاد کا طریقہ یہ تھا کہ حضرت کیمیا نظر تھے ۔ صرف اوسکی توجہ سے مریدکے
قلب کو منقلب فرمادیتے تھے ۔ کسی کو خواب و رؤیا میں فیض پہنچاتے تھے کسیکو
وضو کا پانی پلاتے تھے ۔ کسیکو اپنے وضو کے پسماندہ پانی سے وضو کراتے تھے
کسی شخص کے کبر و غرور توڑنے کے لیے اس سے کوئی ذلیل خدمت کراتے تھے
جیساکہ نقل ہے کہ ایک بڑے امیر و ذی منصب دار شخص کو حکم دیا کہ جنگل سے لکڑیوں کا
پشتارہ لاکر بازار میں بیچو ۔ اس نے ویسا ہی کیا اور اسی خدمت سے وہ کمال کو
پہنچے ۔ غرضکہ ان کا طریقہ ارشاد دیگر مرشدوں سے نرالا ہے ۔ شنیدہ کے بود
مانند دیدہ ۔ ہزاروں آدمی انسے کامیاب ہوتے ہیں ۔ ان کی کرامتیں حد و عد
سے متجاوز ہیں ۔ کرامت کے معنی وہ نہیں ہیں جو عام لوگوں نے سمجھے ہیں کہ ہوا
میں اڑنا یا پانی پر چلنا ۔ یا ایک لمبی منزل کو قلیل عرصہ میں قطع کرنا ۔ یا بے موسم میوہ
بہم پہنچانا ۔ یا اسی طرح اور ہتکمند شے دکھلانا اس طرح کے اعمال کو خرق عادت یا شعبدہ
کہتے ہیں ۔ اس طرح کے کام غیر ولی اور مداری اور جوگی اور بے دین بھی کیا کرتے ہیں
یہ روح انسانی کی ایک طاقت ہے جو بعد نفس کشی انسان کو حاصل ہوجاتی ہے ۔ یا
کسب و ہنر ہے جیسا مسمریزم وغیرہ ۔ یہ کام اولیاء اور انبیاء کا نہیں انبیاء
اور اولیاء کا کام کرامت اور فراست ہی ۔ کرامت کے تین شعبے ہیں ۔ (اول) معاملۂ
صادقہ مثل الہام و تعلیم و تعلم و تفہیم غیبی و علم و حکمت ۔ (دوم) مقامات کاملہ مثل
محبت و خشیت و توکل و رضا و تسلیم و صبر و استقامت و زہد و قناعت و تفرید
تجرید ۔ (سوم) اخلاق فاضلہ مثل علو ہمت و وفور شفقت و حلم و حیا و وفا و
صدق و صفا و شجاعت و سخاوت ۔

اولیاء اللہ ہمیشہ بندگی اور عبودیت کے رستے پر چلتے ہیں اور علی الدوام نزار و نزار رہتے ہیں اور تصرفات الوہیت کے مدعی نہیں بنتے۔ خاک کی طرح خاموش رہتے ہیں۔ آگ کی طرح جوش میں نہیں آتے۔ مقام تجرید اور تفرید میں بندگان الٰہی سے متنفر نہیں ہوتے۔ اور نہ حقداروں کا حق تلف کرتے ہیں مقام توکل میں محض بے عقلوں کی طرح بیکار نہیں ہوتے۔ اور ادب کے طریقے یعنی رعایت اسباب کو ہاتھ سے نہیں دیتے ہیں اور مناجات کی لذت کے لیے عام لوگوں سے کنارہ کش نہیں ہوتے ہیں بلکہ مناجات کے لیے خالی وقت کی تلاش میں رہتے ہیں۔ سخاوت میں اسراف کو روا نہیں رکھتے ہیں اور شجاعت میں جوش غضب کو دخل نہیں دیتے ہیں۔ گویا اُن کے افعال و اقوال اقتضاء طبعی سے صادر نہیں ہوتے ہیں بلکہ جو کچھ کرتے ہیں خدا کی اطاعت سے کرتے ہیں۔ مثلاً اگر کسی چیز کو بخشتے ہیں تو مولا کی رضا کے لیے بخشتے ہیں۔ رب العالمین اُن کے اقوال و افعال و عبادات و عادات و معاملات و مقامات و اخلاق و احوال کو نفس اور شیطان کی مداخلت اور سہو و خطا سے اپنی قدرت کاملہ سے محفوظ رکھتا ہے۔ اور فرشتے اُن پر مقرر کرتا ہے۔ تاکہ بشریت کا غبار اُنکے دامن کو آلودہ نہ کرے۔ اور نفس بھی اپنا مطلب اُن سے نہ نکالے۔ اور بعض اُن میں سے کیمیا نظر ہوتے ہیں۔ جو شقی کو سعید کرتے ہیں۔ ان تمام امورات کو کرامت معنوی کہتے ہیں باقی رہی خرق عادت جسکو کرامت حسی بھی کہتے ہیں وہ بالذات ہدایت کے اسباب میں سے نہیں۔ شاید کہ بعض سعداء کے لیے اتفاقاً ہدایت کا سبب ہو جائے اس نور سے جو رحمت الٰہی سے کسی سعید ازلی کے قلب میں مینہ کی طرح برستا رہتا ہے اور اسکو محبت حقیقی کی نعمت پر ابھارتا رہتا ہے۔ علاوہ اسکے اکثر اولیاء اللہ خرق عادت یا کرامت حسی کو مکروہ جانتے ہیں الکرامۃ حیض الرجال مشہور مقولہ ہے

پولیٹیکل گرگٹ کی نسبت

اخبار خطیب کی رائے آج کل جبکہ سنٹرل بیورو تمام نظریہ ان اسلام سے حالات کی اشاعت کا انتظام کر رہی ہے اور اس سلسلہ میں کئی ٹریکٹ بھی شائع کر چکی ہے کیسی عبرت ہوتی ہے کہ دہلی کے ہمارے دوست جناب مولوی ظفر علی خانصاحب کی بیہودہ پروری کی داستانیں لانے کا کام شیخ ضیاء الحق صاحب سابق ایڈیٹر زمیندار کو اپنے ذمہ لینا پڑا شیخ صاحب کی نسبت ہم در حقیقت کہہ سکتے ہیں کہ ان سے کوئی ایسا شخص جو صراط مستقیم سے ہٹ کر ہو بچ نہیں سکتا اور خصوصاً سیاسی بہروپوں کے لیے تو وہ سچ مچ مصداق غث السلکری کی تفسیر ہیں مولوی ظفر علی خانصاحب نے باؤلے کتے کے کاٹنے کے بعد سے جو رویہ اختیار کیا ہے اور جس طرح وہ آزاد ہو کر شملہ سے لاہور اور لاہور سے حیدرآباد پہنچ گئے تھے اس بارہ میں تو ملکی پریس بہت کچھ لکھ چکا ہے۔ اور لوگ جنہوں نے انکے اس فعل کو پسند کیا ہو۔ لیکن یہ سارا مواد منتشر تھا اور ہر ایک کی نظر میں نہ آسکتا ہو گا اور زمانہ شاہد ہے اس شخص نے برس و برس میں کسی وقت چاہتے تو قلم کی ایک گردش اور زبان کی ذرا سی حرکت سے پبلک کو مست و سرشار کر دیتے اور انکی سب بدعنوانیاں بھول جاتیں مگر شیخ ضیاء الحق صاحب نے کتابی صورت میں جمع کر کے تھام دیا ہے اور نسبتاً اس کے اثر کو دیرپا بنا دیا ہے اس کا نام شیخ صاحب نے

پولیٹیکل گرگٹ

رکھا ہے اسکے شروع میں بذیل دیباچہ تمہید مولوی ظفر علی خانصاحب کی پچھلی زندگی بھی دکھائی ہے اور مولانا شاہ عمادی کے بارے میں بھی عجیب غریب انکشافات ہیں ضخیم کتاب پر لکھا ہے کہ یہ قومی لیڈر اور خادم کی کہانی ہے جس کا مطمح نظر ایک سیاسی ہو کاروباری پیشہ بنا تھا۔ یہ آئینہ ہے ان سب قومی ڈاکوؤں اور ملکی غارتگروں کے گچھے کا اور جتھے کا جو قوم، مذہب اور ملک کا نام لیکر غریبوں مفلسوں یتیموں اور بیواؤں کو لوٹکر اپنی جیبیں بھرتے ہیں اور بڑی شان سے قومی شہید کہلا کر مزے اڑاتے ہیں۔ یہ کتاب ظفر علی ہی کی قلعی نہیں کھولے گی بلکہ ان جیسے تمام وطنی لیڈروں کی حقیقت پبلک کو بتا دے گی درا لیکن سب بنا دی ایڈیشن کی کھپت آگے جائیں گے کہ ظفر علی خاں کی بنا وٹ اتر کر چلی گئی ہم پولیٹیکل گرگٹ کو از اول تا آخر مطالعہ نہیں کر سکے پھر بھی سرسری ورق گردانی سے اتنا ہی معلوم ہوا جتنا اوپر بیان کیا گیا ضخامت قریباً ۶ جزو بڑی تقطیع سفید دبیز کاغذ عمدہ لکھائی چھپائی قیمت ۱۲؍ علاوہ محصول۔ منیجر رسالہ نظام المشائخ دہلی سے منگائیے

اچھی طرح سے ادا نہ کر سکتے تھے۔ اس عالم کے دلمیں گذرا کہ یہ قرأت اچھی طرح ادا نہیں کر سکتے تو ان کی نماز کیا ہوگی۔ یہ نیک شہرت شاید غلط ہے۔ جب نماز ختم ہوئی اور سلام پھیر دیا گیا تو شیخ صاحب نے فرمایا کہ پاؤں کے درد کے مارے اچھی طرح قرأت نہ کر سکا وہ عالم پشیمان ہوئے۔ اور انکی بدگمانی جاتی رہی +

یہ اور اسیطرح بزرگوں کے دیگر افعال کشف اور فراست سے تعلق رکھتی ہیں اور رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ اِنَّہٗ یَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰہِ مومن کی فراست سے ڈرو کہ وہ خدا کے نور سے دیکھتا ہے +

غرض کہ شیخ رحمۃ اللہ علیہ حضرت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پورے متبع اور پیرو تھے۔ جیسا کہ اس آفتاب توحید و الوہیت اور سرچشمہ رسالت و نبوت کی نظر فیض اثر کا کسی مسلمان پر پڑ جانا بعضوں میں مدارج علیہ طے کرا تا تھا۔ ویسا ہی شیخ رحمکا رصاحب ایک توجہ خاص سے مرید کو نشیب زمین سے بلندی عرش تک پہنچاتے تھے اپنی حیات میں ہزارہا لوگوں کو مستفیض فرمایا۔ اور جیسا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک سے لوگوں کو آجتک برابر فائدہ پہنچتا ہے۔ ویسا ہی شیخ صاحب کی روح سے بعد وفات ہزارہا لوگ مستفید ہوئے ہیں بعض لوگوں کو خواب میں اور بعضوں کو حضرت کے مزار سے فیض حاصل ہوتا ہے۔ شیخ عبدالحلیم صاحب مصنف مقامات فرماتے ہیں کہ انکو بھی روضہ مبارک سے فیض پہنچا ہے کہ جوں جوں میں مزار شریف پر حاضر ہوتا رہا روحانی دولت اپنے دلمیں انوار پاتا رہا۔ جو کچھ میں نے دیکھا۔ دل کی آنکھوں سے دیکھا اور جو کچھ میں نے سنا دل کے کانوں سے سنا۔ اشارہ کافی ہے۔ ایسے انکشافات میں زیادہ کلام کرنا بے ادبی ہے۔ اختصاراً عرض کیا گیا۔ خَیْرُ الْکَلَامِ مَا قَلَّ وَدَلَّ۔

(انتہاے کلام شیخ عبدالحلیم صاحب) شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی عمر اسی سال تھی اور جب ۹۰ برس

سنہ ۱۰۶۳ ہجری کو انھوں نے وفات پائی تھی۔ گویا انکی پیدائش سنہ ۹۴۶ ہجری میں ہوئی تھی۔ شیخ صاحب کی رحلت کو سنہ ۱۰۶۳ھ سے سنہ ۱۳۳۶ھ تک ۲۷۳ سو چہتر سال ہوئے اور بہت عمدہ انکی برکت دین میں روز افزوں ترقی ہے۔ شیخ صاحب کا مزار شریف انکے گاؤں کے متصل گاؤں سے شمال مشرق کی طرف ایک پہاڑی پر واقع ہے۔ مزار کے مغرب کی طرف اور مشرق کی طرف تین چار پختہ مسجدیں ہیں۔ وہ مساجد نمازیوں اور زائرین سے ہر وقت بھری رہتی ہیں۔ مزار کے گنبد کے اندر بیسیوں مصاحف بڑے حروف والے الماریوں میں رکھے رہتے ہیں۔ اور تلاوت قرآن کا شور بپا رہتا ہے اور انوار کی بارش ہوتی رہتی ہے۔ جو شخص شیخ صاحب کے مزار کو ایک دفعہ دیکھتا ہے وہ مزار شریف پر دل چھوڑ جاتا ہے۔ رجب میں حضرت کا عرس شریف ہوتا ہے۔ اور لاکھوں آدمی دور دور سے آتے ہیں۔ ۱۰۔ رجب سے ۲۴۔ رجب تک میلہ رہتا ہے اور ہر ایک کو کچھ نہ کچھ فیض حاصل ہو جاتا ہے یہ رباعی ان کا مصداق حال ہے ؎

رو گرد جہاں بگرد پا آبلہ کن   گر یہ زمین یابی انگہ گلہ کن
یک روز بہ اخلاص بیا بر در من   گر شاہ جہاں نگردی ماراگلہ کن

شیخ صاحب کی ایسی بڑی برکت اور کرامت ہے کہ جہاں کہیں ان کی اولاد ہے صاحب دولت اور معزز و آزاد اور سخی ہے۔ اور ہر ایک باخبر اور ذی علم ہے۔ شیخ صاحب سے زیادہ کثیر الاولاد کوئی بزرگ نہیں گزرے ہیں۔ تمام ملکوں میں انکی اولاد کی آمد و رفت ہے وہ لوگ رہتی ہے۔ وہ سوات، بنیر، دیر، باجوڑ، چترال، بلخ، بخارا، بدخشاں، آفریدستان، وزیرستان، کوہستان وغیرہ میں سورج کی طرح ظاہر و باہر ہیں۔ قوم اور حکومت دونوں کے خیرخواہ ہیں۔ حکومت بھی ان سے راضی اور قوم بھی ان سے خوش۔ مذہباً سنی حنفی المذہب ہیں۔ کوئی بدعتی فرقہ ان کو

ورغلا نہیں سکتا۔ ہرملت ومذہب والوں سے صلح وآشتی سے پیش آتے ہیں گویا صوفی مشرب یہ لوگ ہیں۔ راقم الحروف کو بھی شیخ صاحب کی فرزندی کا شرف حاصل ہے۔ آخر میں میری یہ دعا ہے :-

رَبِّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ قف اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ۝

ترجمہ اے میرے پروردگار اور اے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے دنیا اور آخرت (دونوں) میں تو ہی میرا کارساز ہے۔ تو (اب) مجکو اپنی فرمانبرداری کی حالت میں (دنیا سے) اٹھا لے اور مجکو اپنے نیک بندوں میں سے جا داخل کر۔

(حاجی) احمد اللہ کاکاخیل اویسی

مہ بغداد

ساقیا بھر کے مجھے جام پلایا کیسا
کہ کھنچا پیش نظر آج یہ نقشا کیسا

نظر آیا یہ مجھے خواب میں جلوا کیسا
مردم چشم نے دیکھا یہ تماشا کیسا

طرف باغ چلی فصل بہاری دیکھو
شہ ذیجاہ کی آئی ہے سواری دیکھو

وہ شہنشاہ لقب جنکا ہے غوث اعظم
نام سے انکے مٹیں سب غم و اندوہ و الم

جان زہرا ہیں تو نور نظر فخر امم
دوش اقدس پہ عیاں شافع محشر کے قدم

یہ شرف اور کسی شخص نے کب پایا ہے
آپ ہی نے محی الدین کا لقب پایا ہے

ذرۂ خاک ہوں خورشید بناؤ آقا
مہ بغداد ہو شکل اپنی دکھاؤ آقا

ایک بیکس کی خبر لینے کو آؤ آقا
ڈوبتی ناؤ ہے طوفاں سے بچاؤ آقا

بے حجابانہ مجھے آج حضوری ہو جائے

جو تمنا دل محزوں میں ہے پوری ہو جائے

میرے مولیٰ ہو مری بگڑی کے بنانیوالے! قید اندوہ مصیبت سے چھڑانے والے

کلفت و رنج و غم و درد مٹانے والے دستگیر آپ کو کہتے ہیں زمانے والے

میں گرفتار مصیبت ہوں اغثنی یا غوث

کشتۂ صدمۂ و کلفت ہوں اغثنی یا غوث

میری جانب نظر لطف و عنایت ہو جائے روضہ پاک کی اب مجکو زیارت ہو جائے

جلوہ دید کی حاصل مجھے لذت ہو جائے روبروئے چشم کے پھر چاند سی صورت ہو جائے

اے رسا کیا کہوں جو لطف اٹھایا تھا کبھی

قدم پاک جب آنکھوں سے لگایا تھا کبھی

رسا محبوب الٰہی گیاوی

ریویو

دل کا مطلب ادا نہوا

خبر نہیں کیا کیا ارمان مجھے کن کن تمناؤں کا ہجوم دل پر تھا اور خط لکھتے وقت کیسی کیسی آرزوئیں پیدا ہوتی تھیں مگر لکھنے کی عادت نہ تھی۔ ہر چند کوشش کی اور گھنٹوں غور کیا مگر دل کا مطلب ادا نہو سکا۔

خط لکھنا بھی ایک فن ہے جسکو پوری طرح اپنا مطلب ادا کرنا اور خط میں اپنی تصویر کھینچ دینے کا سلیقہ نہو وہ اس آدمی ملاقات سے محروم ہو جو خط کے ذریعہ حاصل ہو جایا کرتی ہے۔

خاص کر جب کاروبار کا ہو، خانہ داری کا ہو یا کسی اور قسم کا۔ ہمیں اسکی بہت بڑی ضرورت ہے کہ خط لکھنے والے کو کم از کم اتنی مہارت ضرور ہو کہ زیادہ اور پورا مطلب ادا کر دینا آتا ہو ورنہ خط لکھنا تو بیکار ہے جب آپس کی بات ہی نہ ہو۔

حضرت خواجہ حسن نظامی کے **مجموعہ خطوط** نے ہندوستان کی اس اہم ضرورت کو پورا کر دیا۔ انکے مجموعہ خطوط میں ایسے موثر اور رنگا رنگ خطوط ہیں جنکو دو دفعہ پڑھنے کے بعد ہر آدمی اچھا خط لکھنے لگتا ہے اور اسکو سبق ملتا ہے کہ اپنے دل کا مطلب ادا کرنا آتا ہے۔

آج تک کسی اردو انشا پرداز کا ایسا مجموعہ خطوط نہیں چھپا جس میں خطوط نویسی کی آسان تعلیم کا التزام کیا گیا ہو۔

حضرت خواجہ صاحب کے مجموعہ خطوط میں یہ خوبی سب سے بڑی ہے کہ اس میں فرضی خط نہیں ہیں۔ کیونکہ فرضی خطوط پڑھنے سے سمجھ لیا جاتا ہے اور فطری قابلیت پیدا نہیں ہوتی۔ اس مجموعہ خطوط میں بیوی کے نام خط ہیں انکے پڑھنے سے ہر آدمی سمجھ جاتا ہے کہ اپنے اہل و عیال کو کس طریقہ سے خطوط لکھنے چاہئیں اور وہ کیا طریقے ہیں جن سے بال بچوں کے ساتھ دلی موانست کا اظہار ہو سکے۔ اور وہ بھی اس موانست سے متاثر ہو کر اپنے سرپرست کے ساتھ اور زیادہ وابستہ ہوں۔

بیوی اور بیٹی کے نام جو خطوط حضرت خواجہ صاحب نے لکھے ہیں اور انکے مجموعہ خطوط میں شائع ہوئے ہیں انکو پڑھ کر باسانی معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ بہشتی زندگی جو خوش باش گھروں میں ہونی چاہئے زیادہ تر اظہار برتاؤ پر منحصر ہے اور خطوط کے ذریعہ سب سے اچھا برتاؤ ظاہر کیا جا سکتا ہے۔ اگر آدمی اسپر قدرت رکھتا ہو۔ اردو کے کسی مجموعہ مکتوبات میں خانگی زندگی کی وہ اصلی مسرور اور خوش باش تصویر نہ ملے گی جو حضرت خواجہ صاحب کے مجموعہ خطوط میں ہے۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ صاحب کی اندرونی خانہ داری بہت ہی شاد کام اور باہمی اعتماد و التفات سے لبریز ہے۔ کیونکہ ہر وہ خط جو اس مجموعہ خطوط میں ہے اور جس میں بیوی یا بچی کو مخاطب کیا گیا ہے جیتی جاگتی تصویر خوش نصیب خانہ داری کی ہے جو شخص ان خطوط پر غور کرے گا۔ اس کو اپنی بیوی بچوں سے شرعی اور سچی محبت کرنی آ جائے گی۔ اور یہ کتنا بڑا فائدہ ہے

جو صرف ایک کتاب کے پڑھنے کے بعد پڑھنے سے حل ہو سکتا ہے۔

حضرت خواجہ صاحب کے مجموعہ خطوط میں، مریدوں، دوستوں وغیرہ کے نام بھی بکثرت ایسے مکتوبات ہیں جو مذہبی تعلقات اور ہندوستان میل جول کی بہترین ہدایت اپنے اندر رکھتے ہیں۔ دنیا میں اب دوست کا میسر آنا محال ہو گیا ہے مگر یہ مجموعہ خطوط بتاتا ہے کہ خط و کتابت کے ذریعہ دلی محبت اور دوستی کے جذبات کو کیسی عمدگی کے ساتھ ترقی دیا جا سکتا ہے۔ اور ایسے دوستوں کی نیچرل معاملت میں کس حد تک تقویت حاصل ہوتی ہے۔

اصل میں دوستوں کو خطوط لکھنے بہت مشکل ہیں اور انکے باہمی فرق و مراتب کو ملحوظ رکھنا تو بعض اوقات محال ہو جاتا ہے مگر حضرت خواجہ صاحب نے اسمیں خاص کمال دکھایا ہے اور ہر دوست کو نرالے انداز سے مخاطب کر کے اپنے تعلقات کے درجے ظاہر کر دیئے ہیں۔

پیر لوگ اپنے مریدوں کو جس روکھے پھیکے طریقے سے خط لکھتے ہیں اسکو [illegible] دل کو صدمہ ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ بعض پیروں کو خط لکھنا نہیں آتا۔ حضرت خواجہ صاحب نے اپنے مریدوں کو جس مزیدار طریقے سے مخاطب کیا ہے وہ بس دیکھنے کے قابل ہے اور فن تربیت اور جذبات کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے۔

الغرض اردو زبان میں حضرت خواجہ حسن نظامی کا مجموعہ خطوط ایک ایسی نعمت ہے جس کی نظیر نہ پہلے گزری نہ آجکل موجود ہے نہ آئندہ توقع ہے۔

ہر خط کی عبارت مختصر، ظرافت و تمثیلات بلیغ سے آراستہ [illegible] اور پھڑکا دینے والی ترکیبوں سے مرصع سادہ پیرایہ زبان اور طرز ادا کی وہ شیرینی ان خطوط میں ہے کہ انسان [illegible] رہتا ہے۔ اگر درسگاہوں میں یہ مجموعہ خطوط نو آموز بچوں کو پڑھایا جائے تو وہ ایک [illegible] نہایت موثر خط لکھنے لگیں گے۔ کیونکہ حضرت خواجہ حسن نظامی کے اس مجموعہ خطوط کی یہ ایک خاص بات ہے اور اسکی وجہ یہ ہے کہ شاید حضرت خواجہ صاحب خطوط لکھنے میں مقصد تربیت کو پیش نظر رکھتے ہوں گے جبھی تو ان کی زبان ایسی صاف سلیس اور ستھری ہے کہ بچے بغیر کسی تاکید کے ذوق شوق سے پڑھتے ہیں۔ اس مجموعہ میں ایک سو بیس ۱۲۰ صفحے ہیں اور کاغذ لکھائی چھپائی اعلیٰ ہے [illegible]

قیمت صرف ۱۲؍

ملنے کا پتہ

منیجر نظام المشائخ دہلی

[illegible]

[illegible] نے والا بجس اس کے استعمال سے چہرہ [illegible]

[illegible] کے سرخ و سفید ہو جاتا ہے قیمت فی بکس [illegible] اکسیر [illegible]

[illegible]

[illegible] دوست محمد خان [illegible]

[illegible]

پھٹکی جمال صابن

[illegible]

[illegible]

چاندی کے زیورات

[illegible]

۶۸۹

خطیب

مدیر ملا محمد الواحدی

اردو کا تنہا ہفتہ وار رسالہ

مذہبی، سیاسی، علمی، ادبی مضامین کی اشاعت کے علاوہ واقعات پر بڑے وزنی اور شاندار طریقے سے رائے زنی بھی کی جاتی ہے۔ مصور فطرت حضرت خواجہ حسن نظامی اور مصور غم علامہ راشد الخیری خطیب سے زیادہ کہیں نہیں لکھتے۔ ان کے علاوہ ہندوستان کے دوسرے تمام مشہور انشا پردازوں کی قلمی اعانت اسے حاصل ہے۔

چندہ بہت کم یعنی سالانہ مے ششماہی جہ نمونہ مفت

ملنے کا پتہ

منیجر خطیب دہلی

نظام المشائخ

روحانی تسلی و تسکین کا ماہوار پیام

مذہب، اخلاق اور تصوف کے مضامین کا ایک دلنواز مجموعہ

جو سیدی و مولائی حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب خواجہ زادہ حضرت سلطان نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کی زیر سرپرستی بڑی پابندی وقت کے ساتھ ہر چاند کی ٹھیک چھٹی تاریخ کو شائع ہوتا ہے

ایڈیٹر

خادم الشعراء **محمد الواحدی** دہلوی

مقام اشاعت دار السلطنت دہلی کوچہ چیلان

مطبوعہ درویش پریس دہلی

پرنٹر و پبلشر محمد الواحدی

جنگی بخار کے بعد

جنگی بخار سے تندرست ہونے کے بعد اگر آپ اس کمزوری اور خرابی کو جو اس بخار کا
لازمی نتیجہ ہے اور عرصہ تک باقی رہتی ہے دور کرنا چاہتے ہیں تو

ماللحم خاص الخاص

استعمال کیجیے حاذق الملک جناب حکیم محمد اجمل خانصاحب کے خاندانی مجرب نسخہ
کے بموجب ہندوستانی دواخانہ دہلی میں خالص اجزا سے طیار کیا گیا ہے

منیجر نظام المشائخ کوچہ چیلان دہلی سے طلب کیجیے

قیمت فی بوتل پانچ روپیہ محصول پیکنگ علاوہ (خواہ ڈاکخانہ کے ذریعہ سے منگائیے یا ریل سے)

نوٹ جنگی بخار سے تندرست ہونے کے ایک مہینہ ڈیڑھ مہینے بعد اس ماء اللحم کا استعمال لاثانی فوائد
رکھتا ہے تندرست ہوتے ہی اسے شروع کر دینا ٹھیک نہ ہوگا۔

ماللحم خاص الخاص کیا ہے ؟

اعلیٰ درجہ کی مقوی دوا اور نہایت نفیس زود ہضم غذا ہے دل، دماغ، جگر و معدہ کے لیے تازہ
طاقت مہیا کرتا ہے جسم میں نیا اور اچھا خون پیدا کرتا ہے قوت مردانہ کو برانگیختہ کرنے میں
یہ دنیا کی بہترین چیز ہے اور بے ضرر مسکن ہے قیمتی اجزا اس میں شامل ہیں اور یہ واقعہ ہے کہ
اسے خریدنے والے ہمیشہ ہمیشہ کو اسکے قدردان ہو جاتے ہیں انسانی زندگی میں لطف و خوشی کا
عنصر کم ہو گیا ہو تو بس پھر اس ماللحم کے اثر اور کیفیت کو دیکھیے، پانچ تولے سات تولے تک
بقدر ضرورت عمری شامل کر لینا چاہیے اور جنگی بخار کے بعد تو صرف تین تولے شروع کیجیے۔
منگانے وقت پتہ یاد رکھیے: منیجر نظام المشائخ کوچہ چیلان دہلی

۲۱ ... موسم میں کھول لینا مناسب ہوگا۔

نظام المشائخ

[illegible] | بابت ماہ جمادی الثانی [illegible] ہجری | [illegible]

فہرست مضامین

موت اک زندگی کا وقفہ ہے
یعنی آگے چلیں گے دم لیکر

حیات بعد الموت

جس کا

انگلستان کی مشہور مصنفہ فلارنس میرٹ کی

کتاب

دیر از نو ڈیتھ

سے

مسٹر اختر محمد خاں صاحب ڈپٹی کلکٹر نے ترجمہ کیا ہے

ضخامت قریباً چھ سو صفحے اصل قیمت چار روپے

جمادی الثانی ۱۳۳۸ھ تک درخواست کرنیوالوں کو صرف ۳ میں

دیجائے گی بشرطیکہ وہ ۳ بذریعہ منی آرڈر پیشگی بھیجدیں یا اس اعلان کا حوالہ دیکر

وی پی منگوائیں محصول ڈاک بذمہ خریدار

المشتہر منیجر رسالہ نظام المشائخ دہلی

بسم اللہ

نظام المشائخ

شریعت، طریقت، معرفت، حقیقت

حق تعالیٰ فرماتا ہے الٓرٰ کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى
النُّوْرِ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِیْزِ الْحَمِیْدِ اللّٰهِ الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا
فِی الْاَرْضِ وَوَیْلٌ لِّلْكٰفِرِیْنَ مِنْ عَذَابٍ شَدِیْدِ الَّذِیْنَ یَسْتَحِبُّوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا
عَلَى الْاٰخِرَةِ وَیَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَیَبْغُوْنَهَا عِوَجًا اُولٰٓئِكَ فِیْ ضَلٰلٍ بَعِیْدٍ

ترجمہ: اے آنحضرت پیغمبر قرآن ایک بڑی عالی مرتبہ کی کتاب ہے جو ہم نے تم پر بغرض
ہدایت لوگوں کو اُنکے پروردگار کے حکم سے اُتاری ہے۔ تاکہ اندھیروں سے نکالکر ظلم کی
روشنی میں لے آؤ یعنی اس ذات پاک کے رستے پر لاؤ جو سب سے زبردست

[illegible] ہر وقت [illegible] میں (تعریف کے لائق ہے یعنی) اللہ کہ اسیکا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہی اور جو کچھ زمین میں ہی اور عذاب سخت (کے اعتبار سے (جو آخرت میں ہونیوالا ہے) کافروں (کے حال) پر (بڑا سخت) افسوس ہو کہ یہ لوگ آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی کو پسند کرتے اور اللہ کے رستے (پر چلنے) سے (لوگوں کو) روکتے اور اسمیں کجی (پیدا کرنی) چاہتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جو پرلے درجے کی گمراہی میں ہیں +

روح انسانی اس عالم طبیعت میں ایک مسافر ہے کیونکہ یہ عالم امر سے سفر کر کے آئی ہے اس سفر میں حواسوں کی کدورت سے اس کی صفائی جاتی رہی۔ اور اسکی رفعت منقطع ہو گئی جس سے اس کا علم بھی کم ہو گیا۔ یہ لامکانی تھی اور رحم طبیعت میں جنین کی طرح محبوس ہو گئی اعلیٰ علیین سے اسفل السافلین کیطرف لوٹائی گئی۔ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ ہم نے انسان کو بہتر سے بہتر ساخت کا پیدا کیا پھر ہم نے اسکو کمتر سے کمتر مخلوق کے درجہ میں لوٹا لایا۔ اسی طرف اشارہ ہو پھر خدا نے پیغمبروں کے ذریعہ سے انسان کو ہدایت کی جس نے پیغمبروں کے قول کو مانا اس نے ہدایت پائی۔ اور جس نے نہ مانا وہ گمراہ ہو گیا جیسا کہ مذکور ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ الْخَلْقَ فِیْ ظُلْمَةٍ ثُمَّ رَشَّ عَلَیْهِمْ مِّنْ نُّوْرِهٖ فَمَنْ اَصَابَ مِنْ ذٰلِكَ النُّوْرِ اهْتَدٰی وَمَنْ اَخْطَاَ ضَلَّ یعنی اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو اندھیرے میں پیدا کیا تھا پھر اُن پر اپنا نور ڈالا۔ پس جسکو اس نور میں سے کچھ حصہ پہنچا اسنے ہدایت پائی اور جسکو نہیں پہنچا وہ گمراہ ہو گیا +

پیغمبروں نے لوگوں کو خدا تک پہنچنے اور رحم طبیعت سے صحیح و سالم پیدا ہونیکے وہ طریقے بتلائے ہیں جو آسان اور وسیع رستہ ہو اسکو شریعت کہتے ہیں اور جو وقت کا طلب ہو اسکو طریقت بولتے ہیں۔ اور معرفت اور حقیقت (شریعت اور طریقت پر چلنے کا) ثمرہ ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ اَلشَّرِیْعَةُ اَقْوَالِیْ وَالطَّرِیْقَةُ اَفْعَالِیْ

وَالْحَقِیْقَةُ حَالِیْ وَالْمَعْرِفَةُ عِرْفَانِیْ ۔ شریعت میرے اقوال ہیں اور میرے اعمال طریقت
اور میرا حال حقیقت ہے اور میری پہچان معرفت ہے ۔

اَلشَّرِیْعَةُ کَالسَّفِیْنَةِ وَالطَّرِیْقَةُ کَالْبَحْرِ وَالْحَقِیْقَةُ کَالصَّدَفِ وَالْمَعْرِفَةُ فِیْهَا کَالدُّرِّ فَمَنْ اَرَادَ الدُّرَّ رَکِبَ فِی السَّفِیْنَةِ ثُمَّ شَرَعَ فِی الْبَحْرِ ثُمَّ یَصِلُ اِلَی الدُّرِّ یَعْنِیْ اِلَی اللّٰهِ وَمَنْ تَرَکَ هٰذِهِ الطَّرِیْقَةَ لَمْ یَصِلْ اِلَی الدُّرِّ یَعْنِیْ اِلَی اللّٰهِ ۔

(ترجمہ) شریعت کشتی کی مانند ہے اور طریقت دریا کی مانند اور حقیقت سیپ کی مانند اور معرفت مثل موتی کے ہے۔ جو کوئی موتی پانے کا ارادہ کرتا ہے وہ کشتی میں سوار ہو کر دریا میں چلنے لگتا ہے تب موتی یعنی خدا تک پہنچتا ہے اور جو کوئی یہ طریقہ چھوڑ دیتا ہے موتی یعنی خدا تک نہیں پہنچ سکتا ہے

کسے کو در شریعت راست آمد ۔ حقیقت را بروے در کشاید
ز راہ تربیت پیراں بشارت ۔ بجز وہ یار منزلہا عبادت

؎

شریعت را مقدم دار و کنوں ۔ طریقت از شریعت نیست بیروں

شریعت عام لوگوں کا رستہ ہے اور طریقت خاص لوگوں کا۔ شریعت میں بعض اعتقادی باتیں ہیں جیسے اللہ اور فرشتوں کا ماننا اور کتب الٰہی پر ایمان لانا اور خدا کے رسول اور انبیاء کو ماننا اور آخرت کا یقین کرنا۔ اور یہ ماننا کہ خیر اور شر کی تقدیر خدا کی طرف سے ہے۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰی رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ۭ وَمَنْ یَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِیْدًا ۔ **ترجمہ** ۔ مسلمانو! اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول (محمد) پر اور اس کی کتاب (قرآن) پر جو اس نے اپنے رسول (محمد) پر اتاری اور ان کتابوں پر جو (قرآن) سے پہلے (دوسرے پیغمبروں پر) اتاریں۔ اور جو شخص اللہ کا

بکہ جو وہ اسکے فرشتوں کا اور اسکی کتابوں کا اور اسکے رسولوں کا اور روز آخرت کا تو وہ راہ راست سے بڑی دور بھٹک گیا +

بعض باتیں ایسی ہیں جن کو اوامر کہتے ہیں۔ کرنی پڑتی ہیں ایک ان میں کلمہ شہادتین پڑھنا ہوتا ہے۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ میں یہ گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا دوسرا معبود نہیں اور یہ گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم اسکے بندے اور پیغمبر ہیں +

منجملہ انکے نماز کا پڑھنا اور زکوٰۃ کا دینا ہوتا ہے۔ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَارْکَعُوْا مَعَ الرّٰکِعِیْنَ ۝ نماز پڑھا کرو اور زکوٰۃ دیا کرو اور جو لوگ رکوع کرتے ہیں انکے ساتھ تم بھی رکوع کیا کرو +

منجملہ ان کے ایک ماہ رمضان کے روزے رکھنے ہوتے ہیں۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ مسلمانو! جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر روزہ رکھنا فرض تھا تم پر بھی فرض کیا گیا تاکہ تم پرہیزگار ہو جاؤ +

اور امر سے بیت اللہ شریف کا حج کرنا بھی شروع ہے۔ اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّةَ مُبٰرَکًا وَّهُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ ۝ فِیْهِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِیْمَ وَمَنْ دَخَلَهٗ کَانَ اٰمِنًا ۝ وَلِلّٰهِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْهِ سَبِیْلًا ۝ وَمَنْ کَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ ۝ لوگوں کی عبادت کے لیے جو پہلا گھر بنایا گیا وہ یہی ہے جو (شہر) مکہ میں ہے برکت والا اور دنیا جہان کے لوگوں کے لیے (موجب) ہدایت اس میں (فضیلت کی) بہت سی کھلی ہوئی نشانیاں ہیں (از انجملہ) ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ اور جو اس گھر میں داخل ہوا امن میں آگیا۔ اور لوگوں پر فرض ہے کہ خدا کے لیے خانہ کعبہ کا حج کریں جسکو اس تک پہنچنے کا مقدور ہو اور جو (مقدور رکھتے ہیچھے

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

يَسْـَٔلُونَكَ مَاذَآ أُحِلَّ لَهُمْ قُلْ أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ
مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا
اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ
الطَّيِّبٰتُ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ وَ
الْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ
اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ
وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ

(اے پیغمبر) لوگ تم سے پوچھتے ہیں کہ کون کون چیزیں اُن کے لیے حلال کی گئی ہے
سو تم اُن کو بتا دو کہ (کھانے کی ستھری چیزیں (سب) تمہارے لیے حلال کر دی
گئی ہیں اور شکاری جانور جو تم نے شکار کے لیے سدھا رکھے ہوں (اور شکار کا طریقہ
جیسا تم کو خدا نے سکھا رکھا ہے ویسا ہی تم نے اُن کو سکھا دیا ہو تو (یہ شکاری
جانور) جو (شکار) تمہارے لیے پکڑ رکھیں (اور وہ ذبح کرنے سے پہلے مر جائے) تو اُس کو
(بے تامل) کھالو (مگر اتنی احتیاط) یاد رکھو کہ جس طرح ذبح کرتے وقت خدا کا نام لیا کرتے
ہو اسی طرح شکاری جانور کے چھوڑتے وقت خدا کا نام لیا کرو اور اللہ سے ڈرتے
رہو کہ اُسکے حکم کے خلاف کوئی حرام چیز نہ کھا لینا) کیونکہ خدا حساب میں شتاب

سے لیگا تو وہاں کی جواب دہی کا خیال رکھو۔ آج (تمام) پاکیزہ چیزیں تمہارے لیئے حلال کر دی گئیں۔ اور اہل کتاب کا کھانا (بشرطیکہ تمہارے ہاں بھی روا ہو) تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا کھانا انکے لیئے حلال ہے۔ اور مسلمان پارسا بیبیاں اور جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب دیجا چکی ہے۔ ان میں کی بھی پارسا بیبیاں (تمہارے لیئے) حلال ہیں بشرطیکہ انکے مہر انکے حوالے کرو (اور تمہارا ارادہ) انکو قید نکاح میں لانے کا ہو نہ کہ کھلا بدکاری کرنے کا اور نہ چوری چھپے آشنا بنانے کا۔ اور جو ایمان (کی ان باتوں) کو نہ مانے تو اس کا کیا اکارت اور آخرت میں ابھی وہ نقصان اٹھانے والوں میں ہوگا۔

جن جن باتوں کا کرنا لازم ہے اُن کو فرائض کہتے ہیں اور معروف بھی کہتے ہیں۔ اور جن باتوں کے کرنے کی ممانعت ہے انکو کبائر اور منکرات ہیں۔ کبائر میں سے خدا کا شریک پیدا کرنا اور خدا کے سوا غیر کی عبادت یا غیر خدا کو سجدہ کرنا اور والدین کو ناراض کرنا بڑا سخت گناہ ہے۔ وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا۔ اسی کی عبادت کرو اور اسکے ساتھ کسی چیز کو شریک مت ٹھیراؤ اور ماں باپ کے ساتھ سلوک کرتے رہو۔ لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا۔ خدا کے ساتھ دوسرا معبود نہ بنانا ورنہ تم بیٹھے رہ جاؤ گے کہ (خدا اور فرشتے اور ایمان والے سب) تمکو ملامت کرینگے اور تم کو تنہا بے پناہ چھوڑ بیٹھیں گے۔

وَمِنْ اٰيٰتِهِ الَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ اور (جہاں) اور بہت سی نشانیاں ہیں خدا کی قدرت کی نشانیوں میں سے رات اور دن اور سورج اور چاند بھی ہیں تو نہ سورج کو سجدہ کرو اور نہ چاند کو

[illegible]

... تو اسکو چاہیے کہ ان کا ہندسہ لیتے ایک زیادتی نہ ہو ... کیونکہ

... بھی اس کی جیت ہے اور جبتک کہ یتیم اپنی جوانی کو نہ پہنچے ...

... نہ جانا مگر ایسی طرح پر کہ یتیم کے حق میں بہتر ہو اور عہد پورا کیا

... میں عہد کی بازپرس ہوگی۔ اور جب ماپ کر دو تو پیمانے کو پورا

... تولنا ہو تو ڈنڈی سیدھی رکھکر تولا کرو ... یہ بہتر

اور ... اس کا انجام بھی اچھا ہے اسی طرح شراب اور جوا اور بتوں کے

... سے مال بانٹنا حرام قطعی ہے

... الخمر والمیسر والانصاب والازلام ...

... لعلکم تفلحون (ترجمہ) مسلمانو! شراب اور جوا اور بت اور ...

رات میں کا ہر ایک کام، تو بس ناپاک شیطانی کام ہے تو اس سے بچتے رہو تاکہ تم فلاح پاؤ۔
منجملہ منکرات کے سود خوری (ربا) بھی منع ہے۔ اَلَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا کَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ۔ جو لوگ سود کھاتے ہیں کھڑے نہیں ہو سکیں گے مگر اس شخص کا سا کھڑا ہونا جسکو شیطان نے (اپنی) چپیٹ سے مخبوط الحواس کر دیا ہو۔

اسی طرح ناحق یعنی ایک دوسرے کا مال خورد برد کرنا اور خودکشی حرام ہے یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْکُلُوْٓا اَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَکُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْکُمْ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَکُمْ اِنَّ اللّٰهَ کَانَ بِکُمْ رَحِیْمًا۔ مسلمانو! ناحق (ناروا) ایک دوسرے کے مال خورد برد نہ کرو۔ ہاں آپس کی رضامندی سے خرید و فروخت ہو اور اسمیں کچھ ہاتھ لگ جائے تو وہ ناروا نہیں) اور (آپ) اپنے تئیں ہلاک نہ کرو اللہ تمہارے حال پر مہربان ہے۔

حق کا ناحق کرنے کے لیے حاکموں کو رشوت دینا حرام ہے۔ وَلَا تَاْکُلُوْٓا اَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَی الْحُکَّامِ لِتَاْکُلُوْا فَرِیْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔ آپس میں ناحق (ناروا) ایک دوسرے کے مال کو خورد برد نہ کرو اور نہ مال کو حاکموں کے پاس (رسائی پیدا کرنے کا) ذریعہ گردانو کہ لوگوں کے مال میں سے (تھوڑا بہت جو) کچھ (ہاتھ لگے اسکو جان بوجھکر ناحق ہضم کر جاؤ۔

وعدہ شکنی اور جھوٹی قسم کی بھی سخت وعید ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَیْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِیْلًا اُولٰٓئِکَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ وَلَا یُکَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا یَنْظُرُ اِلَیْهِمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَلَا یُزَکِّیْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ۔ جو لوگ عہد اور قسم سے بےحقیقت معاوضے لیتے ہیں یہی لوگ ہیں جن کو آخرت میں کچھ بہرہ نہیں

اور قیامت کے دن خدا ان سے بات ہی تو نہیں کرے گا اور نہ انکی طرف دیکھیگا اور نہ انکو پاک کرے گا اور انکے لیے عذاب دردناک ہے ۔

اسیطرح بعض رشتہ داروں سے نکاح کرنا حرام ہے جیسے ماں، بیٹی، بہن، پھوپھی، خالہ، بھتیجی، بھانجی، رضاعی ماں، رضاعی بہن، ساس، سوتیلی لڑکی، دو بہنوں کا جمع کرنا، اور دوسرے شخص کی منکوحہ ۔ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ سے وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ تک ملاحظہ ہو سورۃ النساء پارہ ۴ ۔

اسی طرح بعض اشیاء کا کھانا بھی شرعًا حرام ہے۔ جیسا مردار جانور اور لہو اور سور کا گوشت اور جو جانور خدا کے سوا کسی اور کے نام نامزد کیا گیا ہو۔ اور جو گلا گھٹنے سے مر گیا ہو اور جو چوٹ سے مرا ہو اور جو اوپر سے گر کر مرا ہو یا جو سینگ لگ کر مرا ہو یا درندہ نے پھاڑ کھایا ہو یا جو کسی تھان پر ذبح کیا گیا ہو یا جوئے کے طور پر پانسوں سے تقسیم کیا گیا ہو۔ دیکھو حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ سے بِالْاَزْلَامِ تک (سورۃ مائدہ پارہ ۶)۔

جو باتیں ایمان اور اوامر اور مناہی کی بیان کی گئیں انکو شریعت کہتے ہیں
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ قیامت کے روز لوگوں کی تین قسمیں ہونگی۔ اصحاب الیمین اور اصحاب الشمال اور سابقون جنکو مقربون بھی کہتے ہیں۔ نیز حدیث شریف میں ہے
اَلنَّاسُ عَلٰى ثَلٰثَةِ اَقْسَامٍ قِسْمٌ يَتَشَبَّهُوْنَ الْبَهَآئِمَ وَقِسْمٌ يَتَشَبَّهُوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ وَقِسْمٌ يَتَشَبَّهُوْنَ الْاَنْبِيَآءَ۔ اَمَّا قِسْمٌ يَتَشَبَّهُوْنَ الْبَهَآئِمَ فَهِمَّتُهُمُ الْاَكْلُ وَالشُّرْبُ وَالنَّوْمُ وَالْمُبَاشَرَةُ۔ اَمَّا قِسْمٌ يَتَشَبَّهُوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ فَهِمَّتُهُمُ التَّسْبِيْحُ وَالتَّهْلِيْلُ وَالصَّوْمُ وَالطَّوَافُ وَالْخَيْرَاتُ۔ اَمَّا قِسْمٌ يَتَشَبَّهُوْنَ الْاَنْبِيَآءَ فَهِمَّتُهُمُ الْمَحَبَّةُ وَالشَّوْقُ وَالْعِشْقُ وَالْمَعْرِفَةُ لِلّٰهِ تَعَالٰى۔ لوگ تین قسم کے ہیں۔ ایک قسم چوپایوں کی مانند اور ایک قسم فرشتوں کی مانند اور ایک قسم انبیاء کے

مانند ہے۔ جو قسم کہ چارپایوں کی مثل ہے ان کی ہمت کھانا اور پینا اور سونا اور جماع کرنا ہے۔ اور جو قسم کہ فرشتوں کی طرح ہے۔ انکی ہمت تسبیح و تہلیل اور روزہ رکھنا اور طواف کعبہ اور صدقہ دینا ہوتا ہے۔ اور جو قسم انبیا کے مشابہ ہے انکی ہمت محبت اور شوق اور عشق اور خدا کی معرفت ہوتی ہے۔

پس جو شخص خدا پر اور خدا کے فرشتوں پر اور کتب الٰہی اور خدا کے رسل اور روز آخرت پر ایمان لایا اور اس بات پر ایمان لایا کہ خیر و شر خدا کی طرف سے ہے اور موت کے بعد جینا ہے اور خدا کی وحدانیت اور رسول اللہ کی رسالت کی شہادت دی اور نماز پڑھتا رہا۔ اور زکوٰۃ دیتا رہا اور رمضان کے روزے رکھتا رہا اور اسنے بشرط استطاعت بیت اللہ کا حج کیا اور منا دوسے بچتا رہا تو اسنے شریعت کی تکمیل کی اور بہائم سے نکل گیا اور اصحاب الیمین سے ہو گیا۔ مگر سابقین اور انبیا سے شامل نہیں ہوتا۔ سبقت اور قرب کیلیے مجاہدہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ مجاہدہ کیا ہے تھوڑا کھانا اور تھوڑا سونا اور تھوڑا بولنا اور لوگوں کی ایذا کا برداشت کرنا اور کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے خدا کا بہت بہت ذکر کرنا اور ہمہ وقت خدا کی مخلوقات و مصنوعات میں فکر کرنا اور نوافل مثل اشراق اور تہجد کی نماز پڑھنا اور تلاوت قرآن اور بزرگان اہل اللہ کی سیرت پڑھنا۔ غرض کہ ہمہ تن نیک کام میں مصروف ہونا۔ اسطرح جو آدمی چندے مداومت کریگا اسکو شرح صدر حاصل ہوگا۔ اور اسکا قلب انوار و تجلی کا مورد ہونے لگا۔ کبھی تو اللہ تعالیٰ صفت جلالی سے اسکے قلب پر متجلی ہوگا۔ اور کبھی صفت جلالی سے سالک کا دل قبض اور تنگ ہوجاتا ہے۔ اور نہایت خوف اور ہیبت میں مبتلا ہوجاتا ہے۔ اور اسکا تمام بدن پسینہ پسینہ ہوجاتا ہے کبھی روتا ہے کبھی جب تجلیات اور صفت جمالی سے سالک کی طبیعت خوش ہوجاتی ہے اسکے سینے میں بسط آجاتا ہے کبھی اسکو وجد آجاتا ہے اور کبھی قشعریرہ اور حالت وجد میں ایسے ایسے اشعار پڑھنے لگتا

ہوتا ہے کہ اس سے غیر سالک کو تعجب معلوم ہوتا ہے۔ سالک دنیاوی چیزوں سے
متنفر ہوتا ہے اور اُس کا قلب محبت مال اور عیال سے سرد ہو جاتا ہے۔ اور بُرے
رذائل نفس مثلاً طمع حرص و حسد و کینہ و بخل و اسراف طول امل وغیرہ چھوٹ جاتے ہیں
اور [illegible] ان کو منشیات کہتے ہیں۔ اول اُن کی توبہ اور [illegible]
[illegible] صبر و توکل و [illegible] قناعت و شکر و خوف و رجا وغیرہ حاصل کرتا ہے [illegible]
[illegible] معرفت کہتے ہیں اور [illegible] محبت و شوق اور عشق کو علم [illegible] کہتے ہیں
پہلے جو بات تھی تقلیدی یا استدلالی تھی اگر ایمان تھا تو تقلیدی یا استدلالی
ایمان تھا اگر نماز تھی تو صرف عادتی نماز تھی اسیطرح زکوٰۃ [illegible]
[illegible] تھا [illegible] کے طمع کو ساتھ رکھتا تھا غرض ہر ایک نیک کام
[illegible] تھا جسکے ہر عمل میں اخلاص مفقود تھا [illegible]
[illegible] نہیں ہوتا تھا اب خدا کا نام لیا گیا [illegible] اٹھا اگر قرآن [illegible]
[illegible] مشاہدہ [illegible] ہوا اور ہر ایک کام میں خدا پر بھروسا رکھتا ہے۔
اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ
اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ۔ غرضکہ سالک خدا کو قلب کی
آنکھ سے دیکھتا ہے۔ اور خدا کے کلام کو قلب کے کان سے سنتا ہے۔ اور قلب کے
زبان سے خدا کے ساتھ سرگوشی کرتا ہے اور اس کی لذت لیتا ہے اور اسکو عرفان
کہتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَّصَنِيْ
وَاَوْجَدَنِيْ وَهَدَانِيْ وَعَرَفْتُ نِعْمَتَهٗ فِيْ قَلْبِيْ حَتّٰى عَرَفْتُهٗ وَعَايَنْتُهٗ۔ شکر ہے اس
خدا کا جسنے مجھکو قید عدم سے خلاصی دی اور میرے وجود کو ظاہر کیا اور مجھکو ہدایت کی

باقی رہی حقیقت وہ اس طرح ہے کہ جب نور الٰہی طبیعت کی ظلمت پر غالب آجاتا ہے اور نور شریعت کے ساتھ اسکی طبیعت میں اثر کیا تو سالک سوء فہم کے مرض سے نجات پاتا ہے اور حق کو باطل کے ساتھ ملبوس نہیں کرتا اور نہ حق کو چھپاتا ہے۔ اور فہم سلیم سے ہر چیز کی حقیقت کو سمجھتا ہے اور اسکے قلب سے شک اور بدگمانی اور شرک اور نفاق جاتا رہتا ہے اور حقائق اشیا قلب سے حل کر لیتا ہے۔ گویا انکو اس حالت پر دیکھتا ہے جسپر خداوند تعالیٰ نے انکو پیدا کیا۔ رسول اکرمؐ نے اللہ سے اس طرح دعا کی تھی۔ اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْاَشْيَاءَ كَمَا هِيَ اے بار خدایا! اشیا جیسی کہ وہ ہیں (یعنی انکی حقیقت) مجکو دکھا۔ پس اے طالب اگر تم تھوڑا بہت نوشت و خواند سے واقف ہو تو پہلے شریعت سے شروع کرو۔ کم از کم دو سال میں شریعت پر عبور کرو گے۔ بعد اسکے طریقت پر چلو۔ زیادہ سے زیادہ چار سال یا پانچ سال میں سلوک ختم کرو گے اور امید ہے کہ کل سات سال میں تم کمال کو پہنچو گے اور تمام مجاہدہ کی ضرورت نہیں اور نہ اس زمانہ میں جو ظلم کا زمانہ ہے مرشد کی ضرورت ہے۔ اگر طالب پہلے سے شرعی اور ظاہری علم رکھتا ہو تو وہ تھوڑی عمر میں ورنہ مبتدی زیادہ سے زیادہ سات سال میں معرفت اور حقیقت کو پہنچ جاتا ہے بعد ازاں مجاہدہ کی ضرورت نہیں بلکہ حفظ صحت کے لیے فرائض اور رواتب کا بجا لانا کافی ہے۔ دنیاوی کام بھی کرو اور خدا کے ساتھ بھی رہو ؎

دست بکار باش و بجان دل بہ یار باش   وز غمزہ اش فریب مخور ہوشیار باش

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ الی آخرہ۔ (سورۂ نور پارہ ۱۸ رکوع ۵ آیت ۳۷)

مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلَاغُ ۔

(حاجی) محمد اللہ کاکا خیل اویسی

(نوٹ) حقیقت کے آخر میں ایک باریک نکتہ لکھتا مگر نہ لکھ سکا ع قلم اینجا رسید و سر بشکست ۔ حاجی محمد اللہ

تعبیرات

انسان اور انسان کی تعبیرات میں شروع ہی سے اختلاف چلا آتا ہے۔ اور دوسرے الفاظ میں سمجھئے یہ کہنا چاہیے کہ انسان بجائے خود ایک اختلافی نخیل ہے۔ اگر وعمر [illegible] میں اور ساتھ ہی یہ کہ بغیر [illegible] نہیں رہ سکتا [illegible] نہیں۔ قیاس کر لو کہ ایک چھوٹی سی گڑھی یا بستی کے انسان یا انسانوں کی کسی جماعت ایک ہی نوعیت اور ایک ہی قسم کے خیالات رکھتی ہے۔ اور ان کے معمولات زندگی میں کوئی فرق و تمیز نہیں تو کیا آپ یہ قیاس کرنے کے واسطے تیار ہیں کہ ان کا تمدن اور ان کی تہذیب کسی حدود میں کامران اور کامیاب ثابت ہوگی:

اختلاف کا ہونا ضروری ہے اور اسی پر انسانی ترقیات اور کامرانیوں کا بہت کچھ مدار ہے۔ اختلاف وہ برا اور مذموم ہے جو اپنی تہہ میں ایک قسم کی ہٹ دھرمی اور ضدیت رکھتا ہو۔ اختلاف کی کئی ایک صورتیں اور وجوہ ہیں۔ بعض دفعہ اختلاف محض تعبیرات کی وجہ سے پیدا ہو جاتا ہے۔ موٹے طور پر یوں سمجھو کہ بعض دفعہ صرف اس واسطے اختلاف ہو جاتا ہے کہ ہم ایک واقعہ ایک امر اور ایک حقیقت یا ایک کیفیت کی تعبیر میں اختلاف رکھتے ہیں۔ آپ بہت سی عبارات اور بہت سے اشعار اور مضامین یا فقرات اس قسم کے پائیں گے کہ جن کے تشخص معانی اور مفاہیم میں گونہ فرق ہے۔

عموماً تشخص معانی اور تعبیرات میں مذاق۔ معلومات اور اغراض مقصود کا بھی بہت کچھ دخل ہوتا ہے۔ اور بعض دفعہ ایک پہلی رائے یا پہلا [illegible]

کی نوعیت کو اختلاف میں ڈال دیتا ہے۔

بعض دفعہ ایک فلاسفر مزاج انسان جس امر کی تعبیر اپنے رنگ میں اپنے مذاق کے تحت کرتا ہے۔ ایک دوسرا شخص یا کوئی مذہبی یا کوئی صوفی مزاج ایک دوسرے رنگ میں کرتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض مختلف تعبیرات کا مفہوم اور مطلب بھی بجز لفظی تباین کے عموماً ایک ہی نوعیت یا ایک ہی نتیجہ رکھتا ہے

چونکہ انسان کی طبیعت میں جدل کا جذبہ بھی موجود ہے۔ اس واسطے کبھی کبھی مختلف تعبیرات کی وجہ سے بھی ایک قسم کی منافرت اور بیزاری پیدا ہو کر رہتی ہے۔

مذہبی فلاسفروں اور دیگر فلاسفروں کی اکثر تعبیرات میں صرف اسی وجہ فرق اور تباین پایا جاتا ہے۔ اور یہ خیال کرنا پڑتا ہے کہ ان دونوں میں ایک واقعی اور حقیقی تباین ہے۔

میں چند اور مختلف تعبیرات پیش کرتا ہوں اور دکھاتا ہوں کہ ان سب کی نوعیت میں کیا کچھ فرق ہے۔

(۱) مذہبی بزرگوں کا قول ہے کہ:۔

"عزیزوں کے ساتھ نیکی کرنے سے اعمال قبول ہوتے ہیں"

اسکے مقابلہ میں ایک حکیم اور ایک فلاسفر یہ کہتا ہے کہ:۔

"قریبوں اور عزیزوں کے ساتھ سلوک اور مروت و احسان کرنا موجب فلاح اور باعث خوش حالی ہے"

دیکھو دونوں کا نتیجہ تو ایک ہی ہے۔ ایک کو مذہبی رنگ میں پیش کیا جاتا ہے اور دوسرے کو فلسفی رنگ میں۔ تعبیرات کا رنگ جدا جدا۔ اور نتیجہ ایک ہے۔

(۲) ایک ممتاز اور مقدس دیندار کا یہ قول ہے کہ:۔

تین باتیں ایسی ہیں کہ ان کا مرتکب مرنے سے پہلے اس کی سزا پالیتا ہے
ظلم۔ قطع رسم، جھوٹی قسم ۔
اسکے مقابلہ میں ایک دوسرا شخص کہتا ہے۔ جو شخص ان باتوں کا مرتکب ہوتا ہے
وہ سوسائٹی اور سیاسی قوانین کی رو سے سزا پاتا ہے ۔
دیکھو تعبیرات کا رنگ جدا جدا ہے اور دونوں کا نتیجہ ایک ہی ہے ۔

(۳) ایک مذہبی قول ہے کہ:-
"جو شخص تنہا سفر کرتا ہے اور جو قسمت کے عطیات سے لوگوں کو محروم کرتا ہے
جو اپنے غلام کو مارتا ہے ۔ یہ سب سے بدتر ہیں"۔ یہ مذہبی رنگ میں تعبیر ہے ۔
اسکے مقابلہ میں یوں کہا جاتا ہے کہ:-
"سفر کے واسطے رفاقت اور اس کی ضرورت مقدم ہے۔ جو شخص دوسروں سے
حق آسائش روکتا ہے وہ ایک مجرم ہے اپنے ماتحتوں اور دست نگروں کی امداد
لازمی ہے"۔
دیکھو دونوں کی غرض ایک ہی ہے اور رنگ دو ۔

(۴) ایک محترم مقدس مذہبی ہستی کا قول ہے کہ:-
"جو شخص خدا تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیئے کسی برادر مومن کی رضا جوئی کے سبب
جاتا ہے تو خدا تعالیٰ اس پر فرشتے مقرر فرما دیتا ہے کہ وہ سلامتی سے اپنے گھر تک پہنچا دیں"
ایک فلاسفر اسے یوں ادا کرتا ہے :-
"ہر انسان پر دوسرے انسان کا یہ حق ہے کہ وہ اسکی خوشی اور رضا کا تہیہ کرے
حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎
بنی آدم اعضائے یک دیگر اند ۔
ایک مذہبی محترم نے اپنے رنگ میں اسکی تعبیر کی۔ اور دوسرے نے اپنے رنگ میں

نتیجہ دونوں کا ایک ہی ۔

(۵) مسلمانوں کی مذمت اور عیب جوئی مت کرو۔

یہ ایک مذہبی مقولہ ہے ۔

دوسرا یہ کہتا ہے کہ :۔

"تم عیب جوئی مت کرو"

پہلے فقرے میں ایک خصوصیت رکھ دی گئی ہے تاکہ اس کا اثر اور تصرف اس خصوصیت سے بڑھتا جاوے جیسے یہ کہا جاتا ہے کہ :۔

"اول خویش بعدہ درویش"

یہ بالکل درست ہے۔ سب سے اول اپنوں کا حق ہے جو شخص اپنوں کا حق ادا نہیں کرتا وہ دوسروں کا کب کرے گا۔ خصوصیت ہمیشہ عمومیت کی طرف لے جاتی ہے ۔

دوسرا قول بھی جاندار ہے۔ اور ان دونوں اقوال کی نوعیت الگ ہی ہے۔ مگر دوسرے میں چنداں زور نہیں ہے۔ ہمیشہ مخصوص حکومتیں اپنی رعایا یا برایا کا حق اور ساوی ہمیشہ رعایا سے زیادہ ملحوظ رکھتی ہیں۔ فتدبر ۔

(۶) ایک محترم بزرگ مذہب کا ارشاد ہے کہ :۔

اگر کسی نے رشوت لی تو سمجھا جاوے گا کہ وہ شرک کا مرتکب ہوا۔ جس کی معافی ہی نہیں" ۔

ایک سیاسی قانون اس کے مقابلہ میں مرتشی کو مجرم ٹھیرا کر ثبوت پر قید اور جرمانہ کا مستوجب بناتا ہے"۔

نتیجہ دونوں کا ایک ہے۔ مگر جو قول مذہبی مقدس کا ہے اس میں زیادہ تر زور ہے وہ رشوت لینے کو شرک قرار دیتے ہیں۔ اور ساتھ ہی ناقابل معافی بھی۔ واقعی رشوت لینا یا رشوت کھانا شرک ہی ۔

(الف) شرک اللہ کے ساتھ۔
(ب) شرک حکومت کے ساتھ۔
(ج) شرک سوسائٹی کے ساتھ۔

شرک کیا ہے؟ دوسرے کے اختیارات کا خود بلا وجہ لے لینا اور برتنا۔ اللہ نے فرمایا ہے کہ تم رشوت نہ لو۔ اس سے بھی لے لینا اس کے احکام اور اختیارات کی توہین ہے۔ دوسری دو صورتوں کو بھی ایسا ہی سمجھو اور یہ شرک ہے۔

(۷) ایک حدیث میں ہے کہ:۔
خدا تعالیٰ یہ فرماتا ہے کہ اُس شخص کی دعا کبھی قبول نہیں کی جاتی جس کے ذمہ کسی کا مظلمہ ہو۔

دوسری دنیا یہ کہتی ہے کہ:۔
ظالم کی زندگی بہت سی صورتوں میں ناکام اور دھندلی ہوتی ہے۔ پہلی رائے میں دعا کی عدم قبولیت کی شرط بطور ایک وعید کے لگا دی گئی ہے۔ اس میں ایک حسن بیان اور حسن تبلیغ ہے جو دوسرے قول میں نہیں ہے۔ مگر با ایں ہمہ اثر اور نتیجہ دونوں کا ایک ہی ہے۔

(۸) ایک حدیث میں ہے کہ:۔
"جس گھر میں بھیڑ۔ دنبی۔ بکری یا گائے دودھ دیتی ہو وہ اُس گھر کی برکت کا باعث ہوتی ہے"۔

دوسری دنیا میں یہ ضرب المثل ہے۔
"خدا تم کو دودھ اور پوت دیوے"۔
پہلے قول میں ان چیزوں کو برکت کا موجب ٹھیرایا گیا ہے۔ اور دوسرے میں بھی ایک ذریعہ خوشحالی کہا گیا ہے۔ دونوں کا نتیجہ ایک ہے۔

(۹) ایک ہی کتاب میں نظر سے گزرا کہ :۔

جو شخص پیسہ پیدا کرنے کی غرض سے ساری رات جاگتا رہے۔ اور ضروری نیند نہ لے وہ کمائی اُسکے لیے حرام ہے +

دوسرے الفاظ میں اسکا یہ مطلب ہوا کہ :۔

ساری رات محنت میں گزارنا اور قدرتی عطیہ نیند کو رائگاں دینا مضر صحت ہے۔

پہلا فقرہ ایک مذہبی ریفارمر نے اپنے رنگ میں کہا ہے۔ اور دوسرا فقرہ ایک جسمانی طبیب کا ہے۔ دونوں کا قریبًا ایک ہی مطلب ہے۔ پہلے فقرہ میں مذہبی پہلو لفظ حرام کالا گیا ہے +

لفظ حرام کا مفہوم بھی ایک صورت میں مضرت ہی ہے۔ یعنی بے خوابی کی وجہ سے ایسا شخص بیمار ہو کر صحت کھو بیٹھے گا تو اُسکی کمائی حرام ہی جاوے گی +

(۱۰) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا قول ہے کہ :۔

خُدا تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کے لیے زمین کا جوتنا بونا پسند کیا ہے۔

دوسری طرف سے ایک پُرانی ہندی ضرب المثل ہے :۔

اُوتم کھیتی +

پہلے قول میں پیغمبروں کا ذکر کرکے کھیتی کی عظمت اور برکت کو اور بھی دوبالا کر دیا گیا ہے +

اور دوسرے قول میں لفظ اوتم اسکی وضاحت کرتا ہے۔ نتیجہ دونوں تعبیرات کا ایک ہی ہے +

(۱۱) حدیث میں سنے کہ :۔

جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نشیب میں چلتے تھے تو سبحان اللہ فرمایا کرتے تھے

اور جب بلندی کی طرف چڑھتے تھے تو اللہ اکبر کہا کرتے تھے۔

ان دونوں کلمات رسول کے مطلب اور مفہوم میں ... [illegible]

انسان نشیب کی طرف اترتا ہے تو اس وقت تو ایک با اولوالعزم ... [illegible]

قسم کا خوف بھی ہوتا ہے سبحان اللہ کا کلمہ ایک ... [illegible]

کریم کی پاکیزگی اور تقدس سے مدد مانگی جاتی ہے اور جب انسان ... [illegible]

تو ایک زور ہمت اور جذبہ کی ضرورت ہوتی ہے اور ایک ایسے کلمہ ... [illegible]

میں نسبتاً زور ہو جس سے انسانی ہمت اور انسانی عزم گرنے نہ پائے ... کلمہ

یا فقرہ (اللہ اکبر) سے اور کوئی کلمہ زیادہ ترجمانی اور زور آور نہیں ہو سکتا۔

بجائے اسکے کہ یہ کہو۔

اترو، اترو۔

چڑھو، چڑھو۔

ہمت کرو، مت خوف کرو۔

یہ دونوں کلمات پہلے کے کلمات سے زیادہ تر ہمت افزا اور حوصلہ نما ہیں۔

(۱۲) مذہبی کتابوں میں آیا ہے کہ:۔

جنابت کی حالت میں غسل نہ کرنا موجب افلاس ہے۔ یہ تعبیر جب بعض لوگ سنتے ہیں تو معترض ہوتے ہیں۔ اسکے مقابلہ میں جب ایک طبیب یہ کہتا ہے کہ بعد از قربت اور فراغت کے اگر غسل نہ کیا جائے تو مسامات ماؤف ہونے کا اندیشہ ہے تو معترض خاموش ہو جاتے ہیں۔ یہ نہیں سمجھتے کہ جب انسان کے مسامات بوجہ غسل ماؤف یا بند رہ گئے تو انسان کی صحت میں فرق آئیگا۔ اور اس وجہ سے محنت اور کاروبار سے رہ جائے گا تو اسکا نتیجہ کیا ہوگا۔ وہی علالت یا افلاس۔ مذہب میں اس غفلت کا نتیجہ بیان کر دیا گیا ہے۔ اور ایک طبیب صرف اسکے اسباب

بیان کرنے پر کفایت کرتا ہے +

یہ بارہ مثالیں ثابت کرتی ہیں کہ تعبیرات کا رنگ کہاں تک ملتا ہے۔ اور اُن میں کس قسم کا الحاق اور تعلق ہوتا ہے +

در اصل مذہبی تبلیغ اور اعلانات کے الفاظ بجائے خود بعض حالات الہامی اور بعض حالات جداگانہ ہوتے ہیں۔ ورنہ اکثر نتائج اور استدلالات ایک ہی قسم کے ہوتے ہیں ایک مذہبی منادی بعض باتیں بنام نہاد ثواب اور عذاب بیان کرتا ہے اور دوسرے لوگ اُنھیں بنام نہاد افادت اور مضرت کے بیان کرتے ہیں +

اگر مذاہب اور الہام مذاہب یا ضمیری قوے کا قانون قدرت نے بدو اشاعت ہی ... دیا ہے تو یہ قرار دینا یا یہ مان لینا کوئی تعجب خیز نہ ہوگا کہ ایسے فلاسفروں کی بنا یا اور تعلیمات مقابلتًا ایک قسم کی عظمت تقدس اور وقعت وسعت و تقدم رکھتی ہیں کوئی وجہ نہیں کہ اُن کا نیک دلی سے خیر مقدم نہ کیا جاوے +

جب فلاسفروں اور حکما کا اکثر حصہ بھی مذاہب کا خیر مقدم کرتا اور پسند کرتا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ مذاہب کی تعبیرات کا خیر مقدم نہ کیا جائے +

اگر نیک نیتی سے مختلف مذاہب کی تعبیرات میں بھی تطبیق کی جاوے تو بہت سی باتیں یکسانیت لیئے ہوئے ثابت ہونگی۔ مشکل تو یہ ہے کہ بعض اوقات ذاتیات کے نرغہ میں پھنسکر انسان غلط راہیں لے لیتا ہے۔ جب ذات صمدی رب العالمین ہے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ اُسکی صداقتیں اور حقائق عالمگیر نہ ہوں۔ اسمیں کچھ شک نہیں کہ بعض تعبیرات کا رنگ پھیکا بھی ہوتا ہے۔ اور وہ فرضی قیاسات کی معجون ہوتی ہیں۔ مگر اُن کا حصہ کشیر بے رنگ اور حقیقت پیرو بھی ہوتا ہے۔ محققانہ حسن ظنی اور ارادت سے کام لینا چاہیئے۔ روایات کو بالکل ہی محفوظ مضمون جان لینا اگر کم زوری اور جلد بازی ہے تو اُنھیں سرے سے فرضی ہی تسلیم کر لینا بھی ایک غلطی ہے۔ مذہب بھی ایک الہامی فلسفہ ہے

اور دوسرے فلسفہ سے اعلیٰ ثابت اور وسعت کہیں زیادہ ... مذہب ... اپنی ... کو فطرتی ...

ہماری دُنیا کی ابتدا اور انتہا

دُنیا کی ابتدا

انسانی عقل سے گو یہ معاملہ تو پورے طور پر حل نہیں ہو سکتا مگر نہایت صائب مذہب قیاس ہے کہ ابتدا میں ہماری دنیا یعنی زمین محض ایک کرۂ نار تھی جو مثل ایک شعلہ جوالہ کے اپنے مرکز یعنی آفتاب کے گرد تیزی سے چکر لگا رہی تھی۔ شدت حرارت کے باعث لامحالہ اس میں کسی قسم کی جاندار مخلوق نہ تھی نہ نباتات کا بھی اُسوقت موجود ہونا ناممکنات سے تھا۔ عرصۂ دراز تک جس کی مدت صرف عالم الغیب کو معلوم ہے۔ اسکی یہی کیفیت رہی مگر رفتہ رفتہ وہ شدت گرد و نواح کے خلا عظیم میں پھیلتی گئی۔ اور زمین میں بتدریج کثافت اور رطوبت پیدا ہونے سے اسکی حرارت اس قدر کم ہو گئی۔ جس کی برداشت جاندار مخلوق کر سکتی تھی۔

جب ہوتے ہوتے یہ کرۂ خاکی جاندار مخلوق کی بود و باش کے قابل ہوا ہے اس پر کوئی جاندار مخلوق نہیں ہوگی۔ صرف خشکی کے میدان پہاڑ، پانی اور ہوا ہوگی۔ اور اسکی کیفیت بالکل ایک قطعہ کی سی ہوگی جو نئے باغ کے لیے تیار کیا گیا ہو۔

اُس وقت وہ باغبان حقیقی اپنے کرشمۂ قدرت کے اظہار کے لیے اس قطعۂ باغ میں ہزارہا بلکہ لاانتہا اقسام کے شگوفے کھلانے کی تیاری کر رہا تھا۔

ابتدا میں جاندار مادہ کیونکر پیدا ہوا؟ یہ بہت ہی دقیق راز ہے اور اس معمہ کے حل کرنے کی کوشش اب تک بیسود ہی ثابت ہوئی ہے۔ مختلف مذاہب بھی اس بارے میں متفق الرائے نہیں ہیں۔ مگر ہمیں یہاں مذہبی بحث سے کچھ سروکار نہیں۔

تھیولاجین یعنی اہل الرائے اور **سائنٹسٹ** یعنی عالمانِ فلسفہ نے

اب تک بہت سی رائیں قائم کی گئی ہیں جن میں عجیب اختلاف ہے ۔

مسٹر ولیم تھامسن کی رائے ہے کہ ہمارے سیارے میں جاندار مخلوق کی ابتدا اتفاقی کسی دوسری دنیا سے شکستہ ہو کر اس دنیا میں گر پڑنے سے ہوئی ہوگی ۔

آسمان پر سے ستارے زمین کی طرف آتے ہوئے سب ہی نے دیکھے ہونگے جن کو شہاب ثاقب یا عوام الناس ستارہ ٹوٹنا کہتے ہیں ۔ مگر ان کی اصلیت اور ماہیت سے بہت ہی کم لوگ واقف ہونگے ۔

یہ دراصل بہت سے چھوٹے ٹکڑے ہیں جو مختلف اجسام عالم کی کشش سے مثل بڑے سیاروں اور ستاروں کے خلا عظیم میں معلق ہیں ۔ اور چونکہ حجم میں چھوٹے ہیں بدینوجہ ہماری نظروں سے پوشیدہ ہیں ۔ جب ہمارے سیارہ زمین کی کشش اپنا جادو کی قوت سے اثر دکھاتی ہے تو وہ اس تیزی سے کھنچے ہوئے آتے ہیں کہ رگڑ سے ان میں آگ لگ جاتی ہے ۔ اور بہتیرے تو زمین پر پہنچنے سے پہلے ہی جلکر راکھ ہو جاتے ہیں مگر اکثر زمین پر پہنچ بھی جاتے ہیں ۔ اور بجھانے سے بجھ جاتے ہیں اور بہت سے یورپ کے عجائب خانوں میں موجود ہیں ۔ ان کی ساخت میں فولاد اور مختلف معدنی نمکیات پائے جاتے ہیں ۔ اور کبھی کبھی ان میں نباتات بھی پائی گئی ہے ۔ مگر مردہ حالت میں اور معدنی ذرّیات سے پوشیدہ ۔

اسی بنا پر مسٹر ولیم تھامسن کی رائے تھی کہ جب کوئی بڑی دنیا اس طرح تباہ ہو کر ہمارے سیارے پر گری ہوگی اُسوقت اُسکا کوئی جزو باقی رہ گیا ہوگا اور اُسکی جاندار مخلوق نباتات اور حیوانات جو نابود ہونے سے بچی ہوگی وہ اس دنیا میں پھیل گئی ۔

مگر اس سے قدرتاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اُس دنیا میں جاندار مخلوق کیونکر پیدا ہوئی ۔ اور قدم بقدم پیچھے ہٹنے سے پھر یہ راز قدامت کی تاریکی میں گم ہو جاتا ہے ۔

ڈاروِن صاحب Darwin کا قیاس ہے کہ ابتداءً صرف چار یا پانچ طرح کے ادنےٰ حیوان بنے ہوں گے۔ اور اقسام نباتات اُن سے بھی کم ہونگی۔ ان ابتدائی نمونوں کو ترقی دیتے دیتے خالق نے موجودہ لاانتہا اقسام کی مخلوق تیار کی ہوگی اور صناعی قدرت کا اختتام انسان کی تخلیق پر ہوا ہوگا (انھیں کی رائے ہے کہ انسان قوم میمون کا اعلیٰ نمونہ ہے) اس مسئلہ پر اور ایک قدم آگے بڑھتے یہ مان لینا پڑتا ہے کہ ابتداءً چار یا پانچ اقسامِ حیوانات کی بھی کیا ضرورت تھی صرف ایک جاندار مادہ مشقِ قدرت کے لیے کافی تھا ۔

ہربرٹ اسپنسر صاحب نے یہ یقین کے ساتھ بتایا ہے کہ ابتداء میں جاندار مادّے کی کوئی خاص شکل و صورت نہیں ہوگی۔ اور اسی مادے کی تفریق سے مختلف فی زمانہ ادنےٰ درجہ کے حیوانات میں تفریق ہوتی ہے مختلف اعضا کی نمود اور نشو و نما ہوئی ہوگی ان کا یہ بھی بیان ہے کہ یہ مادہ جاندار ایک ہی مرتبہ تیار ہوکر آیندہ کے لیے ذخیرہ نہیں بن گیا۔ بلکہ ہمیشہ نیا تیار ہوتا رہتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ جاندار مادہ ادنےٰ حالت میں زمین پر اسوقت بھی موجود ہوگا جبکہ ابتداءً سطح زمین کی حرارت اعلیٰ درجہ کی مخلوق کی بود و باش کے قابل نہیں تھی ۔

پروفیسر ہکسلی Professor Hux اور **پروفیسر ٹنڈل** صاحب (Prof. Tyndal) کی رایوں میں اسپنسر صاحب کی رائے سے بہت زیادہ اختلاف نہیں ہے وہ کہتے ہیں کہ جاندار مادے کی نمود دراصل فطرتی اسباب کا نتیجہ تھا جس طرح فی زمانہ ہم دیکھتے ہیں کہ چند کیمیاوی اجزا کو بحالت سیال ملانے سے ایک نیا کیمیاوی مرکب تیار ہوتا ہے جس کی قلمیں ہمیشہ یکساں صورت اختیار کرتی ہیں۔ اسی طرح اُن کی رائے میں ابتداءً خاص اجزا کی کشش باہمی ایک خاص حد پر پہنچکر جب وہ اجزا سیال حالت میں باہم ملے ہونگے تو جاندار مادہ پیدا ہوا ہوگا ۔

مگر فی زمانہ ایسا ہوتا ہے یا ہوسکتا ہے۔ اسکی کافی شہادت اور ثبوت
ہمارے پاس ابھی تک کوئی نہیں ہے +

ہاں بیسٹین صاحب کو (Bastian) کو جنہوں نے گزشتہ صدی
میں نہایت قابلیت کے ساتھ مختلف دلائل سے ثابت کیا ہے کہ کل مخلوق کا نمود
فطرتاً ہوا ہے۔ اِس بات کا کامل یقین ہے کہ ادنےٰ درجہ کی جاندار مخلوق فی زمانہ
بھی خود بخود اسیطرح فطرتاً باآسانی پیدا ہوتی رہتی ہے جس طرح روز اول میں ہوئی
تھی۔ اُسکی نمود کے لیئے خاص اجزا کا سیال حالت میں ایک خاص درجۂ حرارت پر
اتصال ہونا کافی ہے۔ جس طرح مفردات کے اتصال سے کیمیاوی مرکبات باآسانی
بن جاتے ہیں۔ اسی طرح فطرتی قانون کی قوت سے ہمیشہ جان دار مادہ نیا تیار
ہوتا رہتا ہے +

ہم کو اس سے چنداں غرض نہیں کہ اِن میں سے کوئی رائے درست ہے یا نہیں
اور ہے تو کونسی۔ اسقدر ہم جانتے ہیں کہ جان دار سے جاندار پیدا ہوتا ہے۔ دوسری
طرح سے جاندار کا پیدا ہونا صرف عقلی دلائل سے ثابت کیا ہے۔ عینی شہادت ابھی تک کوئی
نہیں ہے۔ اور عقلی دلائل کا بھی انحصار زیادہ تر اُن اصول موضوعہ پر ہے جنہیں
خواہ مخواہ مان لیا ہے ثابت نہیں کیا +

سائنس اور فلسفی کی یہ حد ہے۔ اسکے آگے عقل انسانی قاصر ہے اور تمام علوم
بیکار۔ جان کیونکر پیدا ہوئی اور کیا چیز ہے! ہمیشہ ایک معمہ تھا اور اب بھی ہے
ہمارے آبا و اجداد نے ہم سے صدیوں پہلے اِس کے حل کرنے کی کوشش کی
مگر بے سود۔ اُن اسلاف کے خلف فی زمانہ دیگر علوم و فنون میں سرافراز ہوں
سے بھی نہ کھلا ہے نہ کھلیگا۔ سائنس نے بہتیرے راز ہائے دقیق کو آشکارا کر دیا ہے۔
صنعت اور حرفت نے وہ چیزیں ہمارے لیئے مہیا کر دی ہیں جن کا زمانہ سلف میں

خواب خیال بھی نہ تھا۔ اور وہ اشیا اب ہمارے روزمرہ استعمال میں ہیں جن کو
اب سے چند ہی برس قبل اعجاز اور کرشمہ خیال کیا جاتا تھا۔ ٹیلیفون، فونوگراف، ٹو
زپلین اور ایروپلین (یعنی ہوائی جہاز) وغیرہ کی ایجاد واقعی اعجاز نمائی ہی مگر پھر بھی
یہ سب کیا ہیں؟ محض بے جان مشینیں اور مردہ بدست زندہ۔ نہ اُن میں جان ہے نہ
عقل و حواس۔ مشین چاہے کیسی ہی عجیب و غریب ہو پھر بھی مشین ہی ہے۔ اور تصاویر
و اصنام چاہے کیسے ہی خوبصورت ہوں پھر بھی بے جان ہیں۔

پھر جان اور حیات کیا چیز ہے اور کہاں سے آئی؟

حیات اور موت کا راز، رازِ خداوندی ہے جو نہ ظاہر ہوا ہے نہ ہوگا۔ حیات اُس
صانع قدرت، قادرِ مطلق کا ایک نادر عطیہ ہے۔ بس اتنا ہم جانتے ہیں اور اس سے زیادہ
کسی کو علم نہیں۔ جہاں علم کی انتہا ہوتی ہے وہاں عقائد کی ابتدا۔ اس لیئے عقیدتمند
مسلم کے نزدیک حیات کا راز کوئی راز نہیں ہے۔ اُسکا عقیدہ ہے کہ جان یا روح اُسکے
رب کا عطیہ ہے۔ اسی نے اُسے پیدا کیا ہے اور صرف وہی رب العالمین اُسکی خلقت پر
قادر ہے۔

يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَيُحْيِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا
وَكَذَٰلِكَ تُخْرَجُونَ ۝ وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ إِذَا أَنْتُمْ بَشَرٌ
تَنْتَشِرُونَ ۔ (اللہ پاک) زندہ کو مردے سے نکالتا ہے اور وہ مردے کو زندہ سے
نکالتا ہے۔ اور زمین کو بعد اُسکے مردہ ہوجانیکے زندہ کرتا ہی اور اسیطرح تم (قبروں سے)
زندہ کرکے نکالے جاؤگے۔ اور اُسکی (قدرت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے)
کہ اُس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا پھر تم بشر ہوکے چلنے پھرنے لگے۔

دنیا کی انتہا

ہم اوپر ضمناً لکھ چکے ہیں کہ یہ دنیا یعنی زمین سورج سے خارج ہوئی ہے۔

عاملان فلسفہ کی رائے ہی کہ وہ کرۂ نورونا یعنی خورشید جہانتاب صرف اس کرۂ خاکی کا بلکہ تمام ستیاروں کا مخرج و محور ہے۔ کل ستیارے اس محور کے گرد اسی طرح دیوانہ وار چکر لگا رہے ہیں۔ جس طرح شمع کے گرد اسکے عاشق زار پروانے پھرتے ہیں۔ اور جو حشر اُن پروانوں کا ہوتا ہے۔ وہی انجام ایک نہ ایک دن ان ستیاروں کا ہونے والا ہے۔ کسی کا آگے اور کسیکا پیچھے۔ یعنی جب جس ستیارے کا وقت آجائیگا وہ اُس شمع عالم یعنی آفتاب عالمتاب میں مثل پروانے کے جل بجھیگا۔ یہ خدا ہی کو علم ہے کہ کتنوں کا اس طرح انجام ہو چکا اور کس کا کب ہوگا۔

ہماری زمین بھی اسی محور کے گرد پھرتی ہے۔ اور ۳۶۵ دن اور چھ گھنٹہ میں اپنا ایک چکر پورا کرکے اُسی مقام پر پھر پہنچ جاتی ہے جہاں سے مسافت شروع کی تھی۔ اس زمانے کو یعنی جتنے دنوں میں زمین اپنے محور کے گرد ایک چکر پورا کرتی ہے سال شمسی کہتے ہیں۔ زمین کے ساتھ ہم سب بھی برس میں ایک دفعہ اُس شاہ خاور کے سر کا گویا تصدق ہوتے ہیں۔ اسی سرگردانی میں نئے نئے موسموں کی بہاریں دیکھتے ہیں اور انکی سختیاں بھی جھیلتے ہیں۔

اہل سائنس کا بیان ہے کہ تمام اجرام فلکی اور کرہ ہائے عالم ایک طرف تو آفتاب کی اور دیگر اطراف میں باہمی کشش مقناطیسی سے ایک خلا لا انتہا میں معلق ہیں جو ایک جگہ پر قائم ہیں۔ وہ ستارے کہلاتے ہیں۔ اور جو گرد آفتاب گردش میں ہیں۔ وہ سیارے ہیں۔ جب کبھی جس کرہ کے پاس سے بڑے اور طاقتور کرے کی کشش حاوی ہو جاتی ہے تو وہ کھنچکر اس کرہ کے حلقہ میں چلا جاتا ہے۔ اور اگر نسبتاً اس سے بہت چھوٹا ہے تو بالکل تباہ و غارت ہو جاتا ہے جس طرح شہاب ثاقب۔ جن کا ہم ابھی ذکر کر چکے ہیں زمین کی طرف کھنچنے سے جلکر خاک سیاہ ہو جاتے ہیں۔ اور اگر دونوں کے حجم میں تھوڑا سا فرق ہے تو اس طرح ٹکراتے ہیں کہ دونوں میں حادثہ عظیم برپا ہو جاتا ہے۔ اور

کبھی ایک کے اور کبھی دونوں کے ٹکڑے ٹکڑے ہوجاتے ہیں۔ آخر کشش آفتاب اپنی جاذبی ہوجانے سے وہ ٹکڑے مثل روئی کے گالوں کے خلاء عظیم میں اُڑتے ہوئے آفتاب میں پہنچکر اُسکا ایندھن ہوجاتے ہیں۔ اور یوں اُن کا خاتمہ کلی اور انجام آخری ہوجاتا ہے۔ اکثر اوقات اُن میں کے بعض بڑے بڑے ٹکڑے دوسرے اجسام کی کشش سے انہیں جا ملتے ہیں۔ اور یوں آفتاب کا ایندھن ہونیسے یہ دونوں کے دونوں بچ جاتے ہیں۔

قیاس ہے کہ کہکشان فلک تباہ شدہ اجسام کا ایک بے ترتیب مجموعہ ہے۔ اور یہ سفیدی سی جھلک اُن ہی ٹکڑوں کے ملنے سے بنی ہے جو مختلف اجرام فلکی کے باہم ٹکرا کر تباہ ہونے کے وقت محبت مادری یعنی کشش آفتاب سے بچ گئے ہیں۔

بعض اوقات دو اجسام اس طرح ٹکراتے ہیں کہ ان میں جو صدمہ کیسا ہی سخت ہوتا ہو۔ مگر اُن کا زیادہ حصہ نمایاں نہیں ہوتا۔ اور دونوں آپس میں ایسے ملجاتے ہیں جیسے توام یعنی جڑواں بچے۔ اس قسم کے جڑواں ستارے بہتیرے موجود ہیں جو بڑی طاقت کی دوربینوں سے صاف توام دکھائی دیتے ہیں۔ اغلب ہے کہ باہم ٹکرا کر مل گئے ہیں۔

علم فلسفہ خاصکر علم نجوم سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس دنیا کا حشر بھی ایک نہ ایک دن اسی طرح ہونے والا ہے۔ کوئی بڑا سیارہ یا دمدار ستارہ زمین سے اسقدر نزدیک ہوکر گزرے گا کہ اسکی کشش مقناطیسی زمین پر یا زمین کی اُس پر حاوی ہوجائے گی۔ اور دونو اس زور سے ٹکرا جاینگے کہ زمین پاش پاش ہوجائے گی۔ پھر اسکے اور پہاڑوں کے ٹکڑے مثل روئی کے گالوں کے اِدھر اُدھر مختلف اجرام فلکی کی کشش سے اڑتے پھرینگے۔ [illegible] گھبرا [illegible] ممکن ہے کہ [illegible] ٹکڑے [illegible] جا ملیں اور اُنکے ساتھ ملکر اپنی حیات کے بقیہ دن خوشگواری سے گزاریں مگر جو ٹکڑے چھوٹے اور [illegible] آفتاب کی کشش سے اُسکے نار جہنم میں جا پڑینگے [illegible] ہوجائینگے۔

سنہ ۱۹۰۹ء میں جب وہ دُمدار ستارہ جو ہیلی صاحب کے ستارے کے نام سے مشہور ہے۔ اِس دنیا کی طرف آیا۔ اور آسمان پر اپنی نہایت طویل اور دراز دم کے ساتھ نمایاں ہوا تھا تو منجمان زمانہ کو اُس وقت بھی اِس دنیا کے تباہ ہونے کا بہت اندیشہ تھا اور عجیب پیشین گوئیاں کی گئی تھیں۔ مگر شکر ہے ایزد پاک کا کہ اُن حضرت کا دورہ بھی بخیر و عافیت ختم ہوگیا اور ہماری دنیا اُنکی نذر ہونے سے بچ گئی۔ اور اب تک اپنی آن بان کے ساتھ قائم ہے۔ لیکن آخر فنا آخر فنا۔ ایک دن تو فنا ہووے ہی گی۔ کیونکہ جتنی اشیاء مخلوقہ ہیں وہ سب فنا ہونے والی ہیں۔ بقا سوائے ذات باری کے اور کسی کو نہیں ہے۔

قرآن شریف نہ تو کتاب فلسفہ ہے نہ کتاب نجوم۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے اس کلام پاک میں بھی اِس واقعہ کی جابجا خبر دی ہے۔ اور سورۂ القارعہ میں اِس حادثہ کا بیان گو مختصر مگر کسقدر توضیح کے ساتھ فرمایا ہے۔ اللہ اکبر۔

اَلْقَارِعَةُ مَا الْقَارِعَةُ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْقَارِعَةُ ۝ يَوْمَ يَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ ۝ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ۝ فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ ۝ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۝ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ۝ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا هِيَهْ ۝ نَارٌ حَامِيَةٌ ۝ **ترجمہ** قیامت (یا کھڑکھڑانے کا حادثہ) کیا ہے قیامت اور تم کیا سمجھے ہو کیا ہے قیامت۔ اُس دن انسان مثل ٹڈیوں کے پھیلے ہوئے ہونگے۔ اور پہاڑ مثل دھنکی ہوئی روئی کے گالوں کے ہو جاینگے۔ پھر جس کا وزن بھاری ہوگا وہ تو ایک خوشگوار زندگی گزاریگا۔ اور وہ جسکا وزن ہلکا ہوگا تو اس کی ماں (یعنی اُسکا ٹھکانا) ہاویہ ہے اور تم کیا جانتے ہو کہ وہ کیا ہے۔ وہ دہکتی ہوئی آگ ہے۔

یہ حال قیامت کے دن زمین اور اُس کی مخلوق کا ہوگا۔ سوا تیرہ سو برس پیشتر جب اس حادثہ کی خبر دی گئی ہے تو منکران دین کسطرح قائل ہی نہوئے مگر جوں جوں دنیا کی عمر زیادہ ہوتی جاتی ہے اور علوم فلسفہ کی ترقی ہوتی۔ ووں ووں ثابت ہوتا جاتا ہے کہ اسلام کی ہر بات حق

ستایش

جب دن نسیم سحر کے ساتھ بیدار ہونے کے لیے انگڑائیاں لینے لگتا ہے۔ اُسوقت، جب رات اپنی ویرانی و خاموشی، اپنی تنہائی و تاریکی کو لئے رخصت ہونا چاہتی ہے تو میں کسی ایسی جگہ چلا جاتا ہوں، جہاں پھولوں کی بھینی بھینی خوشبو، میرے پاس آتی ہو۔ میں اسے سونگھتا ہوں اور تڑپ جاتا ہوں ؛

اے میرے مالک۔ یہ خیال کر کے کہ تیری قدرت کا معمولی سا کرشمہ اپنے اندر کتنی لطافت پنہاں رکھتا ہے۔ اس سے پہلے بھی تیرے درد جدائی میں میں نے بلبل کی وہ نوا سنے دلدوز سُنی تھی جو دلوں کو بیتاب کر دیتی ہے۔ اس لیے نہیں کہ اُسکی آواز میں ایک انتہا ہوتی ہے بلکہ اس تصور سے کہ اُس کا دل محبت سے فگار ہے۔ اور وہ مجھے بھی دعوت جرأت دیتی ہے ؛

میں نے اُن نازک نازک درختوں کو بھی دیکھا تھا، جنہیں ہوا جھلاتی ہے اور وہ جھولا کرتے ہیں۔ لیکن مجھے اس کی نزاکت پر کوئی تعجب نہیں ہوا۔ میں اسپر حیرت زدہ نہیں ہو گیا کہ ہوا کے ہلکے ہلکے جھوکوں نے انہیں کیوں ہلا دیا۔ ہاں میں متحیر ہو گیا، ان کی باریک باریک پتیوں کی تراش و خراش کو دیکھکر، ان کے قد کے تناسب پر نظر کر کے، تیری صنعت کی خوبی کے خیال کے ساتھ۔ اے میرے آقا جبکہ تو نے انکو دلکش بنایا ہے اور ایسا دلفریب کہ میں چاہتا ہوں۔ وہ میرے دل میں پھیر اور اُن کی پتلی پتلی شاخوں میں ہمیشہ رہا کرے میں چھوٹی چھوٹی چڑیوں کے وہ نغمے جو تیری وحدت کے ثبوت میں، تیری تعریف کے اظہار میں گایا کرتی ہیں، سنا کرتا ہوں اور سُنتا رہتا ہوں اسوقت تک کہ وہ تھک نہیں جاتیں۔ انکے بازو پھول نہیں جاتے۔ اور اُنکا سینہ اُس مسرت سے دھڑکنے نہیں لگتا۔

جس کا تعلق اُن کے دل سے ہو. یہ مجھے معلوم ہے کہ جس طرح یہ بھی محبت ہیں، اسے وہ ایک، یعنی ذوالجلال والاکرام یہ کا نپا کرتی ہیں، بسیط طرح اُن کا دل بھی تھرتھرایا کرتا ہے۔ تاکہ اسی حسرت کے ساتھ اور بسیط طرح تیرا ذکر کرتے کرتے وہ فنا ہو جائیں، اور دنیا کی یہ کلفتیں جو اُن کی زندگی کو دشوار اور بے مزہ کیے ہوئے ہیں، ان کے سامنے نہ آئیں. میں نے اُن کے سازِ ہستی کے ترنم کو اس وقت جب وہ جو ٹکتا تھا. فضائے بسیط میں تیرتا ہوا میرے کانوں تک پہنچ جاتا تھا، سُنا ہے اسی طرح جیسے ایک ملتجی آواز ایک داد خواہ صدا میرے کلیجے کے پار ہو جاتی ہے+

مجھے معلوم ہے، اسے میرے آقا، لیلیٰ تیری ہی مخلوق تھی، شیریں کو تو نے ہی پیدا کیا تھا، زلیخا کے اس دنیا میں آنے کا باعث تو ہی ہے، میں نے اپنے کبھی حیرت نہیں کی۔ میں انکو حسین سنکر کبھی مبہوت نہیں ہو گیا۔ میں نے اُن کی خوبصورتی کا حال سنا مگر متحیر کبھی نہیں ہوا۔ ہاں مجھے تعجب ہوا۔ ان کی شانہ و دوش پر بکھر جانے والی سیاہ زلفوں کی کشش دیکھکر، اُن کی سیاہ اور روشن آنکھوں کا جذب سنکر، اُن کی رفتار و گفتار کا محیر العقول انداز معلوم کرکے اور پھر اس بات پر کہ یہ سب کھینچ لائیں، اپنی طرف تیرے چند مخصوص بندوں کو، بالکل اسی طرح، جیسے مقناطیس لوہے کو کھینچ لیتا ہے+

پیارے میرے خالق! کیا تو نے محبت کو اسی لیے پیدا کیا تھا کہ وہ تیری حسین مخلوق کی پرستش کرے. تو نے اپنی نفیس ترین مخلوق کی خلقت کا راز اسمیں مضمر رکھا تھا۔ کہ وہ دلوں میں درد اور جذبات میں ہیجان پیدا کرے، پھر کیا تو نے اس کاوش میں کوئی لذت، اس کاہش میں کوئی مزا مخفی کر دیا تھا۔ اے میرے مالک بتا کہ یہ کیا ہے اور وہ جذب و کشش کون، ان کی زندگی کا چراغ گل ہو گیا۔ اس راستہ میں جہاں چلنے سے پہلے قدم ڈگمگا جاتے ہیں۔ اس مقام پر جس کا خیال روح میں رعشہ پیدا کر دیتا ہے۔ کیا اسلیئے؟ کہ تو اُن کو بقائے دوام عطا کرے۔ اُن کو ابدی زندگی

ودیعت فرمائے۔ خیر اسے تو پاک۔ اسے تو تنہا، کچھ نہ بتا، تو میرے سوالوں کا کوئی
جواب نہ دے، میں سمجھ گیا کہ تیرا جواب میری سمجھ سے باہر اور تو میرے فہم و ادراک
سے دور ہے۔ مجھے معلوم ہو گیا۔ میں تیرے اسرار نہیں جان سکتا۔ تو نے یہ سب کچھ
اسی لیئے بنایا ہے کہ کوئی نہ سمجھے۔ اسی لیئے پیدا کیا ہے کہ کوئی نہ جانے یہی بات ہے
اور اسی بات پر مجھکو یقین۔ کیونکہ میری زندگی کا ہر لمحہ گزر جاتا ہے۔ اسی فکر میں کہ دنیا
باوجود اپنی اتنی بڑی وسعت کے میرے دماغ میں قید ہو کر رہ گئی اور میں نے کچھ
بھی محسوس کیا۔ آفتاب باوصف اپنی اتنی بڑی عظمت کے میری نگاہوں میں سماکر
رہ گیا۔ مجھے کوئی احساس نہیں ہوا۔ اتنا بڑا سمندر میری آنکھوں میں لہریں مارنے
لگا۔ اس وقت جب میرا جی چاہا کہ سامنے والے ساحل پر جاؤں اور دنیا اسکی موجوں
کو دیکھکر اپنے جذبات میں ایک کیف تموج پیدا کر لاؤں۔ اسے میرے آقا میں کانپ
گیا۔ تیری طاقت کو غیر فانی سمجھکر، تیری قوت کو لازوال جان کر، تیری قدرت کو لامتناہی
دیکھکر۔ کیونکہ یہ آسمان، یہ طویل و عریض آسمان، یہ لمبا چوڑا آسمان اپنی زبردست آبادی
کے ساتھ اپنے چمکتے ہوئے ستاروں سمیت میری نظروں میں پھرا کرتا ہے اور مجھے کوئی
پرواہ نہیں ہوتی۔ شاید اس لیئے کہ میں تجھے قدیر، اور ہر بات پر قادر جانتا ہوں لیکن
پھر کبھی کبھی تھرا اٹھتا ہوں۔ تیرے جبروت کو ایک عالم پر مسلط خیال کر کے، لرز جاتا ہوں
تیرے سطوت کو ابدی سمجھکر ڈر جاتا ہوں۔ تجھے بے نہایت اور غیر محدود جانکر اسلیئے
کہ میری چھوٹی سی آنکھیں اور ذرا سا دماغ وہ جو دنیا کی اتنی بڑی دنیا کی سب چیزوں پر
غور کر لیتا ہے، جو موجودات کی تمام اشیا کو دیکھ لیتا ہے جو کائنات کے ہر ذرے
کو سوچ اور سمجھ لیتا ہے۔ تیری حقیقت کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ تیری ماہیت کو دریافت
نہیں کر سکتا۔ شاید اسوجہ سے کہ میری لامسہ تجھکو چھو نہیں سکتی میری باصرہ دیکھ نہیں سکتی میری شامہ اور
ذائقہ تجھے سونگھ اور چکھ نہیں سکتی۔ یا اس لیئے کہ تو ارفع ہے اور اعلےٰ۔ بلند ہے اور برتر

اتنی دور کہ اگر طائر خیال تجھ تک پہنچنے کی کوشش کرے تو اس کے بازو شکستہ ہو جائیں اور پرواز بے کار ۔

تاہم کبھی کبھی میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ تو میرے پاس ہے۔ مجھ سے قریب ہے اتنا قریب ہے۔ اتنا پاس ہے۔ جتنا آئینہ بصورت ہیولا اپنی شکل شانہ سے ۔ کیا میں اسے سچ سمجھ لوں؟ کیا میں اس پر یقین کر لوں؟ کہ تو واقعی میرے نزدیک ہے مگر میں دیکھنا چاہتا ہوں تو روک دیتا ہے۔ میں تیرے وجود کا مطالعہ کرنا چاہتا ہوں تو منع کر دیتا ہے۔ اس حال میں کہ میں بلا پردے کے تجھے یاد کر لوں۔ خیر میں یہ کوشش کروں گا کہ تجھے دیکھ لوں۔ کیونکہ تو اگرچہ میری بصیرت سے نزدیک ہے۔ لیکن بصارت سے دور۔ تو یہ نہیں چاہتا کہ منظر عام پر آئے۔ تیری مرضی یہ نہیں کہ تجھے سب دیکھ سکیں۔ تو چاہتا ہے کہ تجھے لوگ پہچان لیں۔ بلا دیکھے ہوئے۔ سمجھ لیں بغیر پرکھے ہوئے۔ اچھا میں اس پر راضی ہوں۔ اس لیے کہ میں مجبور ہوں۔ اور ناتوان کمزور ہوں۔ اور عاجز۔ تو توانا ہے اور مضبوط۔ قوی ہے اور قادر ۔

(نقیب)

بیعت فقر

(۲)

حافظا مے خور و رندی کن و خوش باش ولے

دام تزویر مکن چوں دگراں قرآں را

بیعت فقر کا اول حصہ نظام المشائخ میں اس سے پہلے طبع ہو چکا ہے اور فقیر حقیر نے اپنے مشائخ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اقوال و افعال کے مطابق اُسکی نسبت خامہ فرسائی کی ہے۔ مگر اُسکی نسبت کچھ جزئیات رہ گئے ہیں جو اب عرض کیے جاتے ہیں۔ فی زمانہ بیعت بچوں کا کھیل ہو گئی ہے جیسے بیعت کرنے والے بے فکرے ہیں ویسے ہی بیعت لینے والے بے پرواہ ہیں۔ نہ اُنہیں خدا کا خوف ہے نہ انہیں اُنکا ڈر ہے۔ اگلے زمانے میں بیعت تھی جو پیر اور مرید دونوں کو دانتوں پسینہ لانے والی تھی۔ جناب امام حسین علیہ السلام اور یزید سے اسی بیعت کے ہی اوپر ٹھنی تھی۔ اُس عہد میں بیعت ظاہری ٹھاٹھ شوکت یا جبہ و دستار پر منحصر نہ تھی۔ بلکہ شریعت پاک کی پابندی کے ساتھ باطنی کمالات بھی لازمی تھے۔ جب امام حسین علیہ السلام کے پاس یزید کا پیغام پہنچا کہ آپ میری بیعت قبول کیجئے۔ تو آپ نے فرمایا۔ چھوٹا منہ بڑی بات اسی کو کہتے ہیں۔ موری کی اینٹ چوبارے چڑھنے لگی۔ ڈاڑھی منڈوانے والا۔ شراب پینے والا۔ بدکار۔ بدچلن مجھ سے بیعت چاہتا ہے؟ نعوذ باللہ من ذالک۔ این خیال است و محال است و جنون۔

جس وقت مدینے شریف میں بیعت کا جھگڑا زیادہ پھیلا تو حضور پر نور مدینہ طیبہ سے زار و قطار روتے ہوئے اپنے اہل بیت کو لیکر مکہ معظمہ تشریف لے گئے۔ مگر وہاں بھی یہی آوازیں آپنے سنیں اور کوفہ کا قصد کیا۔ پھر بیعت کے قصے نے اسقدر طول کھینچا

کہ نہر علقمہ کے کنارے سادات عالی درجات تین دن تک بھوکے پیاسے رہے اور گلۂ رسالت ایک طرف سے قلم کرڈالا گیا۔ آل اطہار کی بیحرمتی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا گیا مگر آپنے بیعت قبول نہیں کی۔ عام لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے جو امام حسین علیہ السلام کی شہادت کا حال اس رباعی میں نظم فرمایا ہے اُس سے محض شاعری مقصود تھی مگر حاشا و کلا۔ اُن کا خیال بالکل غلط ہے۔ اولیاء اللہ کے منہ پر خدا ہاتھ ہر وقت دھرے رہتا ہے۔ اس واسطے وہ بول نہیں سکتے ہیں۔ چپ رہتے ہیں۔ اور جب خدا اپنا ہاتھ اُنکے منہ سے اٹھا لیتا ہے تو وہ بولتے ہیں اور جو کچھ بولتے ہیں۔ خدا کی مرضی کے موافق بولتے ہیں۔ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ۔ خدا نے پیغمبر آخر الزمان کی نسبت اسی لیے فرمایا ہے۔ چنانچہ خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رح نے مسئلہ بیعت اس رباعی میں خاص تعلیم و تلقین کے لیے ارشاد کیا ہے ؎

شاہ ہست حسینؑ بادشاہ ہست حسینؑ　　دیں ہست حسینؑ دیں پناہ ہست حسینؑ
سرداد و نداد دست در دست یزید　　حقا کہ بنائے لا الہ ہست حسینؑ

خواجہ بزرگ کا منشا یہی ہے کہ امام حسین علیہ السلام کیطرح شریعت محمدی پر مستحکم رہو۔ اور بے دین پیر کے ہاتھ پر بیعت نہ کرو۔

ہاں بہرحال ان اندھوں کے جو شاہ صاحب کا نیلا تہبند اور مصالحہ کا رنگا ہوا عمامہ دیکھ لیتے ہیں مگر اُن کی زندگی کو نہیں دیکھتے ہیں۔ میرے دوستوں نے مشکوٰۃ شریف میں نہ یہ حدیث پڑھی نہ کسی ذی علم سے سُنی۔ یخرج فی آخر الزمان رجال یختلون الدنیا بالدین یلبسون للناس جلود الضان من اللین السنتهم احلی من السکر وقلوبهم قلوب الذئاب۔ حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ آخر زمانہ میں ایسے آدمی نکل کھڑے ہونگے جو دنیا کو دین کے ذریعہ سے طلب کرینگے وہ آدمیوں کے دکھانے کے لیے بکری کا نرم پوستین پہنے ہونگے اور اُنکی زبانیں شکر سے زیادہ میٹھی ہونگی مگر اُنکے دل بھیڑیے

دل ہوں گے۔

مخبر صادق کی پیشین گوئی اس آخر زمانہ میں پوری ہو رہی ہے۔ اور ہم دن رات اسی قسم کے مکار فقیروں کو برت رہے ہیں۔ میرے دوستوں کو حضرت صاحب (شیخ) بننے کا بہت شوق ہے مگر وہ یہ نہیں جانتے کہ جنہیں ہم حضرت صاحب کہتے ہیں وہ گرگ باراں دیدہ سے کم نہیں۔ بھیڑیا بدنصیب تو آدمیوں کے گوشت پوست کا دشمن ہے اور تمہارے حضرت صاحب جہالت کے سبب سے ایمان کے دشمن ہیں جو شرطیں بیعت لینے والے کے لیے حضرات صوفیہ نے لکھی ہیں۔ اُن میں سے ایک بھی اُنہیں نہیں پائی جاتی۔ فشرط من یاخذ البیعۃ امور احدھا علم الکتاب والسنۃ ولا نرید المرتبۃ القصوی بل یکفی من علم الکتاب ان یکون قد ضبط تفسیر المدارک والجلالین او غیرھا وحققہ علی عالم وعرف معانیہ وتفسیر الغریب والاسباب النزول والاعراب والقصص وما یتصل بذلک ومن السنۃ ان یکون قد ضبط وحقق من کتاب المصابیح وعرف معانیہ وشرح غریبہ واعراب مشکلہ وتاویل معضلہ علی رأی الفقہاء۔ یعنی بیعت لینے والے کے لیے شرط ہے کہ وہ قرآن شریف اور حدیث نبوی کا عالم ہو اور اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ وہ ان فنون میں کمال کا مرتبہ رکھتا ہو بلکہ کم سے کم تفسیر مدارک یا جلالین یا اسی قسم کی تفاسیر اُسنے پڑھی ہوں اور کسی استاد سے اُنکے معانی کی تحقیق کی ہو۔ اور اُسکے مشکلات اور اُسکے نزول کے اسباب اور اسباب اور قصص وغیرہ سے آگاہی حاصل کی ہو اور حدیث نبوی کی کم سے کم اتنی ضرورت ہے کہ کتاب المصابیح پڑھی ہو اور اُنکی حدیثوں کا ترجمہ اور اُنکے مشکل لغات اور اُسکے مشکل اعراب اور اُنکی تاویلات پر فقہاء کی رائے کے بموجب عبور رکھتا ہو۔

اسکے آگے شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ والشرط الثانی العدالۃ والتقوی والشرط الثالث ان یکون زاہدا والشرط الرابع ان یکون امرا بالمعروف ناہیا عن المنکر والشرط الخامس ان یکون صحب المشائخ وتادب بہم دہرا طویلا واخذ

منهما النور الباطن والسكينة ـ یعنی دوسری شرط پیر کے لیے یہ ہو کہ وہ عادل اور
متقی ہو، تیسری شرط یہ ہے کہ وہ زاہد ہو، چوتھی شرط یہ ہے کہ امر بالمعروف اور نہی منکر
کرنے والا ہو، پانچویں شرط اُسکے لیے یہ ہو کہ اُسنے مشائخ کی صحبت اُٹھائی ہو اور بہت
دن تک اُن سے ادب حاصل کیا ہو۔ اور ان حضرات سے نور باطن اور سکینہ حاصل کیا ہو۔
مگر یہاں معاملہ برعکس ہو۔ اب ایسے پیر کہیں لگانے کو بھی نہیں ملتے۔ جو ان شرطوں
کے موصوف ہوں۔ اور نور باطن اور سکینہ ان حضرات میں ہونا تو عنقا ہے۔ بعض اکابر صوفیہ
فرماتے ہیں۔ خلافت دو قسم کی ہے۔ **خلافت کبریٰ** اور **خلافت صغرےٰ**
خلافت صغرےٰ سے یہ مراد ہے کہ مرشد اپنے مرید کی ریاضت اور مجاہدہ کو دیکھکر اپنے حسن
ظن سے اسے خلیفہ کردے۔ اور خلافت کبرےٰ سے یہ مراد ہے کہ مرشد کے دل پر بار بار
مرید کو خلافت دینے کا خطرہ پیدا ہو۔ اور آخر کار اُسے خلافت عنایت فرمائے بعض اہل
تحقیق لکھتے ہیں کہ خلافت صغرےٰ وہ خلافت ہے جو مرشد کسی مرید کو اپنے ارادے
سے عطا فرمائے کہ فلاں شہر میں جاکر رہو۔ اور مخلوق کو فیضان اور ارشاد پہنچاؤ۔ اور خلافت
کبرےٰ وہ ہے۔ جسے خلافت مطلق اور سجادگی کہتے ہیں۔ اور غرض اس سے مراد ہے کہ
شیخ اپنی اُس نسبت کو جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اُسے سینہ بہ سینہ پہنچی ہو
کسی خاص مرید کو عنایت کرے۔ جس طرح حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری نے
یہ خلافت کبرےٰ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی چشتی کو اور اُنھوں نے حضرت
بابا صاحب کو اور بابا صاحب نے حضرت محبوب الٰہیؒ کو مرحمت فرمائی تھی۔ جسکے لیے یہ
قاعدہ ہے کہ اول مرشد حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح پاک اور اپنے مشائخ کی
ارواح مقدسہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اور جب سب حضرات کا اشارہ پاتا ہے کہ بیشک
یہ خلافت کبرےٰ کا اہل ہے تو اول مرید کو بعد غسل دو رکعت نفل ادا کرواتا ہے اور جب
سلام پھیر کر فارغ ہوتا ہے تو یہ پانچوں کلمے بامعنی اُسے تلقین کرتا ہے۔ اول کلمہ توحید

لا الٰہ الا اللہ۔ دوسرا کلمہ شریعت کا لا معبود الا اللہ۔ تیسرا کلمہ طریقت کا لا مقصود الا اللہ۔ چوتھا کلمہ حقیقت کا لا محبوب الا اللہ پانچواں کلمہ معرفت کا لا موجود الا اللہ سننے بعد اُس کا سر منڈوا کر خرقہ پہناتا ہے۔ اور ایک سند خلافت بھی اُسے لکھکر دیتا ہے اور نئے مقصود کی رعایت کے وقت ارشاد کرتا ہے۔ خرقہ میں چار حرف ہیں خ ر ق ہ خ اشارہ کرتی ہے کہ کبھی خیانت نہ کرنا۔ ر سبق دیتی ہے کہ ریاضت سے منہ نہ موڑنا ق اشارہ کرتا ہے کہ قناعت پر قائم رہنا۔ ہ سمجھاتی ہے کہ ہوا و ہوس کو پاس نہ پھٹکنے دینا +

اب اس خلافت فقر کی نسبت تھوڑا سا اپنا تجربہ بھی دوستوں کی عبرت کے لیے لکھتا ہوں۔ ایک خاندانی درویش کو میں چالیس برس سے جانتا ہوں۔ اُن کا ظاہری ڈھنگ بڑا صوفیانہ تھا۔ میں اُنکے تقوے طہارت کو دیکھکر اُن سے بہت عقیدت رکھتا تھا اور اُنکی للہیت کا دل وجان سے قائل تھا۔ یہ بزرگ مجھے برسوں میں کبھی ایک دو دن کے لیے ملتے تھے۔ اور جسوقت تک میری اُنکی صحبت رہتی تھی میں انہیں زہد وتقوے میں ڈوبا ہوا پاتا تھا۔ میں شکر الٰہی بجالاتا تھا کہ اگلے زمانہ کے بزرگوں کا نمونہ ابھی اندنوں بھی موجود ہے۔ اتفاقاً میری اُنکی علی گڈھ میں ایک بار ملاقات ہوئی۔ میں نے کہا حضرت میرے لیے دعا فرمائیے گا۔ میں ضلع آرہ ملک بنگال کو جانے والا ہوں۔ سفر دور دراز کا ہے۔ شاہ صاحب نے فرمایا۔ کب جائیگا۔ میں نے کہا فلاں تاریخ۔ شاہ صاحب نے فرمایا۔ میں بھی بنگال و بہار کے سفر کی تیاری کررہا ہوں مگر مجھے جسونت نگر میں کچھ کام ہے۔ اسلیئے میں آپ سے پہلے وہاں پہنچ جاؤں گا۔ آپ بھی جسونت نگر سے ہی گزر کر بنگال کو جائینگے۔ کیا اچھا ہو اگر آپ ہمارے پاس جسونت نگر آجائیں۔ اور دو چار دن جسونت نگر ہمارے پاس ٹھیریں۔ پھر ہم آپ بنگال کو ساتھ چلیں۔ اور سفر سُنت ہوجائے۔ کیونکہ حضور نے فرمایا ہے الرفیق ثم الطریق

میں نے کہا بہت مناسب ہے۔ آپ جیسے بزرگوں کے ساتھ پا برکاب رہنا میرے لیے موجب سعادت ہوگا۔ میں ضرور ایسا ہی کرونگا۔ پروگرام طے ہو لیا۔ اور میں تاریخ مقررہ پر دہلی سے جسونت نگر پہنچگیا۔ رات کے دو بجے تھے مگر شاہ صاحب کا آدمی میرے لینے کے لیے اسٹیشن پر موجود تھا۔ معلوم ہوا کہ شاہ صاحب سرائے میں اُترے ہیں اور اُن کے بڑے صاحبزادے بھی کئی مہینے سے سرائے میں مقیم ہیں۔ اور مطب کرتے ہیں۔ میں سرائے میں پہنچگیا صبح کی نماز کے بعد شاہ صاحب وظائف سے فارغ ہوکر سجادہ پر بیٹھے۔ مرید اور معتقد حاضر ہوئے۔ تعویذ گنڈے مانگنے لگے۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ جس کسی حاجتمند کو عمدہ مٹھائی کی توفیق ہو۔ وہ تعویذ گنڈے کی زکوٰۃ میں مٹھائی لے آئے۔ ورنہ سفید بتاشے تو ضروری ہیں۔ بغیر شیرینی کے بزرگوں نے فرمایا ہے کہ کوئی نقش تعویذ اثر نہیں کرسکتا ہے۔ حاجتمند دوڑے اور مٹھائی بتاشے لے آئے۔ ایک غریب بڑھیا بھی بتاشے لائی۔ مگر کچھ زیادہ سفید نہ تھے۔ شاہ صاحب بہت خفا ہوئے۔ اور بڑھیا سے فرمایا۔ جب ہماری آنکھیں ان میلے بتاشوں کو نہیں لیتی ہیں تو بزرگوں کی روح کیونکر انہیں قبول کرے گی۔ جاؤ سفید بتاشے بدلوا کر لاؤ نہیں تو تعویذ ملنا معلوم۔ بڑھیا بے چاری پھر دوڑی گئی اور سفید بتاشے لائی کچھ دیر کے بعد پولیس کا ایک کانسٹبل وردی پہنے آیا جسے دیکھکر شاہ صاحب بہت گھبرائے کانسٹبل نے کہا مجھے ایک تعویذ کی ضرورت ہے۔ شاہ صاحب نے فوراً اُسے تعویذ لکھکر دیا۔ اور اُس سے نہ شیرینی طلب کی نہ بتاشے۔ شام تک مٹھائی تو تھوڑی سی اور بتاشے بہت سے آگئے۔ عصر مغرب کے درمیان شاہ صاحب نے کوٹھری میں بیٹھکر سفید سفید بتاشے الگ کرلیے۔ اور لال بتاشے جو بہت تھوڑے تھے انہیں سائبان میں لاکر رکھا۔ اور خادم سے کہا لڑکوں کو پکارو بتاشے لیجائیں۔ جب لڑکے بانٹ لے گئے۔ اور لوگوں نے سمجھ لیا کہ شاہ صاحب نے سب بتاشے بانٹ دیئے۔ تو

لوہٹی والے بتاشے لاون وستہ میں کُتوا کر تھیلیا میں بھروا دیئے اور معلوم ہوا کہ
جب اِن کا وزن معقول ہو جاتا ہے تو بذریعہ پارسل گھر بھیج دیتے ہیں۔ ملن کے گیارہ بجے
شاہ صاحب نے مجھ سے فرمایا۔ چلنے کے لیے تیار ہو جائیے۔ میں نے کہا۔ کہاں لے چلیں گے
شاہ صاحب نے فرمایا کھانا کھانے کے لیے۔ بات یہ ہے کہ اس قصبہ میں میرا اور میرے
بزرگوں کے بہت سے جولاہے مرید ہیں۔ میں ہر سال یہاں آتا ہوں مہینہ ڈیڑھ مہینہ
جیسا موقع ہوا ان کے ہاں دعوتیں کھاتا ہوں اور نقد ساتھ لے جاتا ہوں۔ اس میں
شک نہیں ہے کہ اکثر جولاہے بے تمیز ہوتے ہیں۔ اور ان کے ہاں کھانا بدمزہ ہوتا ہے
مگر میں نے قواعد جاری کر دیئے ہیں۔ یعنی جب کوئی جولاہہ دعوت کی مجھ سے درخواست
کرتا ہے تو میں اُس کے گھر پر اپنے خادم کو بھیج دیتا ہوں۔ وہ جا کر دال سالن کا مصالحہ گھی
اپنے ہاتھ سے سب دیدیتا ہے۔ کھیر پکوانے کو منع کر دیا ہے۔ شیرینی کیا آتا ہے
یہ بھی کہہ دیتا ہے کہ میاں چپاتی نہیں کھاتے۔ روغنی ٹکیاں کھاتے ہیں۔ اتنا آٹا ہو اتنا
گھی ہو۔ گوشت مزہ ہو۔ شیرینی ضرور ہو۔ اور جو تمہیں توفیق ہو۔ اِس لیئے
آپ دعوت کا نام سنکر گھبرائیے نہیں۔ کھانا اچھا ملیگا۔ بعض اوقات میں اور دو چار
کھانوں کی فرمایش کر دیا کرتا ہوں۔ اس لیئے غریب لوگ بھی شاہ صاحب کی اچھا ہی کھانا
پکاتے ہیں۔ مجھے یہ باتیں سنکر پسینہ آگیا۔ مگر سنگ آمد سخت آمد میں نے اپنے
دل میں کہا اگرچہ یہ امر میری طبیعت کے خلاف تو ہوگا۔ مگر امید ہے کہ اس صحبت
سے مجھے بہت کچھ نصیحتیں حاصل ہو جائیں گی ناچار مجھے شاہ صاحب کے ساتھ ٹمٹم
میں جانا پڑا۔ جب شاہ صاحب کھانا کھا کر فارغ ہوئے تو شاہ صاحب کے نوکر نے شاہ
صاحب کے سامنے ایک سفید غلاف کا تکیہ اور تکیہ پر ایک کتاب رکھ دی۔ شاہ صاحب
نے کتاب پڑھنی شروع کی۔ وہ اردو کی معمولی کتاب تھی جس میں وعظ کا سلسلہ
تھا۔ انجان جولاہیاں اور جولاہے بہت عقیدت سے اُسے سنتے رہے۔ جب

شاہ صاحب نے کتاب بندکی تو صاحب خانہ نے ایک روپیہ نذر کیا۔ شاہ صاحب سفر میں واپس آئے تو میں نے کہا حضرت آپ کتاب پڑھنے کی جگہ زبانی وعظ کیوں نہیں بیان فرماتے۔ شاہ صاحب نے آہ بھر کر کہا عزیز من کیا پوچھتے ہو۔ یہ صدمہ تو میں قبر میں لیکر جاؤنگا۔ میں نے قرآن کی آیات بھی یاد کیں۔ حدیثیں بھی حفظ کیں مگر موقع پر کبھی میری زبان نہ اٹھی اور وعظ نہ کہہ سکا۔ اگر میں وعظ کہنے لگتا تو ہزارہا مرید کرڈالتا۔ ہاں مجھے آپ نے خوب یاد دلایا۔ میں نے اپنے تمام مریدوں سے تمہاری خوش بیانی کی بیحد تعریف کی ہے۔ سارا قصبہ تمہارا مشتاق ہے۔ تم جمعہ کے دن بعد نماز کے مسجد میں وعظ کہنا۔ شاہ صاحب نے مجھپر اسقدر زور ڈالا کہ مجبورًا میں نے جمعہ کے دن وعظ کا وعدہ کرلیا۔ اتنے میں شاہ صاحب کا نوکر آگیا۔ شاہ صاحب نے کہا میاں تم ڈوری سے کام نہیں لیتے ہو۔ نوکر نے کہا بھول جاتا ہوں۔ شاہ صاحب نے کہا نہیں آج سے نہ بھولنا۔ یہ معما میری سمجھ میں نہ آیا تو ناچار میں نے اسکی بابت سوال کیا شاہ صاحب نے فرمایا جب میں گھر سے چلتا ہوں تو تانبہ کے لوٹے میں ڈور بندھوا لیتا ہوں تاکہ اگر کنوئیں سے پانی بھرنے کی ضرورت ہو تو کام آئے۔ مگر اصلی راز اسکے لانے میں یہ ہے کہ اس سرائے میں مویشی زیادہ ٹھیرتے ہیں۔ اور اُن کا بچا کھچا اناج پڑا رہجاتا ہے۔ اسکے لالچ سے صبح ہی جنگلی کبوتر سیکڑوں آجاتے ہیں اور سرائے کی انگنائی میں پڑے پھرتے ہیں۔ میں پانی بھرنے کی ڈوری ٹوکری میں بندھوا کر اپنے نوکر سے باقاعدہ ٹوکری کو کھڑا کروا دیتا ہوں۔ اور ٹوکرے کے نیچے کچھ اناج ڈلوا دیتا ہوں۔ دو چار ہی دفعہ میں دس پانچ کبوتر پکڑ لیے جاتے ہیں۔ اور میں انہیں پکا کر خوب مزے سے کھاتا ہوں۔ آپ صبح اس ترکیب کو دیکھیں۔ فی الواقع انکے نوکر نے طلوع آفتاب سے پہلے آٹھ دس کبوتر پکڑ لیے۔ شاہ صاحب نے مجھ سے کہا۔ دیکھئے حکیم جی نسخہ۔ میں نے کہا سبحان اللہ۔ پھر شاہ صاحب فرمایا۔

ہماری دعوت کس نوربانف کے ہاں ہے۔ نوکر نے کہا فلاں سقہ کے ہاں۔ صاحب
نے فرمایا وہ سقہ تو ہماری دعا سے بڑا مالدار ہوگیا ہے۔ اچھا ابھی جاؤ۔ اور پچیس پونڈ کی
[illegible] مٹھائی اسکے ہاں سے لاؤ اور اپنے ہاتھ سے کبوتروں کا قورمہ تیار کرو۔

ان حالات کو دیکھا میرے اعتقاد میں فرق آگیا۔ مگر ابھی کچھ باقی ہی تھا۔ جمعہ کیا
میں نے شاہ صاحب کے پیچھے جمعہ کا دوگانہ پڑھا۔ میرے وعظ کا اعلان پہلے سے کر دیا
گیا تھا۔ اس لیے بہت سے نمازی آگئے تھے۔ نماز کے بعد شاہ صاحب نے اپنے دونوں
ہاتھوں سے چوکی بچھائی۔ ایک [illegible] بیچ میں بچھائی۔ اور اپنے ہاتھ سے اس پر بچھونا
دیا۔ اور سفید چادر اور تکیہ لگا کے [illegible] شاہ صاحب نے کہا۔ برائے خدا آپ مجھے
[illegible] محجوب کرتے ہیں۔ اس کام کے لیے آپ کے بہت سے مرید حاضر ہیں۔ مگر شاہ
صاحب نے کہا نہیں ہو سکتا آپ مہمان ہیں۔ اللہ اور رسول کے مہمانوں میں سے ہیں۔ آپ کے
لیے جو کچھ ہم کام کرینگے اس کا اجر ہم کو بڑا ملے گا۔

جب میں چوکی پر وعظ کے لیے بیٹھا تو شاہ صاحب نے جھک کر کان میں مجھ سے
[illegible] کہ [illegible] نہیں معلوم ہے کہ میں نے آپ سے کیوں وعظ کہلوایا ہے۔ اس کی
[illegible] یہ ہے کہ میرا ایک مرید مر گیا وہ بڑا خوش کلام تھا۔ وہ باتوں ہی باتوں میں لوگوں کو
[illegible] دیا کرتا تھا کہ کھانا کھلانے سے نقد نذرانہ دینے کا زیادہ ثواب ملتا ہے۔ اس لیے
نقد [illegible] ہم زیادہ گھر کو لیجاتے تھے۔ آپ اب اپنے وعظ کے سلسلہ میں بہت خوبی اور
[illegible] حدیث کی رو سے یہ ثابت کیجیے گا کہ دعوت کھلانے سے نقد دینے میں بڑی فضیلت
[illegible] مگر ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیجیے گا کہ میں اپنے لیے نہ دعوت چاہتا ہوں نہ نقد کیونکہ
[illegible] شاہ صاحب کا مہمان ہوں۔ میری مراد صرف یہ ہے کہ تم سب شاہ صاحب کی طرح خدمت
[illegible]

اس تلقین کو سنکر میرے ہوش جاتے رہے۔ اور شاہ صاحب کی عظمت میرے

دل سے بالکل رخصت ہوگئی۔ میں اپنے دلمیں بہت غور کرتا رہا کہ کوئی آیت یا حدیث
ایسی ملے۔ جس سے شاہصاحب کا مطلب حاصل ہو۔ مگر میں اسمیں کامیاب نہ ہوا۔ شاہ
صاحب کی بدنیتی کو معلوم کرکے میری طبیعت بے لطف ہوگئی تھی۔ اسلیئے شاہصاحب دلخواہ
تو بیان نہیں کرسکا مگر پھر بھی وعظ سننے والے بہت خوش ہوئے۔ اُس جلسہ میں ایک
شخص نے مولد شریف پڑھنے کی مجھسے فرمایش کی۔ میں نے اُسکو کچھ جواب ابھی نہ
دیا تھا جو شاہ صاحب بول اُٹھے۔ مولانا ضرور مولد پڑھ دینگے۔ نیک کام سے انکار ہوسکتا
ہے۔ صبحکو شاہ صاحبنے نوکر سے کہا قصائی کی دکان سے چھیچھڑے تو لے آؤ۔ میں نے
کہا حضرت چھیچھڑے کیا ہونگے۔ کہا آپ اس نسخے کو یاد کرلیجئے۔ میں دلّی کی نری اسٹر
کی جوتی سلیم شاہی پہنتا ہوں اور یہ چاہتا ہوں کہ وہ دیر تک نئی معلوم ہو۔ اسلیئے دو تیسرے
تیسرے دن چھیچھڑے ملکر اُسے صاف کرلیتا ہوں۔ یہ معلوم ہوتا ہی۔ ابھی کاریگر کے
ہاں سے آئی ہے۔ میں نے اپنے دل میں کہا۔ کاش آپکو اپنے دل کی صفائی کا بھی
اتنا ہی خیال ہوتا۔ جتنا کہ جوتی کے نکھارنے کا۔ تھوڑی دیر میں ایک شخص کچھ پیوندی
بیر لیکر آیا۔ شاہ صاحبنے اُن میں سے دو تین بیر کھائے۔ پھر ایک بیر آدھا کھاکر اپنے سامنے رکھ
لیا۔ میں نے کہا۔ حضرت اسمیں کیا مصلحت ہی۔ فرمایا یہ بیر بہت شیریں ہی۔ امید نہیں کہ
اور ایسا ہی جیسا بیر نکلے۔ جب سیر ہوکر بیر کھالوں گا تو اوپر سے یہ آدھا بیر کھاکر منہ میٹھا
کرلونگا۔ شاہ صاحب کے صاحبزادہ زبان کے چٹخارے میں اپنے والد سے بھی زیادہ تھے
جب دعوت میں جاتے تو گرم مصالحہ کی پوٹلیا جیب میں ڈالکر لے جاتے۔ اور چپکے چپکے
فرماتے یہ جولاہے سالن پھیکا پکاتے ہیں۔ گرم مصالحہ ڈال دیا جاتا ہی تو کھانے کے
قابل ہوتا ہی۔ اگر دعوت میں کسی دن ٹھنڈا پانی نہ ملتا تو دونوں باوا بیٹے مریدوں کو آڑے
ہاتھوں لیتے کہ تم برف کا انتظام تو کر نہیں سکتے ہو۔ مگر تم سے یہ بھی نہیں ہوسکتا کہ
میاں کے لیئے باسی پانی اُٹھا رکھو۔ یہ گرم کیونکر پیا جائے۔

بیٹھے میلاد شریف بھی پڑھ دیا۔ اُسے سُن کر لوگ بہت خوش ہوئے۔ شب کو مولد
شریف پڑھا گیا تھا۔ صبح کو محفل میلاد کرنے والا کچھ روپیہ لیکر آیا۔ اور مجھے تنہائی میں
موقع سے اُسنے وہ روپیہ دینے چاہے۔ میں نے کہا شاہ صاحب کی طرح میں بھی
پیرزادہ کہلاتا ہوں۔ مگر میرے بزرگوں نے کبھی اس قسم کی نذر نیاز نہیں لی ہو اور
قوت بازو سے کماکر کھایا ہے۔ اور خدا کے فضل سے میں بھی طبابت پیشہ ہوں میں
اسکا لینا ناجائز جانتا ہوں۔ جب میں نے اُسے ٹکڑا سا جواب دیدیا تو اُسنے وہ روپیہ
شاہ صاحب کو دے دیئے۔ اور انہوں نے فوراً لے لئے۔ اور شاہ صاحب نے یہ راز مجھسے
نہ کہا۔ شاہ صاحب کی ان ذلیل حرکتوں کو دیکھکر مجھے بڑی بدعقیدتی ہوئی۔ اور مجھے انکے
حالات کی تفتیش کا خیال ازبس ہوگیا۔ تو حضرت کے اور حضرت کے بزرگوں کے ایسے
ناشائستہ قصے معلوم ہوئے کہ الٰہی توبہ۔ یہ بھی تحقیق ہوا کہ ان کی بیوی نے مرتے وقت
وصیت کی تھی کہ میری بیٹی کی شادی تم میرے بھتیجے سے نہ کرنا کیونکہ اُس بندی کا بھائی
اور بھتیجا مذہب اسلام چھوڑ چکا ہے اور ایک نئے فرقہ میں ملگیا ہے مگر ان حضرت نے
مرحومہ کی پاک وصیت کا خیال نہ کیا اور دولت کے لالچ سے اُس بے دین کو لڑکی دیدی
اور جب کبھی داماد کے ہاں جاتے ہیں تو آپ بھی اُس طریقہ میں ہوجاتے ہیں جب ہم سے ملتے
ہیں تو یہ تقوے اور طہارت بگھارتے ہیں۔ چلنے کے دن شاہ صاحب نے کہا ہم یکہ میں
ہرگز نہیں جائینگے۔ بگھی لالہ جی کی مانگ کر لاؤ۔ جولاہے غریب مارے مارے پھرے۔ اور بگھی
نہ ملی۔ میں نے اپنی دلائل الخیرات کا جزدان گلے میں ڈالا اور اسٹیشن کو پیادہ چلا۔ شاہ صاحب نے
مجھے روکا۔ میں نے کہا۔ اسٹیشن پاس ہی دور نہیں ہے دوسرے اس قصبہ میں میری کچھ عزت بھی
نہیں ہے۔ تیسرے میں فقیرزادہ ہوں پیدل بھی چل لیتا ہوں۔ البتہ آپ کی شان ایسی نہیں ہے
کہ بغیر بگھی کے آپ قدم اُٹھائیں۔ ان باتوں کو سنکر حضرت کے مرید بہت حیران ہوئے میں اسٹیشن
پر چلا آیا۔ ایک گھنٹے کے بعد ایک سڑی سی ٹم ٹم میں آپ اسٹیشن پر آئے۔ اور میں شاہ صاحب کے

ہمراہ سہسرام ضلع آرہ تک گیا۔ شاہ صاحب نے اسٹیشن سہسرام پر اُترکر کہا۔ اسباب قلعہ سے چلیں گے

۵۸۶

بغداد

(گزشتہ سے پیوستہ)

بغداد خلفائے عباسی کے عہد حکومت یعنی سنہ ۱۴۵ھ سے لیکر سنہ ۶۵۶ھ ہجری تک بغداد ممالک محروسہ کا تاج اور اسلامی دنیا کا پایہ تخت اور مصدر حکومت بنا رہا +

بغداد کا نام ابتدا میں مدینۃ المنصور تھا۔ بعد میں مسلمان مصنف اسکو بغداد اور دارالسلام لکھتے ہیں۔ اگرچہ اس زمانہ میں جیساکہ پہلے بیان ہوچکا ہے۔ اور بھی بڑے بڑے اور معتبر اسلامی شہر موجود تھے۔ مگر جو شہرت اور مقبولیت خاص و عام کی زبان پر بغداد کو ہوئی ہے وہ دوسرے اور کسی شہر کو نصیب نہیں ہوئی +

بغداد کا نام لیتے ہی الف لیلہ کی کہانیاں یاد آجاتی ہیں۔ دنیا بھر میں کوئی ایسی زبان نہوگی جس میں الف لیلہ کی کہانیوں کا ترجمہ نہ پایا جاتا ہو۔ اور کسی ملک میں کوئی ایسا بچہ نہوگا جس نے علی بابا الہ دین اور سندباد جہازی کی کہانیاں دلچسپی اور شوق کے ساتھ سُنی یا پڑھی نہوں۔ یہ کہانیاں محض افسانہ نہیں ہیں بلکہ ان میں اُس زمانہ کے تمدنی اور اخلاقی زندگی کو نہایت مرغوب پیرایہ میں ایک زندہ جاوید مرقع بناکر پیش کیا ہے۔ ہارون رشید کا جعفر برمکی کے ہمراہ بھیس بدلکر جانا۔ راتوں کو بغداد کے گلی کوچوں میں گھومنا رعایا کی محفلوں اور مجلسوں میں شامل ہونا۔ اُن کے ساتھ بیٹھکر بے تکلف اور بے محابا ملنا جلنا۔ اُن کے گھروں میں جانا۔ اور رنج و راحت میں شریک ہونا یہ ایک ایسا دلکش نظارہ ہے جس سے یہ صدیوں کی مری ہوئی مورتیں زندہ ہوکر ہوبہو ہماری آنکھوں کے سامنے کھڑی ہوجاتی ہیں +

مگر بغداد کی شہرت فقط خلفائے عباسی کی عظمت و شکوہ پر منحصر نہیں تھی۔ اسکے اسباب کچھ اور بھی تھے۔ بغداد کی سرزمین دو آب دجلہ اور فرات کے درمیان واقع ہوئی ہے

اس دوآبے کے شمالی حصے کو جو تکریت اور ہیت سے لیکر جبال آرمینیا تک واقع ہے عرب مصنف جزیرہ لکھتے ہیں۔ اس حصے میں موصل، سنجار، نصیبین، آمد، قرقیسیا، حدیثہ، ہیت، حران، تکریت اور الرہا مشہور شہر ہیں۔ دوآب کا جنوبی حصہ جو تکریت[1] اور ہیت سے لیکر بصرہ اور عبادان تک واقع ہے۔ سواد یا عراق عرب کہلاتا ہے۔ اس حصے میں بصرہ، بطائح، واسط، کوفہ، نہروان، حلوان، حیرہ اور بغداد مشہور شہر تھے۔ یہ علاقہ اس قدر زرخیز ہے کہ خلفائے عباسی اور اس سے بھی پہلے قباذ بن فیروز اور خسرو پرویز کے زمانہ میں سواد کا محاصل تمام قلمرو کے محاصل کا ایک تہائی ہوا کرتا تھا۔

یہ ملک نہ صرف پیداوار کے لحاظ سے زرخیز تھا بلکہ مردم خیز بھی تھا۔ یہاں پر بڑی بڑی قومیں گذریں۔ بڑے بڑے اولوالعزم فاتح اور کشورکشا پیدا ہوئے اور اپنے جبروت اور جہانگیری کے کرشمے دکھا کر صفحۂ ہستی سے غائب ہوگئے۔ کلدانی۔ سریانی۔ عبرانی۔ ساسانی۔ قومیں یہاں اسی طرح ربیع اور خریف کی فصلوں کی طرح یکے بعد دیگرے پیدا ہوئیں۔ پھلیں پھولیں اور پھر مرجھا کر خاک ہوگئیں۔

بغداد کے جنوب مغرب میں بابل کے کھنڈرات پائے جاتے ہیں۔ جہاں پر کئی گز مٹی کے تلے "بخت نصر بابلی" اور "سارڈانا پلیوس" کی عظمت و شان دبی پڑی ہے اور جہاں ہر ایک کونے میں سکندر اعظم کی ہوس جہانگیری خاک میں ملی ہوئی ہے۔ بابل سے کچھ فاصلہ پر کربلا اور نجف ہیں۔ اس سے چند میل آگے قادسیہ کا رزمگاہ ہے۔ موصل سے کچھ ہٹ کر نینوا کے آثار حسرت کے ساتھ اس شہر کی گزشتہ عظمت اور شان یاد دلاتے ہیں۔ بغداد کے جنوب میں مدائن کسریٰ ہے۔

اس ملک کی چپہ چپہ زمین گویا مدفن ہے۔ جہاں پر استخوان رمیم انبار در انبار پائی جاتی ہیں۔ جہاں پر قدم رکھو تو تلے سے کسریٰ کی آہ اور قیصر کی صدا نکلتی ہے اور معلوم

[1] تکریت صلاح الدین ایوبی کی جائے پیدائش ہے۔ یہ مقام سامرہ سے ۳۱ میل فاصلہ پر سب دجلہ واقع ہے۔

نہیں ہوتا کہ کھوپڑی کس سے کی ہے، کسی اور بادشاہ کی یا مسلم کی ہے یا کافر کی۔ سب پہلو بہ پہلو آرام کی نیند سوتے ہیں تو تعجب نہیں کہ شاہان سلف کی گزشتہ عظمت و شان کی یادگار نے بھی بغداد کے شہرت دلانے میں مدد دی ہو۔

مدینۃ المنصور یہ شہر دجلہ کے داہنی طرف لب دریا سے کچھ فاصلہ پر کاظمیہ اور زیارت معروف کے درمیان واقع تھا۔ اسکو منصور نے اپنی حفاظت اور تحصین کے لیے بنایا تھا۔ اسلیئے شہر کی شکل گول بنائی گئی تھی۔ اور اسکے گرد تین شہر پناہیں تھیں سب سے باہر والی فصیل کے گرد ایک گہری خندق تھی۔ مدینۃ المنصور کے چار دروازے تھے ایک دروازہ باب شام شمال میں کاظمیہ کے رخ پر واقع تھا، جہاں سے شام اور موصل کی طرف راستہ شروع ہوتا تھا۔ دوسرا دروازہ جنوب کی جانب باب بصرہ تھا جہاں سے بصرہ کو سڑک جاتی تھی۔ مغرب کے رخ باب کوفہ تھا۔ جہاں سے حجاز اور کوفہ کی طرف قافلے جایا کرتے تھے۔ باب کوفہ کے مقابل مشرق کی طرف باب خراسان تھا۔ جہاں سے راہ شروع ہوکر اور دجلہ کے پل کے اوپر سے گزر کر خراسان اور ایران کو جاتی تھی۔ شہر کے اندر یہ چاروں سڑکیں چوسر کی طرح ملی ہوئی تھیں۔

مدینۃ المنصور کے عین وسط میں شاہی عمارات تھیں۔ جن کا نام باب الذہب تھا اور اُن کے پاس ہی ایک عالیشان مسجد تھی، اجسکا نیلا گنبد دور سے دکھائی دیتا تھا اس مسجد کو قبۃ الخضرا کہتے تھے۔ شہر پناہوں کے بیچوں بیچ اور شاہی عمارات کے ارد گرد دکانیں آباد تھیں۔ اور لوگوں کے گھر تھے۔ بازار اوپر سے پٹے ہوئے تھے۔ گلیاں تنگ اور پیچدار تھیں۔ مدینۃ منصور کچھ بہت بڑا شہر نہیں تھا۔ اِس کا دور زیادہ سے زیادہ ساڑھے پانچ میل ہوگا۔ جس میں سے آدھی سے زیادہ جگہ شاہی عمارات اور سرکاری دفتروں کے تصرف میں تھی۔ جیسے جیسے ملک میں امن چین پھیلا ویسے ویسے آبادی بڑھنا شروع ہوئی۔ مگر چونکہ شہر کے اندر گنجائش کم تھی۔ لوگوں نے شہر کے

باہر شہر کے گرداگرد مکانات بنانے شروع کیے۔ دکانیں اور بازار کھل گئے۔ اس کے علاوہ خلیفہ نے امیروں اور رئیسوں کو شہر کے آس پاس زمینیں ودجاگیریں دے رکھی تھیں۔ جہاں انہوں نے محلات اور باغات نصب کیے تھے۔ اس طرح آبادی شہر کے گرد و نواح میں کوسوں تک پھیل گئی۔

بیرون شہر کی آبادی کا وہ حصہ جو کاظمیہ کی طرف پھیلا ہوا تھا اُس کا نام قنطرہ بل تھا۔ قنطرہ بل اور باب الشام کے آس پاس متمول اور آسودہ حال لوگوں نے مکانات تعمیر کیے تھے۔ اس محلہ کا نام حربیہ تھا۔ باقی آبادی جو خارج از شہر مغرب کی طرف باب کوفہ سے لیکر باب بصرہ تک پھیلی ہوئی تھی اُس کا نام کرخ تھا۔ مشرق کی جانب مدینہ منصور اور دجلہ کے درمیان جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے خراسان کو سڑک تھی۔ اس سڑک کے شمال یعنی حربیہ کے رخ قصر خلد تھا۔ جس میں کبھی کبھی المنصور اور اُسکے بعد ہارون رشید رہا کرتا تھا۔ باب خراسان کے سامنے میدان تھا۔ جہاں اسپ دوانی فوجی مشق اور پریڈ ہوا کرتی تھی۔ سڑک خراسان کے جنوب کی طرف کا حصہ شرقیہ کہلاتا تھا۔ یہاں بیدخ تون کا دار القرہ یا محل تھا۔ اور اسی حصہ میں سے نہریں گزرکر دجلہ میں گرتی تھیں جن کا ذکر بعد میں ہوگا۔ المہدی جب خراسان سے واپس آیا تو اُس نے اپنی فوج سمیت دجلہ کے اس پار یعنی مشرق کی طرف اور قصر خلد کے مقابل رہایش اختیار کی۔ اس مقام کا نام معسکر مہدی تھا رفتہ رفتہ اُمرا اور فوجی افسروں نے بھی وہیں پر مکانات اور باغات بنا لیے۔ اور بالآخر محلہ کا نام الرصافہ ہوگیا۔

دریائے فرات میں سے کاٹ کر کئی نہریں دجلہ میں ڈالی گئی تھیں جنکے ذریعہ سے مابین دو آب کی کھیتی باڑیوں اور باغات کی آبپاشی بھی ہوتی تھی اور انہیں نہروں کے ذریعہ سے بڑی بڑی کشتیاں دمشق اور شام کا مال اور غلہ مقام موصل پر فرات میں سے نکالکر بغداد میں لاتی تھیں گویا یہ نہریں شمال مغرب میں سے آکر مدینہ منصور کے ارد گرد شمالاً جنوباً جال کی طرح شاخ در شاخ پھیلی ہوئی تھیں۔ اور محلہ شرقیہ میں بہتی دریائے دجلہ میں گرتی تھیں۔ ان میں سے مشہور نہریں

الصراۃ، نہر کرخایا، نہر عیسیٰ، اور نہر طاہر تھیں۔ شہر کے پھیلنے اور بڑھ جانے سے ان نہروں کے کنارے کنارے دکانیں اور بازار بن گئے۔ عالیشان عمارات کھڑی ہوگئیں۔ اور جا بجا نہروں پر سے عبور کرنے کے لیے پل بنے ہوئے تھے۔ باب بصرہ کے سامنے سوق بزازین، سوق دجاج، سوق طباخین، سوق نخاسین وغیرہ کرخ کے مشہور بازار تھے۔

اراکین دولت اور متمول لوگوں نے المہدی اور ہارون رشید کے زمانہ میں دریا کے پاس کنارے پر مکان اور باغات بنانا شروع کر دیے تھے۔ جس کے سبب سے مدینۂ منصور کی رونق گھٹنے لگی۔ ہارون الرشید کی وفات کے بعد جب مامون اور امین کے درمیان لڑائیاں ہوئیں تو طاہر نے مدینۂ منصور کا محاصرہ کیا۔ اور نہروں کو کاٹ دیا۔ جس سے شہر کے اندر اور باہر پانی بھر گیا۔ اور بعض مکانات گر گئے۔ اس کے سوا منجانیق اور پتھروں کی مار سے بھی بہت سی عمارات کو سخت نقصان پہنچا۔ جس سے لوگ اور بھی گھروں کو چھوڑ چھوڑ کر بھاگ گئے۔ اس کے بعد مامون کے عہد حکومت میں یہ نقل مکان کا سلسلہ جاری رہا۔ اور مغرب سے نکل نکل کر آبادی مشرق میں بڑھتی گئی۔ حتیٰ کہ تیسری صدی ہجری کے شروع میں مدینۂ منصور ویران ہو کر چغد و بوم کا آشیانہ بن گیا۔

الرصافہ کے شمال مشرق میں آبادی بڑھتے بڑھتے دور دور پھیل گئی۔ اس محلہ کا نام الشماسیہ تھا۔ اس محلہ میں زیادہ تر یہود اور نصاریٰ آباد تھے۔ علیٰ ہذا القیاس الرصافہ کے جنوب میں بھی دریا کے کنارے کنارے شرقیہ محلہ کے محاذی المخرم اور میمونیہ بھی محلے آباد ہو گئے۔ جن میں اراکین دولت کے مکانات اور باغات تھے۔

ہارون الرشید اور مامون کے ایام میں زیادہ عالیشان عمارات تعمیر نہیں ہوئیں جس کا سبب غالباً یہ تھا کہ علم معماری اور ہندسی کو اس زمانہ میں چنداں ترقی نہیں ہوئی تھی یا شاید ان خلفاء کو تعمیرات کا چنداں شوق نہ تھا۔ اس زمانہ کی عمارتوں میں سے قصر الرشید، قصر المامون، قصر عیسیٰ، قصر الحسینی کے نام تاریخوں میں پائے جاتے ہیں۔ مگر ان مکانات کی سجاوٹ

بناوٹ ۔ یا بیلی کا ذکر کہیں نہیں ملتا ۔ تیسری چوتھی صدی کے مورخوں اور سیاحوں نے بغداد کے حالات لکھے ہیں اور اس شہر کی رونق، آبادی، محلوں اور عمارتوں کو مفصل طور سے بیان کیا ہے۔ اس سے پایا جاتا ہے کہ اس شہر کو کمال عروج پچھلے خلفائے عباسیہ کے عہد میں ہوا ہے ۔ اصطخری جس کی تاریخ میں ۳۴۰ھ ہجری تک کے حالات لکھے گئے ہیں بغداد کی نسبت یوں لکھتا ہے " تحتوی قصور الخلافة وبساتينها من بغداد الى نهر بين الى جانب واحد حتى تتصل من نهر الى شط الدجلة حتى تتصل بابنية دار الخلافة مرتفعا على دجلة الى الشماسية نحو خمسة اميال ويحاذي الشماسية في جانبها الغربي الحربية ثم ينتهي الى الكرخ "۔ پچھلے خلفا خصوصاً المعتصم باللہ، المعتضد، المکتفی کو عمارت کا بہت شوق تھا۔ ان کے زمانہ میں آل بویہ اور سلاجقہ اور اتراک نے سلطنت کا کل کاروبار اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔ اور خلفاء کو کٹھ پتلی بنا کر برائے نام تخت پر بٹھا رکھا۔ اور یہ حضرات بیٹھے بیٹھے عمارات اور باغات بناتے رہتے تھے۔ اور انکو آراستہ و پیراستہ کرنے میں کروڑوں روپے صرف کرتے رہے ۔

اس زمانہ کی عمارتوں میں سے تین عمارات خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ جن کی خوشنمائی آراستگی اور مصارف کو سیاحوں اور مورخوں نے نہایت شرح اور تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ چنانچہ دار الشجرہ کی نسبت صاحب معجم یاقوت یوں لکھتا ہے کہ " اس محل کا نام دار الشجرہ اس لیئے رکھا گیا تھا۔ " الشجرة كانت فيها مصنوعة من الذهب والفضة في وسط بركة كبيرة امام ايوانها، وبين شجر بستانها لها ثمانية عشر غصنا من الذهب والفضة ولكل غصن منها فروع كثيرة مكللة بانواع الجواهر على شكل الثمار وعلى اغصانها انواع الطيور من الذهب والفضة اذا مر الريح عليها ابانت عن عجائب من الصفير والهدير۔ وفي جانب الدار عن يمين البركة تماثيل خمسة عشر فارسا على خمسة عشر فرسا ومثله على يسار البركة قد البسوا انواع الحرير والديباج، مقلدين بالسيوف وفي ايديهم المطارد، يتحركون على خط

لیحتفی الناظر الیہما ان کل واحد منہم یقصر عنا یہ" مفصلہ بالا بیان تاریخی ہے۔ مگر الف لیلہ کی کہانی کی طرح معلوم دیتا ہے ۔

اعداد کی غیر موجودگی میں اس عظیم الشان شہر کی آبادی کا پتہ لگانا ممکن نہیں۔ بغداد ایک شہر نہ تھا۔ بلکہ اسکے اندر کئی بڑے بڑے شہر ملے ہوئے تھے۔ از انجملہ قطویل۔ حربیہ کرخ۔ شرقیہ۔ دریائے دجلہ کے مغرب میں واقع تھے۔ اور الرصافہ۔ الشماسیہ۔ المخرم میمونیہ دریا کے مشرق میں آباد تھے۔ اور ان میں سے ہر ایک بذات خود ایک خاصہ شہر تھا ۔

مغربی اور مشرقی حصوں کے درمیان میں دو کشتیوں کے پل تھے۔ ایک باب خراسان کے سامنے تھا۔ دوسرا دریا کے چڑھاؤ کے رخ الشماسیہ اور حربیہ نامی محلوں کو ملاتا تھا۔ اس طور پر مساحت کے لحاظ سے بغداد کا رقبہ ۵۰ یا ۶۰ ہزار مربع جریب سے کم نہ تھا۔ اور عباسی جریب ۳۶۰۰ گز کی ہوتی تھی۔ اس وسیع رقبہ میں سے اگر باغات۔ بساتین اور نہروں کو نکال بھی دیا جائے۔ تب بھی خالص آبادی کا حصہ بہت زیادہ رہجاتا ہے۔ اسکے ساتھ اگر گنجان آبادی، تنگ گلی کوچوں اور مکانوں کے پاس پاس بنے ہونے کا خیال کیا جائے تو اس بڑے رقبہ کے اندر آبادی کی تعداد لاکھوں ہونی چاہیئے ۔

چند مورخوں نے بغداد کی آبادی کا اندازہ لگانے کی کوشش کی ہے صاحب بدء الملک لکھتا ہے "کان عدد الحمامات فی ذلک الوقت ببغداد ستین الف حمام و اقل مایکون فی کل حمام خمسۃ نفر حامی، قیم، زبال، وقاد، سقاء یکون ذلک ثلاث مائۃ الف رجل۔ وان یکون بازاء کل حمام خمسۃ مساجد یکون ذلک ثلاث مائۃ الف مسجد، و تقدیر ان اقل مایکون فی کل مسجد خمسۃ نفر یکون ذلک الف الف و خمسۃ مائۃ الف انسان"۔

چوتھی صدی کے شروع اور تیسری صدی کے آخر میں طبری لکھتا ہے "قیل ان عدد المجتمعین من العامۃ فی ذلک الوقت ...... انسان فی بغداد" بہر صورت بغداد کی آبادی

چوتھی صدی میں ۱۵۔ اور ۲۰ لاکھ سے کم نہ ہوگی ❖

خلیفہ معتضد باللہ کے زمانہ میں شاہ قسطنطنیہ مفتم کی سفارت آئی تھی۔ اس کی نسبت ابوالفدا نے دول اسلام میں جو حالات لکھے ہیں۔ اُن سے بھی اس زمانہ کے تمول اور شان و شکوہ کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ ابوالفدا لکھتا ہے "دارالخلافہ کے سامنے میدان میں ایک لاکھ بیس ہزار سوار زرہ بکتر لگائے آہستہ کے دورویہ قطاریں باندھے ہوئے تھے۔ ایوان خلافت کے اندر سات ہزار غلام اطلس اور دیبا کی وردیاں پہنے ہوئے زرین کمر، مرصع کلاہ، ہاتھ باندھے ہوئے کھڑے ہوئے تھے۔ چاروں طرف ۳۰ ہزار زربفت کے تھان ۲۰ ہزار ابریشمی قالین اور ۱۰ ہزار فولادی جوشن نمایش کے لئے لٹکائے گئے تھے دارالشجرہ کے باغات میں سیکڑوں شیر، زراف، آہو، اور شکاری چیتے ریشم کے نیلے پیلے جھولوں میں سجے ہوئے۔ سونے چاندی کے حمائل اور گھنگرو گلوں میں باندھے۔ کتنے بلبیں اسطرح سے دوہرے پہرے تھے۔ معتضد باللہ خود تخت عاج پر مسند نشین تھا جو سونے چاندی سے منڈھا ہوا تھا۔ تخت کے چاروں طرف دیواروں پر موتی اور جواہرات جڑاؤ زیور لٹک رہے تھے جن کی چمک سورج کی روشنی کو ماند کرتی تھی" ❖

پانچویں صدی میں بنجمین ٹاڈیلا نے اپنی سیاحت میں بغداد کے تمول اور خوشحالی کی بہت تعریف لکھی ہے۔ یہ تاریخی شہادتیں خلافت کے انحطاط کے زمانہ کی ہیں۔ تاہم ان سے پایا جاتا ہے کہ خلافت عباسی تجمل اور شکوہ میں دربار قیاصرہ اور اکاسرہ سے کہیں بڑھ چڑھ کر تھی۔ اس ناز و تنعم کے ساتھ ساتھ خلفائے عباسی علم دوست اور ہنر پرور بھی تھے۔ جسکے سبب سے عباسی دربار علمائے زمانہ اور فضلائے روزگار کا ماوی و مستقر بن گیا تھا۔ جہاں ہر ملک اور نواح کے طلبائے علوم اور جویائے فنون درس اور تعلیم کے لئے آتے۔ اور شہرت اور کمال سے دامن بھر بھر کر لیجاتے ❖

❖ دول اسلام۔ جلد ۲۔ صفحہ ۳۰ ❖

مقام جندیشاپور میں نسطوری منک (العباد) آباد تھے۔ جنہوں نے فلسفہ حکمت اور طب کی کتابیں یونانی زبان سے سریانی زبان میں ترجمہ کرنا شروع کر دیں انہیں خلفا کی ہنر پروری کا شہرہ سنکر یہ لوگ بغداد میں آئے۔ المنصور کے زمانہ میں جارجیش بختیشوع شاہی طبیب مقرر ہوا۔ اور اسکے بعد بختیشوع عشیرہ کا سلسلہ ہجری سے ۳۰۰ ہجری تک خلفائے عباسی اور آل بویہ کا شاہی طبیب تھا۔ اور اسلامی دنیا میں اسکا مطب درس تدریس کے لیئے چراغ ہدایت بنا رہا۔

جو قدر و منزلت خلفائے عباسی علم طب اور طبیبوں کی کرتے تھے۔ اس کا اندازہ ان روایات سے ہو سکتا ہے جو خلفا نے اطبار کے لیئے مقرر کیئے تھے۔ ہارون الرشید کے زمانہ میں جبرئیل بختیشوع کے لیئے مفصلہ ذیل رواتب مقرر تھے۔

از بیت المال عام	۱۰۰۰۰ درہم	از خزانۂ ہارون	۲۴۰۰۰۰۰ درہم
” خاصہ	۵۰۰۰۰ درہم ”	غلہ	۸۰۰۰۰ ”
اصحاب ہارون	۴۰۰۰۰ ”	جاگیر	۴۰۰۰۰۰ ”
میزان		۴۹۰۰۰۰۰ درہم سالانہ	

اس علمی سرپرستی سے بغداد میں مجلسیں قائم ہوگئیں اور علمی مناظروں اور مباحثوں کا چرچہ دن رات رہتا تھا۔ الشاسیہ میں ابن ماسویہ الکبیر اور المنجم کی مجلسوں نے تاریخی عظمت حاصل کی۔ دربار خلافت میں محفلیں برپا ہوتی تھیں۔ جن میں دینی مسائل پر علمی حیثیت سے ہر شخص کو رائے دینے کا موقع دیا جاتا تھا۔ ملک شاہ وزیر نظام الملک نے مدرسہ نظامیہ قائم کیا۔ جس میں نامور علما درس و تدریس کے لیے مقرر کیئے گئے۔ چنانچہ امام غزالی اس مدرسہ کے پروفیسر تھے۔ ابونصر فارابی پہلے بغداد میں مالی کا کام کرتا تھا۔ بعد میں بغداد کے دارالعلوموں میں خوشہ چینی کر کے مشہور فلسفی بن گیا۔ شفاخانہ اور دارالمجانین (پاگل خانے) بنائے گئے۔ جن میں غربا کا مفت میں علاج کیا جاتا تھا۔

۱۔ طبقات الاطبا۔ جلد اصغر ۱۰۰ ص۔ ترجمہ فارابی از سفر صاحب اسم العلوم و الموسیقی۔

محمد زکریا رازی ابن شفا خانوں کے ناظر تھے۔ ابن بطلان، یحییٰ ابن عیسےٰ ابن جسزلہ اسحٰق ابن یوحنا، حنینؒ ابن اسحٰق، عبداللہؒ ابن المقفع بغداد کے مشہور علما گزرے ہیں غرضکہ ان علما نے لٹریچر اور تمدن اسلام کو جو عربستان کی طرح پہلے بنجر اور سنگلاخ تھا سرسبز اور مالامال کر دیا۔ اور ایسا عروج لو مجسطی کے پریشان اوراق کو جمع کر کے مقدونیہ اور اسکندریہ کے بوسیدہ قالبوں میں نئی روحیں پھونک دیں ⁂

(باقی دارد)

عذر تاخیر

تاخیر پچھلے نمبر کے نکلنے میں ہوئی تھی اور عذر بھی اسی کے متعلق ہے۔ ورنہ یہ پرچہ تو انشاء اللہ اپنے وقت پر ملے گا۔ معذرت قاعدہ اور دستور کے موافق دیر والی اشاعت کے ساتھ کیا کرتی ہے مگر میں نے خیال کیا کہ الفاظ اور عمل ایک ہی دفعہ پیش ہوں تو اچھا ہے۔

واقعہ یہ ہے

کہ ۱۹۱۸ء جسے ابتک جنگ کا آخری سال کہنا چاہیئے، جب ختم کے قریب آیا تو لوگوں نے ۱۹۱۹ء کی دوسری صلح و امن کے وعدے سنا رہا تھا، پیشوائی کا مختلف صورتوں میں سامان کیا مجھے بھی کہ کائنات کا ایک متحرک ذرہ ہوں اور چاہتا ہوں کہ اپنی حرکات جائزے گردوپیش کو جنبش دیا رکھوں سوجھی کہ جنگ کا زمانہ زندہ رہکر گذار سکنے کے بعد صلح و امن سے آخر بات چیت کیوں نہ کروں۔ چنانچہ ابتدائے جنوری سے یہی سلسلہ جاری ہے۔

یہ نہیں بتاؤں گا کہ وہ کیا ہے لیکن یقین کر لیجئے کہ میری گذشتہ تمام خدمات سے اہم تر ہے غرض ان خاص مصروفیتوں کے سبب نظام المشائخ ۶ جمادی الاول کی بجائے ۲۷ جمادی الاول کو اور خطیب ۱۴ فروری کا ۲۲ وہ ۲۸ فروری کو لیکر شائع ہوا۔

خطیب و نظام المشائخ کے لئے مضامین کی کمی کبھی نہیں ہوئی۔ کتابت کی طرف سے بھی ہمیشہ اطمینان رہا۔ عملہ بھی وافر ہے اور نہایت مستعد و اخلاص شعار۔ البتہ چھپائی کی الجھنیں اکثر راقم الحروف کو پریشانی میں ڈالدیا کرتی ہیں اور اس کے سلجھانے کی فکر سے ذرا غافل ہو جاؤں تب پھر کچھ نہ پوچھئے۔ چنانچہ اب کے بھی چھپائی اور محض چھپائی کی مشکلات تھیں کہ ان کا مقابلہ کرنا امکان میں نہ رہا نہیں تو دوسرے کام بہر حال خاصی طرح چلا ہی سکئے۔

تلافی کی امید

اب یوں انتظام ہوا ہے کہ منشی عبدالحمید صاحب مالک اشتراکی پریس دہلی کو جو کاروبار مطابع کے پورے ماہر ہیں۔ میں نے اپنا پریس سپرد کر دیا ہے۔ کہ ہمی اسے بھی تم سنبھالو۔ آئندہ میں درویش پریس کا برائے نام مالک رہونگا۔ باقی اچھائیاں برائیاں نفع و نقصان منشی عبدالحمید کا حق کہ خطیب و نظام المشائخ وغیرہ کی اجرت طباعۃ بھی اسی نرخ سے دونگا جو اوروں سے لیا جاتی ہے یعنی پریس کی ملکیت سے مطلق فائدہ نہ اٹھاؤنگا۔

امید ہے کہ یہ تجویز ماضی کی کل فروگذاشتوں کی تلافی کا باعث ہوگی۔ منشی عبدالحمید ناظرین خطیب و نظام المشائخ کی خاطر اشتراکی پریس دوستوں پر چھوڑ کر یہاں آن بیٹھے ہیں اور دن رات درویش پریس ہی میں لگے ہوئے ہیں۔ پہلے بھی انہی کی اعانت سے میں درویش پریس کو سنبھالے ہوئے تھا۔ لیکن وہ معمولی اعانت تھی۔ اور ایسی حالت میں کہ ان کی ساری توجہ درویش پریس کے لئے وقف ہے۔ اللہ نے چاہا تو عذر تاخیر کا یہ عنوان بار بار دوہرانا پڑے گا۔

عبدہ
واحدی

[illegible]

[illegible]

[illegible]

تمام کائنات قرآن کا ترجمہ ہے

بعض لوگوں کا [illegible] ہے کہ کسی زبان میں قرآن کا ترجمہ کرنا جائز نہیں سمجھتے کیونکہ میرا عقیدہ ہے کہ تو دنیا کی کوئی زبان قرآن کے اصلی مقاصد و مفہوم کو اپنے اندر سمو لینے کی قابلیت رکھتی ہے نہ مسلمانوں کی ہمت کے یہ شایان ہے کہ وہ اصل عربی کو چھوڑ کر ترجمہ پڑھیں۔ ملاؤں نے بھی مسلمانوں پر [illegible] کیا کہ قرآن کو چاہئے کہ عربی زبان حاصل کریں اور یہی سب سے بڑی آفت ہے قرآن کو سمجھیں۔ مگر علماء نے مسلمانوں کی عام ضرورت اور عالمگیر جہالت عربی کے سبب [illegible] دیا کہ ترجمہ پڑھا جائے [illegible] اپنے دینی پیشواؤں کے ارشاد کے آگے جھک گیا اور میں نے بھی [illegible] کو مان لیا اگرچہ [illegible] ہوں کہ

قرآن کا اصلی ترجمہ تو کائنات ہے

قرآن شریف متن ہے اور یہ تمام جہان اس کی شرح اور معنی ہیں

اردو میں [illegible] حضرت شاہ عبدالقادر اور حضرت شاہ رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہما کے ترجمے [illegible] ہیں [illegible] اور [illegible] اکثر [illegible] سے ان کے بعد [illegible] ترجمہ [illegible] ہوا۔ [illegible] ضروری ہے [illegible] تمام اصول قرآن سے واقفیت ہو [illegible] خصوصاً مولانا [illegible] علی صاحب [illegible] جو [illegible] اصطلاحی [illegible] فرماتے۔

[illegible] ترجمہ [illegible] اور [illegible] بالکل غلط ہو [illegible] کامل [illegible] ترجموں میں [illegible] اور بعض جگہ اصل ترجمہ [illegible] مولانا اشرف علی صاحب [illegible] ترجمہ [illegible] تسلیم کرنا چاہئے [illegible] ظاہر ہے کہ [illegible] اعلیٰ درجہ کا عالم مانا جاتا ہے اور [illegible] ساری زندگی [illegible] ترجموں کو [illegible] لاجواب ہوگا اور میں مانتا ہوں کہ بیشک یہ ترجمہ سب سے بہتر اور [illegible] اختلافات [illegible] ہوں نیز [illegible] اردو تفسیر کی [illegible] تسلیم [illegible] اقرار کرتا ہوں کہ اس ترجمہ میں کوئی بات نہیں [illegible] اختلاف ہو [illegible] اس ترجمہ [illegible] تمام مسلمانوں سے سفارش کر سکتا ہوں کہ وہ [illegible]

[illegible] شریف [illegible] ترجمہ مولانا اشرف علی صاحب جیسے مرغوب عالم کی قلم سے نکلا [illegible] بہت سی [illegible] موجود ہیں [illegible] ترجمہ [illegible] خوبیاں شامل ہیں:

(۱) [illegible] کی [illegible] اعلیٰ درجہ کی ہے کیونکہ [illegible] تصحیح [illegible] جناب مولانا احمد علی محدث سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے تصحیح کرکے میرٹھ میں چھپوایا تھا (۲) [illegible] آیات و سورتوں کے فضائل لکھے گئے ہیں (۳) [illegible] خواجگان نقشبندیہ [illegible] قادریہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے [illegible] ارشادات [illegible] اور [illegible] کی نسبت [illegible] قرآن [illegible] اعمال اس میں شامل کئے گئے ہیں میری رائے میں یہ خصوصیت بہت ہی [illegible] ضرورت تھی کہ مسلمانوں کو [illegible] قرآنی اعمال کی جانب توجہ دلائی جائے [illegible] کی [illegible] تعریف کی (۴) [illegible] متعلق [illegible] بیان بھی معتبر بزرگوں سے درج ہوا ہے (۵) شان نزول کا بیان بڑے اہتمام سے کیا گیا ہے اور تمام بڑی بڑی معتبر اور مستند تفسیروں کی عبارات [illegible] کرکے شان نزول لکھی گئی ہے (۶) قرآن کے [illegible] مولانا اشرف علی صاحب کی ایک کتاب [illegible] سے ترجمہ کرکے شامل کئے گئے ہیں [illegible] حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب موضح القرآن سے بھی نہایت مفید انتخاب کیا گیا ہے [illegible]

تمام کائنات قرآن کا ترجمہ ہے

بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ کسی زبان میں قرآن کا ترجمہ کرنا جائز نہیں سمجھتے کیونکہ میرا عقیدہ ہے کہ تو دنیا کی کوئی زبان قرآن کے اصلی مقاصد [illegible] اپنے اندر سمانے کی قابلیت رکھتی ہے مسلمانوں کی بہت کے [illegible] عربی کو چھوڑ کر ترجمہ پڑھیں ۔ علم پڑھنا مسلمان مرد و عورت پر فرض کیا گیا قرآن کو چاہیے کہ عربی زبان حاصل کریں [illegible] بڑی آسان ہے قرآن پڑھیں ۔ مگر علمائے مسلمانوں کی عام ضرورت اور عام جہالت عربی کے سبب [illegible] کر ترجمہ پڑھنا جائز [illegible] اپنے دینی پیشواؤں کے ارشاد کے آگے جھک گیا اور [illegible] کا حکم مان لیا اگرچہ [illegible] ہوں کہ

قرآن کا اصلی ترجمہ تو کائنات ہے

قرآن شریف متن ہے اور یہ تمام جہاں اس کی شرح اور معنی ہیں

اردو زبان میں حضرت شاہ عبدالقادر اور حضرت شاہ رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہما کے ترجمے قدیمی اور بہت اچھے [illegible] میں قرآن [illegible] اور [illegible] اکثر مدارس [illegible] ان کے بعد ڈپٹی نذیر احمد صاحب کا ترجمہ بہت مشہور ہوا [illegible] [illegible] ضروری تھیں [illegible] اصول [illegible] واقفیت [illegible] [illegible] اس ترجمہ پر اعتراض [illegible] شروع ہو گیا ۔ [illegible] علی صاحب تھانوی نے [illegible] اصلاحی [illegible] [illegible] ترجمہ پر اصلاحی اعتراض فرمائے ۔

[illegible] صاحب نے بھی ترجمہ کیا تھا مگر اس کو بھی [illegible] نے مشہور [illegible] غلطیوں پر تنبیہ کیا [illegible] مولانا [illegible] شروع کئے لیکن [illegible] کوئی [illegible] [illegible] غلطی سے [illegible] [illegible] بالکل غلط ہوا بلکہ [illegible] کامل طور سے ترجموں میں [illegible] اور بعض جگہ اصل ترجمہ [illegible] کیا ہے [illegible] مولانا اشرف علی صاحب [illegible] انہوں نے [illegible] ترجمہ تیار کرایا [illegible] جناب مولانا [illegible] ترجمہ [illegible] تسلیم کرنا چاہیئے اور اچھا کیا ظاہر ہے کہ [illegible] [illegible] باعتبار تقوی [illegible] اعلیٰ درجہ کا عالم مانا جاتا ہو اور جس کی ساری زندگی [illegible] [illegible] اور [illegible] ترجموں کو [illegible] علماء کی [illegible] [illegible] لاجواب ہوگا اور میں مانتا ہوں کہ بیشک یہ ترجمہ سب سے بہتر اور سب [illegible] [illegible] صاحب سے بعض معاملات میں اختلاف رکھتا ہوں نیز ان کی اردو تفسیر کی خوبی کو تسلیم [illegible] [illegible] کرتا ہوں کہ اس ترجمہ میں کوئی بات نہیں [illegible] اختلاف ہو [illegible] [illegible] ترجمہ [illegible] اس واسطے میں تمام مسلمانوں سے سفارش کر سکتا ہوں کہ وہ [illegible] [illegible]

[illegible] نقطہ [illegible] کہ اس کا ترجمہ مولانا اشرف علی صاحب جیسے مرغوب عالم کی قلم سے نکلا [illegible] خوبیاں شامل ہیں :-

(۱) [illegible] کی [illegible] [illegible] تفسیر قرآن مجید [illegible] تصحیح [illegible] جناب مولانا احمد علی محدث سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح کر کے میرٹھ میں چھپوایا تھا (۲) [illegible] آیات و سورتوں کے فضائل لکھے گئے ہیں (۳) خواجگان چشت و خواجگان نقشبند و قادریہ رحمۃ اللہ علیہم [illegible] ارشادات خواص قرآنی اور تاثیرات کی نسبت قرآن کے [illegible] اعمال [illegible] شامل کئے گئے ہیں میری رائے [illegible] خصوصیت بہت [illegible] خصوصیت [illegible] کہ مسلمانوں کو [illegible] اعمال کے مقابلہ میں قرآنی اعمال کی جانب توجہ دلائی جائے اس واسطے [illegible] تعریف ہے (۴) ہر سورۃ کے متعلق [illegible] بیان بھی معتبر بزرگوں سے درج ہوا ہے (۵) شان نزول کا بیان [illegible] اہتمام سے کیا گیا ہے اور تمام بڑی بڑی معتبر اور مستند تفسیروں کی چھان بین کر کے شان نزول لکھی ہے (۶) قرآن کے [illegible] جناب مولانا اشرف علی صاحب کی ایک کتاب [illegible] اسی طرح سے ترجمہ کر کے شامل کئے گئے ہیں (۷) حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب موضح القرآن سے بھی نہایت مفید انتخاب کیا گیا ہے جو [illegible]

نظام المشائخ

نمبرا بابت ماہ رجب المرجب ۱۳۳۰ ہجری جلد ۲

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نظام المشائخ

حمد و نعت

حمد خالق کی لکھوں مجھ میں یہ قدرت ہی کہاں — وصف اُس کا کر سکوں لاؤں کہاں سے وہ زباں
لفظ کُن سے اُس نے پیدا سارے عالم کو کیا — اور بنایا ہم کو اشرف آب و گل سے بیکراں
مہ و مہر سے اُس نے روشن کر دیئے لیل و نہار — گو کہ پہلے ہی منور تھے زمین و آسماں
احمدِ مرسل حبیبِ پاک ختم المرسلین — واسطے جنکے بنایا عرش اعلےٰ پر مکاں
شکوہ دوری کے بدلے شکر قربت چاہیے — دلمیں بزم جلوہ گر ہے گو ہو آنکھوں سے نہاں
میں مقدر پر کروں کیونکر نہ ناز اپنے سلیم — حق نے جب مقبول کیں میری [illegible]

سلیم [illegible]

پیروں اور مزاروں کو تعظیمی سجدہ

یہ میری زیر تصنیف کتاب "الی اللہ پیر بھائی" کا ایک باب ہے جو میں نے اپنے اہل سلسلہ مریدوں اور دیگر مسلمانوں کی تلقین کے لیے لکھنی شروع کی ہے۔ اور جس میں دین و دنیا کے تمام ضروری امور کا علیحدہ علیحدہ ابواب میں بیان ہے۔ رسالہ نظام المشائخ کے ناظرین کے لیے کتاب "الی اللہ" کا باب سجدہ تعظیمی کو قبل از اشاعت کتاب شائع کر دیا جاتا ہے کیونکہ کتاب مذکور میں ابھی شاید ایک سال یا چھ ماہ کی دیر ہوگی۔ حسن نظامی

بزمینے کہ نشان کف پائے تو بود
سالہا سجدۂ صاحب نظراں خواہد بود

سجدہ کی صورت

اسلامی اصطلاح میں سجدہ زمین پر ماتھا ٹیکنے کو کہتے ہیں۔ کیونکہ مسلمانوں کی مروجہ نماز میں سجدہ کی یہی صورت ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن شریف میں فرشتوں کے سجدہ حضرت آدمؑ اور حضرت یوسفؑ کے سجدہ برادران والدین کا جو ذکر ہے وہ بھی زمین پر ماتھا ٹیکنے کی صورت کا سجدہ ہوگا۔ اور فرشتوں نے حضرت آدمؑ کو اور حضرت یوسفؑ کے بھائیوں اور والدین نے حضرت یوسفؑ کو اسی صورت کا سجدہ کیا ہوگا۔

قرآن شریف میں خدا تعالیٰ نے اپنے سجدہ عبادت کا جہاں جہاں ذکر کیا ہے وہاں بھی سجدہ کی یہی ہیئت مراد ہے۔ کیونکہ حضور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے جن پر قرآن نازل ہوا

تھا۔ اور جو خود اپنے قول و عمل کے اعتبار سے قرآن کی مجسم تفسیر تھے اور انکے تمام صحابہؓ نے اور انکی بعد کی نسلوں نے آجتک زمین پر ماتھا ٹیکنے کی صورت میں سجدے کئے ہیں۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ سجدے کی صورت سوائے مروجہ شکل کے اور کوئی نہیں ہے۔ اور بعض غیر مسلم اقوام میں سجدہ کی جو تعریف ہے وہ اسلامی سجدہ نہیں۔ بلکہ رکوع کے مشابہ ہے۔

سجدے کی اس صورت کا فلسفہ

اسلامی سجدے کی اس صورت کا فلسفہ یہ ہے کہ جذبات تعظیم یا انکساری فروتنی کا اظہار اس سے زیادہ انسان اور کسی صورت سے نہیں کر سکتا۔ زبان کے الفاظ۔ ہاتھ کی حرکات اور جسم کے دیگر اعضاء سکنات سے تعظیم و عاجزی و بیچارگی کا ایسا کامل اظہار ممکن نہیں ہے جیسا کہ اسلامی سجدے کی صورت سے ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اسمیں انسان کا تمام جسم کل اعضاء سمیت شریک ہوتا ہے۔

اسلامی سجدے میں سر کا زمین پر رکھ دینا اس بات کی کھلی ہوئی علامت ہے کہ جس سر میں انانیت۔ غرور۔ عقل اور تمام معزز و برتر قوتیں ہیں وہ مسجود کے سامنے عاجز ہو کر گر پڑیں۔ اور کسی قوت کو بلندی کا خیال نہ رہا۔

سجدۂ عبادت اور دوسرے سجدوں کا فرق

قرآن شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ عبادت کے سجدے اور تعظیم و ادب کے سجدے میں بہت فرق ہے۔ عبادت کا سجدہ خدا نے اپنی ذات کے لئے مخصوص رکھا۔ اور غیر خدا کو سجدہ کرنے کی ممانعت فرمائی۔ اور اسمیں اتنا زور دیا کہ سارا قرآن شرک کے خلاف مضامین سے بھرا ہوا ہے بلکہ قرآن کا مقصد اصلی ہی یہ ہے کہ غیر خدا کا تعلق قطع کر کے ایک خدا سے بندے کو وابستہ کرے۔ پس اگر سجدۂ عبادت اور سجدۂ تعظیمی میں فرق نہ ہوتا تو فرشتوں کو حضرت آدمؑ کے سجدہ کا حکم نہ دیتا۔ اور ابلیس اس حکم نہ ماننے کے سبب ملعون و مردود

نہ قرار پاتا۔ خدا تعالیٰ نے فرشتوں کو سجدۂ آدمؑ کا حکم دیکر ثابت کیا کہ یہ سجدہ عبادت کا نہ تھا بلکہ تعظیم کا تھا۔ عبادت کا ہوتا تو خدا اپنے غیر کا سجدہ کرنے کا شدید حکم دیکر خود شرک بنانے کا باعث قرار پاتا۔

والدین و برادران حضرت یوسفؑ کے سجدہ کی روایت سے بھی جو خدا نے قرآن میں بیان کی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ بھی سجدۂ تعظیمی تھا۔ سجدہ عبادت نہ تھا۔ ورنہ خدا اس سجدے کی مخالفت کرتا جیسا کہ وہ شرک کی مخالفت کیا کرتا ہے۔ لہذا سجدۂ عبادت اور ہے۔ اور سجدۂ تعظیم اور ہے مگر ان دونوں سجدوں کی ہیئت اور شکل و صورت اور طریقہ سجدہ کرنے کا ایک ہی ہے۔

سجدے کی سمت مقرر کرنیکا فلسفہ

خدا نے اپنی عبادت کے سجدہ کے لیئے کعبہ کو سمت قرار دیا ہے۔ اور اسمیں ایک بڑا فلسفہ پوشیدہ ہے اور وہ یہ ہے کہ خدا سجدۂ عبادت اور سجدۂ تعظیم و ادب میں ایک امتیاز و فرق قائم کرنا چاہتا تھا تاکہ مقررہ سمت کا سجدہ عام اور جائز سجدوں سے الگ ہو جائے اور مسلمان جان جائیں کہ سمت کعبہ کا سجدہ عبادت کا سجدہ ہے جو غیر خدا کو جائز نہیں اور غیر مقرر سمت کے سجدے جائز ہیں کہ وہ عبادت کے سجدے سے جداگانہ حیثیت رکھتے ہیں۔

سمت کعبہ مقرر ہونے سے پہلے خدا نے قرآن میں فرمایا تھا۔ اینما تولوا فثم وجہ اللہ تم جدھر متوجہ ہو خدا اسی طرف ہے۔ یعنی جس طرف اور جس سمت سجدہ کرو وہ خدا ہی کو ہوگا مگر بعد میں سمت کعبہ مقرر ہو گئی۔ اسکی وجہ یہی تھی کہ خدا سجدۂ عبادت اور سجدۂ تعظیم میں امتیاز و فرق قائم کرنا چاہتا تھا جو اس سمت نے کر دیا یعنی سمت کا تقرر اس امتیاز و فرق کے لیئے تھا۔

عبادت کے سمتی سجدے پر اجماع

سمت کعبہ کے سجدہ عبادت پر اول دن سے آجتک مسلمانوں کے سب فرقوں کا اجماع ہے اور یہ اجماع

ایسی زبردست صورت میں ہے کہ مسلمانوں کی ایک مجموعی تعریف لفظ اہل قبلہ سے کیجاتی ہے۔ یعنی انکے فرقوں میں ہزاروں قسم کے اختلافات ہیں۔ جن کے سبب وہ ایک دوسرے کے حریف نظر آتے ہیں۔ مگر قبلہ کی سمت میں کوئی فرقہ بھی جدا نہیں ہے سب کو کعبہ کی سمت سجدے میں اتفاق ہے۔ اِس بات سے ثابت ہوتا ہی کہ سجدۂ عبادت کی خصوصیت سب مسلمانوں کو خواہ وہ کسی عقیدے اور فرقہ کے ہوں معلوم ہے۔ اور سجدۂ تعظیمی جو سمت کا پابند نہیں ہے۔ عبادت کے سجدے سے ایک جداگانہ چیز مان لی گئی ہے +

قرآن میں کسی انسانی سجدہ تعظیم کی ممانعت نہیں ہے

قرآن میں خدا نے فرشتوں کے سجدۂ آدمؑ۔ اور حضرت یوسفؑ کے والدین اور بھائیوں کے سجدے کا ذکر کیا ہے۔ اور خود اپنے سجدۂ عبادت اور سجدۂ تعظیم اور سجدۂ تقرب۔ کا جگہ جگہ مختلف طریقوں سے حکم دیا ہے۔ مگر ایسی آیت کوئی نہیں ہے۔ جہاں کسی انسان کو کسی انسانی سجدۂ تعظیم کرنے کی ممانعت کی گئی ہو +

اِس سے ثابت ہوتا ہے کہ تعظیمی سجدہ کے خلاف قرآن خاموش رہنا چاہتا ہے یعنی وہ اپنے اوپر عمل کرنے والے مسلمانوں سے نہ یہ کہتا ہے کہ تم بھی فرشتوں کی طرح غیر خدا کو سجدہ کرو۔ یا حضرت یوسف کے والدین و بھائیوں کی مثل غیر خدا کی تعظیم سجدہ کرکے بجالاؤ۔ نہ یہ کہتا ہے کہ فرشتوں پر تو فرض تھا کہ وہ حضرت آدمؑ کو سجدہ کریں اور حضرت یوسف کے والدین اور بھائیوں کو تو اجازت تھی کہ حضرت یوسفؑ کو سجدہ کریں مگر تمہارے قرآن کے ایمان لانے والو! سجدہ تعظیمی حرام کیا گیا ہے۔ تم کسی غیر خدا کو سجدہ نہ کرنا۔ یہاں وہ آیت پیش نہیں ہو سکتی۔ جس میں چاند، سورج کے سجدہ کی ممانعت ہے۔ یعنی لا تسجدوا للشمس و لا للقمر واسجدوا للہ۔ (سجدہ نہ کرو سورج اور چاند کو اور سجدہ کرو اللہ کو) کیونکہ اِس آیت میں غیر انسانوں کے سجدہ کا ذکر ہے اور گفتگو سجدۂ

انسانی میں ہے۔ خدا تعالیٰ نے فرشتوں کو آدم ؑ یعنی انسان کے سجدے کا حکم دیا تھا اور کوئی آیت سجدہ انسان کے خلاف قرآن میں کہیں بھی موجود نہیں ہے۔ سورج اور چاند اور چیز ہے۔ انسان خلیفۃ اللہ دوسری چیز ہے ٭

پس جب قرآن نے ایسا کوئی صاف حکم نہیں دیا تو سجدۂ تعظیمی کا حرام ہونا یا ناجائز ہونا ثابت نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ آگے چل کر حضرت محبوب الٰہی رح کے ایک ارشاد میں اسکی بحث آئے گی ٭

ایک حدیث سجدۂ تعظیمی کی مخالف ہے

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے ایک حدیث سجدۂ تعظیمی کے خلاف پائی جاتی ہے۔ جو یہ ہے:۔

عن عائشۃ رضی اللہ عنہا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان فی نفر من المہاجرین والانصار فجاءہ بعیر فسجد لہ فقال اصحابہ یا رسول اللہ تسجد لک البہائم والشجر فنحن احق ان نسجد لک، فقال اعبدوا ربکم واکرموا اخاکم ولو کنت آمر احدا ان یسجد لاحد لامرت المرأۃ ان تسجد لزوجہا، ولکن لا ینبغی لبشر ان یسجد لغیر اللہ

ترجمہ "حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین اور انصار کی ایک جماعت میں تشریف رکھتے تھے (یکایک) ایک اونٹ آیا۔ اور اس نے آنحضرت کو سجدہ کیا۔ یہ کیفیت دیکھکر صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپکو جانور اور درخت سجدہ کرتے ہیں تو ہم تو زیادہ مستحق ہیں کہ آپ کو سجدہ کیا کریں۔ اسپر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے رب کی عبادت کرو۔ اور اپنے بھائی کے ساتھ احترام سے پیش آؤ۔ اگر میں کسی کو سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو کہتا بیوی شوہر کو سجدہ کیا کرے لیکن آدمی کو زیبا نہیں ہے کہ وہ سوائے خدا کے کسی اور کو سجدہ کرے" ٭

نئے سال کی درویش جنتری چھپ گئی

اور [illegible]ھ بھی چل بسا۔ آج ہی ایک کارڈ لکھ کر نئے اسلامی سال کی درویش جنتری منگا لیجئے تاکہ ابتدائے سال ہی سے آپ اس کی مفید ہدایت پر عمل شروع کر دیں۔ جن لوگوں نے سالہائے گذشتہ کی درویش جنتری دیکھی ہے وہ شہادت دے سکتے ہیں کہ مسلمانان ہند کی موجودہ حالت اور اُن کی موجودہ دینی ضروریات کے لحاظ سے اس وقت فی الحقیقت ہندوستان میں کوئی جنتری درویش جنتری سے بہتر شائع نہیں ہوئی۔ بیہودہ عقائد، فضول توہمات، مضر رسوم کی اصلاح کرنے والی، دینی و دنیوی امور میں مسلمانوں کو صراط مستقیم پر چلانے والی یہی ایک جنتری ہے جس کا ہر صفحہ پڑھنے کے قابل اور ہر سطر کارآمد و دلچسپ ہوتی ہے۔ خصوصاً [illegible]ھ کی درویش جنتری تو بفضلہ تعالیٰ ایسی خوش اسلوبی سے تیار ہوئی ہے کہ انشاء اللہ ہر ایک سمجھدار مسلمان اسے بہت پسند کرے گا۔ دینی معلومات اور دلچسپ اسلامی مضامین کا ذخیرہ ہے۔ دوسری قسم کی دلچسپیاں بھی معمول سے زائد ہیں۔ کئی مضمون نہایت قابل قدر ہیں۔ لکھائی چھپائی بھی عمدہ ہے اور پھر قیمت بھی باوجود گرانی کاغذ کے صرف چھ آنے ہے۔

فہرست مضامین

درویش جنتری [illegible]ھ

(مطبوعہ درویش پریس)

قیمت صرف چھ آنے

منیجر رسالہ نظام المشائخ دہلی سے منگائیے

دل کا مطلب ادا نہ ہوا

خبر نہیں کیا کیا ارمان تھے۔ کن کن تمناؤں کا ہجوم دل پر تھا اور خط لکھتے وقت کیسی کیسی صدائیں پیدا ہوتی تھیں مگر لکھنے کی عادت نہ تھی۔ ہر چند کوشش کی اور گھنٹوں غور کیا مگر دل کا مطلب ادا نہ ہو سکا۔

خط لکھنا بھی ایک فن ہے جس کو پوری طرح اپنا مطلب ادا کرنا اور خط میں اس کی تصویر کھینچ دینے کا سلیقہ نہ ہو وہ اس آدھی ملاقات سے محروم ہے جو خط کے ذریعہ حاصل ہو جایا کرتی ہے۔

خط محبت کا ہو۔ کاروبار کا ہو۔ خانہ داری کا ہو یا کسی اور قسم کا۔ اس میں اس کی بہت بڑی ضرورت ہے کہ خط لکھنے والے کو اندازہ ہو کہ زیادہ سے زیادہ پورا مطلب ادا کر سکتا ہو ورنہ خط لکھنا بیکار رہے جب اس میں دل کی بات ہی ادا نہ ہو۔

حضرت خواجہ حسن نظامی کے مجموعہ خطوط نے ہندوستان کی اس بڑی ضرورت کو پورا کر دیا۔ ان کے مجموعہ خطوط میں ایسے موثر اور رنگا رنگ خطوط ہیں جن کو دو دفعہ پڑھنے کے بعد ہر آدمی اچھا خط لکھنے لگتا ہے اور اس کو بے تکان اپنے دل کا مطلب ادا کرنا آجاتا ہے۔

آج تک کسی اردو انشا پرداز کا ایسا مجموعہ خطوط نہیں چھپا جس میں خطوط نویسی کی آسان تعلیم کا اہتمام کیا گیا ہو۔

حضرت خواجہ صاحب کے مجموعہ خطوط میں یہ خوبی سب سے بڑی ہے کہ اس میں فرضی خط نہیں ہیں کیونکہ فرضی خطوط پڑھنے سے نیچرل اور فطری قابلیت پیدا نہیں ہوتی۔ اس مجموعہ خطوط میں بیوی کے نام خط ہیں انکے پڑھنے سے ہر آدمی سمجھ جاتا ہے کہ اپنے اہل و عیال کو کس طریقہ سے خطوط لکھنے چاہئیں اور وہ کیا طریقے ہیں جن سے بال بچوں کے ساتھ دلی موانست کا اظہار ہو سکے اور وہ بھی اس موانست سے متاثر ہو کر اپنے سرپرست کے ساتھ اور زیادہ وابستہ ہوں۔

بیوی اور بیٹی کے نام جو خطوط حضرت خواجہ صاحب نے لکھے ہیں اور انکے مجموعہ خطوط میں شائع ہوئے ہیں انکو پڑھ کر آسانی سے معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ بہشتی زندگی جو خوش باش گھروں میں نظر آتی ہے زیادہ تر اچھے برتاؤ پر منحصر ہے اور خطوط کے ذریعہ سب سے اچھا برتاؤ ظاہر کیا جا سکتا ہے۔ اگر آپ اس کا ثبوت دیکھنا چاہتے ہو اردو کے کسی مجموعہ مکتوبات میں خانگی زندگی کی وہ اصل مسرت اور خوش باش تصویر نہ ملیگی جو حضرت خواجہ صاحب کے مجموعہ خطوط میں ہے۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ صاحب کی اندرونی خانہ داری بہت ہی شاد کام اور باہمی اعتماد و ارتباط سے لبریز ہے کیونکہ ہر وہ خط جو اس مجموعہ خطوط میں ہے اور جس میں بیوی یا بیٹی کو مخاطب کیا گیا ہے جیتی جاگتی تصویر خوش نصیب خانہ داری کی ہے جو شخص ان خطوط

(مطبوعہ [illegible] پریس)

اس حدیث کو سجدۂ تعظیمی کے خلاف پیش کیا جاتا ہے۔ اور اسمیں کچھ شک نہیں کہ یہ حدیث صاف صاف سجدۂ غیر اللہ کی مخالفت کرتی ہے۔ اور کوئی گنجائش رسول خدا کے صحیح الفاظ کے خلاف غور کرنے کی باقی نہیں رہتی۔ اور اسی حدیث کو سجدۂ تعظیمی کے خلاف سند میں پیش کیا کرتے ہیں۔ سوائے اسکے اور کوئی ثبوت انکے پاس نہیں ہے انکو بیانتک غلو اس حدیث میں ہوتا ہے کہ قرآن کی آیتوں کو اس حدیث سے منسوخ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

مگر سجدۂ تعظیمی کے مخالف اسکو بھول جاتے ہیں کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کلامی لا ینسخ کلام اللہ۔ میرا کلام خدا کے کلام کو منسوخ نہیں کر سکتا۔ پس جب قرآن شریف میں سجدۂ تعظیمی کا غیر اللہ کے لیئے ثبوت موجود ہو تو حدیث کی سند پیش نہیں کیجا سکتی۔ اس کے علاوہ اصول محدثین کی رو سے یہ خبر احاد ہے۔ متواتر نہیں ہے لہذا اس اکیلی حدیث کو آیات کلام ربانی کے سامنے بطور سند کے لانا بیکار ہے۔

اس کے علاوہ حدیث کے الفاظ میں یہ ہو کہ اگر سجدہ غیر اللہ جائز ہوتا تو میں بیوی کو شوہر کے سجدہ کا امر کرتا۔ اور امر سے وجوب ہوا کرتا ہے۔ یعنی شارع علیہ السلام کسی بات کا حکم امر کے صیغے سے دیں تو وہ کام واجب ہوتا ہے۔ لہذا حضور کا منشا یہ معلوم ہوتا ہے کہ سجدۂ تعظیمی وجوب کی حد میں جائز ہوتا تو میں عورت پر مرد کا سجدہ واجب کرتا یعنی سجدۂ تعظیمی واجب چیز نہیں بلکہ مباح ہے۔

اور سب سے بڑی بات تو یہ معلوم ہوتی ہے کہ حضور نے صحابہ کی خواہش کو سجدۂ عبادت تصور کر کے جواب دیا تھا۔ جبھی تو فرمایا کہ اپنے رب کی عبادت کرو اور اپنے بھائی کا احترام و اکرام بجا لاؤ۔ آپکے ذہن میں سجدۂ تعظیمی ہوتا تو عبادت رب کا حوالہ نہ دیتے۔ اور احترام تعظیم کو عبادت سے الگ کر کے ظاہر نہ فرماتے۔ اس وقت تو آپ کے ذہن میں سجدۂ عبادت تھا۔

سجدے کی مجازی و حقیقی سمت

جس طرح خدا نے سجدہ عبادت کی حقیقی سمت کعبہ کو قرار دیا۔ اسی طرح آدمؑ کو سجدہ تعظیمی کی مجازی سمت بنایا ہے۔ حضرت آدمؑ کی سمت فرشتوں سے سجدہ کرانا حقیقت میں آدمؑ کا سجدہ نہ تھا بلکہ خدا کی جانب سجدہ تھا۔ اور آدمؑ محض ایک سمت تھے۔ جیسا کہ آج ہمارے سجدہ کی سمت کعبہ ہے۔ کیا پتھروں کا بنا ہوا غیر ذی روح تو سمت سجدہ ہو سکتا ہے اور آدمؑ جو خلیفۃ اللہ اور انوار الٰہی کا زندہ مظہر ہے سجدہ کی سمت نہیں بن سکتا۔ پس ثابت ہو گیا کہ کعبہ کی طرح آدمؑ بھی سجدہ تعظیمی کی سمت مجازی ہو سکتے ہیں۔ سورہ قریش میں خدا نے فرمایا ہے فلیعبدوا رب هذا البيت الذي اطعمهم من جوع وآمنهم من خوف۔ پس چاہئے کہ عبادت کریں اس گھر کے پالنے والے کی جس نے ان کو بھوک میں کھانا اور خوف میں امن دیا۔

اس آیت میں رب هذا البیت الذی کا لفظ آیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ عربی میں الذی کا لفظ ذی روح پر آتا ہے اور کعبہ ذی روح نہیں ہے بلکہ وہ پتھر کا بنا ہوا ایک مکان ہے۔ پس ثابت ہوا کہ اس بیت سے مراد قلب آدم ہے۔ جس کو مجازی معنوں میں اکثر جگہ بزرگوں نے بیت اللہ مانا ہے۔ اور جب انسان کا دل بیت اللہ ہے تو وہ سجدہ تعظیمی کی سمت بھی ہو سکتا ہے۔

سجدہ تعظیمی کا انکار موجب لعنت و پھٹکار

قرآن شریف میں تعظیمی سجدے کا حکم فرشتوں کو دیا گیا۔ انہوں نے تعمیل کی تو فرشتے رہے۔ ابلیس نے انکار کیا تو لعنتی ہو گیا اور اس پر پھٹکار پڑ گئی۔ قرآن میں ابلیس کے متعلق لفظ ابیٰ (انکار کیا) و استکبر (اور اپنے آپ کو بڑا جانا) آئے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سجدہ تعظیمی سے انکار کرنے والے بھی اپنے آپ کو بڑا جان کر ایسا کرتے ہیں۔ ان کا یہ فعل ابلیس کی طرح صریحاً موجب لعنت و پھٹکار ہے۔

خدا نے آدمؑ کیلئے سجدہ کی تعظیم کیوں پسند کی؟

اگر خدا چاہتا تو حضرت آدمؑ کی تعظیم

کسی اور طریقہ سے کرانا۔ فرشتوں کو سجدے کا حکم نہ دیتا۔ کیونکہ سجدہ ایک ایسی چیز تھی جس میں سجدۂ عبادت شریک تھا۔ اور خدا کی عظمت کے انتہائی طریقہ میں خواہ مخواہ آدم کا شرک ہوتا تھا +

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا کی خود مرضی تھی کہ میری نیابت و خلافت کی عملی تعظیم وہی ہونی چاہیئے جو خود میری ہے۔ اس واسطے اس نے فرشتوں کو آدمؑ کی خلافت کا حکم سنانے کے وقت اس کی عزت ایسے طریقہ سے کرائی جو خدا کی ذات کے سوا کسی کو زیبا نہ تھا۔ یعنی آدم کو سجدہ کرایا تاکہ سند ہو جائے کہ آدم نیابت اور خلافت پانے کے بعد مجازی حیثیت سے اس آخری تعظیم کا مستحق ہے جو حقیقت میں عبادت کی آخری شان ہے +

اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ سجدۂ تعظیمی جائز اور مباح ہے۔ اور قرآن نے اسی واسطے اس کی حرمت کا آخری شریعت کو حکم نہیں دیا +

قرآن کے اس سکوت سے فقہا کی سند

قرآن نے سجدۂ تعظیمی کے قصے بیان کرنے کے بعد کوئی تردید انسانی سجدۂ تعظیمی کی نہیں فرمائی۔ اس سے تمام معتبر اور مشہور فقہا نے سند لی ہے۔ اور لکھا ہے کہ ایسی حالت میں کہ قرآن یا حدیث کسی سابقہ شریعت کے واقعہ کو بیان کریں اور اسکے خلاف کوئی حکم نہ دیں تو واقعہ کے ثبوت کے لیے کسی دلیل کی ضرورت نہیں رہتی۔ اور اسکو ہم حرام یا ناجائز نہیں کہہ سکتے +

یہاں سب سے مشہور فقہی کتابوں کے الفاظ نقل کیے جاتے ہیں۔ ہدایہ میں ہے۔ لانہ لم یجد فیہ نصا قاطعا لم یطلق علیہ لفظ الحرام **ترجمہ** جس میں کوئی نص قطعی نہ پائی جائے اس پر حرام کے لفظ کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ رد المحتار ہے۔ تقرر فی کتب الاصول ان الشرع من قبلنا حجۃ لنا اذا قصہ اللہ او رسولہ من غیر انکار ولم یظہر نسخہ فعائدۃ نزول الآیۃ تقریر الحکم الثابت افادانہ لا یحتاج الی قیا

الدلیل علی بقائه ترجمہ اصول کی کتابوں نے قرار دے لیا ہے کہ ہم سے پہلی شریعت ہمارے لیئے حجت ہو اگر خدا یا اُسکے رسول نے اُسکو بیان کیا ہو اور پھر اُس کا انکار نہ کیا ہو اور اُسکا منسوخ ہونا ظاہر نہوا ہو تو نزول آیت کا فائدہ حکم ثبوت کو پہنچے گا اور یہ نتیجہ نکلے گا کہ وہ کام باقی رہنے میں کسی دلیل کا محتاج نہیں ہے۔

فتاوٰے قاضی خاں میں ہے۔ الاصل فی الاشیاء الاباحۃ۔ تمام اشیاء میں اصلیت مباح ہونا ہے۔ یعنی ہر چیز کی اصل مباح ہے۔ اگر مباح ہونے کے خلاف کوئی ثبوت نہو۔

ہدایہ، رد المحتار، اور فتاوٰے قاضی خاں فقہ کی نہایت مشہور و معتبر کتابیں ہیں اور قرآن و حدیث کے غور و احقاق کے بعد فقہار نے اِن کتابوں کو مرتب کیا ہے پس جب یہ کتابیں ہی صاف صاف کہتی ہیں کہ سابقہ شریعت کی کسی بات کے خلاف کوئی نص قطعی موجود نہو تو پھر اُسکے مباح ہونے میں اور باقی رکھنے میں کسی دلیل کی حاجت نہیں ایسا ہی سجدۂ تعظیمی ہے کہ اسکا ذکر قرآن میں موجود ہے اور اسکی تردید نہیں پائی جاتی۔ لہذا شریعت اسلامی میں اِسکو مباح سمجھنا ضروری ہے۔

احکام منسوخ ہوتے ہیں اخبار نہیں ہوتے

اور اگر اسپر زیادہ زور دیا جائے کہ حدیث بھی نص قطعی ہے۔ اور جب اسمیں سجدہ کے خلاف صاف تردید موجود ہے تو آیات کو منسوخ سمجھنا چاہیئے تو مفسروں کا یہ قاعدہ اس اصرار کو توڑتا ہے کہ نص سے احکام منسوخ ہوا کرتے ہیں اخبار منسوخ نہیں ہوتے اور قرآن میں سجدہ کا ذکر بطور خبر کے ہے حکم کے نہیں ہے۔ اصول کی مشہور کتاب نور الانوار کے مصنف اپنی تفسیر احمدی میں لکھتے ہیں النسخ انما یکون فی الاحکام دون الاخبار (منسوخیت احکام میں ہوتی ہے اخبار میں نہیں)۔

سجدۂ تعظیمی سجدۂ عبادت سے الگ چیز ہے

تفسیر کبیر کے پہلے حصے صفحہ ۲۴۴ میں ہے

اجمع المسلمین علیٰ ان غلبات السجدۃ لیس بسجود عبادۃ لان سجود العبادۃ لغیر اللہ کفر۔

ترجمہ مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہو گیا ہے کہ یہ تعظیمی سجدے عبادۃ کے سجدے نہیں ہیں کیونکہ عبادت کے سجدے غیر اللہ کے سامنے کفر ہیں۔

ارادہ عبادت کا نہو فتاوائے عالمگیری کی پانچویں جلد کے اٹھائیسویں باب میں صفحہ ۳۷۰ پر ہے۔ قال الامام ابو منصور اذا قبل احد بین یدی احد الارض او انحنیٰ لہ او وطأ طأ راسہ فلا یاس بہ لانہ یرید تعظیمہ لا عبادتہ۔ **ترجمہ** امام ابو منصور نے فرمایا اگر کوئی شخص کسی کے سامنے زمین چومے یا جھکے یا اپنے سر کو زمین پر رکھے تو کچھ مضائقہ نہیں کیونکہ وہ اُس کی تعظیم کا ارادہ رکھتا ہے عبادت کا نہیں۔

اسکے بعد اسی کتاب میں لکھا ہے۔ وقد تبین بذلک ان وضع الجباہ بین یدی المشائخ لقصد التعظیم والتواضع جائز بلا ریب۔ فان غایۃ التذلل فی حضراتہم و التواضع من اہم الامور و ذلک لایکون بقصد نیل الدنیا بل بغرض تحصیل الکمال فی امر الدین۔ **ترجمہ** پس اسی سے ظاہر ہو گیا کہ مشائخ کے سامنے پیشانیوں کا رکھدینا بغرض تعظیم و تواضع کے بلا شک جائز ہے کیونکہ ان حضرات کے سامنے انتہائی عاجزی و فروتنی کا اظہار بہت بڑا کام ہے اور یہ دنیا کی غرض سے نہیں ہوتا بلکہ دینی کمالات حاصل کرنے کو ہوتا ہے۔

تعظیمی سجدہ کرنا افضل ہے فتاوائے عالمگیری میں ہے۔ وان امروہ بالسجود للتحیۃ والتعظیم لا للعبادۃ فالافضل لہ ان یسجد۔ **ترجمہ** اگر کسی کو تحیۃ و تعظیم کے سجدے کا نہ کہ سجدۂ عبادت کا حکم دیا جائے تو اس کے لیے افضل یہ ہے کہ سجدہ کرلے۔ اس قسم کا مضمون فتاوائے قاضی خاں میں بھی ہے۔

سجدۂ تعظیمی قرن اول سے جاری ہے تفسیر کشاف کے صفحہ ۴۰۰ میں ہے کانت السجود

عدم عادیۃ عبر الغیبۃ والتکرمۃ کالقیام والمصافحۃ وتقبیل الید مصاحبۃ عادۃ للناس **ترجمہ** سجدہ ان میں جاری تھا قائم مقام تحیۃ وتعظیم کے مثل تعظیماً کھڑے ہونے۔ مصافحہ کرنے اور ہاتھ چومنے کے جو سب لوگوں کی عادت تھی +

سجدہ تعظیمی میں کچھ حرج نہیں

جامع الصغیر میں ہے۔ لا باس بوضع الخدین بین یدی المشائخ۔ کچھ حرج نہیں ہے اگر مشائخ کے سامنے رخساروں کو زمین پر رکھا جائے +

الغرض تفسیر کشاف نصف اول صفحہ ۹۰ ۔ اور فتاوٰے تیسیر اور فتاوٰے سراجیہ اور فتاوٰے عزیزیہ اور تفسیر سورہ یوسف از معین الدین واعظ اور شرح مشکوٰۃ از حضرت مولانا عبدالحق صاحب محدث دہلوی وغیرہ کتب میں بہت شرح وبسط سے تعظیمی سجدہ کی اباحت پر زور دیا گیا ہے۔ یہاں سب کو نقل کیا جائے تو طوالت ہو گی +

مولوی اسمٰعیل صاحب کے خیالات کسی سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ انہوں نے خود بھی سجدہ تعظیمی کے خلاف بہت کچھ کہا اور لکھا ہے۔ اور اپنے اکابرین کی کتابوں میں بھی اس قسم کے مضامین الحاق کر دیئے ہیں۔ لیکن اُن کا الحاق صاف نظر آجاتا ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کی تحریروں میں بھی اس قسم کا الحاق کیا گیا ہے مگر اُنکے فتاوے میں بصراحت سجدہ تعظیمی کا جواز موجود ہے۔ اور خود اُن کے عمل سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ خود والدین و اولیاء اللہ کے مزارات پر سجدہ تعظیمی ادا کرتے تھے +

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی قدس سرہٗ نے اپنی تفسیر فتح العزیز میں بموقع تفسیر الم نشرح ایک بہت پُر معنی اور رموز و اسرار باطن سے لبریز تحریر لکھی ہے اُس کا ایک حصہ یہ ہے:۔

بہر شے از اولیائے اُمت او رشمہ محبوبیت آں نصیب شدند و مسجود خلائق

و محبوب خدا گشتہ اند مثل حضرت غوث الاعظم و سلطان المشائخ نظام الدین اولیاءؒ قدس اللہ سرہما"۔ ترجمہ امت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی ایسے چند اولیا گزرے ہیں منجملہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان محبوبیت کا ایک حصہ مرحمت ہوا تھا اور وہ معشوق خلائق اور محبوب دلہا ہو گئے تھے۔ مثلاً حضرت غوث الاعظم اور حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء"۔

اس سے ظاہر ہو سکتا ہے کہ حضرت شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی سجدہ خلائق کا نفاذ کسی بندہ سے تجویز نہیں کرتے ہیں یا کسی خدا کے واسطے۔

حضرت علیؓ سے شرچوں کا ثبوت

کتاب سیر الاولیا کے مصنف جو آج سے چھ سو برس پہلے حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء سلطان المشائخ کی زندگی میں زندہ اور حاضر خدمت رہتے تھے اپنی کتاب سیر الاولیا میں لکھتے ہیں کہ میں نے اپنی آنکھ سے حضرت سلطان المشائخ کے خاص دست مبارک کی لکھی ہوئی یہ تحریر دیکھی ہے۔ قال صہیب رأیت علیاً یقبل ید العباس ورجلہ ترجمہ حضرت صہیب صحابی نے فرمایا کہ میں نے حضرت علی رضؓ کو حضرت عباسؓ کے ہاتھ پاؤں چومتے دیکھا۔

خود آنحضرتؐ کے ہاتھ پاؤں چومے گئے

مشکوۃ شریف کتاب الآداب باب المصافحہ میں بروایت ابوداؤد حدیث مرقوم ہے کہ حضرت زارعؓ نے بیان کیا کہ میں وفد عبد القیس کے ساتھ مدینہ میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ وفد کے لوگ سواریوں سے جلدی جلدی اتر کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پاؤں کو چومتے ہیں۔

آنحضرتؐ نے خود سجدے کی اجازت دی

مشکوۃ شریف کی کتاب الرؤیا میں ابن خزیمہ ابن ثابت سے روایت ہے کہ انہوں نے خواب میں

آنحضرتؐ کی پیشانی پر اپنے آپ کو سجدہ کرتے دیکھا تھا جب انہوں نے یہ خواب حضورؐ سے بیان کیا تو آپؐ نے فرمایا تیرا خواب سچا ہے۔ اور آپ فوراً لیٹ گئے اور ابن خزیمہ کو اپنی پیشانی پر سجدہ کرنے کی اجازت دی اور انہوں نے سجدہ کر لیا۔

فرنگی محل کے ایک مولوی صاحب

نے علمائے بنگالہ کے جلسۂ عام میں جو ۱۳۳۳ھ میں ہوا تھا۔ سجدۂ تعظیمی کے خلاف کچھ نامناسب الفاظ استعمال کیے۔ مجھکو تعجب ہے کہ انہوں نے کس غلط فہمی کی بنا پر ایسی بے دلیل بات کہدی۔ حالانکہ کسی جگہ ان سے اس قول کا ثبوت نہیں ملتا۔ اگر سجدۂ تعظیمی کرنا اور کرانا ایسا ہی برا ہے جیسا کہ مولوی صاحب کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے تو وہ اپنے پیشواؤں کی بابت کیا فتوے دینگے۔ جن کے سامنے لوگ سجدہ کرتے تھے اور وہ اسکو جائز رکھتے تھے؟ مولوی صاحب کو معلوم ہوگا کہ علمائے فرنگی محل کے خاندان کو حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی رہ کی دعا ہے۔ اور اسی دعا کی برکت سے ان کے خاندان میں ابتک علم کا چراغ روشن ہے (اس دعا کا مفصل ذکر کتاب نافع الکیمیوس ہے جو علمائے فرنگی محل کے ہاں موجود ہے اور سب لوگ اس سے واقف ہیں) کسی خاندان کو ہندوستان میں یہ خصوصیت حاصل نہیں ہے کہ اتنے طویل عرصہ سے نسلاً بعد نسل باپ کے بعد بیٹے میں پورا ورثہ علم برقرار رہے۔ اور جید علماء سے کنبہ خالی نہونے پائے۔ سوائے علمائے فرنگی محل کے کہ انکے ہاں صدہا سال سے یہ نعمت موجود ہے۔ کیونکہ اس برکت علم کی دعا حضرت محبوب الٰہی رہ نے فرمائی تھی۔ مگر سوال یہ ہے کہ فرنگی محلی مولوی صاحب اپنے اس محترم و برگزیدہ دعاگو (حضرت محبوب الٰہی رح) کی نسبت کیا ارشاد فرمائینگے جو مسجود خلائق تھے۔ اور ہر شخص انکے سامنے سجدۂ تعظیمی ادا کرتا تھا اور وہ اسکو جائز رکھتے تھے یعنی ہر عام و خاص حاضر خدمت ہونے والا آپ کو سجدۂ تعظیمی کرتا تھا۔

فوائد الفواد جو حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی رح کا سب سے زیادہ معتبر

مستند ملفوظ ہے۔ اور جس میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں جسکو جمع کنندہ نے حضرت محبوب الٰہی رہ کو لکھنے کے بعد وہ بارہ پڑھکر سنا نہ دیا ہو اور صحت کی سند حاصل نہ کرلی ہو۔ اس ملفوظ میں یہ عبارت موجود ہے:۔

حضرت سلطان المشائخ فرمود۔ خلقے پیش آیند و روے بر زمین مے آرند چوں از شیخ الاسلام قطب الدین منع نبود۔ من ہم منع نے کنم۔ و ایں بندہ (یعنی جامع ملفوظ) عرضداشت کرد کہ ہر کس پیش مخدوم مے آید و روے بر زمین مے آرد۔ بہر روے مریدی حاصل میشود و نفس شکستہ میشود۔ اما آں مخدوم بزرگ کردہ خداست بزرگی مخدوم با خدمت کردن مرید متعلق نیست۔

بعد ازاں خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر دریں باب حکایت کرد کہ دریں روزہا گذشتہ یکے آمدہ بزرگ زادہ سیاحت کردہ روم و شام دیدہ چوں بیامد بنشست در پیش میاں وحید الدین قریشی درآمد۔ چوں رسم خدمتگاریست خدمت کرد و سر بزمین نہاد۔ ایں مرد کہ نشستہ بود بانگے بروزد و گفت۔ مکن سجدہ کہ جائے نیامدہ است ازیں باب عربدہ کردن گرفت۔ من نخواستم کہ با او مجیب شوم چوں بسیار غلو کرد ایں قدر گفتم کہ بشنو! غلبہ مکن۔ کہ ہر امرے کہ فرض بودہ باشد۔ چوں فرضیت برخیزد استحباب ماند۔ چنانچہ صوم عاشورہ و ایام بیض برامم ماضیہ فرض بود۔ در عہد رسول اللہ صلعم چوں روزہ ماہ رمضان فرض شد آں فرضیت ایام بیض و ایام عاشورہ برخواست اما استحباب باقی ماند۔ آمدیم در سجدہ۔ سجدہ درامم ماضیہ مستحب بود چنانچہ رعیت مر بادشاہ را و امت مر پیغمبر را سجدہ میکردند چوں در عہد رسول اللہ سجدہ برخواست۔ استحباب رفت۔ اباحت ماند۔ اگر مستحب نباشد مباح باشد بر مباح نفی و منع بجا آمدہ۔ یکے با من بگو ہمیں انکار صرف چہ کارہ است۔ چوں ایں قدر گفتم۔ ہیچ نتواں گفت۔

ترجمہ۔ حضرت سلطان المشائخ نے فرمایا۔ خلقت آتی ہے اور اپنے سر میرے سامنے زمین پر رکھتی ہے۔ چونکہ حضرت بابا فرید الدین اور حضرت خواجہ قطب الدین رح اسکو منع نہ کرتے تھے۔ جبکہ اُنکے سامنے یہ سجدے ہوتے تھے اتو میں بھی منع نہیں کرتا۔ اسپر جامع ملفوظ نے عرض کیا کہ جو شخص مخدوم کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے اور سجدہ بجالاتا ہے۔ اُسکو شان مریدی حاصل ہوتی ہے اور اُسکا نفس مرتا ہے۔ اس سے آپ کو کچھ بزرگی حاصل نہیں ہوتی کہ آپ تو خدا کے بنائے ہوئے بزرگ ہیں +

اسکے بعد حضرت سلطان المشائخ نے اسی معاملہ میں ایک حکایت بیان کی کہ اسی گزشتہ ایام کا ذکر ہے کہ ایک بزرگ زادہ سیاحت روم و شام کے بعد میرے پاس آئے تھے جب وہ آنکر بیٹھ گئے تو حمید الدین قریشی آئے۔ اور اُنہوں نے رسم خدمت شعاروں کے موافق مراسم خدمت ادا کیے۔ اور سر سجدہ میں جھکایا۔ یہ دیکھکر سیاح صاحب نے قریشی کو زور سے للکارا اور کہا سجدہ کیوں کرتا ہے کہ کہیں اسکی اجازت نہیں آئی۔ اور سیاح صاحب نے اسپر ذرا زیادہ غل مچانا شروع کیا۔ میں نہ چاہتا تھا کہ انکو جواب دوں مگر جب اُنکی زیادتی حد سے بڑھی تو میں نے ان سے کہا۔ سُنیئے۔ غل نہ مچایئے۔ جو کام کہ فرض ہوتا ہے۔ اگر اسکی فرضیت اٹھ جائے تو اس کا مستحب ہونا باقی رہتا ہے۔ جیساکہ ایام بیض اور عاشورہ کے روزے ہیں کہ پہلی امتوں پر فرض تھے۔ مگر جب آنحضرت صلعم کے عہد میں رمضان کے روزے فرض ہو گئے تو ایام بیض و عاشورہ کی فرضیت جاتی رہی +

اب میں سجدہ کا بیان کرتا ہوں کہ سجدہ پہلی امتوں میں مستحب تھا چنانچہ رعیت بادشاہ کو۔ اور امت پیغمبر کو سجدہ کرتی تھی۔ مگر جب عہد آنحضرت صلعم میں اسکی مستحبیت جاتی رہی تو اباحت باقی رہگئی۔ پس اگر سجدہ تعظیمی مستحب نہیں ہے تو مباح

ضرورت ہے پھر ایک مباح فعل کو منع کرنا کیونکر درست ہوگا۔ ذرا کہو تو کہ یہ تمہارا انکار عقل کسو جہت سے ہی غائب ہے میں نے اتنا کہا تو وہ سیاح صاحب آگے یہ بول کے سیرالاولیاء میں ہے کہ حضرت سلطان المشائخ نے اسی موقع پر فرمایا کہ میں لوگوں کو سجدہ تعظیمی سے بدیں وجہ نہیں روکتا کہ میں نے اپنے شیخ کے ہاں ایسا دیکھا ہے۔ پس اگر میں اس سے منع کروں تو اس سے تجہیل و تفسیق (یعنی نعوذ باللہ ان کی جہالت اور فاسق بنانا) لازم آتا ہے۔ اسکے بعد حضرت نے معاذ اللہ ارشاد فرمایا۔ پس جو لوگ کہ سجدہ تعظیمی کو منع کرتے ہیں وہ حضرت محبوب الٰہی اور انکے پیران عظام کو جو تمام عالم کے مقتدا ہیں معاذ اللہ جاہل و فاسق بنانا چاہتے ہیں۔

زمین پر سر ٹیکنا تاکہ تیرا درجہ بلند ہو	سیرالاولیاء کے ترجمہ اردو صفحہ ۳۲۹ میں یہ عبارت ہے۔ حضرت سلطان المشائخ رح

(خواجہ نظام الدین اولیاء) نے فرمایا کہ میں نے شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین کی زبان مبارک سے (خود) سنا ہے کہ ایک دفعہ شیخ ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ گھوڑے پر سوار تشریف لیے جاتے تھے۔ راستے میں ایک مرید سامنے سے آیا۔ چونکہ مرید پیدل تھا۔ آتے ہی آپکے زانو کو بوسہ دیا۔ شیخ نے فرمایا اور نیچے۔ مرید نے آپکے گھوڑے کے سُم کو چوم لیا۔ شیخ نے فرمایا اور نیچے۔ تو مرید زمین پر سر بسجود ہو گیا۔ اسوقت شیخ ابو سعید رح نے فرمایا کہ میں نے جو تجھے نیچے کا حکم دیا۔ اس سے یہ مقصود نہ تھا کہ تو میری قدمبوسی کرے بلکہ منشاء یہ تھا کہ تیرا درجہ بلند ہو۔ چنانچہ جوں جوں تو نیچے جھکتا گیا ووں ووں تیرا رتبہ بلند ہوتا گیا۔

اس روایت سے نیز اس قسم کی بے شمار روایات سے ثابت ہے کہ بزرگان دین وہ مرشد کے سجدے کے مشتاق اور طلبگار اپنی ذات کے لیے نہ تھے بلکہ مریدوں کی

ترقی اور نفس کشی سے لیئے اسکو ضروری سمجھتے تھے ❖

کیا سجدے سے خدا کی شان بڑہجاتی ہے؟

خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں جگہ جگہ فرمایا ہے کہ سجدہ کرو اور تقرب حاصل کرو۔ واسجد واقترب وغیرہ آیات اسکی شاہد ہیں۔ تو اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ خدا کی شان بندے کے سجدے سے بڑہتی ہے۔ بلکہ بندہ کی نزدیکی خدا کی ذات کیساتھ سجدے کے طفیل ہوتی ہے۔ ورنہ خدا یوں فرماتا۔ سجدہ کرا در میری عزت بڑہا۔ سجدہ کر اور میری خدائی کو سب کے سامنے بلندی دے۔ اُس نے تو یوں فرمایا۔ سجدہ کرو اور مجھسے نزدیک ہو ❖

اسی طرح بزرگوں کے سجدہ تعظیمی کو قیاس کرنا چاہیئے کہ وہ سجدے ان کی عزت و شان بڑہانے والے نہیں تھے۔ اور ان بزرگوں نے اپنی وہوم دہام کے لیئے انکو جائز نہیں رکھا تھا بلکہ مریدوں کی نفسانی اصلاح اور ترقی کا خیال اسکو ہونے دیتا تھا۔ حضرت شیخ ابو سعیدؒ نے تو اسکو ظاہر بھی فرما دیا ❖

جواز سجدہ میں ایک اور علمی مکالمہ

حضرت مخدوم میر سید اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہ کے ملفوظ و تذکرہ میں یہ حال ہے جسکا نام لطائف اشرفی ہے۔ حضرت مخدوم کا مزار کچھوچھہ شریف میں شہرت عام رکھتا ہے۔ اس ملفوظ مطبوعہ نصرت المطابع کے حصہ دوم صفحہ ۲۹ پر یہ عبارت درج ہے ❖

حضرت مخدومی چوں از نماز جمعہ عود میکردند خلائق انبوہ سرود اقدام ایشاں مے آمدند و سر ابر قدم مبارک پائے ایشاں سرفراز میشدند سر بزمین مے نہادند و سجدہ میکردند۔ بعضے از ملایان ازیں معنی استفسار کردند کہ نا مشروع میشود کہ مردم سر بزمین مے نہند۔ فرمودند کہ ایں ہا را بسیار منع کردیم و باز داشتہ ایم باز نمے آیند الغرض ایں قدر اظہار رضیہا ندو طالبان صادق ووستداران واثق صورتے کہ درآئینہ

شیخ معائنہ میکنند یعنی کہ در صورت شیخ مشاہدہ مینمایند بے اختیار سر بر زمین
مے نہند و میگویند سہ

سرے کو در خور ایثار نبود مرا باایں سرے سروکار نبود

جواز ایں معنی را بعضے اصحاب روایت شرع ہم آوردہ اند۔ فی الملتقط یقال
ماکان السجدۃ لہا طرفان۔ طرف التحیۃ وطرف العبادۃ۔ فالتحیۃ کانت
لآدم والعبادۃ للہ تعالیٰ قال ابن عباس سجدۃ التحیۃ بمنزلۃ اسلام ولاباس
بوضع الخدین بین یدی الشیوخ۔ السجدۃ اثنان سجدۃ العبادۃ وسجدۃ التحیۃ
فالاول خاصۃ للہ تعالیٰ۔ والثانی بوجہ التکریم فی خمسۃ محل جاز۔ القوم
للنبی والمرید للشیخ والرعیۃ للملک والولد للوالدین والعبد للمولیٰ
فی کل حال یرخص اذا سجد الانسان سجدۃ التحیۃ لا یکفر۔ واذا سجد الرجل
للسلطان ولغیرہ ویرید بہ التحیۃ دون الصادق لا یکفر ھذا کلہ سے
فتاویٰ قاضی خان۔ و صغیر خان و تیسیر و سراجی و خانی و کافی۔ رو
مرصاد آوردہ است۔ پیش مشائخ کہ سر بر زمین نہند سجدہ نیست۔ آں تعظیم و تکریم نور
ذات و صفات سبحو حقیقی است کہ مشائخ و اولیاء آں نور تجلی اند ؞

ترجمہ۔ جب حضرت مخدوم نماز جمعہ سے فارغ ہو کر واپس تشریف لاتے تو خلقت
کا انبوہ اپنے سر آپ کے قدموں میں رکھتا۔ اور جن کے سر بوجہ ہجوم قدموں تک
نہ پہنچتے تو وہ زمین پر سر ٹیکتے اور سجدہ کرتے۔ ایک دن ایک مولوی صاحب نے مخدوم
سے سوال کیا کہ یہ سجدہ کرنا نامشروع ہے تو مخدوم نے فرمایا:۔
میں نے انکو بارہا منع کیا ہے۔ اور اس حرکت سے روکا ہے مگر یہ باز نہیں
آتے۔ اصل میں بات یہ ہے کہ یہ لوگ اس حد میں ایک انکسار اختیار کرتے ہیں۔
کیونکہ سچے طلبگار اور کچی محبت والے جب اپنے شیخ کے آئینہ میں کوئی اور صورت

دیکھتے ہیں۔ اور کوئی اور بعض شکل مرشد میں مشاہدہ کرتے ہیں تو بے اختیار سر زمین پر ٹیک دیتے ہیں اور سکتے ہیں ؎

جو سر سجدہ پہ قربان نہو مجھے اس سر سے کچھ سروکار نہیں ہے

اس مسئلے کے جواز پر بعض اصحاب شرع کی روایت بھی لاتے ہیں ملتقط میں ہے۔ سجدہ کی دو قسمیں ہیں۔ ایک سجدہ تحیۃ۔ ایک سجدہ عبادۃ۔ پس سجدہ تحیۃ آدمی کے لیئے ہے اور سجدہ عبادت خدا تعالیٰ کے لیئے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ہے سجدہ تحیۃ مثل سلام کے ہی۔ اور کچھ حرج نہیں ہی اگر پیروں کے سامنے رخسارے رکھے جائیں (کہ) سجدہ دو قسم کا ہی۔ سجدہ عبادۃ اور سجدہ تحیۃ۔ پس پہلا خاص خدا کے واسطے ہی۔ اور دوسرا یعنے تعظیم کے پانچ جگہ جائز ہے۔ قوم کو نبی کے لیئے۔ مرید کو پیر کے لیئے۔ رعیۃ کو بادشاہ کے لیئے لڑکے کو والدین کے لیئے۔ غلام کو آقا کے لیئے کہ انکی ہر حال میں اجازت ہی۔ اگر کسی آدمی نے سجدہ تحیۃ کیا تو کافر نہوگا۔ اور اگر کسی نے بادشاہ کو سجدہ کیا یا اور کسی کو اور اسمیں تعظیم کی نیت ہوئی نہ کہ عبادۃ کی تو کافر نہیں ہوگا۔ یہ سب بیان فتاویٰ قاضیخاں اور صغیر خانی اور تیسیر اور سراجی اور خانی اور کافی میں ہی۔ اور مرصاد میں لکھا ہی کہ مشائخ کے سامنے جو سجدہ کیا جاتا ہے یہ سجدہ نہیں ہی بلکہ تعظیم و تکریم ہے اپنے معبود کے نور ذات و صفات کی جو مشائخ اور اولیا میں جلوہ فگن ہوا کرتا ہے۔

ایک اور علمی مکالمہ فوائد الفواد کے علمی مکالمہ کے قریب کتاب معدن المعانی میں ہے جو ملفوظ ہی حضرت مخدوم شاہ شیخ شرف الحق والدین یحییٰ منیری کا جو فردوسیہ سلسلہ کے مشائخ کبار میں گزرے ہیں اور جن کا مزار شریف بہار میں ہے یہ کتاب ۱۳۰۱ھ میں مطبع شرف الاخبار بہار طبع ہوئی ہی۔ اس کتاب کے صفحہ ۱۱۳ کو دیکھنا چاہیئے۔ جہاں مفصل بیان علمی مکالمہ کا ہی جو سجدہ تعظیمی کے بارے میں ہوا۔ بیان اسکے

قتل کرنیکی گنجایش نہیں ہے۔

سجدہ تعظیمی تمام بزرگوں کو کیا جاتا تھا

ہر خاندان اور ہر سلسلہ کے بزرگوں کو تعظیمی سجدہ کرنے کا ثبوت کتابوں میں ہے اور سوائے چند جاہل یا ضدی لوگوں کے کوئی شخص اس سجدہ تعظیمی کے خلاف نہ تھا۔ دلیل العارفین ملفوظ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رح میں جو حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رح نے جمع کیا ہے۔ حضرت خواجہ خواجگان نے اپنے اکثر بزرگان و خواجگان کے سامنے سجدہ تعظیمی ہونے کا ذکر فرمایا ہے۔ جسکو انہوں نے اپنی آنکھ سے ہوتے دیکھا (دیکھو بارہویں مجلس دلیل العارفین)۔ اور فوائد السالکین ملفوظ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی میں جو حضرت بابا فرید الدین گنجشکر رح نے جمع کیا ہے۔ مجلس دوم مجلس سوم مجلس چہارم۔ مجلس ششم۔ مجلس ہفتم میں سجدہ تعظیمی کے صاف اشارے موجود ہیں۔

اور مفتاح العاشقین ملفوظ حضرت نصیر الدین چراغ دہلی رح میں جسکو حضرت محب اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جمع کیا ہے۔ مجلس اول پڑھیے۔ سجدہ تعظیمی کا ذکر نظر آئیگا۔

کیا یہ سب بزرگ شریعت کے خلاف تھے؟

حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور صحابہ کبار رض سے لیکر تمام بڑے بڑے علما و مشائخ اور اولیاء اللہ رح سے سجدہ تعظیمی ثابت ہے۔ تو کیا یہ سب بزرگ شریعت کے خلاف تھے؟ اور کیا معاذ اللہ انہوں نے ایک گمراہی پر اجماع کر لیا تھا؟ اگر یہ صحیح ہے کہ انہوں نے سجدہ تعظیمی پر اجماع کر لیا تھا اور بیشک یہ بالکل درست اور صحیح ہے کہ ان سب کا اجماع مسئلہ سجدہ تعظیمی میں ثابت ہے۔ اور کوئی شخص انکار کی مجال نہیں رکھتا تو پس اگر سجدہ تعظیمی گمراہی ہی ہے تو اجماع امت سے گمراہی الگ جاتی رہی کیونکہ

صحیح حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت گمراہی پر جمع نہ ہوگی یعنی گمراہی کی بات میں امت کا اجماع نہ ہو سکے گا۔ مگر سجدۂ تعظیمی میں اکثر کا اجماع ہے۔ "وللاکثر حکم الکل" اکثر کے واسطے کل کا حکم ہے۔ پس ثابت ہوا کہ سجدۂ تعظیمی گمراہی نہیں۔ بلکہ ہدایت اور کسر نفسی کے لئے ضروری چیز ہے۔

آدم خلیفہ اللہ کا سجدہ اب بھی جائز ہے

اگر ہمارا قرآن پر ایمان ہے۔ اگر ہم منکر اسلام نہیں ہیں۔ اگر ہم کو خدا کی حکمت اور حکم قبول کرنی ہیں اپنی رائے کا کچھ لحاظ نہیں ہے۔ اگر ہم سجدہ کی مصلحت کو خدا کی مصلحت یقین کرتے ہیں تو ہمکو بحث مباحثہ کرنے اور نفسانیت کی ضد میں مبتلا ہونے کی کچھ ضرورت نہیں ہے۔ قرآن سے صاف معلوم ہوتا ہے اور اسمیں کسی تاویل کی گنجائش نہیں ہے کہ خدا نے آدم کو اپنا خلیفہ مقرر کرتے ہی فرشتوں کو سجدہ کا حکم دیا اور اسکے بعد خدا نے قرآن میں کوئی حکم اس قسم کا انسانی سجدہ کے متعلق جاری نہیں فرمایا۔ تو ثابت ہوگیا کہ جو آدمی خلافت الٰہی کے (اپنے اعمال سے) ظاہری نمونہ ہیں انکا سجدۂ تعظیم قیامت تک برقرار رہیگا۔ اور اس سے انکار کرنیوالے شیطان کی طرح راندۂ درگاہ ہوں گے۔

مزاروں کو سجدہ

چونکہ مزارات میں خدا کے خلفاء کے جسم دفن ہوتے ہیں اسواسطے زندہ جسموں کی طرح انکے مزاروں کا سجدۂ تعظیمی بھی جائز ہونا چاہیے۔

آخری مدعا یہ ہے کہ جب خدا تعالی کسی بزرگ یا اپنے ہادی و مرشد کے تمہیں حاضری کی سعادت عطا فرمائے تو بجائے اسکے کہ خشک بے تمیز و بے ادب آدمیوں کی طرح بے محابانہ وہاں جا کر بیٹھ جاؤ تم کو لازم ہے کہ ادب احترام کے طریقے ادا کرو میں یہ نہیں کہتا کہ سجدۂ تعظیمی تم پر واجب یا فرض ہے۔ مگر یہ کہتا ہوں کہ ادب احترام کے بغیر اس کوچہ میں کچھ بھی نصیب نہیں ہوتا۔ حضرت شبلی رح نے فرمایا ہے کہ تصوف سراسر ادب ہے۔ سجدۂ تعظیمی کی اباحت کی یہ ساری

حسن نظامی

٭

پولٹیکل گرگٹ کی نسبت

اخبار خطیب کی رائے آج کل جبکہ سنٹرل بیرو تمام ہندوستان اسلام کے حالات کی اشاعت کا انتظام کر رہی ہے اور اس سلسلہ میں نئی ٹریکٹ بھی شائع کر چکی ہے کیسی عبرت ہوتی ہے یہ دیکھکر کہ ہمارے سب سے پہلے لیڈر مولوی ظفر علی خاں صاحب کی سیرۃ پر روشنی ڈالنے کا کام شیخ ضیاء الحق صاحب سابق ایڈیٹر اخبار پیشوا کو اپنے ذمہ لینا پڑا شیخ صاحب کی نسبت مشہور ہے کہ ان سے کوئی ایسا شخص جو صراط مستقیم سے ہٹ گیا ہو نہیں بچ سکتا اور خصوصاً سیاسی مجرموں کے لئے تو وہ یہیٰ عن المنکر کی عملی تفسیر ہے۔ مولوی ظفر علی خاں صاحب نے باوا کنگ کے کاٹنے کے بعد سے جو رویہ اختیار کیا ہے اور جس طرح وہ آزاد ہو کے شملہ سے لاہور اور لاہور سے حیدرآباد پہونچ گئے تھے اس پر ملکی و قومی پریس بہت کچھ لکھ چکا ہے۔ کم لوگ ہونگے جنہوں نے ان کے اس فعل کو پسند کیا ہو لیکن یہ سارا مواد منتشر تھا اور مولوی ظفر علی خاں جیسے ہوشیار اور زمانہ شناس شخص برس دو برس میں کسی وقت چاہتے تو قلم کی ایک گردش اور زبان کی ذرا سی حرکت سے پھر پبلک کو مست و سرشار کر دیتے اور انکی سب بدعنوانیاں بھول جاتیں۔ مگر شیخ ضیاء الحق صاحب نے اسے کتابی صورت میں جمع کر کے بقائے دوام دیدیا ہے اور نیز اس کے اثر کو دیرپا بنا دیا ہے۔ اس کا نام شیخ صاحب نے

پولٹیکل گرگٹ

رکھا ہے اس کے شروع میں ایک دیباچہ وشہید مولوی ظفر علی خان صاحب کی پچھلی زندگی بھی دکھائی ہے اور مولانا محاوی کے بارے میں بھی عجیب و غریب انکشافات ہیں جن کتاب پر لکھا ہے یہ قومی لیڈر اور خادم کی کہانی ہے۔ جس کا مطمح نظر ایک ساہوکار یا سیٹھ بننا تھا۔ یہ آئینہ ہے اُن سب قومی ڈاکوؤں اور ملکی غارتگروں کے دیکھنے کا اور دیکھنے کا جو قوم مذہب اور ملک کا نام لیکر غریبوں مفلسوں یتیموں اور بیواؤں کو لوٹکر اپنی جیبیں بھرتے ہیں اور امیرانہ شان سے قومی شہید کہلا کر مزے اڑاتے ہیں۔ یہ کتاب ظفر علی ہی کی قلعی نہیں کھولے گی بلکہ اُن جیسے تمام فرضی لیڈروں کی حقیقت پبلک کو سمجھا دے گی اور ایک دن سب بناوٹی لیڈروں کی گھاٹ اُتارے جائیں گے جس گھاٹ کہ ظفر علی خاں کی بناوٹ اتر چکی ہے۔ ہم پولیٹیکل گرگٹ کا از اول تا آخر مطالعہ نہیں کر سکے سرسری ورق گردانی سے اتنا ہی معلوم ہوا جتنا بیان اُوپر کیا گیا ضخامت قریباً ۷ جزو بڑی تقطیع سفید دبیز کاغذ عمدہ لکھائی چھپائی قیمت ۱۲؍ علاوہ محصول **منیجر رسالہ نظام المشائخ دہلی سے منگائیے۔**

اہل حدیث یا غیر مقلد

یہ فرقہ باقی تمام اسلامی فرقوں میں ہم سے قریب تر ہے اور اہل سنت والجماعت ہی کی ایک شاخ ہے۔ یہ لوگ تمام اصولی عقائد میں ہم سے متفق ہیں۔ صرف بعض فروعات اعمال میں ہم سے اختلاف رکھتے ہیں۔

ہم میں اور ان میں زیادہ تر بڑا اختلاف تقلید کا مسئلہ ہے ہم تو تمام مسائل میں صرف ایک امام مجتہد کی تقلید ضروری سمجھتے ہیں یہ لوگ اسکو بدعت قرار دیتے ہیں اور انکے نزدیک صحیح مسلک یہی ہے کہ صحابہ و تابعین کی طرح اپنا دائرہ عمل کسی شخص معین کے افتاء و اجتہاد پر محدود نہ کیا جائے۔ بلکہ ہر معاملہ کے متعلق جو صحیح حدیث ملے اسی پر عمل کیا جائے۔ حدیث کے مقابلہ میں کسی امام کسی مجتہد اور کسی فقیہ کے اجتہادی فیصلہ کی پروا نہ کیجائے۔

ہم کہتے ہیں کہ ہمارا قانون عمل کتاب و سنت ہی ہے لیکن اس پر بلا واسطہ عمل کرنے کے لئے قوم کتاب و سنت کو اعلیٰ ملکہ چاہئے۔ استنباط مسائل کی بے نظیر مہارت چاہئے۔ نہایت بڑھی ہوئی قوت فکر و حافظہ چاہئے۔ کلام عرب کی کمال محاورہ شناسی چاہئے۔ قلب جمع و ملمع ہو و ہوس اور تعصب خود رسی سے پاک چاہئے۔ ساتھ ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اتصال و عاشقی چاہئے اور ظاہر ہے کہ یہ اوصاف عوام میں جمع نہیں ہو سکتے اگر ہو سکتے ہیں تو شاذ و نادر۔ و ایسی حالت میں اگر ہر کس و ناکس قرآن و حدیث کو بلا واسطہ اپنا نصاب عمل بنانے بیٹھ جائے تو یقیناً ہر ایک شخص کا مسلک و مشرب جدا جدا ہو جائے گا۔ جس کا نتیجہ بجز اس کے اور کوئی نہیں کہ عقائد و اعمال میں اتفاق نہ رہیگا باہم فتنہ و فساد برپا ہونگے۔ اور شیرازہ

ملت قومیت منتشر ہو جائے گا۔ لہذا مناسب بلکہ واجب یہی ہے کہ ہم تمام احکام و مسائل میں کسی ایسے امام کی پیروی اختیار کریں جو مذکورہ اوصاف کا جامع ہو اور اس نے کتاب و سنت سے اپنی عدیم المثال قابلیت اور خلوص نیت کے ساتھ مسائل استخراج کر کے ہمارے لیے مستقل و با ترتیب قانون کا دفتر تیار کر دیا ہو یہی تقلید ہے اور یہ دفتر فقہ[1] ہے۔

تقلید کی ضرورت، اس کی برکات اور اس کے من جانب اللہ ہونے میں کچھ بھی شک نہیں نہ عوام مسلمین پر اس کے واجب ہونے میں کوئی شبہ ہو سکتا ہے اور نہ ترک تقلید و ترک اسلام دونو کی ہم معنی ہونے میں کلام ہے۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب اپنے رسالہ انصاف میں فرماتے ہیں۔ فاذا کان انسان جاھل فی بلاد الھند و بلاد ماوراء النھر ولیس ھناک عالم شافعی ولا مالکی ولا حنبلی ولا کتاب من کتب ھذہ المذاھب وجب علیہ ان یقلد لمذھب ابی حنیفۃ ویحرم علیہ ان یخرج من مذھبہ لانہ حینئذ یخلع من عنقہ ربقۃ الشریعۃ الخ

مگر یہ بات بھی بلا خوف لومۃ لائم کہتا ہوں کہ وجوب تقلید کے متعلق یہ ہمارا یقین و اطمینان محض وجدانی ہے جسے ایک سرالہی کہنا چاہیے۔ اگر اس کا ظاہری و نصی ثبوت تلاش کرنے کے لیے دفتر شریعت کی ورق گردانی کیجائے تو اس کے متعلق کوئی صاف و صریح حکم نہیں ملے گا۔ یہی وجہ ہے کہ شاہ صاحب اسی رسالہ میں دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

وبالجملۃ فالتمذھب للمجتھدین سر الھمہ اللہ تعالے العلماء وجمعھم علیہ من حیث یشعرون اولا یشعرون۔

---

[1] ضرورت مقام صرف اتنا ہی لکھنے کی مقتضی ہے باقی اس پر جو سوالات و شبہات وارد ہو سکتے ہیں ان کے ذکر اور جواب کی یہاں گنجائش نہیں۔ اُنکے لیے کتب مناظرہ موجود ہیں جسکو شوق ہو اُنکا مطالعہ کرے۔

انصاف کی عینک لگاؤ اور دونوں فریقوں کو بنگاہِ عدل دیکھو تو ماننا پڑتا ہے کہ ایک نہیں بلکہ دونوں فریق اپنے اپنے دعوی پر پُرزور دلائل رکھتے ہیں۔ مقلد حنفی کہتا ہے کہ قوت ایمان، استحکام عقائد، استقامت مشرب اور کثرت تابعین، یہی اوصاف ہیں جن سے ایک مذہب کی صداقت ثابت ہوسکتی ہے جو سب کے سب حنفی مذہب میں جمع ہیں۔ اہلحدیث کہتا ہے یہ سب ڈھکوسلے ہیں۔ میں صرف اتنا پوچھتا ہوں کہ کلام اللہ اور سنت رسول اللہ کی موجودگی میں زید و عمرو کے قول کی کیا وقعت ہوسکتی ہے۔ دیکھو دونوں کی دلیلیں کسقدر روشن اور دعوے کسقدر زبردست ہیں۔

لہذا دونو فریق کسی نہ کسی حد تک سچے ہیں اور کسی نہ کسی درجے تک قابل درگزر بھی۔ لہذا آپس کے مابہ النزاع مسائل پر جھگڑنا جس سے تعصب و عناد پیدا ہو اور شیرازۂ اسلام بکھرتا چلا جائے سخت قابل نفرت و مستوجب ملامت ہے۔ یہ بات ہم ببانگ دل پکار رہے ہیں کہ اہل حدیث یا غیر مقلد لوگ اصولاً ہمت اسقدر بیگانہ نہیں ہیں کہ ہمارے اُنکے اختلافات منتہی الی الفساد ہونے چاہئیں۔ اور یہ جو فتنہ و فساد دونوں فریقوں کے مابین ہوتے ہیں اور خصوصاً آج سے تقریباً بیس سال پیشتر جو افسوسناک واقعات مختلف مقامات پر ہوچکے ہیں اُن کی بنا محض جہل و تعصب پر تھی جن میں نہ صرف جہلائے کالانعام ہی نے بلکہ افسوس یہ ہے کہ فریقین کے فضلائے کرام نے بھی خوب حصہ لیا ہے مولینا عبدالحی

ھ یہ مقام ان مباحث کی تفصیل کا نہیں ہے۔ شوق ہو تو اہل حدیث کی کتاب ظفر المبین اور اسکے جوابات فتح المبین و نصر المقلدین دیکھو۔ یا احناف کی کتاب تنویر الحق اور اسکا جواب معیار الحق پھر اسکے جوابات انتصار الحق وانتصار الحق دیکھو، ان میں سے فتح المبین اور انتصار الحق بڑے معرکے کی کتابیں ہیں ۱۲ محمد

لکہنوی شرح موطا امام محمد کے دیباچہ میں فرماتے ہیں۔

والی اللہ المشتکی من عادات جہلاء بلادنا بل من صنیع کثیر من فضلاء عصرنا حیث یظن بعضہم ان المذہب الذی تمذہب بہ مرجح فی جمیع الفروع وان کل مسئلۃ منہ بریئۃ عن الجروح ویدعی فی مسائلہ بیان المذہب المشہورۃ وینطق بکلمات التحقیر فی حق الائمۃ المتبوعۃ وابروا الی شیء من ہؤلاء وہؤلاء مثل احدہما بالتقلید الجامد وثانیہما بالظن الفاسد والزعم الکاسد یتنازعون فیما لا ینفعہم بل یضرہم ویبحثون فیما لا یعنیہم ویبادرون من کل منہما فی حق آخرہما بالتکفیر والتضلیل والتفسیق والتجہیل مع ذالک یحسبون انہم یحسنون، وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون انما امرہم الی اللہ ثم ینبئہم بما کانوا یفعلون ''

کتنے غضب کی بات ہے کہ فریقین کے وہی مسائل جو دونوں کے مسلم طرق روایات سے خاص صحابہ تک پہنچتے ہیں اور کسی کے گھر کے بنائے ہوئے نہیں ہیں ناحق باعث عناد و فساد بنا لئے جاتے ہیں۔ حالانکہ جس عہد کی یہ مختلف فیہ باتیں مروی ہیں اسوقت ان پاک لوگوں میں کچھہ بھی نزاع و مخالفت نہ تھی۔ مولینا ممدوح الصدر لکھتے ہیں۔

ولعلی مثلہ الاختلافات الواقعۃ بین الائمۃ فی الفروع الفقہیۃ المأخوذۃ من اختلافات الصحابۃ والروایات النبویۃ لیس فیہا تفسیق ولا تضلیل، ومن نطق بذلک فہو احق بالتضلیل،

علامہ سیوطی اپنی کتاب جزیل المواہب میں لکھتے ہیں کہ اختلاف ہونے کو تو خود صحابہ میں تھا جو خیر الامت تھے مگر ان میں باہم خصومت و عداوت کا ذکر بھی نہ تھا۔ وقد وقع الاختلاف بین الصحابۃ وہم خیر الامۃ فما خاصم احد منہم احدا ولا عادی

تقلید کے علاوہ باقی ہمارا ان کا اختلاف ہے آمین بالجہر یا بالاخفاء کہنے میں، رفع یدین کرنے نہ کرنے میں۔ فاتحہ خلف الامام پڑھنے نہ پڑھنے میں، نماز کو اول وقت یا آخر وقت میں ادا کرنے میں نماز میں سینہ پر یا ناف پر ہاتھ باندھنے میں، جو صرف فروعی اختلافات ہیں۔ اور ہر اختلاف کی دونو متقابل صورتیں حدیث شریف سے ثابت ہیں صرف اتنی بات ہے کہ ایک صورت ایک مجتہد کے نزدیک اولیٰ واقویٰ ہے، دوسری صورت دوسرے کے نزدیک اور اس قوت واولویت کا ثبوت بھی ان ہی کتابوں تک منتہی ہوتا ہے۔ جن کے مولف اور جن کی روایات کے راوی عموماً ہر دو فریق کے نزدیک مقبول ہیں۔ گویا سب مسائل فروعات ہیں ایک اصل کی سب شاخیں ہیں ایک جڑ کی۔ جس طرح قرآن ایک ہے، اس کی زبان ایک، اسکا نظم وسیاق ایک مگر طرز قرات اور لب لہجہ میں فرق ہے۔ اہل مصر کی قرات جدا ہے، اہل موصل کی جدا اور اہل مکہ کی جدا۔ دیکھو یہاں اختلاف قرات بیشک اختلاف ہے، مگر اس سے نہ قرآن میں فرق آتا ہے نہ اس کی شان عربی میں، نہ اسکے نظم وسیاق میں، پس ظاہر ہے کہ ایسا اختلاف کوئی باہم لڑنے مرنے کی بات نہیں ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب محدث رحمتہ اللہ علیہ حجتہ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں۔

والحق ان اکثر صور الاختلاف بین الفقہاء لاسیما فی المسائل التی ظہر فیہا اقوال الصحابۃ فی الجانبین کتکبیرات التشریق وتکبیرات العیدین ونکاح المحرم وتشہد ابن عباس رض وابن مسعود رض والاخفاء والجہر بالبسملۃ وبآمین والاشفاع والایتار فی الاقامۃ ونحو ذلک انما ہو فی ترجیح احد القولین وکان السلف لا یختلفون فی اصل المشروعیۃ وانما کان خلافہم فی اولی الامرین نظیرہ اختلاف القراء فی وجوہ القراءۃ وقد عللوا کثیرا من ھذا الباب بان الصحابۃ مختلفون وانہم جمیعا علی الھدی۔۔۔

الغرض ان جزوی فروعی اختلافات کو مایہ نزاع و فساد بنا لینا سراسر تعصب ہے اور یہ تعصب اسوقت اور بھی تعجب انگیز ہو جاتا ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ ان میں سے کئی مسئلہ مثلاً فاتحہ خلف الامام۔ رفع یدین۔ اور طاہریت بول ماکول اللحم کی صحت و قوت کا خود بعض بعض ائمہ حنفیہ نے بھی اعتراف کیا ہے۔ ان ائمہ حنفیہ کو تو کوئی آنکھ بھر کر نہیں دیکھتا لیکن بیچارے اہل حدیث ان مسائل کے قائل ہو گئے۔ تو ہدف نفرت و ملامت بن گئے

میرے ایک استاد صاحب جو متبحر فی العلوم اور کثیر التصانیف ہیں۔ ایک دفعہ جمعہ کی نماز پڑھا رہے تھے۔ اتفاقاً کوئی اہل حدیث بھی شامل جماعت ہو گیا جب ولا الضالین کے بعد آمین کی ایک منفرد آواز امام کے کان میں پہنچی تو انکی طبیعت اسقدر برہم ہوئی کہ قراءت میں ختم سورۃ کا کام گڑ بڑ میں پڑ گیا۔

بارہویں صدی کے ایک مشہور و معروف پنجابی عالم کا ذکر ہم نے سنا ہے۔ کہ ایک شخص مسجد میں ان سے مسئلہ دریافت کرنے کی غرض سے حاضر ہوا اثنائے کلام میں جب ان کو معلوم ہو گیا کہ یہ شخص تارک تقلید ہے تو اسکو کتے کی طرح مسجد سے دھکا دے کر نکالا اور فرش مسجد پر جہاں جہاں اس کے پاؤں پڑے تھے اتنی جگہ کا پلستر اکھڑوا کر نیا بنوایا گیا۔

لاہور میں ایک مشہور بزرگ کو میں نے دیکھا ہے۔ جو اپنے تقوی طہارت اور علم و فضل کی بدولت مرجع خلائق تھے۔ اور قبول عام کی یہ کیفیت تھی کہ جب انہوں نے وفات پائی تو جنازہ کے ساتھ پندرہ بیس ہزار آدمی تھا۔ ان کو جب معلوم ہو جاتا کہ مسئلہ پوچھنے والا شخص وہابی ہے۔ تو سلسلہ کلام کو بالائے طاق رکھ دیتے اور پھر انکے ایک ہاتھ میں اس کی گردن ہوتی تھی اور دوسرے ہاتھ میں لکڑی۔

ایام طالب علمی میں ایک دن میں خود کسی صاحب کی فرمائش سے ایک استفتاء انکی خدمت میں لے گیا تھا جو فرقہ اہل حدیث کے بعض شبہات سے

متعلق تھا تو آپ اسے سنکر نہایت چیں بجبیں ہوئے اور کاغذ مجھے واپس دیکر فرمایا۔ بابا ان لوگوں کا ذکر ہمارے سامنے نہ کیا کرو۔ ہماری روح کو سخت صدمہ ہوتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ مذکورہ طرزِ عمل ہمارے علمائے کرام میں سے صرف انہی مخصوص احباب کا ہو سکتا ہے جو اپنے جوشِ دین اور ولولہ صداقت سے بے بس اور مغلوب العواطف ہو چکے ہیں۔ وسیع الظرف اور عالی حوصلہ علماء کا یہ شیوہ نہیں لیکن ساتھ ہی یہ بھی ماننا پڑتا ہے کہ دیگر جزوی اختلافات سے اگر قطع نظر بھی کر لی جائے تو صرف ترک تقلید کا فعل ہی اپنے ناگوار نتائج کے لحاظ سے ہر ہی خواہ اسلام کے دل کو خواہ وہ کیسا ہی وسیع الظرف ہو دکھ پہنچائے بغیر نہیں رہتا ہے وجہ یہ ہے کہ لوگ ان احباب کو کسی قدر حقارت کے لہجہ میں غیر مقلد کے لقب سے یاد کیا کرتے ہیں اور بعض ذرا آگے بڑھ کر ان کو وہابی کے لقب سے ملقب کرتے ہیں جس سے ان کو عبدالوہاب نامی نجد (عرب) کے ایک عالم سے منسوب کرنا مقصود ہے جو توحید و سنت کے ادعا میں سب سے قاطع تقلید اور ماحیِ آثار ارادت و عقیدت تھا حتیٰ کہ اس نے اپنے معتقدین کا ایک جتھا تیار کر کے ملک حجاز پر اس غرض سے حملہ کر دیا تھا کہ قبہ مرقد پیغمبر کو مسمار کر کے مسنون طریقے پر ایک کچی قبر بنا دی جائے۔

پس اگر ترک تقلید کی شکایت درمیان میں نہ ہوتی تو ہمارے اہل حدیث بھائیوں کی آمین بالجہر، رفع یدین اور فاتحہ خلف الامام سے ہمارے علماء کو ان سے ایک برہم ہونے کی کوئی وجہ نہ تھی ہمارے شافعی و حنبلی و مالکی بھائی بھی اس قسم کے اختلافات رکھتے ہیں اور کسی کو اس کا خیال تک نہیں۔

فی الواقع ترک تقلید اسلام میں ایک فتنہ عظیم ہے۔ تارکان تقلید کی نیت بلحاظ عمل بالحدیث و احیاء سنت کے خواہ کیسی ہی مقدس کیوں نہ ہو۔ لیکن اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ اس سے اختلاف آراء اور تشتت اہواء کا دروازہ

پھیل گیا۔ فرقہ بندیاں پیدا ہوگئیں نظام ملت ڈھیلا پڑ گیا۔ اور شیرازۂ امت بکھرتا شروع ہوگیا اور انہی مفاسد سے امت کو بچانا مقصود تھا۔ جو امام غزالی اور امام رازی جیسے عالی پایہ اماموں نے بھی حلقہ تقلید کے لئے اپنی گردنیں خم کردیں اور مستقل اجتہاد کی طاقت رکھنے کے باوجود اپنے خاص اجتہاد سے کام لینے کا ارادہ نہیں کیا

شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ مقلد سے اگر روز قیامت میں سوال کیا گیا کہ تم نے براہ راست کتاب و سنت پر کیوں عمل نہ کیا۔ اس کی موجودگی میں کسی ایسے شخص کے قول کو اپنا معمول بہ کیوں بنایا جس کی اطاعت پر تم مامور نہ تھے تو وہ کیا جواب دیگا۔ اس کے جواب میں شاہ صاحب نے ایک بسیط تقریر فرمائی ہے۔ جس کا خلاصہ ان ہی کے الفاظ میں یہ ہے:

علمائے متاخرین از مجتہدان چند قسم گزشتہ اند جماعت بودند کہ ثمرات اجتہاد و ترجیح داشتند و جماعت دیگر مزاولت علوم دیگر نیز کمال داشتند اما مزاولت علوم شرعیہ از قرآن و حدیث و فقہ کمتر داشتند، ایشاں خود از استعداد اجتہاد عاری بودند۔ جمع اول بعضے ازاں قسم بودند کہ مزاولت فقہ بیشتر داشتند و مزاولت قرآن و حدیث کمتر، ایں جماعتہ نیز از بہرہ اجتہاد خالی بودند و از جماعتہ اولیٰ اکثرین بلکہ استنباط از قرآن و حدیث نیافتہ بودند۔ اگرچہ در فوائد قیود و دفع اختلافات کتب تحصیلی بلکہ درست بہم رسانیدہ بودند و جماعتہ اقل قلیل کہ قدرت در ملکہ استنباط و عبور بر کتاب و سنت و معرفت اختلافات فقہا بیشتر داشتند۔ بنا بر مصلحتے راہ اجتہاد نسپردند و آں مصلحت اینست کہ مقتضائے جبلت مردم اینست کہ ہر کسے بر فہم خود مے نازد و در مرتبہ کمال دیگرے را اگرچہ اجمالاً اعتقاد نماید اما بشہادت وجدان باوجود استقرار امرے در خاطر خود قول افضل

۱؎ فتاویٰ عزیزیہ جلد اول صفحہ ۱۰۵

مصنفہ حضرت خواجہ حسن نظامی کی کتاب

میلاد نامہ

مع

رسول بیتی

اُردو زبان میں آجتک جس قدر مولود کی کتابیں پڑھی جاتی ہیں یہ کتاب اُن سب سے نرالی ہے۔ اور اس میں تمام معتبر اور صحیح روایتوں کو جمع کیا گیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بزرگوں کے حالات سے شروع کیا ہے .... اور ولادت کا بیان نظم و نثر کی زیبائش سے قلمبند کر کے بچپن جوانی کے کل واقعات لکھے ہیں۔ پھر تتمہ الموسوم بہ رسول بیتی میں رسالت سے لیکر وفات تک کے حالات ہیں گویا آنحضرت کی مختصر اور پوری سیرت اور سوانح عمری ہے۔ آخر میں آپ کے اخلاق و عادات و لباس و طعام وغیرہ کی کیفیت ہے۔

میلاد نامہ کی زبان ایسی آسان اور دلچسپ ہے کہ بچے اور عورتیں بلا تکان پڑھتے چلے جاتے ہیں یہ کتاب ہندوستان بھر میں مقبول ہوئی ہے، شائع ہوتے ہی آٹھ دن میں ہاتھوں ہاتھ پانسو سے زیادہ فروخت ہو گئی۔ دوبارہ چھپی ہے اور وہ بھی قریب ختم ہے کیونکہ لگاتار مانگ چلی آتی ہے قیمت ۸ روپیہ

مصنفہ حضرت خواجہ حسن نظامی کی کتاب

محرم نامہ

یہ وہی کتاب ہے جس کا غلغلہ شیعہ سنی دونوں فرقوں میں پڑا ہوا ہے اور جس کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ اشتہار نکلتے ہی سینکڑوں درخواستیں جمع ہو گئی تھیں اور شائع ہوتے ہی چار دن میں ایک ہزار فروخت ہو گئی۔ محرم نامہ محرم کی سب سے زیادہ ہر دلعزیز کتاب ہے۔ اس کی نسبت سنی اہل علم اور شیعہ مجتہدین کا اتفاق ہے کہ ایسی جامع کتاب آجتک شائع نہیں ہوئی۔ جس میں آنحضرت کی وفات سے لیکر چاروں خلیفوں اور ائمہ کے جھگڑوں کا انتہا صاف صاف اور پورا پورا بیان ہو اور پھر کسی فریق کو اختلاف کی گنجائش نہ ہو۔ ملک کے تمام مشہور لوگوں کے خطوط آئے ہیں کہ محرم نامہ اردو کی بہترین کتاب ہے اور اس قابل ہے کہ ہر مسلمان کے گھر میں رہے تاکہ وہ اسلام کی ابتدائی تاریخ سے باخبر ہو اور جھگڑوں کی حقیقت جان جائے۔ محرم نامہ میں کربلا کی دردناک لڑائی کا نقشہ ایسا کھینچا ہے کہ یہ بات آنکھوں کے سامنے پھر جاتی ہے۔ پڑھنے والے اور سننے والے بیتاب و بیقرار ہو جاتے ہیں جنگ جمل جنگ صفین کا پورا حال ہے اور یہ پہلا محرم نامہ ہے جو کسی مصنف نے نہیں لکھا قیمت ایک روپیہ

المشتہر منیجر رسالہ نظام المشائخ دہلی

شام زندگی

تصنیف مصور غم علامہ راشد الخیری

زندگی کی بہار ہندوستان میں صدیوں سے خزاں رسیدہ بنی جاتی ہے۔ خلقت جی رہی ہے مگر مرنے سے بدتر ہے جینے کی بنیاد گھرداری پر ہے اور گھرداری عورت کا دوسرا نام ہے۔ عورت کی حالت یہ ہے کہ نہ وہ اپنی آدمیت کا حق سمجھتی ہے نہ مرد کی طلب [illegible] کو سمجھتی ہے۔ مرد روتے ہیں عورت حیران ہے۔ عورت کہتی ہے مرد نادان ہیں نہ ان کو صبح زندگی کی خبر اور نہ ان کو شام حیات سے سروکار۔ مولانا راشد الخیری دہلوی نے قلم اٹھایا اور صبح زندگی کا خاکہ کھینچ کر دکھا دیا کہ ناحق زندگی کرکری کرتے ہو جینے کی ابتدائی بیماریوں [illegible] ہے لاکھوں نے مردوں نے جو اس [illegible] کو جس کا نام صبح زندگی تھا دیکھا پڑھا تو جانا کہ زندگی شروع کرنے کا ہم سب کو یہ طریقہ اختیار کرنا چاہئے جو کتاب صبح زندگی میں ہے۔ مولانا راشد زندگی کو دوپہر کی دھوپ میں چھوڑ کر چپ ہو گئے تو ہند کے چاروں کھونٹ سے آوازیں آئیں کہ زندگی کو شام تک پہنچاؤ اور ہم کو نہ چھوڑو۔ انہوں نے قلم برق رقم پر انگلی رکھ دی اور شام زندگی چھاپ کر نمودار ہو گئی۔ شام زندگی کتاب ہے جو صبح زندگی سے زیادہ لاجواب ہے۔ عورتیں اس کتاب کو پڑھ لیں تو انکو اپنی زندگی کا مزا بھی آجائے اور مردوں کی زندگی بھی بہشت بنجائے۔ شام زندگی ایک عجیب قصہ ہے۔ درد و غم کا افسانہ ہے بے نظیر اردو کا نمونہ ہے جو پڑھے ہنسے ہنسے اور سر دھنے اور پھر پڑھے پھر سوچے اور بے اختیار ہو کر پھر پڑھے۔ کسی طرح جی نہ بھرے۔ عجیب جادو اس کتاب میں ہے اور تاثیر کی یہ حالت ہے کہ پڑھنے والا اپنے خود ہی تصور کرتا ہے زندگی کے نقص محسوس کرتا جاتا ہے۔ اس کی اصلاح کی تدبیریں ذہن میں آجانی شروع کر دیتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ داستان تو میری [illegible] نے مجھ پر چھوڑی ہے وجہ یہ ہے کہ عقل شعار مصنف نے ضرورتوں کو پڑھ کر یہ کتاب لکھی ہے شام زندگی بگڑی ہوئی زندگی پیدا کر دیگی۔ اسکو پڑھ کر عورتیں اپنے بھولے ہوئے نقص جان جائیں گی اور انکو شریفوں کی [illegible] بیویوں کی مانند اور سلیقہ مند گھروالی کی مثل خاوند کا دل موہنا اور سارے کنبے اور سارے شہر ساری قوم اور سارے ملک کی واہ واہ حاصل کرنا آجائیگا۔ کتاب شام زندگی عورتوں سے زیادہ مردوں کو مفید ہوگی۔ کیونکہ مرد اگر عورتوں کے طرق حیات اور جذبات سے آگاہ ہو جائینگے تو انکے گھروں میں بہشت اتر آئے گی اور وہ دیکھ لینگے کہ زندگی اسکا نام ہے۔ شام زندگی علامہ راشد الخیری کی بہترین تصنیف ہے۔ شام زندگی اردو ادب کی لاجواب نشانی ہے۔ شام زندگی اصلاح معاشرت کی [illegible] ہے۔ شام زندگی [illegible] شہر کی حیات کا ثبوت [illegible] آپ خرید لیجئے گھر کے لئے منگا لیجئے بچوں کو لیکر [illegible] دوستوں میں تقسیم فرمائیے زندگی کو زندہ کیجئے۔ دیکھئے دیکھئے اس کتاب کو جیتا جاگتا چلتا پھرتا بسلاتا اور باتوں باتوں میں دل کے اندر اتر جاتا دیکھئے۔ اس کتاب کے پانچ ایڈیشن [illegible]

المشتہر منیجر رسالہ نظام المشائخ دہلی

نیز از امثال و اقران خود قبول نمیکنند۔ چہ جائے ہمہ یگان خود۔ پس
دریں صورت اگر یک کس از عصرے شروط اجتہاد بہم رسانیدہ استنباط
احکام بخلاف سلف مینمود۔ ہر یکے موافق استعداد خود چہ ناقص و چہ متوسط
راہے مے پیمود۔ و اختلاف بحدے میرسید کہ اتحاد شریعت در عبادات
و معاملات برہم میخورد و باب امر بالمعروف و نہی عن المنکر مسدود میشد۔
چنانکہ تا وقتیکہ مردم بر چہار مذہب استوار نشدند و تقلید ایشاں اختیار
نکردند۔ ہفتاد و چند فرقہ پیدا شدند۔ و بعد از ایشاں تا بحال ہمہ فرقہا
باقی ماندہ مذاہب دیگر مخترع نگشت۔ بنا بریں صلحت تا حصول شہادت
عقل و نقل بر وفاقت و کثرت عبور و صلاح قلب و نور باطن و بے طمعی
و خلوص از ہوا و مزید تقویٰ چنانچہ از مجتہدین مروی گشتہ در خود نیافتند
و مع ذالک در جرح و تعدیل ہولے نقل احوال ایشاں مسلکے ندیدند
و در سلیقہ فہم عربیت موافق لغت قدیم نیز خود را قاصر یافتند و از امور سیاسیہ
کہ از قرائن مجلس و قائل مستنبط میشوند خود را محروم دیدند۔ بنا بران راہ اجتہاد
مسدود ساختند۔ پس عذر ایشاں پیش حضرت رب العزت ہمیں است
کہ خداوندا در اختراع آرا خود مفسدہا دیدیم و در اتباع سلف استحکام
بدین و آثار قبول عند اللہ بیشتر یافتیم۔ بنا بر آں معرفت ناسخ و منسوخ
و ظاہر و ماؤل و مطلق و مقید بر ذمہ ایشاں گذاشتیم کہ مثل ایشاں دریں
امور قوت نداشتیم و ہمیں مصالح حالا ہم ثابت است الخ

مذکورۂ بالا تقریر میں ضرورت تقلید کا یہ کتنا زبردست ثبوت ہے کہ :۔
" جب تک لوگ تقلید پر استوار نہیں ہوئے تھے تو تھوڑے ہی عرصہ کے اندر
اسلام میں کچھ اوپر ستر فرقے پیدا ہو گئے تھے اور اگر آزادی اجتہاد کا یہی

عالم رہتا تو معلوم آج تک ان فرقوں کی تعداد کتنے لاکھ تک پہنچ جاتی)
لیکن حکمت الہیہ نے فوراً علمائے امت کے دلوں میں تقلید کی ضرورت
القاء کردی جس کا اثر یہ ہوا کہ سابقہ ضال و مضر فرقے جو پیدا ہو چکے
تھے صرف وہی قائم رہے اور کوئی نیا فرقہ پیدا ہونے نہ پایا۔

اس بات کا مجھے یقین کامل ہے کہ جن حضرات نے ملک ہندوستان میں ترک تقلید اور عمل بالحدیث کا سنگ بنیاد رکھا ہے۔ ان کی نیت بالکل خالص و ارادہ قطعاً پاک تھا لیکن غلطی اور سخت غلطی یہ تھی کہ عمل بالحدیث کے بظاہر خوشگوار اور پسندیدہ مفہوم سے دھوکا کھا کر اس عظیم الشان دینی و مذہبی مصلحت کو فوت کر دیا۔ جو تقلید کے اندر مضمر تھی۔ اور یہ وہ مصلحت تھی۔ جس کا غزالی جیسے ائمہ متقدمین نے پاس کرتے ہوئے ایک مجتہد امام کی تقلید اختیار کی۔ اگر تقلید کو چھوڑ کر اپنے اجتہاد سے کام لینا خلاف مصلحت نہ ہوتا تو قرون سابقہ کے یہ عالی رتبہ امام اس کے زیادہ حقدار تھے بمقابلہ اس دور فتن کے علماء کے ع چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔

جب اس مبارک زمانہ میں تقلید کو ضروری سمجھا گیا تھا تو اس پُر آفات زمانہ میں تو یہ اشد ضروری ہے۔ سچ کہا ہے مولانا مولوی محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے "میں مخالفت تقلید کو اس زمانہ میں خالی فتنہ انگیزی سے نہیں سمجھتا۔" ترک تقلید سے جو بے شمار خرابیاں کم از کم ہمارے ملک ہند میں پیدا ہو چکی ہیں ان میں سے چند ایک یہاں ذکر کیا جاتا ہے
ا) سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ ترک تقلید سے لوگوں میں عقائد و اعمال کے متعلق آزادی اور آزادی سے دوسری پیدا ہو گئی۔ جو نئے نئے گمراہ فرقے پیدا ہونے کا دیباچہ ہے

عــه مولانا مرحوم کے رسالہ جماعت اہلحدیث سے ایک شخص کے خط کے جواب میں مندرجہ ہے جو بصورت رسالہ مطبوعہ راقم کے پاس موجود ہے۔

مقلد کا عمل عقیدہ تو کسی اپنے سے بہتر انسان کے اجتہاد کا تابع ہوتا ہے۔ اس لیے اس کا دل و دماغ ان اجتہادی مسائل کی چھان بین سے فارغ ہے بلکہ وہ ان مسائل میں اپنی رائے و فکر کو دخیل بنانے کا مجاز ہی نہیں لیکن اہل حدیث اجتہاد کی مستقل زمام اپنے ہاتھ میں لیتا ہے اور استنباط مسائل کا کام خود اپنی قوت فیصلہ کے بل پر چلانا چاہتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جہاں اس عظیم الشان منصب کے ساتھ قصور علم، عدم تقویٰ، نقص نسبت، اور بُعد عہد کی خرابیاں شامل ہوں۔ تو اصابت نظر صحت فیصلہ، اور وصول الی الحق کی ہرگز امید نہیں ہو سکتی اور جب حالت یہ ہو تو کیا کیا عجیب غریب نئے مذاہب متولد نہ ہونگے، قادیانی چکڑالوی وغیرہ جدید فرقے اسی سرزمین کی پیداوار ہیں۔

تقلید اور خصوصاً حنفی تقلید وہ مستحکم چٹان ہے کہ اس میں سے اس قسم کی خود رو بوٹیاں کبھی سر نہیں نکال سکتیں۔ یہی وجہ ہے کہ احناف کے حلقہ سے شاذ و نادر ہی کوئی جدید فرقہ نکلا ہوگا۔ یہ لوگ اپنی صاف سیدھی سڑک پر اس فراغت و اطمینان سے چلے جا رہے ہیں کہ دوسری پگڈنڈیاں نکالنے کا خیال بھی نہیں ہو سکتا۔

علاقہ چھچھ ہزارہ کے ایک کہنہ مشق مولوی کی بات مجھے کیا پیاری لگی جسکو میں آج تک یاد کر کے مزے لیا کرتا ہوں۔ جن دنوں میرزا حیرت کے اس دعوے کا چرچا زوروں پر تھا کہ امام حسین علیہ السلام نے شہادت نہیں پائی تو لاہور میں سنی لوگ محض علی رغم انف شیعہ میرزا حیرت کی اس قسم کی تحریروں سے بہت خوش ہوتے تھے ایک مجلس میں میرزا کے اس دعوی پر تحسین و آفرین ہو رہی تھی مگر مولوی صاحب الموصوف خاموش تھے۔ حاضرین نے پوچھا۔ اس کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے تو انہوں نے ہوائے مجلس کے رنگ کی پروا نہ کر کے کہا مجھے نہ شیعی عقائد سے سروکار نہ میرزا حیرت سے۔ امام حسین کی شہادت اور دیگر تمام

مسایل کے متعلق میرا وہی عقیدہ ہے جو ہمارے امام ہمام حضرت ابو حنیفہ کا تھا انکے اجتہاد نے ہمارے لیئے اس قسم کی کسی کد و کاوش کی ضرورت باقی نہیں چھوڑی" حاضرین پر اس جملہ نے بڑا اثر کیا۔

موجودہ زمانہ کی پرفتنہ حالت کا تقاضا یہی ہے کہ تقلید کی پابندی واجب شرعی سمجھکر کیجائے۔ بیشک گزشتہ زمانہ میں بعض ایسے علما جو ہمارے نزدیک قابل اعتماد میں اس کے وجوب کے قائل نہ تھے۔ لیکن اس کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت کی حالات اس کے وجوب کے چنداں متقاضی بھی نہ تھے لہذا اس زمانہ کے لیے وہی فتوی مناسب حال تھا۔

آج کل غلبہ ہوسات تزلزل عقاید اور آزادی افکار کا زمانہ ہے پس اس وقت حفاظت دین حمایت مذہب اسی میں ہے کہ کوئی مسلمان عبادات و معاملات میں اپنی رائے وقیاس کو دخل یاب ہونے دے۔ جو کچھ ائمہ مجتہدین فرما گئے واجب سمجھکر اس کا مقلد رہے۔ اس عہد باطل کی آب ہوا میں جن دلوں دماغوں نے پرورش پائی ہے ان میں سفاہت اور ہوس پرستی و عبث پرستی کوٹ کوٹ کر بھری ہے اگر دینی امور میں ان کو مجتہدانہ خود مختاری مل گئی تو شام سے پہلے پہلے مذہب کی صورت ہی مسخ ہوجائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ علمائے عہد نے جو امت کے نبض شناس ہیں اور وقت و حالت کے مطابق نسخہ تجویز کرنا ان کا کام ہے آج کل وجوب تقلید کا فیصلہ کیا ہے۔

یہی تاویل ہے شاہ ولی اللہ کے ان الفاظ کی بھی جو وہ تقلید کے متعلق اس زمانہ سے پہلے فرما گئے ہیں۔ فانہ قد یکون واجبا وقد لا یکون واجبا[1] اور یہی تاویل ہے شاہ عبد العزیز کے اس قول کی کہ قائل شدن تحریم اجتہاد مذہب

---

[1] رسالہ انصاف فی بیان الاختلاف

کسے نیست مگر از فرقہ متعصبان"۔

ان ہر دو بزرگان ملت کے عہد میں فضول مانی کا وشوں اور ذہنی بوالہوسیوں کا یہ عالم نہ تھا جو آج ہے لہذا یہ حکم اسی زمانہ کے لیے موزوں تھا موجودہ زمانہ کے لئے نہیں اور یہ بات یقینی ہے کہ اگر اسلامی ہندوستان کے یہ دونو مہروماہ آج افق حیات پر درخشاں ہوتے تو علمائے دیوبند کا یہ فتویٰ سب سے پہلے انہی کے نشان خاتم سے زینت حاصل کرتا کہ :- ان الذی نعتقدہ فی دین اللہ ویعتقدہ جمیع مشائخنا رحمہم اللہ تعالیٰ ھو ان تقلید احد من الائمۃ الاربعۃ واجب علی کل واحد من المسلمین فی ھذا الزمان وتارکہ فاسق لاعب فی الدین الخ (ترجمہ) اللہ کے دین میں ہمارا اور ہمارے تمام مشائخ کا جو اعتقاد ہے وہ یہ ہے کہ چار اماموں میں سے ایک امام کی تقلید اس زمانہ میں ہر مسلمان پر واجب ہے اور جو اس کا تارک ہے وہ فاسق ہے اور دین اسلام کو بازیچہ بنانے والا ہے۔

۴- ایک اور خرابی ترک تقلید میں یہ ہے کہ سوء ادب اور کمزوری ارادت اسکے لوازم غیر منفک سے ہے۔ مثال و نظیر کی ضرورت نہیں۔ مشاہدہ کرلو۔ جو صاحب اہل حدیث ہونے کے مدعی اور تارک تقلید ہونگے۔ وہ استادوں پیشواؤں اور دیگر صلحاء امت کے حق میں اس حسن ظن اور پاس ادب کا برتاؤ نہ کریں گے جو اہل تقلید کا شعار ہے۔ میں اس شکایت کا رونا اس تمیز سے نہ صرف سنتا ہی آیا ہوں بلکہ خود تجربہ کرتا رہا ہوں کہ میرے دوستوں اور رشتہ داروں میں

سلہ فتاویٰ عزیزیہ جلد اول صفحہ ۱۰۵

سلہ تتمہ جلد چہارم امداد الفتاویٰ مولفہ مولانا اشرف علی صاحب تھانوی صفحہ ۴۰۰ علمائے دیوبند کا یہ متفقہ فتویٰ مصر کے ایک عالم کے استفسار کے جواب میں ہے۔

اچھے اچھے مہذب اہل حدیث جو علمی و عقلی محاسن سے آراستہ ہیں اُن پر عدم تقلید کا یہ اثر لازمی و حتمی تھا کہ اُستادوں تک کے پاس ادب سے بے پرواہوں۔

اس کی وجہ بعض لوگ تو بیباکانہ لہجہ میں یوں بیان کر دیا کرتے ہیں کہ ائمہ متبوعین سے سوء ظن رکھنے کی چٹکار ہے۔ مگر میرا مسلک اس قسم کے دل آزار کلمات کہنے کا نہیں۔ لہذا میں یہ کہوں گا کہ ان حضرات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر عمل کرنے اور آپ کی سنت پر چلنے میں آپ کے ساتھ ایسی قریب ترین نسبت کا زعم ہے جیسی خود صحابہ کرام کو تھی گویا ان کے اور آنحضرت کے مابین کوئی واسطہ حائل ہی نہیں۔ نتیجہ یہ کہ جن وسائط کے ذریعہ آنحضرت سے ان لوگوں تک دینی تعلیمات کی تبلیغ ہوئی ہے یعنی شیوخ حدیث روات اور ائمہ فقہ و اجتہاد حتی کہ وسائط قریبہ یعنی اساتذہ علوم، ان سب کی وقعت ان لوگوں کی نظروں میں برائے نام ہے یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ کسی ایسے لقب کو جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی اور سے انتساب کیا گیا ہو۔ مثلاً حنفی شافعی چشتی نقشبندی، بہ نظر حقارت دیکھتے ہیں وہ ان سب القاب کے مقابلہ میں اپنے آپ کو محمدی کہا کرتے ہیں۔ محمدی کا لقب اختیار کرنے کی وجہ یہ ہے کہ جب لوگ ان کو تقلید مصطلح کے پابند نہ ہونے کے باعث غیر مقلد کہتے ہیں تو انکو یہ لقب ناگوار گزرتا ہے اور اپنی غیر مقلدی سے انکار کرتے ہوئے کہا کرتے ہیں کہ ہم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقلد ہیں گویا حنفی و شافعی کی بجائے محمدی بنکر اپنی غیر مقلدی کی خجالت رفع کرنا چاہتے ہیں۔

پیغمبر کے سوا کسی اور نام کے ساتھ منسوب ہونے سے ان لوگوں کو اسقدر گریز ہے کہ اگر کوئی متعصب آدمی ان کو توحید و سنت کے اوحائے مفرط کے لحاظ سے عبدالوہاب نجدی کا ہم مشرب سمجھ کر وہابی کہنے کی جرات کرتا ہے تو وہ اس لقب میں وہاب سے اللہ تعالیٰ کا نام مراد لیتے ہیں اور کہتے ہیں۔

وہابی کے معنی ہیں جہاں میں الا کچھ اور ہی سمجھتا ہے شیطان والا

ان ساری نظائر سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ یہ حضرات اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلعم کے ساتھ اپنی نسبت ایسی قریب اور بلا واسطہ سمجھتے ہیں کہ گویا کسی تیسرے کا اس میں کسی قسم کا دخل یا تعلق نہیں نہ اس کی ان کے دل میں کوئی منزلت یا وقعت خواہ وہ کوئی مجتہد محدث ولی قطب غوث ہی کیوں نہ ہو اور اسی وجہ سے کسی تیسرے نام کے ساتھ اپنا انتساب اُن کے نزدیک گویا شرک ہے۔ یہ ان کی ایک موٹی غلطی ہے۔ بے شبہ ہمارے متبوع بالذات خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں لیکن اس ماتبوع کی تکمیل وسائط کے اتباع اور اُنکے ساتھ انتساب کے بدون متعسر ہے دینی و مذہبی برکات اور علمی و عملی فیوض پیغمبری ورثہ ہیں اور جس طرح پردادے کا ورثہ اس کا پڑپوتا اسی طرح پا سکتا ہے کہ باپ کا بیٹا اور دادے کا پوتا ہو کر پردادے کا وارث بنے۔ یہ نہیں کہ بلا واسطہ باپ دادے کے اُس کا وارث بنجائے اسی طرح ورثہ پیغمبری بھی ان اساتذہ و شیوخ کے ساتھ خاص عقیدتمندانہ انتساب پیدا کرنے سے حاصل ہو سکتا ہے جن کے ہاتھوں سے یہ ودیعت ہم تک پہنچی ہے اور جنکو ورثۃ الانبیاء کہا گیا ہے اور وہ عقیدت بھی اس عقیدت کا کوئی جزو ہو۔ جو خاص پیغمبر کے ساتھ ہوئی شرط ایمان ہے۔ ورنہ حصول فیض معلوم۔

نسبت انتساب کے اندر افاضہ و افادہ کا جو ایک غیبی اثر ہے۔ اس کے ثبوت کے لیے تصوف کی بحث میں پڑنے کا یہ موقع نہیں صرف اپنا ایک تجربہ بیان کرتا ہوں۔ طالب علمی کے ایام میں جب کوئی منطق و حکمت کی کتاب شروع ہونے والی ہوتی اور چند روز پہلے میں اسکو دیکھتا تو اس کی عبارت میری نظر میں عقدہ لاینحل ہوتی۔ لیکن جب استاد کے سامنے زانوے ادب تہ کرکے بیٹھ گئے تو صرف تاثیر نسبت سے آپ سے آپ حل ہوتی چلی گئی۔

۴۔ ترک تقلید کے نتائج سیئہ میں سے ایک یہ بھی ہے کہ فیوض باطنیہ کا اسکے ساتھ اجتماع نہیں ہو سکتا۔ یعنی عبادات و مجاہدات سے جو روحانی لطائف پیدا ہو سکتے ہیں۔ تارک تقلید ہرگز ان سے بہرہ ور نہیں ہو سکتا یا یوں کہو کہ کوئی غیر مقلد صوفی نہیں ہو سکتا۔ وجہ یہ کہ اول تو یہ لوگ عموماً سیر سلوک کے قائل ہی نہیں اور جب اس کے قائل نہوں تو اس سے متمتع کیونکر ہو سکتے ہیں۔ دوسرے یہ حالات موقوف ہیں بیعت پر۔ اور بیعت تصوفی کے ان کے نزدیک کچھ بھی معنی نہیں ان حضرات کو اس بات پر بڑے زور کے ساتھ اصرار ہے۔ کہ پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام کی تمام تعلیمات صرف وہی ہیں جو اخبار و آثار کے ذریعہ سے روایتاً ہم تک پہنچی ہیں۔ مگر تصوف کا دعویٰ ہے کہ یہ صرف ظاہری تعلیم تھی۔ اس کے علاوہ آپکی ایک باطنی و سری تعلیم بھی ہے۔ جو الفاظ و حروف کی مقید نہیں۔ کہ روایۃً منقول ہو کر ہم تک پہنچتی۔ نہ وہ کوئی درس و استماع کے دائرہ میں آنیوالی چیز ہے۔ جس کا ثبوت زبانی بحث و مناظرہ میں دیا جا سکے بلکہ محض ذوقی و وجدانی کیفیت ہے جس کا احساس حصول بیعت و صحبت پر موقوف ہے۔ لیکن جو لوگ اس سرزمین کے نام تک سے آشنا ہونا نہیں چاہتے۔ وہاں کے عجائبات کی سیر کیونکر کرائی جائے

لطف مے تجھسے کیا کہیں زاہد ہائے کمبخت تونے پی ہی نہیں

غرض یہ وہ بات تو ہے نہیں کہ روایت در روایت زبانوں سے، یا نقل در نقل کتابوں سے منقول ہو کر پہنچتی تاکہ یہ لوگ سے تسلیم کر سکتے۔ اس کا سلسلہ تو سینہ بسینہ چلا آرہا ہے۔ اور اس سلسلہ میں وہی شخص شامل ہو سکتا ہے۔ یہ منظر وہی شخص دیکھ سکتا ہے۔ جو اپنا دست عقیدت کسی مرشد کامل کے ہاتھ میں دے کر اپنا دل و دماغ اس کے ہدایت ارشاد کے تابع کر دے۔ مگر یہ لوگ غیر پیغمبر کے سایہ سے بھی بھاگتے ہیں۔ پس کسی مرشد کی اطاعت و اتباع ان سے کب ممکن ہے۔

لہٰذا یہ لوگ اصولاً اس دروازے پر ہی نہیں آسکتے شریک بزم ہونا تو بڑی بات ہے۔
دوسری جانب مقلدوہ لوگ ہیں۔ جو ہر نائب پیغمبر کی صورت میں پیغمبر کا جلوہ دیکھتے ہیں اور آپ کی تمام تعلیمات کے بالواسطہ حاصل ہوسکنے کے قائل ہیں۔ اسی وجہ سے انھوں نے احکام شریعت میں ایک مجتہد امام پر اعتماد کرلیا ہے۔ لہٰذا یہ لوگ باطنی تعلیم کے حصول کے لیے بھی اصولاً کسی مرشد کی بیعت کرسکتے ہیں اور کرتے ہیں اور وہ کچھ دیکھتے ہیں جو اغیار کے تصور میں بھی نہیں۔
پس جو لوگ شریعت کے صرف ظاہری روایتی پہلو کے معترف ہیں اور اس کے علاوہ کسی باطنی و سری حقیقت کے قائل نہیں وہ گویا صرف چھلکے کے چکھنے چاٹنے پر قانع ہیں مغز حقیقت کی ان کو خبر ہی نہیں ان کی نظر محض الفاظ حدیث تک محدود رہتی ہے اس لیے اس کا اثر بھی صرف صورت ولباس تک ختم ہوکر رہ جاتا ہے۔
۴۔ جو لوگ قید تقلید سے آزاد ہیں ان میں ایک عجیب خاصہ یہ بھی پایا جاتا ہے کہ ان کا عمل بالحدیث کا ادعا صرف بعض آداب جسم مثلاً ارسال لحیہ، قص شارب، قصر ازار اور بعض آداب معاشرت مثلاً ابتداء بالسلام، تشمیتہ عاطس، استرجاع عند المصیبۃ اور بعض آداب نماز مثلاً تقدیم اوقات و تعدیل ارکان اور ایسے ہی چند ایک ظاہری آداب میں منحصر ہے اور ان امور پر اس شد و مد سے عمل ہوتا ہے کہ سرسری نظر ات کو قرون اولیٰ کے نمونے مان لینے پر مجبور ہو جاتی ہے لیکن عام معاملات نکاح و طلاق۔ بیع و شرا حقوق اقارب جیرانی وغیرہ جو ایک مسلمان کے ورع واتقا و خشیت و رہبت کے اصلی امتحان گاہ ہیں۔
...... ان میں ان اصحاب کا طرز تعامل بہت کم پسندیدگی کے قابل ہوتا ہے اور یہ کلیہ اس زمرہ کے عوام پر صادق آتا ہے۔ (بعض نیک نہاد و پاک نفس افراد اس سے مستثنےٰ ہیں) اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ مقلدوں کی جماعت میں بھی

اس قسم کی کمزوری کے نظائر موجود ہیں لیکن موجودہ اہل حدیث حضرات میں یہ حالت جس عمومیت کے ساتھ پائی جاتی ہے اس سے عدم تقلید میں اور اس نقص میں تلازم کا یقین ہو جاتا ہے اور یہ سمجھ لینا چنداں مشکل نہیں کہ وجہ تلازم کیا ہے؟

تقاضائے انصاف یہ ہے کہ جہاں ہم نے عدم تقلید کے بُرے نتائج دکھائے ہیں ہاں وہ نیک ثمرات بھی کھلے دل سے بیان کر دیں جو تارکان تقلید کے عمل بالحدیث سے پیدا ہوئے۔

یہ سچ ہے کہ اگر ایک طرف تارکان تقلید نے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ نسبت بلا واسطہ کا ادعا اور قول غیر سے اعراض کر کے ان بے شمار فیوض و برکات سے اپنے آپ کو محروم کر لیا جو تاہم مشائخ کے ساتھ حسن ارادت رکھنے کی بدولت حاصل ہونی ممکن تھیں تو دوسری طرف مقلد جماعت نے اپنی وسیع خوش اعتقادی اور ازاں ارادت مندی کو مردم پرستی کے درجہ تک پہنچا لیا اور اس وجہ سے ہزاروں ایسی بدعات میں اپنے آپ کو مبتلا کر لیا۔ جنکا دین حق سے کوئی تعلق نہیں۔ ہماری جماعت میں اس غیر معتدل خوش اعتقادی کی بڑھتی ہوئی لہر کو روکنے والا کوئی آہنی بند ہے تو وہی اہل حدیث کا ٹھوس مذہب ہے اہل سنت والجماعت میں تصوف کی چاشنی نے ایک ہوش ربا کیفیت پیدا کر دی تھی۔ اسی مذہب کی عدیم الکیف آمیزش نے اس کیفیت کو معتدل (نیوٹرل) کیا ہے۔

یہ لوگ کسی امر میں حدیث نبوی سے باہر قدم رکھنے کے قائل نہیں اس لیے بدعات کے مرض کے لیے ان لوگوں کا وجود ایک بہترین نسخہ ہے اور اہل سنت والجماعت کے اندر اس چھوٹی سی جماعت کی موجودگی کی مثال ایسی ہے جس طرح (ڈاکٹری تحقیق کے بموجب) انسانی جسم کے اندر قدرت نے وہ باریک

تنے موجود کر سکے ہیں جو ہر وقت وران خون کی لہروں میں تیر رہے ہیں اور مختلف امراض کے مہلک جراثیم کو فنا کرنا ان کا وظیفہ ہے۔

ایک بزرگ کا قول کس قدر سچا ہے کہ جب کافروں کی کوئی بستی اسلام لائے تو اُن کی تسلیم احکام کے لیے سب سے پہلے اہلحدیث کے فرقے کو بھیجا جائے تاکہ ان لوگوں کی بنیادی تعلیم ایک صحیح شعار سنت پر واقع ہو۔ اگر صوفی واعظ بھیجے گئے تو نومسلم لوگ ان کی خوش اعتقادی کی تعلیم اور اپنی خامی ارادت سے شرک بدعت میں مبتلا ہو جائیں گے۔

اہل حدیث بلا واسطہ احادیث پر عمل کرنے کی بدولت عام آداب لباس و پوشش، سلام و کلام خورد و نوش نشست برخاست، تربیت اطفال و تعلیم نساء میں ایک حدیث کا اسوہ یعنی کا اچھا خاصا نمونہ ہوتے ہیں اور بات بات پر ثبوت و تمثیل میں حدیث کا ایراد ان کا شعار ہوتا ہے۔ کاش ان باتوں کے ساتھ تقلید بھی شامل ہوتی۔ اور کاش تقلید کے ساتھ یہ باتیں بھی جمع ہوتیں ہمارے اوپر کے تمنائیہ جملے کا دوسرا حصہ یعنی کاش تقلید کے ساتھ یہ باتیں بھی جمع ہوتیں اس بات کا مشعر ہے کہ مقلد لوگوں میں عمل بالحدیث کے متعلق نہایت کوتاہی کا برتاؤ ہو رہا ہے۔ اہل حدیث کا قانون عمل تو بخاری و مسلم وغیرہ کتب احادیث ہیں جن میں فرائض و سنن اور حلال و حرام وغیرہ احکام کے ساتھ حسن معاشرت و تہذیب اخلاق اور آداب زندگی کے ابواب بھی موجود ہیں اور یہ لوگ تمام ابواب پر یکساں نظر رکھتے ہیں اس لیے جہاں وہ اوامر و احکام پر فرمان رسول کے مطابق عمل کرتے ہیں وہاں آداب و اخلاق و سیرت کی باتوں پر بھی اسی پابندی کے ساتھ سنت پیغمبری پر چلتے ہیں لیکن ہماری حالت اس سے دگرگوں ہے۔ ہمارا قانون عمل فقہ ہے۔ جو محض

فرائض و واجبات، حلال و حرام، محظورات و مباحات کے متعلق احکام و اقضیہ کا مجموعہ ہے اور آداب و سیرت کی باتوں کو اسکے موضوع سے کوئی تعلق نہیں۔ اس لئے ہمارے عام مولوی جو محض فقہ کے جید عالم ہوتے ہیں اور مسائل دینیہ کی شبانہ روزی ضروریات میں ان کی نظر محض ہدایہ و شامی سے آشنا رہتی ہے ان کو نہ بخاری و مسلم کی تصفح کی ضرورت پیش آتی ہے اور نہ پیغمبری سنت و سیرت پر ان کو پوری توجہ ہوتی ہے

میرے اس تمنائیہ جملے کا مدعا یہ تھا کہ کاش ہم لوگ جس طرح احکام و اوامر کے لئے ہر وقت ہدایہ و شامی کو سامنے رکھتے ہیں اسی طرح پیغمبری سنت و سیرت کے مطالعہ کے لیے بخاری و مسلم کو بھی ہر وقت زیر نظر رکھیں۔

اول تو ہم لوگوں کو فقہ کی اہمیت نے اپنی طرف اسقدر مائل کر رکھا ہے کہ حدیث و تفسیر کے لیے اپنی زندگی کے پروگرام میں بہت کم وقت نکالتے ہیں۔ حالانکہ حدیث شریف ہی تمام تعلیم اسلام کا سرچشمہ ہے۔ اگر حدیث نہ ہوتی تو نہ تفسیر تھی نہ فقہ اور اس کی طرف سے ہماری بے توجہی کا یہ عالم ہے کہ جب تک تقلید و عدم تقلید کے معرکے پیدا نہیں ہوئے تھے۔ اس وقت تک طلبہ علوم کی تحصیل صرف فقہ میں منحصر تھی اور کتب حدیث کو پڑھنے کی ضرورت ہی نہیں سمجھی جاتی تھی اگر کسی نے زیادہ ہمت کی تو تبرکاً مشکوٰۃ شریف کے دو چار صفحے پڑھ لیے اور بس۔ پھر جب مذکورہ مباحث کے میدان گرم ہوگئے۔ جنکا مدار احادیث کی چھان بین پر تھا۔ تو ہمارے علماء کو حدیث کی طرف توجہ ہوگئی۔

دوسرے گو آجکل حدیث شریف کی تعلیم و تعلم کا چرچا عام ہوگیا ہے لیکن اسکو معیار عمل بنانے کی طرف عام طور پر توجہ نہیں ہے۔ ہمارے عام علماء (باستثنا خواص) کے مشاغل صرف افتاء و مناظرہ میں منحصر ہیں اور ان مشاغل کا تعلق صرف فقہ، کلام، اور اصول سے ہے۔ اگر حدیث سے ان لوگوں کو کام بھی پڑتا ہے

تو صرف مسائل خلافیہ میں اپنے دعاوی کے ثبوت یا حریف کے متمسکات کی تنقیح کے لیے اور بس۔ باقی شعار سنت، حکمت، موعظت، ترغیب، ترہیب، اوراد، رقاق آداب، اخلاق، جو فن حدیث کی روح رواں ہیں، اور جو اس مقدس فن کے سب سے زیادہ نمایاں باب ہیں نہ ان پر نظر ہے، نہ انکے نکات و دقائق سے اعتبار و نتیجہ حاصل کرنے کا ولولہ اور نہ ان پر عمل کرنیکا شوق۔ نتیجہ یہ کہ ہمارے وہ متبحر مولوی جن کی ایک پنجہ مربع مہر کا نشان ہر فتوے کے لیے سند قبولیت سمجھا جاتا ہے، اپنی معیشت، معاشرت میں اسلامی آداب، اطوار کے لحاظ سے ایک عامی سے بڑھکر نہیں ہوتے انا للہ وانا الیہ راجعون۔

میرے تصور میں اس وقت چند ایسے حنفی عالم موجود ہیں جنکے وعظ دلوں کو ہلا دینے والے ہیں جن کے مناظرے اتمام حجت کا نشان ہیں، جن کے فتوے قوت فیصلہ کی جان ہیں۔ مگر گھر کا حال یہ ہے کہ بیوی پابند بدعات، مبتلاے توہمات ہے تو ہوا کرے۔ اور بیٹا تارک صلوٰۃ ہے یا داڑھی منڈاتا ہے تو بلا سے ان کو مسائل خلافیہ کے غور و تعمق سے فرصت ہی نہیں کہ ان باتوں کی طرف متوجہ ہوں

ہمارے ایک دوست مولوی صاحب واعظانہ سیر و سفر میں ہمارے مہمان ہوا کرتے ہیں جنکے موثر و مفید وعظ اکثر حجاب غفلت اٹھا دینے کے منت فرماتے رہتے ہیں اور یوں بھی آپ ماشاء اللہ خلاف شرع و منافی سنت امور پر بلا ٹوک دینے میں بہت دلیر ہیں اتفاقاً خاکسار کو بھی انکے وطن میں جانے اور ان کا مہمان ہونے کا موقع پیش آگیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ صاحبزادہ بلند اقبال بعمر پانچ چھ سال چاندی کے گھنگروں سے مزین کھیلتا پھر رہا ہے۔ میں نے عرض کیا مولانا! وہ اتباع سنت کی ہدایات شاید دوسروں ہی کا حصہ ہوتی ہیں۔

بالجملہ حنفی اور اہل حدیث ہندوستان کے سنی خاندان کے دو چشم

چراغ ہیں۔ دونو بھائی بھائی ہیں۔ دونو کے عقائد متحد ہیں اور اصول واحد ہیں۔ دونوں میں جو اختلاف ہے وہ محض فروعی وجزوی ہے بلکہ لفظی وصوری، اگر خوبیاں ہیں تو دونوں میں ہیں۔ ایک میں حسن ارادت، دوسرے میں اتباع سنت اور اگر نقائص ہیں تو وہ بھی دونو میں، ایک میں حدیث کی طرف سے غفلت، دوسرے میں تصوف وسلوک سے انکار یا بقول مولانا عبدالحیٔ ایک میں تقلید جامد اور دوسرے میں ظن فاسد۔ اور شرط آدمیت یہ ہے کہ دوسرے کی عیب جوئی کی بجائے اپنے عیب کی فکر رہے۔ اگر دونو فریق اپنے اپنے معتدل مسلک پر رہیں تو دین ودیانت کا فتویٰ یہ ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے شریک حال رہیں۔ ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھیں اور معاشرت ومناکحت کے تعلقات میں باہم اشتراک رکھیں اور باہمی فساد وعناد اور نفاق وشقاق سے بچیں۔ والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ۔

حکیم عرشی

بغداد

گزشتہ سے پیوستہ

سقوطِ بغداد عباسی حکومت کو کمالِ عروج ہارون الرشید اور مامون کے وقت میں ہوا ہے اور بلحاظ علمی ترقیوں اور وسعت سلطنت کے اس زمانہ کو اسلامی تاریخ کا سنہری ورق سمجھنا چاہیے، پر افسوس کہ یہ زمانہ دیرپا نہوا۔ عالم شباب ہی میں اس سلطنت کے اندر قبل از وقت اختلال اور انحطاط کی علامات نمودار ہوگئیں تھیں۔ ابراہیم بن اغلب اور طاہر بن الحسین نے خود مختار ہوکر مستقل اور علحدہ سلطنتیں قائم کریں۔

اسلامی حکومت کی بنیاد اشاعت دین پر رکھی گئی تھی۔ اور اسکا بنیادی پتھر عربی قبائل کی شہامت اور جلادت تھی۔ بنی امیہ کے زمانہ میں تمام قلمرو میں جتنے عمال اور والی اور فوجی افسر تھے سب کے سب عرب تھے۔ ابوالعباس کو خلافت ابومسلم اور اُس کے خراسانی متعلقین کی مدد سے ملی تھی۔ جسکے سبب سے عجمی عنصر کا بیج عباسی حکومت کے اندر بویا گیا۔

ہارون الرشید کے زمانہ میں وزراسے برامکہ کا خلیفہ کے مزاج پر وہ تسلط تھا کہ سیاہ وسفید جو چاہتے تھے کرتے تھے۔ یہاں تک کہ رشید نے اپنی بہن میمونہ کی شادی جعفر کے ساتھ کردی تھی۔ المامون کی ماں مارجل ایرانی جاریہ تھی۔ جسکے سبب سے خلیفہ کو

---

[1] صاحب الحاوی مفسر قانون فصول الطب البقراط [2] مصنف المدخل فی الطب۔ تقویم الصحۃ۔ مقالۃ فی ... [3] صاحب تقویم الابدان۔ منہاج البیان [4] مترجم ایساغوجی جالینس مسمی بہ مدخل فی الطب فصول البقراط [5] مترجم ایساغوجی یا مغازی مسمی المدخل فی المنطق و کلیلہ دمنہ ۱۲ (یہ فٹ نوٹ تقسیم شاع...)

عجمیوں کے ساتھ زیادہ ہمدردی تھی ابھی سے عرب اور عجم فریقوں میں کھلم کھلا مخالفت کی آگ سلگ اٹھی تھی گو یا المامون اور الامین کی باہمی لڑائیاں ان متضاد فریقوں کی زور آزمائیاں تھیں ۔ مامون کے کامیاب ہونیسے اور اُسکے وزیر ابن سہل کی لگاتار کوششوں سے عجم فریق کا رسوخ دن بدن بڑھتا گیا ۔ اور آخر کو اس اختلاف نے شیعہ اور سنی کی صورت اختیار کرلی ۔

المامون کے بعد المعتصم باللہ کی تخت نشینی نے بدقسمتی سے نفاق کا ایک اور عنصر خلافت کے اندر پیدا کردیا معتصم باللہ کی ماں ماریہ ترک جاریہ تھی ۔ اور چونکہ الولد کان من حیث الاخلاق اقرب الی امہ والی ابیہ ۔ اسکو فطرتاً ترکوں کے ساتھ موانست تھی اور شاید عرب و عجم کے جھگڑوں سے علیحدہ رہنے کے لیے یا اپنی جان کی حفاظت کی غرض سے معتصم باللہ نے ترکی فوجیں بھرتی کرنا شروع کیں جو ترک دربار میں آتا اسکے ساتھ مدارات اور تلطف کے ساتھ سلوک کیا جاتا رفتہ رفتہ نوازش خسروانہ اور مراحم شاہانہ سے ترکوں کے دماغ ایسے بگڑے کہ وہ رستہ چلتے لوگوں کی پگڑیاں اُتارنے اور شریفوں کی بے عزتیاں کرنے لگے ۔ اور دن دہاڑے لوٹ مار کرنے لگے ۔

ایک دن کا ذکر ہے کہ معتصم باللہ کی سواری بغداد کے بازاروں میں سے جا رہی تھی ترکی رسالہ ہمرکاب تھا کہ ایک بوڑھا عرب سامنے سے گزرا ۔ ترک نے شمشیر اٹھائی بوڑھے نے معتصم باللہ کی طرف پکار کر کہا ۔ لاجزاک اللہ عن الجوار خیرا ، جاورتنا وجئت بھؤلاء

سلہ عرب اور عجم عنصروں کے باہمی رشک حسد نے جو خلافت کو نقصان پہنچایا اسپر ہمیں تاریخی سوانح کے خیال سے افسوس آتا ہے مگر ایرانی عنصر کے دخل سے اسلامی تمدن کو جو فائدہ پہنچا ہے اس سے کسی مورخ کو انکار نہیں ہو سکتا ۔ بنو عباس کی خلافت ابو مسلم کی شمشیر نے دلائی ۔ ہارون رشید اور مامون کے درباروں کی چمک برامکہ خاندان سے تھی برامکہ اور ابن سہل کے وجود سے قائم تھی ۔ یہاں تک کہ حجۃ الاسلام امام غزالی طوسی ابوعلی سینا الشہرستانی الطبری ۔ الزمخشری ۔ ابن سیبویہ النیشاپوری الرازی ، اصطخری وغیرہ ایرانی ناموں کا تمدن اسلام پر ہمیشہ کیلیے بار احسان رہیگا سلہ تاریخ تمدن اسلام ۱۲

رسُول خدا ﷺ کے مزار پر ایک غیبی نوشتہ

حجاز و یثرب کی موجودہ تلاطم انگیز خبروں کے زمانہ میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار پر انوار کا یہ غیبی نوشتہ دلی شوق و توجہ سے پڑھا جائے گا۔ جس کتاب سے تھوڑی سی عبارت یہاں درج کی جاتی ہے:

"یہاں اپنی ماں کے اکلوتے سوتے ہیں۔ یہاں بن باپ کے دریتیم کا مزار ہے۔ یہاں وہ جسم مدفون ہے جس کی روح کونین کا سِرِّ مکنون ہے۔ یہ وہ ہیں جو بچپن میں بکریاں چراتے تھے۔ بوٹا سے قد پہ لمبے لمبے بال بکھیرے سر پہ عمامہ باندھے لکڑی ہاتھ میں لیے۔ جنگل کے پتوں کو سمجھاتے اور اپنی بکریوں کو کھلاتے تھے۔ یہ وہ ہیں جو ابتدا سے بے زبانوں کے نگہبان تھے، بے "سہاروں کے پاسبان تھے"

یہ لشکر خدا کے فیلڈ مارشل سپہ سالار سیناپتی کی زیارت گاہ ہے جو میدان رزم میں پیچھے قرار نہ دیکھتے تھے جن کے جنگی نقشوں کے سامنے ہر فوجی مبصر حیران ہو جاتا تھا۔ یہ اپنے سپاہیوں سے برابر کام کرتے تھے خندق کھودتے پہرہ دیتے۔ فوج کو سلاتے آپ جاگتے۔ فوج کو کھلاتے، آپ بھوکے رہتے یا وہی کھاتے جو ان کی فوج کھاتی تھی۔ لڑائی میں سبقت نہ کرتے تھے جب ان پر وار کیا جاتا تو یہ بھی برابر کا کڑا توڑ جواب دیتے تھے ان کا کہنا تھا کہ زمین امن کے لئے ہے۔ لیکن جب دشمن نہ مانے اور فساد پر آمادہ ہو تو تم بھی تلوار کھینچ کر سامنے آجاؤ کہ جنت تیغ کے سایہ تلے ہے۔ پھر آنکھ کا بدلا آنکھ کان کا بدلہ کان وہ ایک ماریں تو تم بھی ایک بھرپور رسید کرو۔ دب کر نہ رہو کہ دنیا دب کر رہنے کی جگہ نہیں ہے۔ مگر زیادتی نہ کرو کہ خدا ظلم و زیادتی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا"

یہ غیبی نوشتہ حضرت خواجہ حسن نظامی دہلوی کی مشہور کتاب "قبروں کے غیبی نوشتے" سے اقتباس کر کے لکھا گیا ہے۔ یہ اس قدر عجیب اور موثر عبارت میں ہے جس کی مثال کہیں نہیں پائی جاتی۔ اس کتاب میں اسی قسم کے ستر غیبی نوشتے لکھے گئے ہیں جو ہر ایک اپنی شان میں نرالا ہے۔ دنیا کی کسی زبان میں یہ عجیب طریقہ قبروں کی زبان حال سے زندہ لوگوں کو نصیحت کرنے کا نہ ہوگا۔ جیسا کہ حضرت خواجہ حسن نظامی نے اس کتاب میں اختیار کیا ہے کیونکہ اس میں ہر صاحب مزار کے اوصاف ذاتی کو اثر دار پیرایہ میں نمایاں کیا گیا ہے جس کو پڑھنے سے خود بخود آدمی کو پیروی کا شوق پیدا ہوتا ہے۔ آنحضرت صلعم کے نوشتہ مزار میں حضور کی تمام زندگی کے بڑے بڑے کاموں کو مختصر عبارت میں لکھ کر تقلید کی ترغیب دلائی ہے جو کئی صفحوں میں ہے۔ یہاں تو اس میں سے چند سطریں اقتباس کی گئی ہیں۔ بعض مزاروں کے نوشتے تو ایسے دردناک ہیں کہ پڑھنے والا جوش گریہ سے بے قابو ہو جاتا ہے جن میں حضرت بی بی فاطمہؓ۔ حضرت امام حسینؓ۔ حضرت علی اکبرؓ۔ حضرت علی اصغرؓ۔ حضرت شہر بانوؓ

(مطبوعہ مدینہ پریس)

حضرت زینبؓ۔ حضرت بلالؓ کے مزارات کے نوشتے تو بہت ہی پرسوز و پرگداز ہیں۔

حضرت بی بی خدیجہؓ۔ حضرت علیؓ کے مزارات کے نوشتوں میں بھی بہت ہی موثر کمال دکھایا گیا ہے۔ ان نیکوں اور مقدس ہستیوں کے نوشتوں کے ساتھ حضرت خواجہ صاحب نے مشہور گنہگاروں کے نوشتے بھی لکھے ہیں جو اس کتاب کے اندر ہیں تاکہ نور و ظلمت کا فرق و امتیاز دیکھا جائے ان نوشتوں کی شان سب سے نرالی ہے کیونکہ ان میں ان کے برے اعمال کی نہایت ڈراونی تصویر دکھائی گئی ہے۔ حسب ذیل برے آدمیوں کے نوشتے اس کتاب میں ہیں۔

ابولہب۔ ابوجہل۔ یزید۔ ابن زیاد۔ شمر۔ عمر سعد۔ کتاب کے آخر میں حضرت خواجہ صاحب نے خود اپنی قبر کا قبل از وقت کتبہ بھی لکھدیا ہے۔ جو اسقدر دلچسپ ہے کہ پڑھنے ہی سے لطف آسکتا ہے۔

اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کی اولاد میں اسلامی پیشواؤں کے خصائل حسنہ کا رنگ پیدا ہو تو یہ کتاب انکو پڑھائیے۔ اگر آپ کو اپنے مقتداؤں کی زندگی کا خلاصہ معلوم کرنا ہے تو صرف اسی ایک کتاب کو پڑھ لیجئے جس میں ہر بزرگ کی لوح مزار اور انکی زندگی کا ماحصل ہے۔

قبروں کے غیبی نوشتے اگر میلاد شریف یا محرم کی مجالس میں پڑھے جائیں تو محفلوں کا اثر دگنا ہو جائے اور حاضرین کو وہ فائدہ پہنچے جس کی ضرورت ہے۔ یہی کتاب ہے جو دشمنان اسلام کے الواح قبور کی صورت میں موجودہ قومی غداروں مسلمانوں کے حریفوں کی شکل آئینہ میں دکھا دیتی ہے اور مسلمانوں کے دل میں وہ جذبہ پیدا کرتا ہے جس کے پیدا کرنے کی گرم نویس اخبارات کوشش کرتے ہیں بشرطیکہ مسلمان ابولہب ابوجہل۔ یزید شمر ابن زیاد وغیرہ کو اپنے ذہن میں آجکل کے کسی حریف اسلام سے مشابہت دیکر یہ کتاب پڑھیں۔

اس کتاب میں تسلی ہے اس کتاب میں ہدایت ہے۔ اس کتاب میں تعلیم ہے یہ کتاب مسلمانوں کا چلتا ہوا سچا اور حلال جادو ہے جو نوجوانوں میں سچے مسلمان بننے اور سچے جوش پیدا کرنے کی کنجی ہے۔ ان خوبیوں کے باوجود قیمت صرف ۸ر ہے خط بہت اچھا ہے کم نگاہ کے آدمی بھی بے تکلف پڑھ سکتے ہیں زبان بہت سلیس اور سادہ ہے کاغذ اعلیٰ درجہ کا ہے۔ چھپائی بہت ہی عمدہ ہے ابھی ایک خط لکھئے اور کتاب منگا کر دیکھئے۔

ملنے کا پتہ

منیجر رسالہ نظام المشائخ دہلی

من غلمانك الاتراك فاسكنتهم بيننا، فايتمت صبياننا وارملت نساءنا وقتلت رجالنا

معتصم باللہ کے دل پر اس بات سے ایسا اثر ہوا کہ اس نے بغداد سے ۶۰ میل کے فاصلہ پر ایک شہر سامرا وسر من رأی آباد کیا اور ترکوں کے وہاں علیحدہ رہنے کے لیے معسکر بنا دیا۔ اس کے بعد ترکوں نے وہ زور پایا کہ خلفا کی ناک کے بال بن گئے۔ المستنصر کے اغوا پر انہوں نے سامرا سے آکر بغداد کا محاصرہ کیا۔ اور المتوکل کو پکڑ کر قتل کر ڈالا۔

اس واقعہ سے ترکوں کو اپنی قوت کا احساس ہوگیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے بعد جسے چاہتے خلیفہ بنا دیتے جسے چاہتے معزول کر دیتے۔ کہتے ہیں جب المعتز باللہ تخت پر بیٹھا تو ہیئت دانوں اور نجومیوں کو بلا کر پوچھا گیا کہ خلیفہ کی عمر کتنی ہوگی اور کتنے سال حکومت کریگا؟ ایک ظریف نے کہا۔ "مہما اراد الاتراک"۔

آل بویہ اس خاندان کا بانی ابو شجاع دیلمی گزرا ہے۔ ابو شجاع کے تین بیٹے تھے عماد الدولہ، رکن الدولہ، معز الدولہ۔ ان میں سے عماد الدولہ کرخ کا والی تھا خلیفۃ الراضی کے عہد میں اس نے فارس کے محاصل کا مقطع لیا لیکن بروقت محاصل ادا کرنے پر بادشاہ ایسا خوش ہوا کہ اس کے دوسرے بھائیوں کو خوارزم اور شیراز کا حاکم بنا دیا۔ خلیفہ المستکفی کے عہد میں یہ تینوں بھائی ملکر بغداد گئے۔ خلیفہ نے انکو ترکی مظالم سے نجات دینے والا فرشتہ سمجھکر انکے ساتھ نہایت مہربانی اور تپاک کے ساتھ سلوک کیا۔ اور عماد الدولہ کو امیر الامراء کا خطاب دیکر دربار میں جگہ دی۔ بیچارہ یہ نہ سمجھا کہ بکری بھیڑیے کے منہ میں سے بچکر آخر قصاب کی چھری سے ماری جاتی ہے۔ آل بویہ نے ۳۲۰ھ سے لیکر ۴۴۳ھ تک حکومت کی۔

معتصم باللہ کی عنایات نے بھوکوں مرتے ترکوں کو پیٹ بھر کھانا دیکر بغداد کا رستہ بتا دیا تھا۔ بخارا اور سمرقند سے ایلیات کے ایلیات اور خانات کے خانات ٹوٹ پڑے۔ بغداد کا تمول اور آسودہ حالی عراق کی سرزمین کی سرسبزی اور زرخیزی دیکھکر

ترکوں کے منہ میں پانی بھر بھر آتا تھا۔ نیز وہ یہ بھی دیکھ رہے تھے کہ خلفائے عباسی کمزور ہیں اپاہج ہیں۔ کاٹھ کی پتلی ہیں، ان باتوں کا چرچا بخارا اور سمرقند کے گلی کوچوں میں ہوتا تھا۔ یہی سبب ہے ترکستان بغداد کے لئے طوفان کا مرکز بن گیا اور وہاں سے کئی خونخوار حملہ آور آندھی اور بھونچال کی طرح سے اٹھے۔ اور بادل کی طرح برسے۔ سلجوق، ہلاکو، چنگیز یکے بعد دیگرے ایلیات اور خانات میں سے ٹڈی دل سے بڑھ کر خراب آباد بغداد پر جا پہنچے اور بقول صاحب الکامل رحمۃ اللہ "یتفکون، وینھبون، ویحرقون، ویھدمون، ویفعلون ما یعجز اللسان عن وصفہ ولم یسبق لہ مثل فی تاریخ الانسان"۔

سلاجقہ ابھی خلفائے عباسی آل بویہ کے پنجۂ مظالم میں تڑپ ہی رہے تھے کہ ان کے اوپر ایک اور بلا نازل ہوئی۔ سلجوق بن یکاک قبائل و ایلیات اتراک کو اکٹھا کر کے ایران و توران میں طوفان نوح کی طرح پھیل گیا۔ اور سنہ ۵۵ ہجری میں سلطان محمد سلجوق نے بغداد کا محاصرہ کیا۔ اور آل بویہ کو نکال کر ان کی جگہ اپنا تسلط جما لیا۔

آل بویہ اور سلجوق سلاطین کے زمانہ میں سیاسی اور تمدنی لحاظ سے اسلام نے بہت سی ترقیاں کیں۔ خصوصاً نظام الملک کے وزیر ملک شاہ کے زیر سایہ مدرسے اور دارالعلوم قائم ہوئے۔ رباطات اور تکایا بنے، بیمارستانوں کی بنیادیں ڈالی گئیں۔

اس زمانے میں اسلامی دنیا میں تین بڑی ریاستیں تھیں۔ ایک سلاجقہ کی جو ترکستان سے لیکر بحر شام تک پھیلی ہوئی تھی۔ دوسری فاطمیین مصر کی جو ممالک مغربی پر قابض تھے تیسری بنی امیہ کی جو ہسپانیہ اور جزائر عرب میں حکمراں تھے۔ خلافت عباسی بیچاری کسی گنتی میں نہ تھی۔ بغداد کی چار دیواری میں محدود تھی۔ اور وہ بھی شاہان سلاجقہ کے شکنجے میں۔

ہلاکو خاں چنگیز خاں کی وفات کے بعد اس کی سلطنت چار حصوں میں تقسیم ہو گئی تھی۔ معرفت طوسی ریاست ہلاکو کے حصے میں آئی تھی۔ ہلاکو نے سنہ ۶۵ ہجری میں

بغداد کا محاصرہ کیا۔ اس محاصرہ کی نسبت سید احمد ابن السید زینی وحلان یوں بیان کرتا ہے "معتصم باللہ فطرتاً ضعیف الرائے آدمی تھا اسکا وزیر موید الدین العلقمی شیعہ مذہب کا پیرو اور ایک مکار اور چالاک آدمی تھا معتصم باللہ کے لڑکے ابو بکر کو شیعوں سے سخت نفرت تھی۔ اتفاق سے اُن ایام میں بغداد کے اندر شیعہ اور سنیوں کے مابین لڑائی ہوگئی۔ ابو بکر نے فوجی سپاہی سنیوں کی مدد کے لیے بھیجے۔ سپاہیوں نے شیعوں کے مکانات لوٹ لیے۔ اور انکی عورتوں کی بے عزتی کی۔ یہ حال سنکر موید الدین کو سخت رنج ہوا۔ مگر اس نے ضبط کیا۔ اور اپنا غصہ ظاہر نہیں کیا۔ بلکہ خفیہ طور پر ہلاکو خاں کے پاس اپنے بھائی کو بھیجکر اسے بغداد پر حملہ کرنے کا لالچ دلایا۔ علاوہ اسکے ہی جنرل دوادار کے ساتھ سازش کرکے بغدادی فوج کا بہت سا حصہ شہر میں سے نکالکر کہیں دور بھجوا دیا جب ہلاکو حملہ آور ہوا تو ابتدا ً چند دن شہر میں محصور رہنے کے بعد معتصم باللہ فدیہ کی رائے پر عمل کرکے علماء وزراء اور اعیان مملکت کو اپنے ساتھ لیکر شہر سے باہر نکلا اور ہلاکو سے صلح کا ملتجی ہوا۔ بے رحم ہلاکو نے ان سب کو تہ تیغ کرکے شہر کو لوٹنے کا حکم دیدیا کہتے ہیں کہ چالیس دن تک غارت و تاراج کا بازار گرم رہا۔ اور قتل عام ہوتا رہا۔ جس میں زن و مرد، پیر و جوان علف زار کی طرح کٹ گئے۔ اور شہر میں خون کی ندیاں بہ گئیں۔ کچھ مکانات تو گرا دیے گئے اور باقیماندہ جلا دیے گئے۔ وقیل ان عدۃ من قتل یزید الف الف و ثلاثین الف انسان " معتصم باللہ کے قتل کے ساتھ وہ وہاں خلافت کا چراغ گل ہوا۔ مگر خلافت عباسیہ کا رشتہ حیات اگرچہ ہلاکو کی شمشیر نے منقطع کر ڈالا۔ پر بغداد کی مصیبتوں کی رام کہانی ابھی تمام نہیں ہوئی۔

تیمور لنگ | ۷۹۵ھ ہجری میں تیمور بغداد پر حملہ آور ہوا۔ سلطان احمد والی بغداد تیمور کے آنے کے پیشتر ہی بھاگ گیا تھا۔ تیمور نے اگرچہ قتل خلقا کثیرا، ثم امر کہ یاتیہ کل واحد برؤس من اھل بغداد فاخذ منھم رؤس جمعہا دامر ان یبنی منہا

ماذن علی سوق المنابر، وعجز بعض الجنود عن حمی برؤس الرجال فقطع رؤس النساء والاطفال"۔

شاہ عباس ۱۰۳۳ھ ہجری میں شاہ عباس ایرانی نے کئی دن کے محاصرے کے بعد خون کی ندیاں بہاکر بغداد کو فتح کیا۔

اسکے بعد ترکوں نے سلطان مراد کے زمانہ میں ۱۰۴۸ھ ہجری میں محاصرہ کرکے اس شہر کو ایرانیوں کے قبضے سے نکالا۔ جس شہر پر اتنی آفتوں کے بھونچال آئے ہوں اتنی مصیبتوں کی بجلیاں گری ہوں جس پر اتنے خونخوار اور جہاں سوز حملہ آوروں کے حملے ہوئے ہوں اُس شہر کی زینت وشان اسکی عظمت و بزرگی کس طرح قائم وبرقرار رہ سکتی ہے؟

طاہر کے محاصرہ اور امین اور المامون کی لڑائیوں نے قطربل، حربیہ اور مدینۃ المنصور کو لکدکوب کرکے ویران کر ڈالا تھا۔ المعتز کے زمانہ میں ترکوں کے آشوب اور شورش نے الشماسیہ اور الرصافہ کو خوان یغما بنا لیا تھا۔ اسکے بعد محمد شاہ سلجوق نے جو کچھ رہا سہا اس سب کی دھجیاں اُڑا دی تھیں۔ آخر ہلاکو نے ان دھجیوں کو آگ لگا کر اینٹ سے اینٹ بجا ڈالی۔

اب پرانے بغداد کا کوئی آثار موجود نہیں۔ کاظمیہ کے آس پاس کوسوں تک جابجا خاک کے ڈھیر پائے جاتے ہیں۔ یہاں پہلے قطربل تھا، حربیہ تھا، باب الذہب تھا، قبۃ الخضرا تھا، زبیدہ خاتون کی دار قرار تھی۔ ہارون رشید کا قصر الخلد تھا، عضد الدولہ کا مارستان تھا، طبی دار العلوم تھا، محفلیں گرم ہوتی تھیں، گلی کوچے میں جگنو سے چمکتے تھے جن میں چین و فرنگ کا حسن دھڑے سے تلتا تھا اور منوں بکتا تھا۔ باغ لہلہاتے تھے جن میں زلیخا اور ذات الخال جیسی مہوشان خرام ناز کرتی تھیں آج یہاں کوسوں تک قبرستان ہی قبرستان نظر آتے ہیں۔ گنجی گنجی کھیتیاں اُگ رہی ہیں ان گل اندامون کے بدن نسیم سحری کے جھونکوں سے میلے ہوجاتے تھے

جن پر درانزماؤں کے خوف سے زمین کانپتی تھی۔ آج اُنکی مٹی سے کمہار اینٹیں بناتے ہیں! نہ گورستانِ نشان گور، آج وہاں گنوار گدھے چراتے ہیں۔ صبا کی دوسری جانب جہاں الشماسیہ اور الرصافہ تھا، اور دار شجرہ، اور قصر ثریا آسمان سے باتیں کرتے تھے وہاں آج گیدڑ رہتے ہیں۔ اور وصول اُڑتی ہے۔ ع شے نامیوں کے نشاں کیسے کیسے

این الملوک الذین بنوا المدائن وحصنوها بالحیطان این الذین کانوا یعطون الغلبۃ فی مواطن الحرب قد تضعضع بہم الدھر فاصبحوا فی ظلمات القبور الوحا، الوحا، النجا، النجا۔

بغداد جدیدہ شہر بغداد کو اگر مجموعی اور سرسری نگاہ سے دیکھا جائے تو ایک خراب آباد ویران کدہ دکھائی دیتا ہے۔ شہر کے باہر نہ تو چلنے پھرنے کی کوئی سڑک ہے اور نہ تفریح کے لیے کوئی خیابان ہے۔ اُجاڑ بیابان ہے کوسوں تک قبرستان ہی قبرستان دکھائی دیتے ہیں۔ جہاں ہزاروں کی لاشیں دبی ہوئی ہیں۔ یہ گویا ایک شہر خموشاں ہے۔ جس میں سارے جہان کے مردے لاکر دفن کر دیئے گئے ہیں۔

شہر کے اندر مکان ٹوٹے پھوٹے ہیں۔ کچی اینٹوں کے بنے ہوئے۔ اُن کی ساخت میں پتھر لکڑی بہت کم دیکھنے میں آتی ہے۔ کہیں پر محراب ایک ٹانگ سے کھڑی ہے۔ کہیں مسجد جھک کر سربسجود ہو رہی ہے۔ بدرو اور موریوں کا نام نہیں۔ کوڑے کرکٹ کے انبار جابجا لگے ہیں۔ صفائی کا کوئی انتظام نہیں۔ کوئی ایسی عمارت نہیں جسکی خوبصورتی اور عظمت وشان کو ایک بار دیکھکر دوسری دفعہ اسکو دیکھنے کو جی چاہے۔ بازار تنگ ہیں۔ اوپر سے پٹے ہوئے ہیں۔ گلیاں پیچ در پیچ ہیں۔ دکانیں چھوٹی چھوٹی ہیں انھیں بازاروں کے اندر ہر ہفتہ سنیچر کے دن اندر کا اکھاڑا لگتا ہے۔ اور یہی رخان بغداد بصد کرشمہ و ناز سج دھج کر اصل بھلانے والے گلابی، دھانی، سرخی، نیلے پیلے ابریشمی لباس پہن پہن کر جھومتی جھامتی خرام ناز کرتی ہیں۔ یہ گل اندام خیابان بنی اسرائیل

کے کھلے ہوئے پھول ہیں جو چڑھتی جوانی کی بادِ نسیم سے جو بنے لگ گئے ہیں۔ اس گلزار حسن کی بہار میں لباسوں کی رنگا رنگی۔ گلابی رنگ کو خاص طور پر سہانا بنا کر دکھاتی ہے گلابی رنگ، گورے گورے بدن، اور لال لال گالوں کے ساتھ ملکر (جنکے بین کا نقشہ تفاحتان) اور موزوں ہوکر عجیب جوبن دکھاتا ہے اور خون کی ندیاں بہاتا ہے بقول شاعر

احمرت وجنیاتک کستلک ھذا   ام انت صبغتہ بدم القلوب

بازاروں میں جابجا قہوہ خانے ہیں۔ جہاں بنچوں پر بیٹھے ہوئے ترک، عرب، عجم دن بھر حقے کے دم لگاتے اور قہوے کے فنجان پیتے ہیں۔ کہیں ایک سوگند "آہو خرام" سیاہ لباس پہنے سر پر پانی کا گھڑا اٹھائے نیگسٹ سے چلی آرہی ہے۔ اگو اُس نے "جبہۃ قمر" الدجبین انبر" کو آنچل کے اوٹ میں چھپایا ہے۔ مگر نینوں کی کٹار آنچل کو پھاڑ کر "تاخذ القلوب بعارفہ" کھیل۔ یہ بنی عباس کی یادگار ہیں جو خلافت عباسی کے غم میں ابھی تک ماتمی لباس پہنے ہیں۔ بغداد ان کو زبان حال سے کہتا ہے ؎

تو بلک مثل شعرلک مثل بخت   سواد فی سواد فی سواد

شہر دریا کے دونوں کناروں پر آباد ہے۔ اور ان دونوں حصوں کے درمیان کشتیوں کے دو پل بنے ہوئے ہیں۔ آہنی کنارے والے حصہ میں کہیں کہیں پرانے حمام اور مکان لب دریا پائے جاتے ہیں۔ یہاں سے ٹریم لائن لب دریا کاظمیہ کو جاتی ہے۔ کاظمیہ شہر سے پانچ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہ مسلمانوں کے لیے زیارت کی جگہ اور بلاکشان محبت کے لیئے تفرج گاہ ہے۔ کاظمیہ کو جاتے ہوئے رستہ میں ایک بڑا بھاری قبرستان ہے۔ جسکے درمیان حضرت معروف کرخی رح کی زیارتگاہ ہے۔ یہ ایک معمولی چھوٹی سی عمارت ہے۔ معروف کرخی کے مغرب میں چند قدم کے فاصلے پر زبیدہ زوجہ ہارون رشید کا مزار ہے۔ مگر جسکے اوپر کوئی نام یا کتبہ لکھا ہوا موجود نہیں۔ جنوب کیطرف چند قدم دور حضرت منصور حلاج کی خوابگاہ ہے۔ بغداد کا شرقی

یعنی دریا کے بائیں کنارے والا حصہ بہت بڑا ہے۔ اِسکا طول شمالاً جنوباً دو میل سے کچھ زیادہ ہوگا۔ اور عرضاً شرقاً یعنی سب دریا سے باب سطانی تک دو میل سے کچھ کم ہوگا۔ متمول لوگوں اور تاجروں کے مکانات دریا کے کنارے کنارے پانچ چھ میل تک پیچھے باغ چلے جاتے ہیں ◆

شہر کے گرد کسی زمانہ میں شہر پناہ اور خندق تھی۔ خندق ابھی موجود ہی مگر شہر پناہ کا فقط نشان باقی ہی جسکو شہر والوں نے قبرستان بنالیا ہی۔ آدھے سے زیادہ شہر کا حصہ غیر آباد اور صاف چٹ میدان ہی۔ جہاں بجائے زندوں کے مُردوں کی رہایش ہی۔ شمال میں قلعہ ارک ہی اور اسکے پاس ہی باب معظم ہی۔ باب معظم اسکا نام اسلیئے ہی کہ یہاں سے ۳ میل دور دریا کے کنارے امام ابو حنیفہ رح کی قبر ہے۔ شہر پناہ کے مشرق میں قبروں سے گھرا ہوا باب سطانی ہی۔ یہ دروازہ باب خراسان کی یادگار ہی۔ دروازہ تو گر چکا ہی۔ فقط ایک آدھ محراب کھڑی ہی۔ علی ہذالقیاس جنوب کی طرف پُرانی دیوار کا چند گز ٹکڑا باقی ہی۔ یہاں کسی زمانہ میں باب شرق تھا ◆

حال میں ناظم پاشا والی بغداد نے شہر کے بیچوں بیچ شمالاً جنوباً ایک سیدھی سڑک بنوائی ہی جسکا نام الشارع جدید ہی۔ اِس سڑک کے بنانے میں بہت سے بازار توڑنا اور مکان گرانا پڑے۔ کسی کی آدھی دیوار گرائی گئی ہی اور کسیکا چوتھا حصہ جس سے شہر کی ویرانگی اور خستہ حالی عریاں ہو کر انگریزوں کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتی ہی ◆

الشارع جدید کے مشرق میں اور شہر کے جنوبی کونے میں حضرت عبدالقادر گیلانی رح آرام کرتی ہیں یہ قادریہ فرقہ کے بانی اور صوفیہ کے قطب مانے جاتے ہیں ◆

بغداد کی آبادی ۲ لاکھ سے زیادہ ہوگی جسمیں یہود و نصاریٰ کا بہت بڑا حصہ ہی باقی ترک عجم، کُرد وغیرہ ہیں ◆ بدنصیب بغداد! خدا جانے تو نے کس منحوس گھڑی جنم لیا تھا۔ یا تو آفت عباسی کی خونریزیاں تھیں یا بیچارے یتیموں اور بیواؤں کی آہوں کے شرر تھے جس نے تیرے خانمان میں آگ لگا کر تیری ہستی کو خاک میں ملادیا۔ تیری بیکسی اور پریشان حالی پکار پکار کر تباہی و لہ صدیاں خلافت عباسی ماتم میں ابھی تک نالاں اور پریشان حال ہی تیرے ہر ذرہ خاک پر لکہا ہی۔ کُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ◆ (الناظر)

(ڈاکٹر) مولا ناتھ۔ لفٹننٹ کرنل۔ آئی ایم ایس
(از میسوپوٹیمیا)

رباعی

مجرم و عاصی و خاطی و گنہ گار ہوں میں
کثرت جرم و معاصی سے سیہ کار ہوں میں
دوسرا کون سوا تیرے ہے رحمٰن و رحیم
میرے مولیٰ تری رحمت کا طلبگار ہوں میں

رسا ہمدانی گیاوی

رشحات اکبر

جھکا کر سر کو سجدہ میں جو اپنے دل میں پہنچے ہیں
نہ پوچھو وہ کہاں پہنچے ہیں کس منزل پہ پہنچے ہیں

ادھر تصویر غفلت ہے ادھر تاریخ عبرت ہے
وہ پیرس کو گئے ہیں اور ہم بابل میں پہنچے ہیں

نہیں معلوم کیا مقصود ہے کس سمت جاتے ہیں
زمانہ میں مچا ہے شور ہم بھی غل مچاتے ہیں

چو خلق بہر کرسمس بہ دیار رفتند
بلاکشان ترقی بہ لکچر رفتند

مذہب کے یہ مباحث نکلے ہیں ہسٹری سے
انکو ہے کیا تعلق وحدت کی مسٹری سے

یہ جتنے ذرے جہان فانی کے ہیں انکو نہیں چین گردیں
خدا کی ہستی کے سب ہیں شاہد اور اپنی ہستی سے بے خبر ہیں

خیال فطرت ہی ان کو رستا اور اس سے فارغ تو محو حیرت
وجود پاکر کہیں وہ دل میں کہیں زباں میں کہیں نظر ہیں

طریق ادراک میں ہیں سب گم کہاں کے وہ اور کہاں کے ہم تم
نشان منزل کہیں نہیں ہے مدام صرف رہ سفر ہیں

حواس کچھ نیک کام کرلیں کہ جیب و دامن کو ان سے بھرلیں
مئے معانی کی حد نہیں ہے اگرچہ الفاظ مختصر ہیں

عبث اس زندگی پر غافلوں کا ناز کرنا ہے
یہ جینا کوئی جینا ہے کہ جس کے ساتھ مرنا ہے

بہت دشوار ہے شائستہ راہ طلب ہونا
نظر کا حد میں رہنا شوق دل کا باادب ہونا

تڑپنے کا سلیقہ کیوں کیا تھا ثابت اس دل نے
تعجب کیا ہے اب ہے مصیبت منتخب ہونا

بقیہ صیغے بھی ماضی بنینگے حال کے بعد
رہا جو زندہ وہ دیکھے گا تیس سال کے بعد

اکبر (الہ آباد)

نظام المشائخ

نمبر ۲ | بابت ماہ شعبان المعظم سنہ ۱۳۴۲ھ | جلد ۲۱

فہرست مضامین

تصنیف مصور غم **شام زندگی** علامہ راشد الخیری

زندگی کی بہار ہندوستان میں صدیوں سے خزاں رسیدہ کہی جاتی ہے خلقت جی رہی ہے مگر مرنے سے بدتر ہے۔ جینے کی بنیاد گھرداری پر ہے اور گھرداری عورت کا دوسرا نام ہے۔ عورت کی حالت یہ ہے کہ وہ اپنی آدمیت کا شعور رکھتی ہے نہ زندگی کا مطلب زیست کو سمجھتی ہے۔ مرد روتے ہیں عورت حیوان ہے۔ عورت کہتی ہے مرد نادان ہیں نہ انکو صبح زندگی کی خبر نہ شام حیات سے سروکار۔ مولانا راشد الخیری [illegible] صبح زندگی کا [illegible] کہ حق زندگی ادا کرتے ہوئے جینے کی ابتدائی بہاریں ہوتی ہیں عورتوں نے مردوں نے جو اس خاکہ کا جس کا نام صبح زندگی تھا دیکھا پڑھا تو معلوم ہوا کہ زندگی شروع کرنے کو سب کو یہ طریقہ اختیار کرنا چاہیے جو کتاب صبح زندگی میں ہے۔ مولانا راشد زندگی کو دوپہر کی دھوپ میں چھوڑ کر چپ ہو گئے تو ہند کے چاروں کونوں سے آواز آئی کہ زندگی کو شام تک پہنچاؤ اور بیچ میں نہ چھوڑو انہوں نے قلم برق رقم پر انگلی رکھ دی اور شام زندگی چمک کر نمودار ہو گئی۔ شام زندگی کتاب صبح زندگی سے زیادہ لاجواب ہے۔ عورتیں اس کتاب کو پڑھ لیں تو ان کو اپنی زندگی کا مزا بھی آ جائے اور مردوں کی زندگی بھی بہشت بن جائے۔ شام زندگی ایک دلچسپ قصہ ہے۔ درد و غم کا افسانہ ہے بے نظیر اردو کا نمونہ ہے جو پڑھے ہنسے روئے مزے لے اور پھر پڑھے پھر سوچے اور بے اختیار ہو کر پھر پڑھے۔ کسی طرح جی نہ بھرے۔ یہ عجیب جادو اس کتاب میں ہے [illegible] تاثیر کی یہ حالت ہے کہ پڑھنے والا اپنے [illegible] تصور کرتا ہے [illegible] زندگی کے نقص محسوس کرتا جاتا ہے اس کی اصلاحات کی تدبیریں [illegible] ہے یہ داستان [illegible] نے [illegible] ہے [illegible] شام زندگی ہر گھر میں زندگی پیدا کر دے گی اسکو پڑھ کر عورتیں اپنے بھولے ہوئے فرائض جان جائیں گی اور انگوٹھی کے نگینوں کی طرح نیک بیویوں کی مانند اور سلیقہ مند گھر والی کی مثل خاوند کا دل موہ لیں اور سارے کنبہ اور سارے شہر ساری قوم اور سارے ملک کی داد و واہ حاصل کرتا آ جائیگا۔ لیکن شام زندگی عورتوں سے زیادہ مردوں کو مفید ہو گی۔ کیونکہ مرد اگر عورتوں کے طریق [illegible] جذبات [illegible] زندگی اس کا نام ہے شام زندگی مولانا راشد الخیری کی بہترین تصنیف ہے۔ شام زندگی اردو ادب کی لاجواب تصنیف ہے۔ شام زندگی اصلاح معاشرت کی [illegible] زندگی [illegible] کی حیثیت کا ثبوت ملتا ہے آپ خریدیئے گھر کے لیے منگائیے بچوں کو [illegible] دیجئے [illegible] زندگی کو نمونہ بنائیے دیکھئے اس کتاب کا جیتا جاگتا [illegible] اس کتاب کے پانچ ایڈیشن قریباً ختم ہو چکے ہیں۔ قیمت [illegible]

المشتہر منیجر [illegible] دہلی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیہم ولا ہم یحزنون

نظام المشائخ

رسول مدنی

صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ

کانو فی سحرہم البدر فی شرف والبحر فی کرم والدہر فی ہممہ

بعض یورپین مورخین نے جو خیالات ذات پاک رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ظاہر کیے ہیں یہ مضمون انکا خاکہ ہے وہ آداب جو ایک مسلمان مورخ اپنی تحریر میں ملحوظ رکھتا ہے اُنسے شاید یہ مضمون کچھ متفاوت ہو۔ لیکن مضمون کی روح کیا ہے؟ اسپر غور فرمائیے،

محال ہے ایسے شخص کی نظیر ملنا جسے اگر اللہ کی قدرت کاملہ کا کامل ترین نمونہ کہیں تو بالکل بجا ہے۔ وہ شخص جسکے احوال ایسے ناقص اور ناگوار کہ اگر کوئی دوسرا ان حالات میں پایا جاتا تو اسکے لیئے نام و نمود کا کسی کو گمان نہو سکے! ہم نے اُس شخص کی بابت بار بار کہا ہے کہ نہ تو اُسے والدین کی محبت کا کوئی مزہ ملا۔ اور نہ اسکی ابتدائی زندگی کچھ امید افزا حالات میں گزری مگر آج دنیا نے دیکھ لیا کہ وہ کون تھا۔ اگر انسان تھا تو اُسمیں انسانیت

بدرجہ اکمل موجود تھی، یا یہ کہ وہ انسانیت سے بھی کوئی ارفع ترشئے اپنی ذات میں پنہاں رکھتا تھا کیا ایسے بھی انسان دیکھے گئے ہیں جنہیں نہ کوئی تربیت کرنے والا اور نہ طفولیت کی شوخیوں سے منع کرنے والا، مگر اسپر بھی وہ سب کچھ نیک و بد سمجھتے دیکھتے ہیں۔ اور اپنے بھولے پن ہی کے زمانے سے ایک جوہر ایسا رکھتے ہیں جو گمراہ بھی نہ ہونے دے اور سارے عالم کے راز آنکھوں کے سامنے کھولدے؟ اُسکے کان ہر دردرسیدہ کی فریاد سننے کے لیے اور اُسکا دل ہر کمزور آفت زدہ کی ہمدردی کرنے کو ہمیشہ وقف تھا۔ وہی تھا ایک سچا دوست، ایک فرض شناس شوہر، اور پھر ہم بالآخر یہ ماننے پر مجبور ہیں کہ وہی تھا جس نے ایک قوم کو ابھارا، نہیں نہیں، بلکہ ایک دنیا میں ایک اصلاح کی روح پھونکدی انقلاب کردیا، وہ بھی ایسا انقلاب کہ خواہ اُسکے آثار رفتہ رفتہ زائل بھی ہوتے ہیں مگر اُسکا افسانہ ایک مادی قوت سے کبھی خالی نہوگا۔ کیونکہ دنیا پر جیسی کچھ گزری وہ کوئی کیفیت تو تھی نہیں کہ چند بیکر طاری ہوتی۔ اور پھر گم ہوجاتی۔ مگر یہ کہ وہ ایک قوت تھی اور بہرصورت ایک قوت تھی۔ ایک عظیم الشان قوت جسکے مظاہر کا نقش فرش زمین پر اسقدر گہرا ہے کہ اُسے مٹتے مٹتے بھی صدیاں لگیں گی +

آثار تمدن وتہذیب کی نمود ایک وحشی قوم میں، پھر اُن کا نشو ونما، اور آخرش انتہا کی ترقی صرف چند سال کے اندر ہی اندر کتنی حیرت کی بات ہے؟ +

اُس بزرگ کا دل تھا کہ ہزار بار کبیدہ ہوتا مگر نا امید نہوتا، بلکہ اس دل کی مسرت اور آرزو یہی رہی کہ اپنے ہم قوموں کی اصلاح کرے۔ اور اُنکی بہبودی کے لیے ہمیشہ دست بدعا رہے۔ یہ تھا خدا کے رحم پر ایمان اور اُسکی مدد پر اطمینان جسنے بہت سے صاحبان ... کو اللہ کے رسول کی طرف مائل کردیا۔ اور جب اللہ نے سخت سے سخت امتحان کیا تو ... کو بھی اپنے رفقا کی آزمایش کا موقع ملا اور نتیجہ یہ معلوم ہوگیا کہ رسول اپنے رفقا کے حق میں ایک ... شناس ... جو ... کی خیر ... تھا +

مدینہ چونکہ خدا کے نور سے منور ہے، اسکے کئی نام ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ شہر عمالقہ کے ایک گروہ نے آباد کیا تھا اور اسے یثرب کہتے ہیں۔ یہی لوگ اسکے اطراف میں آباد ہو گئے۔ مگر یہودیوں نے جب حجاز کو اپنی نوآبادی بنانا شروع کیا تو ان لوگوں کو غارت کر دیا۔ یہود جب بابل، یونان، اور روم کے مظالم سے تنگ آ گئے تو عرب جا کر پناہ گزیں ہونے گئے۔ بلکہ اپنا قبضہ جمانے لگے۔ یہودیوں کے بڑے گروہ میں سے ایک قبیلہ تھا بنی قینقاع، اور یہی قبیلہ یثرب پر قابض ہوا۔ اور رفتہ رفتہ اپنے گرد و نواح کے عربوں پر حاوی ہو کر ایک طرح کی حکومت کرنے لگا۔ آخر میں یثرب کی آبادی میں دو علاقی قبائل شامل ہوئے جو پہلے تو محکوم ہی سمجھے گئے لیکن آخر میں اپنے حاکموں پر غالب آ گئے پھر ایک مدت تک خانہ جنگی میں مصروف رہے۔ یہاں تک کہ پیغمبر اسلام نے اپنے وطن مکہ میں اپنی پیغمبری کا اعلان کر دیا۔

یہ یثرب کی سیاسی شکل تھی۔ جب نبیؐ کی تشریف آوری یثرب میں ہوئی آپس کی خانہ جنگیاں اخوت دین نے فنا کر دیں۔ اور سب یک زبان ہو کر نبیؐ ہی کا کلمہ پڑھنے لگے اور اس قدر متحد ہوئے کہ جمہوریت اسلام کی بنا قائم کرنے کی جد و جہد میں اپنی جان تک سے دریغ نہ کرتے تھے۔ باہمی اختلاف بالائے طاق ہو گئے، اور ہر فرد یثرب کی آبادی کا جسکے سینے میں ایک شریف دل تھا آمادہ ہوا کہ ہم اللہ کے پیغامبر کی مدد کریں، اور انصار کے معزز گروہ میں ہمارا بھی نام ہو۔

انصار اور ان شریف نفس محبان رسول کو متحد کرنے میں جو رسول کریم کے ساتھ ترک وطن کر کے آئے تھے بڑی دقتیں تھیں، اور وہ کچھ اس قسم کی تھیں جیسے دو رقیبوں کو باہم ملانے میں ہوتی ہیں۔ یہ کچھ پیغمبر ہی کا اخلاق تھا جس نے اس مقصد میں آپ کو کامیاب کیا۔

اب یثرب نے اپنا نام بدلکر مدینۃ النبی یا مدینۃ الرسول رکھا جسے اختصار

کے لیے مدینہ کہا جاتے ہیں۔

ایک مسجد بننا شروع ہوئی جس میں دنیا کے پاک ترین ہاتھوں نے اور شریف ترین نفوس نے کام کیا۔ اور اسی کے متصل [illegible] دو یتیم بھائی تھے جنہوں نے مسجد کے لیے اپنی زمین نذر کی مگر [illegible] نے زمین کو بلا قیمت لینا مناسب نہ خیال فرمایا [illegible] ہی مگر اللہ اس مسجد کی عزت جانتا ہے [illegible] گارے اور اینٹ کی تھیں [illegible]

[illegible]

[illegible] جو [illegible] چھوڑ مرتا ہے [illegible] اسکے نیک اعمال پوچھیں گے [illegible] اسنے کیا چھوڑا مگر فرشتے جو قبر میں امتحان [illegible] ان کو [illegible] سے اچھے اعمال کیے تھے۔

[illegible] ماں وفات کر گئی ہے میں کونسی خیرات [illegible] آب تھا" پانی کا ایک کنواں کھود [illegible]

[illegible] کسی کی برائی نہ کرنا" مگر سبق لینے والا بھی [illegible] سے کسی کو جھگڑا کا تک نہیں، چاہے آزاد ہو [illegible] سب کچھ تلقین اسلام میں شامل ہے۔

[illegible] کے وقت بھی [illegible] دوستوں، شناساؤ [illegible] سلام کرے [illegible]

[illegible]

اور عربی قوت کا پیدا ہونا۔ پہلی نظر میں تو ان سب کی علت خاص کر سیاسی مہمات کا سر ہونا، چند لڑائیاں اور بیرونی حملوں کے نتائج میں پنہاں معلوم ہوتی ہے۔ مگر ان واقعات کا دوبارہ بغور مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت کھل جاتی ہے کہ ظاہری اسباب کی تہ میں اصلی سبب بھی نہاں ہے۔ اور وہ سبب بجز اس بڑھنے والی قوم کے خیالات میں انقلاب کے اور کچھ نہیں ہو سکتا "

یہ تعلیم نبوی تھی جسنے وحشیوں کی سطح خیالات کو اسقدر بلند کر دیا کہ اُن میں تمدن و تہذیب کی صلاحیت، حکومت کرنے کی قابلیت اور باہمی تعلقات بڑھانے کی استعداد پیدا کر دی۔ (النظامیہ)

ترقی نفس

حقیقت الٰہیہ کی پرنور شعاعیں جب عجلۂ انزوا سے باہر پھیلنے لگیں اور اطلاق بحت کو تعینات خلقی کا رنگ ملنے لگا تو اس سلسلۂ تکوین و تکوین میں ایک پرکبریا پرنمود شعاع نے عجیب جامہ برزخی اختیار کیا۔ وہ ایک طرف تو ملکوتی شان قدوسی سے پوری پوری متزین ہوئی۔ اور اس جہت سے پورے دائرہ قدس کا حاطہ کر بیٹھی۔ عالم ارواح کے احقر ترین ذرۂ ملکی سے لیکر ذات مطلق کی اعظم ترین ہستی منزہ تک اسکی چاردیواری حقیقت میں داخل تھی۔ دوسری طرف حیثیت ناسوتی کو بکمال خلعت بدن بنایا۔ اور اس تشخص میں پورے عالم کون و فساد کی مالک ہوگئی۔ ہیئت عظیم نظامات شمسی سے لیکر ناسوت کے ایک ایک برگ کاہ تک اسکی وسعت تسلط کے زیر نگیں ہوگئے۔ اس عجیب و غریب جامعیت نے اسکو تطورات وجود کا نہ بوالعجب مجمع شیون بنادیا کہ عقل حقیقت جو اس کی اکتناہ حقیقت میں حیران ورہ گئی اور منظر تماشا میں اسکی سیر بصیرت بخش سے عاجز ہوگئی۔ یہ پیکر اعجوبہ زار تعین نفسی ہے۔ نفس کے دو مرتبے یا اسکی دو قسمیں ہیں۔ نفس کلی، نفس جزئی۔ حقیقت محرزہ بالا زیادہ تر نفس کلی کی تصویر ہے۔ مگر بالواسطہ نفس جزئی بھی اس آئینہ کا عکس جلوہ نما ہے۔ کیونکہ تعین کا صرف ایک ہی بند ٹوٹنے کے بعد نفس کلی و نفس جزئی کی امتیازی حدود ٹوٹ جاتی ہیں۔ اور پھر دونوں ناموں کا صرف واحد مصداق رہ جاتا ہے۔

اس حیثیت اتحادی کو ملحوظ رکھتے ہوئے نفس کلی کا لفظ اختیار کرو خواہ نفس جزئی کا لفظ بولو۔ مراد واحد ہے۔ اور واضح ہو کہ یہاں مراد نفس انسانی ہے تعین مراد کے بعد یہ بحث از سر نو کھڑی ہوسکتی ہے کہ آیا حقیقت معہودہ و وسعت

مذکورہ کا واقعی محل ہے یا نہیں اور اگر ایجاب کا دعوٰے کیا جائے تو اس پر کوئی حجت
شرعی موجود ہے یا نہیں۔ فیصلہ نہایت آسانی سے شق ایجابی کے حق میں ہے
اور حجت شرعی۔ علاوہ تصوف کی مسلمہ شہادت کے جو عطر و روح شریعت ہی خود قرآن
پاک ہے۔ قرآن پاک نے نفس انسانی کی اس وسعت کی بالکنایہ خبر اس کی تقسیم کے پیرایہ
میں دی ہے۔ جس کے اقسام مشہورہ، نفس امارہ، نفس لوامہ، نفس مطمئنہ ہیں۔ اور
نفس امارہ و مطمئنہ کی حدود بیان فرما کر اس کنایہ کی تصریح کر دی ہے۔ نفس امارہ کو متصرف
فی السوء بتا کر نفس کی ایک سرحد عالم حیوانیت قرار دی ہے۔ اور نفس مطمئنہ کو جنت
الٰہیہ (جو ذات بحت سے کنایہ ہے) کا مقیم و واصل کہہ کر نفس کی دوسری سرحد عالم
قدس کا سب سے رفیع نقطہ ٹھیرایا ہے۔ کیا اس حجت قویم کے بعد بھی کسی اور دلیل کی حاجت
ہے۔ فبای حدیث بعدہ یؤمنون٭

الغرض نفس انسانی وہ ہیولائے عجیب ہے جس میں کون کی تمام صورتیں جمع ہیں
اور جو متضادات کا شگرف مجموعہ ہے۔ اس جسم کی حقیقت کی ترقی و تنزل کا سمجھنا بھی
اتنا ہی شگرف ہوتا ہے [illegible]
ہیں، مد و جزر کوئی مفہوم واقعی نہیں رکھتا پھر بھی نفس الامر یہی ہے کہ مد و جزر ہے
اور نہایت نمایاں ہے، یہ بات اسی نکتہ غامضہ کا حل ہے [illegible] فطرت نفس یا دوبد
ذوجہتین اور جامع علویت و سفلیت ہونے کے جس نے لطائف مراتب کم و بیش
اصل حقیقت سے منقطع کر دیا ہے۔ ایک پہلو سے عروج و زوال رکھتی ہے۔ اور عجیب
نکتہ ہے کہ اسی حیثیت جامعیت [illegible] عجیب پہلو ہے۔ تو نتیجہ یہ ہے کہ [illegible]
[illegible] فی نفس الامر [illegible] جامعیت کے ساتھ [illegible]
کی مطابقت [illegible] جو اتفاق [illegible]
حقیقت سے تعلق رکھتے ہیں۔ [illegible] جامعیت کے نفس الامر [illegible]

باوجود یا ماہیت کا ادراک یا اسکے ساتھ صحیح آشنا نہو اور یہ فلسفہ عامہ کا بدیہی
مسئلہ ہے کہ کسی شئے کا عروج وزوال دراصل اسکی حقیقت کا انحراف یا حقیقت
سے جہل و عدم اعتنا ہی کا نام ہے۔ جہاں صورت اول نہیں سکے ہاں ثانی مقام
صورت ثانی ہے۔ اس قاعدہ عامہ کے مطابق نفس کے عروج وزوال کی حقیقت اسکی
ماہیت کی مراعات و عدم مراعات میں ڈھونڈھنی چاہیے۔ جامعیت تو ہر حال
میں شامل ہے لیکن یا بغیر [illegible] ایسے ہو سکتے [illegible] یا [illegible] وصف ترشیح
کا علم کلاً یا جزئاً مشتبہ ہو یا حقاً اس کے ساتھ اعتنا نہ ہو [illegible] حالات کا نام تنزل
نفس ہو سکتا ہے۔ [illegible] ایسی حالت بھی ہو سکتی ہے کہ بالعکس نفس الامری توافق پیدا
ہو [illegible] جامعیت نفس الامری طرح دائرہ علم وعمل میں بھی [illegible] ہو۔ [illegible] نفس جامع
جامعیت کا [illegible] پاسکے کامل [illegible] ہے ایسی حالت کا [illegible] ترقی [illegible] کہی جاسکتی ہے
یہی وہ مقام ہے۔ جہاں ظاہر و باطن کی امتیازی حدیں ٹوٹ جاتی ہیں۔ جہاں
ناسوت و لاہوت کی تفریق ختم ہو جاتی ہے۔ جہاں کثرت شرف وحدت سے بدل
جاتی ہے۔ جہاں عالم تعینات اطلاق محض رہ جاتا ہے۔ نفس امکانی نفس یقینی نفس
جزئی نفس کلی اور نفس بشری نور نفس الٰہی بن جاتا ہے۔ یہی مقام جنت آدمیہ کا
[illegible] ہے جو انسانیت کا ایسے لیے مہیا کیا گیا ہے۔ اور یہی تصوف ہے یا واللہ کی قیامگاہ
[illegible] جو مردان خدا کے لیے مخصوص کر دی گئی ہے۔ یہیں تنزلات کے [illegible]
[illegible] جاتے ہیں۔ اور یہیں تشبیہات سے [illegible] حدود ملائے جاتے ہیں۔ یہیں
عرفان [illegible] کی تکمیل عطا ہوتی ہے۔ اور یہیں سے عرفان الٰہی کا بہتا ہوا سوتا نکلتا
ہے۔ یہیں وہ نظر وسیع ملتی ہے جس سے عالم موجودات حقیقت واحدہ دیکھا جاسکتا
ہے۔ اور یہیں وہ ظرف عالی بہم پہنچتا ہے جو خلق وامر کی متضاد حیثیات کو اور ملکوت
[illegible] ناسوت کے متعارض مقتضیات کو یکجا کرنے پر شان قدرت پاتا ہے۔ اسی مقام

نفس کاملہ کو حقیقت آلہیہ سے یوں خطاب کیا۔ یا ایتھا النفس المطمئنہ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ۔ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی۔ اسی مرتبہ کی تعبیر زبان قرآن نے فلاح وتزکیہ سے فرمائی۔ قد افلح من زکٰہا اسی نقطہ کو زبان نبوت نے نفس ورب النفس کے اتحاد کا موقع قرار دیا۔ اور ایک کا عرفان دوسرے کا عرفان ٹھیرایا۔ من عرف نفسہ فقد عرف ربہ مبارک ہے وہ انسان جو عزت کی اس معراج رفیع پر قبضہ پائے۔ مبارک ہے وہ انسان جو اس وادی ایمن کا سیاح بنائے جائے۔ مبارک ہیں وہ کان جو اس بیابان وحدت میں ایک ایک زبان شجر سے نعرہ انی انا اللہ کی شنوائی کریں۔ مبارک ہیں وہ آنکھیں جو ایک ایک قالب شجر میں تجلائے الوہیت کا تماشا کریں۔ مبارک ہیں وہ زبانیں جو اس مقام کی حدیث وصل سے لذت یاب و شیریں کام ہوں۔ مبارک ہیں وہ دل جو اسکے تخیل وداد انگیز سے ہر وقت سرور وطرب آموز ہیں۔ مبارک ہیں وہ پاؤں جو اس راہ حقیقت کے لیئے اٹھیں مبارک ہیں وہ ہاتھ جو اس دولت لازوال کی طرف بڑھیں۔ نامبارک ہے وہ شخص جو اس خزانہ سرمدی سے بے پروا اور اس نزہت گاہ ابدی سے فارغ البال ہو۔ وہ آنکھیں اندھی ہیں جو سب کچھ دیکھنیں پر ایک جو دیکھنے کی چیز ہے اسی کو نہیں دیکھتیں۔ وہ کان بہرے ہیں جو سب کچھ سنتے ہیں پر نہیں سنتے جو سننے کے قابل ہے۔ افسوس ہیں وہ دماغ جو سب کچھ سوچتے ہیں اور وہی ایک نہیں سوچتے جو سوچنے کی چیز ہے۔ مختوم ہیں وہ دل جو اسی یاد سے فارغ ہیں جو تمام یادوں کی جان وایمان ہے۔

آہ۔ بدبخت انسان تو کیسا جہالت کا پتلا۔ سفاہت کا پیکر۔ دنائت کا ہیولے اور سفلیت کا مجسمہ ہے کہ جو کچھ تجھ میں ہے تو اسی سے غافل اور جو کچھ تیرے لیئے ہے۔ اسی کا معاند ہے۔ تجکو علو دیا گیا ہے۔ پر تو سفلیت سے ہم آغوش تجھے

عزت و بزرگی۔ پر تو ذلت و نکبت سے ہمدوش ہے۔ تو عین وسعت ہی پر سراپا تنگی
ہو رہا ہے۔ پھر اس نشہ میں مست ہے۔ گویا تنگی ہی تیری وسعت ہے۔ تو عین انقیاد
سے پچسپہ عجز ہے۔ پھر غرور عجز میں قدم زمین پر نہیں پڑتے۔ گویا عجز ہی تیرا اقتدار ہے
تو ملک تھا پر اب شیطان ہے۔ تو عرش تھا پر اب فرش ہے۔ تو پوری کائنات کو
پر خود کو ذرہ بے مقدار سمجھا تو پھر تو ذرہ بھی نہ رہا۔ تو عین وجود سے پر بزعم خود عدم ہے
اور اب عدم سے بھی سوا عدم العدم ہے۔ غرض تو سب کچھ تھا۔ پر اب کچھ نہ رہا کیونکہ
کچھ نہ ہونے کو تو نے حصہ قسمت بنا لیا۔ تو نے نعمت وجود کی ناقدری کی۔ خلعت اعتبار
کو ٹھکرا دیا۔ تو پھیلایا گیا مگر سمٹا۔ تو اونچا کیا گیا مگر نیچا ہوا۔ تجھے تاج و تخت دیئے گئے مگر
تو نے بوریا چاہی۔ تجھے باغ و قصر عطا کیے گئے۔ مگر تو نے کھنڈر اور ویرانے ڈھونڈے
اور یہ سب کچھ ہمت آموز فنا۔ اور خراب کش قدوسیت کی نیت سے نہ تھا کہ یہ حیات
بخش فنا عین بقا اور یہ مسکنت وہ ذلت میں عزت ہے۔ بلکہ ہوس آمیز کاہلی اور حرص
آشنا تعطل کی جہت سے تھا۔ گویا قناعت میں حرص تھی اور فدویت عین تمکنت
پس تیری معکوس طلب تیرا طائر عشق بنا دیا گیا۔ اور تیری غلط نیت تیری تحریر تقدیر
تقدیر کر دی گئی۔ تو نے گرنا چاہا گرا دیا گیا۔ تو نے ویرانی پسند کی ویران کر دیا گیا۔
الغرض جو کچھ کہ تو تھا جب تو نے وہ نہ رہنا چاہا تو جو کچھ کہ تو نے چاہا وہ کر دیا گیا یہی
ناموس قدرت ہے۔ جسکو تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ اور جسکو نقص جھانک نہیں سکتا لیکن
ماہیت بالکل منقلب نہیں ہوتی۔ ہاں منکسر ہوتی ہے۔ پس عین اس عالم انکسار
میں بھی جبکہ چہرے کے خط و خال مٹ چکے ہیں اور نشانات امتیاز رخصت
ہو چکے ہیں۔ انبار خاک میں شرارہ آتش پوشیدہ ہے۔ اور تصویر شکستہ میں جوہر منزلت
پنہاں ہے۔ نگاہ بصیرت دیکھ رہی ہے کہ میری اس بدلی ہوئی صورت میں بھی قدیم
ماہیت کا جوہر جھلک رہا ہے تو اب بھی تو ہے جبکہ تو تو نہ رہا۔

تو سب کچھ ہے عین اُس وقت جبکہ ہیچ ہے۔ فطرت حکیمہ نے تیری جڑ کھود نے نہیں دی۔ تیرا عنصر مٹنے نہیں دیا۔ تیرے پاؤں کاٹے نہیں گئے۔ نہ راہ مسدود کی گئی۔ تیرا ارادہ تجھ سے چھینا نہیں گیا۔ نہ چو لانگاہیں بند ہوگئیں۔ مرغ اوج گرا۔ فضائے آسمانی اب بھی تیرے کشادہ ہے۔ اور کنگرۂ فلکی اب بھی تیرا منتظر۔ پر و بال ہمت پھیلا۔ اور ارادہ پر واز گرم کر۔ دیکھ کہ پھر تنگی وسعت بنجاتی ہے۔ پستی بلندی ہوجاتی ہے۔ ذرہ آفتاب ہوجاتا ہے۔ قطرہ بحر بن جاتا ہے۔ پھر شیطان لعین فرشتہ علیین ہے۔ فرش زمین عرش بریں ہے۔ پھر تیری چوکھٹ سجدہ گاہ خلائق۔ اور تو مسجود کائنات ہوجائے گا۔ اور تو وہ ہوجائے گا جو تجھے ہونا چاہیے ظالم انسان، جاہل انسان، کفور و غافل انسان۔ کیا تیرے لیے یہ ہے کہ تو اس تنبیہ پر کان لگائے، اس چیخ کو سنے۔ اور ایک تہ کر ہمت کسکر خود کو بدلے۔ کیسے تیئے ضبط پاؤں پر کھڑا ہوجائے ۔

نفس ہر وقت حقیقت واسعہ ہے۔ وہ فی نفسہ کبھی سمٹا اور چھوٹا نہیں ہوا البتہ تنگی تخیل گلوگیر ہے۔ جس نے ادراک کو تنگ اور چھوٹا کر دیا۔ ضابطہ اصلاح یہ ہے کہ سد ادراک کو قوت تزکیہ سے توڑ اور منجمد وہم کو حرارت دلوں سے پگھلا ڈے کہ دیوار گر جائیں صحن خانہ فلاۃ واسعہ بنجائے۔ یخ بامدہ بہ نکلے۔ اور تودے کی جگہ دریا لہرانے لگے۔ حجاب غیریت دیوار حصار ہے۔ توڑنے والا بیلچہ یقین وحدت ہی۔ وہم اختیار عمادت یخ ہے۔ پگھلانے والی حرارت نار عشق ہے۔ پس کلمہ وحدت ہاتھ میں لے اور نار عشق سینہ میں روشن کر۔ اور متواتر جذبات ونفحات سے حصار کثرت توڑ لو انبار غیریت پھونک۔ پھر یقین جان کہ نتیجہ ایک ہی ہے یعنی تو فضائے لامتناہی ہے۔ اور دریائے ناپیدا کنار۔ پھر تو عالم بہیمیت وملکیت کا ذو القرنین ہے۔ اور کون لاہوت و ناسوت کا ذو الجناحین۔ پھر امکان و وجوب تیرے دائرہ حقیقت کے

ادا طا نظر آئینگے۔ پھر حدوث و قدم تیرے صفحۂ ماہیت کے جداول دکھائی دینگے
پھر تو گلستان وجود کا خندۂ گل ہوگا۔ اور چمن کا گوشہ گوشہ تیرے خزانۂ بوے
خوش کا خزانہ دار نظر آئے گا۔ پھر تو بزم کائنات کا صدر نشین ہوگا۔ اور مجلس کا ایک ایک
فرد تیرے آویزۂ حسن کا حلقہ بگوش دکھائی دے گا۔ یہ تیری ترقی نفس کا خاکہ ہے۔
آنکھیں ہوں تو دیکھ لے دماغ ہو تو سمجھ لے۔ اسی خاکہ تخیل میں تیری کائنات عمل
کی رنگ آمیزیاں ہیں۔ اور اسی ضابطہ سے تیرا نوشتۂ تقدیر مربوط ہے۔ اگر تیری
قسمت سعید ہی ہے۔ اور تیری حرکات کا فیصلہ ہنوز معلق ہے تو تو اسکو دستور
العمل حیات بنانے کی ہمت باندھ۔ اور خدا سے توفیق بخش سے دعا کر کہ وہ تجھے
اس کی توفیق دے۔ وکان امر اللہ قدرا۔

حقائق کنز العلوم

ولایت کی تعریف

(کلام اللہ کے نقطۂ نگاہ سے)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَوْلِيٰٓــُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ۔ **ترجمہ** اللہ ایمان والوں کا حامی (مددگار) ہے کہ ان کو جہل کی تاریکیوں سے نکالکر (علم کی) روشنی میں لاتا ہے۔ اور جو لوگ (دین حق سے) منکر ہیں انکے حامی شیطان ہیں کہ انکو (علم کی) روشنی سے نکالکر جہل کی تاریکیوں میں دھکیلتے ہیں یہی لوگ دوزخی ہیں (اور) ہمیشہ (ہمیشہ) دوزخ میں رہیں گے۔

مجمل ایمان یہ ہے کہ آدمی کہے کہ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ كَمَا هُوَ بِاَسْمَآئِهٖ وَصِفَاتِهٖ وَقَبِلْتُ جَمِيْعَ اَحْكَامِهٖ۔ میں اللہ پر ایمان لایا جیسا کہ وہ اپنے ناموں اور اپنی صفات سے متصف ہے۔ اور میں نے اسکے تمام احکام کو قبول کیا۔ ایمان کے دو رکن ہیں۔ ایک زبان سے اقرار کرنا۔ دوسرے دل سے تصدیق کرنا۔ جب زبان سے اقرار کیا جائے اور دل سے تصدیق کہ خدا ایک ہے اور اُس نے رسول بھیجا ہے تو ایسا شخص بلاشک مومن اور اہل ایمان ہے۔ اور جب زبان سے اقرار کرے اور دل سے تصدیق نہ کرے تو ایسا شخص منافق کہلاتا ہے۔ اور اگر زبان سے اقرار نہ کرے مگر دل سے تصدیق کرے تو ایسا شخص عند الخلق مومن نہیں کہلاتا۔ اور اسکے انجام کا حال خدا کو معلوم ہے۔

ایمان کی سات صفات ہیں (۱) یہ کہ خدا برحق ہے واحد ہے شریک نہیں رکھتا

(۲) فرشتوں کو ماننا (۳) کتب مقدسہ کو ماننا (۴) انبیاء پر ایمان لانا (۵) قیامت کو ماننا (۶) تقدیر کو ماننا (۷) نیکی و بدی کی تقدیر خدا کی طرف سے جاننا مگر یہ عقیدہ رکھنا کہ خدا نیکی سے راضی ہے اور بدی سے ناخوش ہے۔ ایمان کی سات شرطیں ہیں (۱) ایمان بالغیب (۲) اپنی رضامندی سے ایمان لانا (۳) ۔ (۴) حلال اور حرام کی تمیز کرنا۔ (۵) پانچویں یہ اعتقاد رکھنا کہ علم غیب صرف خدا کا خاصہ ہے۔ کسی نبی یا ولی کو علم غیب حاصل نہیں۔ (۶) خدا سے خائف رہنا۔ (۷) خدا کے رحم و کرم کا امیدوار رہنا۔ ایمان کے باقی رہنے کی شرائط دو ہیں۔ (۱) خوف (۲) رجا۔ یعنی ڈرتا رہے کہ ایمان کا خاتمہ نہ ہو جائے۔ اور دنیا سے ایمان نہ جاتا رہے۔ اور امیدوار رہے کہ خدا مہربان ہے خاتمہ بخیر ہوگا۔ الایمان بین الخوف والرجاء۔ میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔ خدا کی صفات ایک ذاتی ہیں اور ایک غیر ذاتی۔ ذاتی صفات وہ ہیں جن کے ساتھ اسکی ذات ازل اور ابد الآباد سے متصف کی جاتی ہے۔ اور وہ یہ صفات ہیں۔ حیات، قدرت، علم، سمع، بصر، کلام، ارادہ۔ پس بے شک وہ حی یعنی زندہ ہے۔ اپنی حیات کے ساتھ قادر ہے اپنی قدرت کے ساتھ۔ سمیع ہے اپنے سننے کے ساتھ۔ بصیر ہے اپنے دیکھنے کے ساتھ۔ مرید ہے اپنے ارادے کے ساتھ۔ علیم ہے اپنے علم کے ساتھ اور یہ صفتیں اسکی ذات کیواسطے موجب کثرت نہیں ہیں۔ اور نہ اعراض ہیں۔ اور نہ اسکی ذات کی لواحق ہیں۔ نہ اسکی ذات کے اجزا ہیں۔ بلکہ یہ صفات ذاتی ہیں۔ غیر ذاتی صفات الوہیت اور ربوبیت اور خالقیت وغیرہ ہیں۔ خدا کے تمام نام اسمائے حسنیٰ ہیں۔ اور وہ ننانوے ہیں۔ رسول اکرم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں جو انکو یاد کرے گا داخل جنت ہو جائے گا۔ اور وہ یہ ہیں:-

۱ اَللّٰہُ ۲ اَلْوَاحِدُ ۳ اَلصَّمَدُ ۴ اَلْاَوَّلُ ۵ اَلْآخِرُ ۶ اَلظَّاهِرُ
۷ اَلْبَاطِنُ ۸ اَلْخَالِقُ ۹ اَلْبَارِئُ ۱۰ اَلْمُصَوِّرُ ۱۱ اَلْمَلِكُ ۱۲ اَلْحَقُّ

۱۳ السلام ۱۴ المؤمن ۱۵ المهيمن ۱۶ العزيز ۱۷ الجبار ۱۸ المتكبر
۱۹ الرحمن ۲۰ الرحيم ۲۱ اللطيف ۲۲ الخبير ۲۳ السميع ۲۴ البصير
۲۵ البارئ ۲۶ المتعالي ۲۷ الجليل ۲۸ الجميل ۲۹ الحي ۳۰ القيوم
۳۱ القادر ۳۲ القاهر ۳۳ العلي ۳۴ الحكيم ۳۵ القريب ۳۶ المجيب
۳۷ الغني ۳۸ الوهاب ۳۹ الودود ۴۰ الشكور ۴۱ الماجد ۴۲ الواجد
۴۳ الوالي ۴۴ الراشد ۴۵ العفو ۴۶ الغفور ۴۷ الحليم ۴۸ الكريم
۴۹ التواب ۵۰ الرب ۵۱ المجيد ۵۲ الولي ۵۳ الشهيد ۵۴ المبين
۵۵ البرهان ۵۶ الرؤف ۵۷ الرحيم ۵۸ المبدئ ۵۹ المعيد ۶۰ الباعث
۶۱ الوارث ۶۲ القوي ۶۳ الشديد ۶۴ الضار ۶۵ النافع ۶۶ الباقي
۶۷ الواقي ۶۸ الخافض ۶۹ الرافع ۷۰ القابض ۷۱ الباسط ۷۲ المعز
۷۳ المذل ۷۴ المقسط ۷۵ الرزاق ۷۶ ذوالقوة المتين ۷۷ القائم ۷۸ الدائم
۷۹ الحافظ ۸۰ الوكيل ۸۱ الباطن ۸۲ السامع ۸۳ المعطي ۸۴ المحيي
۸۵ المميت ۸۶ المانع ۸۷ الجامع ۸۸ الهادي ۸۹ الكافي ۹۰ الابد
۹۱ العالم ۹۲ الخالق ۹۳ النور ۹۴ المنير ۹۵ التام ۹۶ القديم
۹۷ الوتر ۹۸ الاحد ۹۹ الصمد الذي لم يلد ولم يولد ولم يكن له كفوا احد۔

احکام سے احکام شریعت مراد ہیں۔ شریعت کے احکام آٹھ ہیں (۱) فرض (۲) واجب (۳) سنت (۴) مستحب (۵) حلال (۶) مباح (۷) حرام (۸) مکروہ۔ پہلے پانچ ادا کیے جاویں۔ یعنی فرض اور واجب اور سنت اور مستحب اور حلال کو نیک بجا لاتے ہیں۔ اور حرام اور مکروہ سے پرہیز کرتے ہیں جو شخص خدا پر مع صفات اور اسماء کے ایمان لاتا ہے۔ اور اللہ کے احکام یعنی شریعت کے احکام کی تعمیل کرتا ہے

وہ ولی اللہ ہے۔ اور خدا اُس کا ولی ہے۔ مگر اولیا کے مدارج میں فرق ہے کوئی نبی ہے کوئی رسول ہے۔ کوئی غوث ہے۔ کوئی قطب ہے۔ کوئی ابدال ہے۔ کوئی کیا ہے کوئی کیا ہے۔ اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ ۚ وَلَلْآخِرَةُ أَكْبَرُ دَرَجَاتٍ وَأَكْبَرُ تَفْضِيلًا ۔ ترجمہ دیکھو! تو سہی کہ) ہم نے (دنیا میں) بعض لوگوں کو بعض پر کیسی برتری دی ہے اور البتہ آخرۃ کے درجے کہیں بڑھکر ہیں اور برتری کہیں بڑھکر ہے فضیلت سے فضیلت علم اور زہد و تقویٰ مراد ہے نہ کہ مال اور اولاد اور خویش اور اقارب کی زیادتی۔ الشرفُ بالعلم والادب لا بالمال والنسبُ شرافت علم اور ادب ہے نہ کہ مال اور نسب ۔ مال اور اولاد قرب خداوندی کا موجب نہیں ہے۔ قرب ہی ایمان اور عمل صالحہ سے حاصل ہوتا ہے۔ وَمَا أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ بِالَّتِي تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفَىٰ إِلَّا مَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ لَهُمْ جَزَاءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوا وَهُمْ فِي الْغُرُفَاتِ آمِنُونَ ۔ ترجمہ (لوگو) تمہارے مال اور تمہاری اولاد (ہمارے ہاں کچھ) ایسی (وقعت) نہیں (رکھتے) کہ تم کو ہمارا مقرب بنادیں مگر جو ایمان لایا اور اُس نے نیک عمل (بھی) کیئے (آخرت میں) ایسے لوگوں کے لیے انکے عمل کا دو گنا عوض ہوگا اور وہ (بہشت کے) بالاخانوں میں اطمینان سے (بیٹھے) ہونگے۔ گویا ولایت شریعت کی پابندی اور اخلاق کی درستی کا نام ہے اور یہی کرامت ہے۔ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ۔ یعنی تم میں سے یقیناً خدا کے ہاں وہی بڑے مرتبہ والا ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔ کرامت وہ چیز نہیں ہے جس کو جاہل کرامت سمجھتے ہیں۔ جیسے تھوڑے زمانے میں بہت مسافت طے کرلینی یا کسی جاندار کو ایک نگاہ ڈالکر مار ڈالنا۔ یا کسی چیز میں قضاء و قدر کے موافق عمل کرنا۔ سب سے بڑی کرامت یہ ہے کہ اللہ پر ایمان لانے اور اسکی وحدانیت اور رسول کی رسالت کی تصدیق کرے۔ اور جسکو خدا نے یہ کرامت روزی نہ کی اُسکو اور کوئی کرامت روزی

نہ ہوگی۔ پس ولایت اور کرامت کی حقیقت کلمۂ الٰہی سے عنایت کے نور کا قلب صاف
اور پاکیزہ پر پہنچنا ہے۔ ایسا نفس جو علم کی تہذیب اور ہدایت کی تادیب سے آراستہ
ہوکر جہالت اور حرص اور شرک اور نفاق کی قیدوں سے نکل گیا ہو اور تمام اخلاق
خبیثہ اور رذائل بشریت سے پاک ہوگیا ہو اور شیطان کی تلبیس کے واسطے جس میں
جگہ نہ رہی ہو۔ پس جب نفس ان صفات کے ساتھ آراستہ ہوگا اور تمام فضائح
اور قبائح سے صاف ہو جائے گا۔ اس وقت بدن سے اُسکے علائق منقطع ہو جائینگے
اور وہ نفس ہلکا ہوکر علائق اجسام سے بلند ہوگا۔ پھر اس نفس اور اسکی اصل کے درمیان
سے پردہ اٹھ جائے گا۔ کیونکہ یہ نفس اس جسم میں منقول ایک مسافر کے تحصیل کمال کے
واسطے ہوا تھا۔ اگر نفس اس عالم اجسام میں [illegible] ہوگیا اور اپنے اصل کی طرف توجہ
نہ کی اور خواہشات نفسانی میں گرفتار رہا تو ایسا نفس [illegible] رہ جائے گا۔ غرضکہ شخص
ہوکر فانی دنیا پر مغرور ہوا اور خدا کی ناقدری کرتا رہا وہ فاسق کہلاتا ہے اور مومن
[illegible] جسکو فارسی میں خدا

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

محنت و مشقت

لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی وَاَنَّ سَعْیَہٗ سَوْفَ یُرٰی ثُمَّ یُجْزٰہُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰی ۔ پ ۔ النجم ع

ہر ایک انسان کو اسیقدر ملتا ہے جتنی اسکی محنت و کوشش ہوتی ہے اور اسکی کوشش کا ثمرہ عنقریب اسکو دکھایا جائیگا پھر اسکو پورا بدلا دیا جائیگا۔

مندرجہ بالا آیت سے یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ دینی و دنیوی امور میں جسقدر انسان کوشش و محنت کرتا ہے اسیقدر اسکی مشقت و جانکاہی کا ثمرہ ملتا ہے۔

فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْرًا یَّرَہٗ — جس نے ذرہ بھر نیکی کی ہے وہ [illegible] اسکو خود دیکھ لیگا اور جسنے

وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا یَّرَہٗ — ذرہ بھر برائی کی ہو وہ اسکو بھی خود دیکھ لیگا۔

از مکافات عمل غافل مشو — گندم از گندم بروید جو ز جو

صفحات تاریخ کو اگر [illegible] عروج و کمال حاصل کیا ہے جن قوموں نے [illegible] میں اپنی [illegible] وہ سب کی سب [illegible] ہمیشہ محنت و مشقت کی عادی رہی ہیں۔

دوسری طرف ان کاہل اور [illegible] سست قوموں کے حالات کا مطالعہ کر جاؤ [illegible] تو [illegible] کا ثمرہ [illegible] کرنا پڑا تھا۔

آج ان کی [illegible] کہ غیروں سے کچھ لینا [illegible] محنت و مشقت جیسی گراں بہا جنس [illegible] ہیں [illegible] نہیں سکتی ہے۔

کلاہ خسروی وتاج شاہی — بہر کلّ کے رسد حاشا و کلا

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِہِمْ ۔ پارہ ۱۳ ع ۲ — اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت کو اسوقت تک نہیں بدلتا جبتک کہ وہ خود اپنی حالت کو نہیں بدلتے ۔

مذہب اسلام بہترین مذہب ہونیکے ساتھ ساتھ جملہ ادیان سابقہ کا لب لباب ہے جسقدر ملل سابقہ میں نشر و افروختہ بیان تھیں وہ سب کی سب اسلام میں یکجا جمع کردی گئی ہیں اسی بنا پر فرمایا گیا ہے :۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ؕ (پ ۶ مائدہ ع ۱) — آج ہمنے تمہارے دین کو تمہارے لیے کامل کردیا اور ہمنے تم پر اپنی نعمت کو پورا کردیا اور ہم نے تمہارے لیے دین اسلام کو پسند فرمایا ۔

حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر حضرت موسیٰ علیہ السلام تک بدستور یہی سلسلہ جاری رہا کہ ہر شخص اپنی قوت بازو سے "محنت و مشقت" کرکے روزی کمائے اور حلال و پاک روزی کھا کر خداوند ذوالجلال کی عبادت و پرستش بجالائے اور کسی طرح سست و کاہل الوجود نہ بنے ۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم پر اللہ تعالیٰ نے یہ انعام فرمایا تھا کہ انکو آسمان غیب سے من و سلویٰ پہنچا یا کرتا تھا جس کی بابت کلام الٰہی میں ارشاد فرمایا گیا ہے :۔

وَاَنْزَلْنَا عَلَیْکُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰی — اور ہم نے تم پر من و سلویٰ اتارا ۔ (پ ۱ بقرہ)

محنت و مشقت فطری ہے

اس بنا پر قدرت (نیچر) سے محنت لیتی ہے اور محنت کے بغیر چین نہیں پڑتا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم سے بھی صبر نہ ہو سکا کہ بلا محنت و مشقت کے من و سلویٰ کو ہضم کرسکیں بیقرار ہو کر چیخ اٹھے :۔

یٰمُوْسٰی لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰی طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّکَ یُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ — اے موسیٰ! ہم تو ایک کھانے پر کبھی بھی صبر نہیں کرسکتے آپ اپنے خدا سے ہمارے لیے وہ چیزیں مانگیے

ملے کل سست و کاہل الوجود ۱۲ منہ

الارض من بقلها و قثائها و فومها جو زمین سے اگتی ہیں ۔ مثلاً ترکاری ۔ ککڑی گیہوں
وعدسها و بصلها ۔ (بقرہ پ ۱ ع ۷) مسور پیاز ۔ (اس پر حکم ہوا کہ:-)
اھبطوا مصرا فان لکم ما سالتم ۔ جاؤ کسی شہر میں اتر پڑو جو تم مانگتے ہو تمکو وہاں ملیگا

ان لوگوں نے من و سلویٰ جیسی نعمت کو چھوڑ کر زراعت و فلاحت میں محنت و مشقت کرنی بہتر جانی ۔ اور اس طرح اپنے اور اپنے بال بچوں کے لیئے روزی کمانے کا ڈھنگ اختیار کیا

الغرض جب انبیائے ماسبق اور اُن کی امتوں کے کسب معاش کا مطالعہ کیا جائے تو (بجز موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے کہ وہ بھی محض کچھ دنوں کے لیئے خوان غیب سے روزی پاتے تھے) سب کے سب نبیوں کو کسی نہ کسی حرفہ اور کسی نہ کسی محنت و مشقت کا عادی پاتے ہیں

خود حضرت موسیٰ علیہ السلام (جن کی قوم کو من و سلویٰ ملا کرتا تھا) اپنے ہاتھ سے ایک دو سال نہیں بلکہ متواتر کئی سال تک بکریوں کو چارہ دیتے رہے ہیں ۔ خود کنعان میں [illegible] بکریوں چرایا کرتے تھے ۔ ہم اس مضمون میں سب سے پہلے آپ ہی کا واقعہ درج کرتے ہیں

(۱) حضرت موسیٰ علیہ السلام

جب آپ فرعون کے گھر میں پرورش پاکر سن بلوغ کو پہنچے تو ایک دن سر راہ دو آدمیوں کو لڑتے ہوئے دیکھا ۔ اُن میں سے ایک فرعون کی قوم کا آدمی تھا ۔ دوسرا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کا ۔ فوجد فيها رجلين يقتتلان هذا من شيعته وهذا من عدوه ۔

حضرت موسیٰ کی قوم کے غریب آدمی نے آپ کو دیکھکر فریاد کی ۔ یہ سُن کر آپ سے رہا نہ گیا کہ اُن کی قوم کا آدمی اس طرح ذلیل و رسوا ہو ۔ بیحد غصہ آیا ۔ اور اُسی جوش کے عالم میں اپنے آدمی کی حمایت کرتے ہوئے فرعون کے آدمی کو اتنے زور سے ایک مکا رسید کیا کہ اُس کی جان پر بن گئی ۔ فوكزه موسى فقضى عليه ۔

اس واقعہ کی خبر بادشاہ وقت فرعون کو پہنچی۔ اس نے اپنے اعیان و ارکان سلطنت سے اس امر میں مشورہ کیا تو سب نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قتل کرنے یا جلا وطن کئے جانے کی بابت فتویٰ صادر کیا۔

حضرت موسیٰ کے کسی خیر خواہ نے آپ کو بھی اطلاع دی کہ جناب کے خلاف لوگ یہ مشورہ کر رہے ہیں کہ آپ کو جان سے مار ڈالیں۔ یا جلا وطن کر دیں۔ میری رائے میں تو یہ آتا ہے کہ آپ یہاں سے کہیں کھسک جائیں۔ اِنَّ الْمَلَاَ یَاْتَمِرُوْنَ بِکَ لِیَقْتُلُوْکَ فَاخْرُجْ اِنِّیْ لَکَ مِنَ النّٰصِحِیْنَ۔

یہ خیر خواہانہ مشورہ سنکر حضرت موسیٰ مدین کی طرف چل کھڑے ہوئے۔ یہاں آپ کا کوئی واقف نہ تھا۔ بے سروسامانی کے عالم میں شہر سے باہر مدین کے کنوئیں پر جا اترے۔ دیکھا کہ کنوئیں پر لوگوں کا ایک جمگھٹا لگا ہوا ہے۔ کوئی پانی پی رہا ہے۔ کوئی اپنے جانوروں کو پلا رہا ہے۔ وَجَدَ عَلَیْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ یَسْقُوْنَ۔

اسی حالت میں آپ کی نظر کنوئیں کی دوسری سمت پڑی تو کیا دیکھتے ہیں کہ:

دو عفت مآب بیبیاں

حیا و شرم کی پتلیاں غریب بیچاری اپنی بکریوں کو روکے ہوئے الگ کھڑی ہیں۔ آپ نے اُن سے ازراہ حمیت دریافت کیا کہ اتنی دیر سے کنوئیں سے الگ کیوں کھڑی ہو؟ تمہارا مطلب کیا ہے؟ قَالَ مَا خَطْبُکُمَا۔

انہوں نے جواب دیا کہ ہم ایک نہایت غریب اور بڈھے باپ کی بیٹیاں ہیں۔ ہمارے گھر میں کوئی مرد ایسا نہیں جو ہمارا کاروبار کر سکے۔ غریبی و مفلسی کی وجہ سے ہم میں اتنی ہی طاقت نہیں کہ ہم کنوئیں کے پاس چلی جائیں۔ جبتک تمام چرواہے اپنی بکریوں کو پانی نہیں پلا چکتے۔ اسوقت تک ہم کو اپنی بکریوں کو پانی پلانا نصیب نہیں ہوتا۔ لَا نَسْقِیْ حَتّٰی یُصْدِرَ الرِّعَاءُ

غریب لڑکیوں کی یہ درد انگیز داستان سن کر موسیٰ علیہ السلام کو جوش آ گیا کیونکہ
پیغمبر کو چیر کر چھوڑ گئے۔ اور خود سب سے پہلے ان دونوں کی بکریوں کو پانی پلایا جیسا کہ قرآن
مجید میں یوں ارشاد فرمایا گیا ہے۔

فَسَقٰى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلّٰٓى اِلَى الظِّلِّ فَقَالَ — موسیٰ نے پانی کھینچ کر ان کی بکریوں کو پانی
رَبِّ اِنِّيْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ — پلایا پھر ... سایہ میں جا بیٹھے اور دعا کی
فَقِيْرٌ — اے خدا جو نعمت بھی تو نے مجھے بھیجی
میں اس کا سخت حاجتمند ہوں۔

غور کرنے کی بات ہے کہ باوجودیکہ موسیٰ علیہ السلام سفر کی حالت میں ... تھے ... بھوکے تھے آپ نے بلا کسی طمع و اجرت کے ... کو پانی ہی پلا دیا۔ مگر آپ کی غیرت دیکھئے لوگوں سے سوال نہیں کرتے۔ بلکہ الگ بیٹھ کر اپنے پروردگار ہی سے چپکے چپکے کہہ رہے ہیں۔

پانی پلا کر دونوں صاحبزادیاں بکریوں کو لے کر اپنے گھر چلی گئیں ... اپنے والد حضرت شعیب علیہ السلام سے سارا ماجرا بیان کیا۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے حضرت موسیٰ کو بلا کر تسلی و تشفی دی اور کہا کہ اب آپ کسی قسم کا خوف و اندیشہ نہ کریں۔ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝

پھر حضرت شعیب نے کہا کہ میں ان دونوں لڑکیوں میں سے کسی ایک کی شادی اس شرط پر آپ سے کرنی چاہتا ہوں کہ کم سے کم آٹھ سال یا دس سال تک میری خدمت گزاری بجا لاؤ۔ عَلٰٓى اَنْ تَاْجُرَنِيْ ثَمٰنِيَ حِجَجٍ فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ ۚ

حضرت موسیٰ نے اس شرط پر آپ کی ایک صاحبزادی سے شادی کر لی اور فرمایا
سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝

اور اس طرح آٹھ یا دس سال تک ایک اولوالعزم پیغمبر نے بکریوں کو چرایا اور خود

اس واقعہ کی خبر بادشاہ وقت فرعون کو پہنچی۔ اُسنے اپنے اعیان و ارکان سلطنت سے اس امر میں مشورہ کیا تو سب نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قتل کرنے یا جلاوطن کیے جانے کی بابت فتویٰ صادر کیا +

حضرت موسیٰ کے کسی خیرخواہ نے آپ کو بھی اطلاع دی کہ جناب کے خلاف لوگ یہ مشورہ کر رہے ہیں کہ آپ کو جان سے مار ڈالیں۔ یا جلاوطن کردیں۔ میری رائے میں تو یہ آتا ہے کہ آپ یہاں سے کہیں کھسک جائیں۔ اِنَّ الْمَلَاَ یَاْتَمِرُوْنَ بِکَ لِیَقْتُلُوْکَ اَوْ یُخْرِجُوْکَ فَاخْرُجْ اِنِّیْ لَکَ مِنَ النّٰصِحِیْنَ +

یہ خیرخواہانہ مشورہ سُنکر حضرت موسیٰ مدین کی طرف چل کھڑے ہوئے۔ یہاں آپ کا کوئی واقف نہ تھا۔ بے سروسامانی کے عالم میں شہر سے باہر مدین کے کنوئیں پر جا اُترے۔ دیکھا کہ کنوئیں پر لوگوں کا ایک جمگھٹا لگا ہوا ہے۔ کوئی پانی پی رہا ہے۔ کوئی اپنے جانوروں کو پلا رہا ہے۔ وَجَدَ عَلَیْہِ اُمَّۃً مِّنَ النَّاسِ یَسْقُوْنَ +

اسی حالت میں آپ کی نظر کنوئیں کی دوسری سمت پڑی تو کیا دیکھتے ہیں کہ:-

دو عفت مآب بیبیاں

حیا و شرم کی پتلیاں غریب بیچاری اپنی بکریوں کو روکے ہوئے الگ کھڑی ہیں۔ آپ نے اُن سے ازراہ حمیت دریافت کیا کہ اتنی دیر سے کنوئیں سے الگ کیوں کھڑی ہو؟ تمہارا مطلب کیا ہے؟ قَالَ مَا خَطْبُکُمَا +

انہوں نے جواب دیا کہ ہم ایک نہایت غریب اور بڈھے باپ کی بیٹیاں ہیں۔ ہمارے گھر میں کوئی مرد ایسا نہیں جو ہمارا کاروبار کرسکے۔ غریبی و مفلسی کیوجہ سے ہم میں اتنی بھی طاقت نہیں کہ ہم کنوئیں کے پاس چلی جائیں۔ جبتک تمام چرواہے اپنی بکریوں کو پانی نہیں پلا چکتے۔ اُس وقت تک ہمکو اپنی بکریوں کو پانی پلانا نصیب نہیں ہوتا۔ لَا نَسْقِیْ حَتّٰی یُصْدِرَ الرِّعَآءُ

جب لڑکیوں کی یہ درد انگیز داستان سنی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جوش آیا کیونکہ
پیغمبر کو چپ کر کے چڑھ گئے۔ اور خود سایہ میں جا بیٹھے اور ... تمام
کلام پاک میں یوں ارشاد فرمایا گیا ہے۔

فَسَقٰى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلّٰىٓ اِلَى الظِّلِّ فَقَالَ (موسیٰ نے پانی کھینچ کر ان کی بکریوں کو پانی
رَبِّ اِنِّىْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَىَّ مِنْ خَيْرٍ پلایا پھر درخت کے سایہ میں جا بیٹھے اور دعا کی
فَقِيْرٌ۔ اے خدا! اس وقت جو نعمت بھی تو نے مجھے بھیجی
میں اس کا سخت حاجتمند ہوں)

غور کرنے کی بات ہے کہ باوجودیکہ موسیٰ علیہ السلام فقر کی حالت میں ... حاجت
مند ہوتے تھے آپ نے بلا کسی طمع و اجرت کے بکریوں کو پانی ہی پلا دیا۔ مگر آپ کی غیرت
دیکھئے لوگوں سے سوال نہیں کرتے۔ بلکہ الگ بیٹھ کر اپنے پروردگار ہی سے چپکے
چپکے مانگ رہے ہیں۔

پانی پلا کر دونوں صاحبزادیاں بکریوں کو لے کر اپنے گھر چلی گئیں۔ اور اپنے بوڑھے باپ
حضرت شعیب علیہ السلام سے سارا ماجرا بیان کیا۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے حضرت
موسیٰ کو بلا کر تسلی و تشفی دی اور کہا کہ اب آپ کسی قسم کا خوف و اندیشہ نہ کریں۔ نَجَوْتَ
مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ۔

پھر حضرت شعیبؑ نے کہا کہ میں ان دونوں لڑکیوں میں سے کسی ایک کی شادی اس
شرط پر آپ سے کرنی چاہتا ہوں کہ کم سے کم آٹھ سال یا دس سال تک میری خدمت نوکری
بجا لاؤ۔ عَلٰٓى اَنْ تَاْجُرَنِىْ ثَمٰنِىَ حِجَجٍ ۚ فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ۔

حضرت موسیٰؑ نے اس شرط پر آپ کی ایک صاحبزادی سے شادی کر لی اور فرمایا
سَتَجِدُنِىْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ۔

اور اس طرح آٹھ یا دس سال تک ایک اولوالعزم پیغمبر نے بکریوں کو چرایا اور خود

اپنے ہاتھ سے انکو بنایا ہو ۔

اسی طرح دیگر انبیاء علیہم السلام اپنے ہاتھ سے محنت و مشقت کرکے روزی کماتے تھے ۔ چنانچہ مختصر طور سے چند بزرگوں کے چند نمونوں کا ذکر کیا جاتا ہے ۔

حضرت آدم علیہ السلام

(۱) حضرت آدم علیہ السلام اپنے ہاتھ سے کپڑا بنتے تھے ۔ کان آدم حائکا ۔ اس حدیث شریف سے ثابت ہوتا ہے کہ سب سے پہلے جس شخص نے کپڑا بنایا وہ حضرت آدم تھے ۔

(۲) حضرت آدم اپنے ہاتھ سے کھیتی کرتے تھے ۔ كَانَ آدَمُ حَرَّاثًا ۔

(۳) حضرت نوح علیہ السلام بڑھئی کا کام کرتے تھے جیسا کہ کلام الٰہی سے ثابت ہے

وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا	اور ہمارے روبرو اور ہمارے حکم کے مطابق ایک کشتی
وَلَا تُخَاطِبْنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا إِنَّهُمْ	بناؤ اور ظالموں کے بارے میں ہم سے کچھ نہ بولو کیونکہ
مُغْرَقُونَ ۔ وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ وَ	یہ لوگ ضرور غرق ہونگے ۔ چنانچہ نوح کشتی بنانے
كُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَأٌ مِنْ قَوْمِهِ	لگے اور جب کبھی انکی قوم کے سردار انکے پاس سے
سَخِرُوا مِنْهُ ۔ (ھود ع ۴ پ ۱۲)	ہوکر گزرتے تو وہ انسے تمسخر کرتے تھے ۔

(۴) حضرت ادریس علیہ السلام خیاط (درزی) کا کام کرتے تھے ۔

(۵) حضرت ہود علیہ السلام اور (۶) حضرت صالح علیہ السلام تجارت کرتے تھے ۔

(۷) حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام تجارت و معماری کرتے تھے ۔ خانہ کعبہ (زادہا اللہ شرفاً وتعظیماً) کی تعمیر اسکا بیّن ثبوت ہے ۔

وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ	اور جب ابراہیم اور اسمٰعیل دونوں ایک ساتھ خانہ کعبہ
وَإِسْمَاعِيلُ ۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا	کی بنیادیں اٹھا رہے تھے اور دعا کرتے تھے کہ

إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ	اے رب! ہم سے یہ خدمت قبول کر بیشک
(بقرہ ع ۱۵ پ ۱)	تو ہی دعا کا سننے والا ہے۔

(۹) حضرت شعیب علیہ السلام جیسا کہ عام طور پر مشہور ہے مویشی پالتے تھے اور ان کے دودھ سے اپنی معاش حاصل کرتے تھے۔

(۱۰) حضرت موسیٰ علیہ السلام بکریاں چراتے تھے۔

(۱۱) حضرت داؤد علیہ السلام لوہار کا کام کرتے تھے اور زرہیں بناتے تھے۔ ارشاد باری ہے۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُودَ مِنَّا فَضْلًا يَا جِبَالُ	اور ہم نے داؤد کو برتری دی تھی۔ اے پہاڑو!
أَوِّبِي مَعَهُ وَالطَّيْرَ وَأَلَنَّا لَهُ الْحَدِيدَ	تسبیح و تلاوت میں انکے ساتھ شریک ہو اور پرندوں کو
أَنِ اعْمَلْ سَابِغَاتٍ وَقَدِّرْ فِي السَّرْدِ	حکم دیا کہ یہی کرو اور داؤد کے لئے لوہے
وَاعْمَلُوا صَالِحًا إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ	کو نرم کر دیا تھا کہ پوری زرہیں بناؤ
(السبا ع ۲ پ ۲۲)	اور کڑیاں اندازے سے جوڑو اور سب اچھے کام کرو

(۱۲) حضرت سلیمان علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر جنکے حکم میں ہوا، انسان، جنات تمام چیزیں تھیں، باوجود روئے زمین کی سلطنت و حکومت کے آپ اپنے ہاتھ سے محنت و مشقت سے اپنا حلال روزی حاصل کرتے تھے۔ زنبیل، ٹوکریاں، دستی پنکھے بنایا کرتے تھے اسی وجہ سے آپ کا لقب خواص ہے۔

(۱۳) حضرت عیسیٰ علیہ السلام محض سیاحی کرتے تھے۔ آپ کی کوئی حرفہ، صنعت یا کسب معاش ثابت نہیں ہے۔ آپنے کبھی کل کے لئے کوئی ذخیرہ نہیں فرمایا۔ آپکا توکل اور آپ کا یہی دستور العمل رہا ہے کہ جس خدا نے مجھکو چاشت (دوپہر) کا کھانا کھلایا ہے وہی شام کو بھی کھلائے گا۔ اور جس نے شام کو کھلایا ہے وہی کل صبح کو بھی کھلائے گا۔ رات بھر عبادت کرتے تھے دن میں روزہ رکھتے تھے۔ اور ایام کو

ملحوظ رکھتے ہوئے آپ کے حواریوں اور آپ کے متبعین کو دیکھا جاتا ہے تو عیسائیت کے بر خلاف تمول و مالداری میں کسی قوم کو نہیں پاتے۔ دور اندیشی اور ذخیرہ کا یہ عالم ہے کہ نسلاً بعد نسل پشتہا پشت کے لیے ایک عیسائی اندوختہ چھوڑ جاتا ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مستقل قیام کے لیے کوئی مکان نہیں بنایا مگر آپ کی قوم نے اپنے گھروں سے دنیا کو بھی رشک جنت بنا رکھا ہے۔

الغرض دنیا کی جتنی خوبیاں کھانے پینے اور ناز و نعم اور ترقی کے سامان ہو سکتے ہیں۔ انکی ہی قوم موجد مانی جاتی ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے

کوئی روز شاید کہ جاتا ہو خالی ۔۔۔ کہ یورپ کے لوگوں کے اذہان عالی
نکرتے ہوں اک تازہ ایجاد کوئی ۔۔۔ نہ ہم ہیں ہی سے قوم ناشاد کوئی

۱۴ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ہمارے آقائے نامدار حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابتدا میں تجارت کرتے تھے۔ بعثت کے بعد آپ کا حرفہ سرتاسر جہاد تھا۔ چنانچہ

مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ ذَٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنجِيلِ

(فتح ع ۴ پ ۲۶)

محمد خدا کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں کافروں کے حق میں بہت سخت ہیں آپس میں رحمدل ہیں تم انکو کبھی رکوع کرتے دیکھتے اور کبھی سجدہ کرتے سو وہ خدا کی خوشنودی کے طلبگار ہیں انکی نشانی سجدہ کے اثر سے پیشانیوں پر ہے یہی وصف انکے تورات میں ہیں اور یہی انجیل میں بھی ہیں۔

آپ کا ارشاد ہے کہ ہر ایک نبی کے لیے کوئی نہ کوئی حرفہ ہے مگر میرا حرفہ جہاد ہے حضرت

ی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام جہاد اور لڑائیوں میں بہ نفس نفیس شریک ہوتے تھے اور ایک مستعد جانباز سپاہی کی طرح کہیں تو آپ پھاوڑہ لیے خندق کھود رہے ہیں کہیں آپ پہرہ داری کر رہے ہیں کہیں آپ شمشیر زنی سے جوہر دکھا کر اس دین کی حمایت و حفاظت کا حق ادا کر رہے ہیں جس کی بابت کفار کا یہ ارادہ تھا۔ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ خدا کے نور (اسلام) کو اپنے منہ کی بھاپ سے بجھا دیں۔

غرض محنت و مشقت سے بڑھکر کوئی چیز نہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم اور انبیاء کا سبق، تمدن، رَبِّنَا يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا اور صحابہ کرام اور سلف صالحین کا طرز عمل ہمیں یہ تعلیم دیتا ہے کہ دنیا میں "محنت و مشقت" سے بڑھکر کوئی چیز نہیں۔ چنانچہ ارشاد نبوی ہے :

(۱) اپنے ہاتھ کی کمائی کے کھانے سے بہتر کوئی کھانا نہیں۔ حضرت داؤد نبی اللہ بھی اپنے ہاتھ سے کما کر کھاتے تھے وَاِنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ دَاوُدَ كَانَ يَاْكُلُ مِنْ عَمَلِ يَدِهٖ (بخاری)

(۲) وعن عائشة قالت قال النبي صلى الله عليه وسلم ان اطيب ما اكلتم من كسبكم (ترمذی شریف) بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے اچھا وہ کھانا ہے جو تم نے اپنے ہاتھ سے کما کر کھایا۔

(۳) حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بعد فریضہ کے فریضہ خداوندی حلال روزی کی تلاش ضروری ہے۔ طلب کسب الحلال فریضة بعد الفريضة۔ (مشکوۃ شریف)

(۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ کون سا کام سب سے اچھا ہے۔ آپ نے فرمایا اپنے ہاتھ کی کمائی۔ اور ہر قسم کی جائز تجارت بھلائی و نیکی ہے۔ (مشکوۃ شریف)

(۵) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کسی نے سوال کیا کہ قرآن شریف کی کتابت کی اجرت لینی کیسی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ یہ لوگ تو نقاش ہیں اور یہ لوگ تو اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتے ہیں

(یعنی کتابت کی اجرت جائز ہے) اس سے اس شعر کو کوئی تعلق نہیں۔ کہ ے

زباں مے کند مرد تفسیر داں ... کہ علم و ادب میفروشد بیاں

چنانچہ انہیں ابن عباس رض سے روایت ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہی۔ تو لوگ جن چیزوں پر تم اجرت لیتے ہو سب سے زیادہ اجرت کا استحقاق کتاب اللہ کی ہی ہے

احق ما اخذتم علیہ اجرا کتاب اللہ عزوجل (بخاری شریف)

اسی سلسلہ میں حضرت حکم تابعی رح کا یہ قول ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے کسی کو نہیں سنا کہ وہ معلم کی اجرت کو مکروہ کہتا ہو حسن بصری رح کو تعلیم کی اجرت دس درہم دیے گئے

لم اسمع احدا کرہ اجرالمعلم واعطے الحسن عشر دراھم ۔

ممانعت سوال

(۱) حضرت انس رض سے روایت ہو کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک انصاری سوال کرنے کی غرض سے آیا۔ آپ نے اس سے فرمایا کیا تمہارے گھر میں کوئی چیز ہے۔ اس نے کہا۔ ہاں ایک ٹاٹ ہے۔ جسکو ہم اوڑھتے بچھاتے ہیں اور ایک پیالہ ہے جس میں ہم پانی پیتے ہیں ۔

آپ نے فرمایا کہ ان دونوں کو یہاں لے آؤ۔ وہ ان دونوں چیزوں کو آپ کے پاس لے آیا۔ آپ نے ان دونوں چیزوں کو ہاتھ میں لیکر فرمایا۔ من یشتری ھذین ان کو کون خریدتا ہے ۔

ایک صحابی رض نے کہا کہ میں ایک درہم میں خریدتا ہوں۔ آپ نے پھر فرمایا کہ ایک درہم سے زیادہ کون دیتا ہے۔ دوسرے صحابی رض نے کہا۔ میں دو درہم دیتا ہوں ۔

آپ نے یہ دونوں چیزیں اس شخص کو دو درہم میں دیدیں اور پھر آپ نے

دونوں درہم اس غریب انصاری کے حوالے کئے۔ اور فرمایا کہ ان میں سے ایک درہم کا تو غلہ خرید کر اپنے گھر لے جاؤ۔ اور ایک درہم میں کلہاڑی خرید کر میرے پاس لے آؤ۔

انصاری نے ایسا ہی کیا۔ اور کلہاڑی لیکر حضور کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے اپنے دست مبارک سے اسمیں دستہ ڈالا۔ پھر کہا کہ لے جاؤ۔ اس کلہاڑی سے لکڑیاں کاٹ کر، جنگل سے لا کر بیچو۔ اور چند روز تک میں تمہاری صورت نہ دیکھوں۔

وہ انصاری آپ کے ارشاد کے موافق چلا گیا۔ ہر روز جنگل سے لکڑیاں لاتا اور بازار میں بیچ آتا۔ یہاں تک کہ اس کے پاس دس درہم جمع ہو گئے۔ کچھ درہموں کا تو اس نے کپڑا خریدا اور کچھ درہموں کا غلہ لیکر گھر میں دیا۔ یہ دیکھکر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ھذا خیر لك من المسئلة یہ تیرے لئے سوال کرنے سے بہتر ہے (ابوداؤد شریف)

مندرجہ بالا آیات اور احادیث سے معلوم ہو گیا کہ دین و دنیا میں اگر کوئی شخص عزت و بزرگی کی زندگی بسر کرنی چاہے تو وہ صرف "محنت و مشقت" ہی سے بسر کر سکتا ہے۔

نامی کوئی بغیر مشقت نہیں ہوا — سو بار جب عقیق کٹا تب نگیں ہوا

جو لوگ محنت و مشقت کے عادی ہو جاتے ہیں وہ کسی کے محتاج نہیں رہتے اپنی قوت بازو سے کما کر خود کھاتے اور غیروں کو کھلاتے ہیں۔ اور کسی کے منت احسان نہیں ہوتے۔

ہر کہ نان از عمل خویش خورد — منت حاتم طائی نبرد

بزرگان دین اور صحابہ کرامؓ تمام حضرات اپنے ہاتھ سے کما کر کھایا کرتے تھے

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بزازی کرتے تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اونٹنیں بنایا کرتے تھے۔ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ اپنے سر پر گیہوں کی گٹھری اٹھاکر لے جایا کرتے تھے۔

الغرض محنت دستکاری ایک ایسی چیز ہے کہ اگر مرد و عورت دونوں محنتی ہوں۔ اور پورے طور پر احکامات الٰہیہ کے پابند ہوں۔ تو گھر کا سارا انتظام نہایت خوبی سے چل سکتا ہے۔ محنت ہی وہ چیز ہے جس سے ہر طرح زندگی آرام سے ہو سکتا ہے۔ محنت ہی خزانہ غیب اور ہر طرح کی دائمی خوشی اور راحت کی کنجی ہے جس سعادتمند کو یہ کنجی ہاتھ آگئی۔ اسکو دونوں جہان کی دولت مل گئی کیونکہ محنت ہی سب سے بڑی دولت و عزت ہے۔ جو خداداد ہے۔ تؤتی الملک من تشاء و تنزع الملک ممن تشاء و تعز من تشاء و تذل من تشاء بیدک الخیر انک علی کل شیء قدیر۔ ترجمہ جسے چاہتا ہے ملک دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے چھین لیتا ہے۔ جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ذلت دیتا ہے۔ تیرے ہی ہاتھ میں بھلائی ہے تو ہی ہر چیز پر قادر ہے۔

یارب تو چناں کن کہ پریشاں نشوم ۔۔۔ محتاج برادران خویشاں نشوم
بے منت مخلوق مرا روزی دہ ۔۔۔ تا از در تو بر در ایشاں نروم

فقط والسلام علی من اتبع الہدیٰ۔

فقیر محمد عبدالتواب چشتی از رہتک

اسلام ایک کامل اور مکمل مذہب ہے

مذہب نام ہے تین چیزوں کے مجموعہ کا عقیدہ، عبادات اور اخلاق یا اعمال سوائے اسلام کے اور کسی مذہب نے ان تینوں اجزا کو عمدگی کے ساتھ باہم گر مربوط نہیں کیا ہم اس اجمالی دعوی کی تشریح کامل مذہب کے معیار پر بحث کرنے کے بعد پیش کریں گے۔

کسی مذہب کے کامل ہونیکا ابتدائی معیار اصولی طور پر یہ ہے کہ وہ ساری دنیا کے لیے ہو، اور عقل میں آسکتا ہو۔

اسلام تمام دنیا کے لیے ہے کسی قوم یا ملک کے لیے مخصوص نہیں ہے تمام مسلمان دائرہ اسلام کے اندر مساوی حقوق رکھتے ہیں بخلاف دیگر مذاہب عالم کے اسلام کا ہر ایک پیرو اسلام کا ہر ایک نام لیوا اسلام کا مشنری ہوتا ہے۔ دیگر مذاہب میں یہ قید ہے کہ مخصوص علم برادران معلومات مذہبی کے علاوہ اور کسی کو مذہبی باتوں میں دخل دینے کا حق حاصل نہیں ہوتا بلکہ بعض حالات میں تو یہ قیود حد بے تمیزی تک پہنچ گئی ہیں۔ ہندوؤں میں شودروں کی حالت تشریح سے مستغنی ہے ممانعت ہے کہ وید پاک کی آواز شودر کے کان میں نہ پڑے، عیسائیوں میں پاپائے روم اور پادری صاحبان خدا اور یسوع مسیح کے خلیفہ بنے ہیں، نجات اخروی کے لیے پاپائے روم کے یہاں سے مردہ کے ساتھ قبر میں اللہ کے نام سفارشی نامے رکھے جاتے ہیں اور اب بھی پادری صاحبان مقدس پانی کے ذریعہ تمام معاصی سے پاک صاف کر دینے کے دعویدار ہیں۔

کامل مذہب کے معیار کا دوسرا جزو یہ ہے کہ عقل میں آسکتا ہو۔ مذہب میں

عقل کو دخل ہے اور ضرور ہے۔ معاملات مذہب میں عقل سے کام لینا سراسر غلطی ہے
اسلام ایک معقول پسند مذہب ہے۔ اس کے تمام احکام اور عبادات معقول
پسندی پر مبنی ہیں اور جیسا کہ ہم آگے چلکر عرض کریں گے ان میں نہایت عمدہ حکمتیں
اور مصالح مضمر ہیں۔ اسلام تمدن زندگی کا معاون ہے۔ بلکہ تہذیب تمدن کا
کارنامہ دنیا کے موجودہ دور میں اسلام ہی کے طفیل ہوا ہے۔ یورپ اپنی موجودہ دنیاوی
ترقی کے لیے دراصل اسلام کا منت کش ہے جب یا نیہ میں اب مسلمان نہیں ہے
لیکن انکا یہ نہ مٹنے والا کارنامہ صفحہ عالم پر باقی رہیگا کہ انہوں نے وحشی یورپ
کو مہذب ممالک کا سرتاج بنا دیا۔

اسلام میں کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے جو عقل میں نہ آسکتا ہو۔ گو ہم یہاں بھی یہ
کہنے پر مجبور ہیں کہ فی زماننا اسلام میں بہت سی بیرونی غیر اسلامی باتیں شامل
کردی گئی ہیں لیکن جب ہم اسلام کا ذکر کرتے ہیں تو اس سے مراد وہی پاک اور
صاف مذہب ہے جس پر رسول اللہ کی رہنمائی سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم
اجمعین کا عمل تھا۔ اور باقی سب مسلمانوں کا بھی ہونا چاہیئے۔ عیسائیت کا مادرالوجود
مسئلہ تثلیث عجائبات عالم میں شمار کیا جا سکتا ہے۔ انسانی عقل اس کی تفہیم سے
قاصر ہے کہ تین خدا کسطرح ایک کے برابر ہو سکتے ہیں اور پھر ایک تین کے برابر! ہندوؤں
کے تینتیس کروڑ چھوٹے چھوٹے خدا اور دیوتا بھی کسی دوسرے معمہ لاینحل سے کم نہیں

مذہب کے عقل میں آسکنے کے متعلق اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ کوئی
مذہب خواہ وہ اسلام ہی کیوں نہ ہو کسی کی سمجھ میں نہیں آسکتا تو یہ سراسر باطل
ہے۔ اس لئے کہ یہ اعتراض نہیں بلکہ مسئلہ زیر بحث کی ناسمجھی ہے۔ معقول ترین نوامیس
بھی جہلا کی ادراک سے بالاتر ہوتے ہیں۔ لیکن اس سے اُن کی معقولیت میں کوئی
فرق نہیں آسکتا۔

ایک دوسرا اعتراض جو سطحی طور پر کیا جا سکتا ہے یہ ہے کہ اگر عقل کو مذہب میں دخل ہے تو ہر ایک عاقل اپنے لیے جداگانہ مذہب بنا سکتا ہے ادنی تفکر سے یہ امر واضح ہوگا کہ کمال عقل مستلزم ہے اتفاق رائے کا۔ بالخصوص ان باتوں میں جو کہ مصالح عمومی سے وابستہ ہیں علی ہذا القیاس مذہب اسلام جو کہ عین فطرت انسانی کے مطابق خالق فطرت نے وضع کیا ہے تمام انسانی عقول کا نقطۂ اجتماع ہے۔ بالفاظ دیگر تہذیب نفس تزکیہ نفس و اصلاح مدن کے لیے جو قوانین مختلف قانون ساز عقلمند انسان گہری سوچ کے بعد بنا سکتے ہیں اُن سب کے جزو مشترک کا نام اسلام ہے جسکو انسانی عقل سے بالاتر عقل کل نے اپنے یزدانی فضل و کرم سے انسان کی رہبری کے لیے قرآن کریم کی شکل میں اپنے حبیب پاک کے اوپر نازل فرمایا۔ اس امر کی طرف یہ آیت دال ہے۔ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا۔ ترجمہ (آج ہم نے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو مذہب پسند فرمایا ہے۔)

پس ہر ایک عاقل عقل سلیم لیکر زمان و مکان کے اختلاف کو کلی طور پر مد نظر رکھتے ہوئے ہدایت انسان کے لیے جداگانہ مجموعہ قوانین وضع کرے تو جہاں تک اس کی سمجھ کامل اور عالمگیر ہوگی۔ اس حد تک اس کا مجوزہ مجموعہ قوانین اسلام سے مختلف نہ ہوگا۔ لیکن عقل انسانی عقال ہے ایک حد سے پرے یہ تجاوز نہیں کر سکتی اور اس طور پر ہمارے معلومات ہمیشہ محدود رہتے ہیں۔

آیات قرآنی وَمَا اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا۔ ان حقائق کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ بنا بریں اختلاف زمان و مکان کو ملحوظ خاطر کرتے ہوئے مختلف اقوام و ملل کے لیے مرسلان حق آتے رہے وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ حتیٰ کہ بعثت ختم المرسلین

کے ساتھ یہ سلسلہ منقطع ہوگیا۔ موجودہ دین تمام ادیان سابقہ سے افضل و اکمل ہے اس دین میں کسی قسم کا کوئی نقص نہیں۔ اگر کسی کو کوئی نقص نظر آتا ہے تو یہ اس کی سمجھ کا قصور ہے۔ اس تمہید و تشریح کے بعد اب ہم مذہب کے اجزائے سہ گانہ میں سے ہر ایک کی بابت بالاختصار رجوع کرتے ہیں۔ سب سے مقدم اور بنیادی چیز مذہب میں عقیدہ ہے عبادات و اخلاق کی عمارت عقیدہ ہی کی بنا پر ہوتی ہے۔ آپ لوگ اپنی تمثیل فرما لیجئے میں کہتا ہوں مذہب کے سب سے زیادہ وسیع اور عمومی جزو کا نام عقیدہ ہے۔ عقیدہ کی صحت ہی پر عبادات اور اخلاق کی مقبولیت اور اثر پذیری کا انحصار ہے۔ غلط عقیدہ کے ساتھ تمام عبادت باطل ہے۔

سب مذاہب میں جزو مشترک ذات باری تعالے ہے۔ دہریے لامذہب ہوتے ہیں ہم انہیں اس بحث سے خارج سمجھتے ہیں۔ اسلام نے توحید کامل سکھائی ہے اس سے قبل لوگ خدا کی ذات کو مانتے تھے لیکن صفات کے متعلق اتفاق نہ تھا بلکہ متعدد خدا مانے جاتے تھے۔ مثلاً نیکی اور بدی دو خداؤں یزداں اور اہرمن سے وابستہ کی جاتی تھی۔ اسلام نے سکھایا کہ نیکی و بدی دونوں ایک ہی خدا کی طرف سے ہیں۔ توحید کامل یوں سکھائی کہ خدا کی ذات ایک ہے۔ خدا کی صفات یکتا ہیں کوئی ان میں شریک نہیں اور صرف ایک ہی خدا عبادت کے لائق ہے۔

اسلام نے عبادات کا فلسفہ احسن طریقے سے سمجھایا ہے۔ پہلے مذاہب میں اپنے آپ کو تکلیف مالایطاق میں ڈالنا عین عبادت اور خوشنودی بارگاہ الٰہی کے حصول کا یقینی ذریعہ مانا جاتا تھا لیکن اسلام نے وضاحت کے ساتھ اس غلط خیال کی تردید کی کہ لارہبانیۃ فی الاسلام ترک دنیا تمدن و ترقی کے منافی ہے اور جیسا کہ عیسائی رہبانوں اور تارک الدنیا پادریوں کی حالت سے ظاہر ہے سرچشمہ معاصی و مخرب اخلاق ہے۔ ہنود سادھو موجود ہیں جو ایک جگہ بیٹھ جاتے ہیں اور ایک ہی حالت

میں متواتر بیٹھے رہنے سے کہیں تو ایسے ایسے لمبے ناخن گوشت کے آر پار کر لیتے ہیں اور کہیں ایک بازو کو بے کار رکھ کر کانٹے کی طرح خشک کر لیتے ہیں۔ سمجھتے ہیں کہ وہ اس طور سے پرماتما کو خوش کرتے ہیں حالانکہ ان کے ایسا کرنے سے خلقت عالم کی علت غائی فوت ہوتی ہے۔ اسلام نے صاف طور پر بتایا کہ عبادات محض تہذیب و تزکیۂ نفس کے لیے ہیں۔ خدا کو تمہاری عبادت کی ضرورت نہیں ہے۔ عبادات کا فلسفہ یہ ہے کہ انسان معاصی کے ارتکاب سے بچے اور بنی نوع کے ساتھ اس کو ہمدردی پیدا ہو۔ علاوہ ازیں اسلامی عبادات دنیا کے کاروبار میں مانع نہیں ہیں بلکہ ان میں سہولت پیدا کرتی ہیں۔ ان الدین یسر کسب حلال عین عبادت ہے۔ ایک طالب علم جو محنت مشقت تحصیل علم کے لیے برداشت کرتا ہے اعلیٰ درجہ کا عبادت گزار ہے۔ مزدور جو سارا دن بوجھ اٹھاتا ہے اور شام کو اپنے گاڑھے پسینہ کی کمائی سے بیوی بچوں کی سیر و تن کرتا ہے، عبادت کر رہا ہے اور دنیا کے نام نہاد پرہیزگاروں سے ارفع و اعلیٰ شان رکھتا ہے۔ انما حسب بنیت اللہ۔

حدیث پاک میں کتنے عمدہ طور پر حسن معاشرت کی تلقین کی گئی ہے۔ آنحضرت نے فرمایا ہے کہ مومن کا اپنی منکوحہ کے منہ میں لقمہ ڈالنا عبادت میں شامل ہے۔ علاوہ ازیں عبادات مخصوصہ کی علت غائی ذہن نشین کر دی گئی ہے۔ اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ خدا کو ہماری عبادات کی ضرورت نہیں بلکہ ہم اپنے فائدے کے لیے اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ اس لیے یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ فوائد کیا ہیں؟ یہ ایک مہتم بالشان سوال ہے اور اسی سوال کے جواب کی تفہیم تامہ پر انسانی زندگی کی کامیابی کا انحصار ہے۔ ہمارے نزدیک اس سوال کا جواب مختصراً قرب الٰہی اور تہذیب نفس ہے۔ اس اجمال کی تفصیل اخلاق اور عبادات مخصوصہ کی تشریح میں آ جائیگی لیکن اس مقام پر ہم چاہتے ہیں کہ قرب الٰہی کے مفہوم کو ذرا وضاحت کے ساتھ

بیان کردیں۔ قرب الہی ایک معنوی چیز ہے۔ فرض کیجیے کہ زید کا دل اللہ تعالیٰ کے قرب سے منور ہو گیا ہے تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس تنویر کا عملی پہلو کیا ہو گا۔ اور زید کی زندگی میں اس نورانیت کے باعث کیا ظاہری فرق پیدا ہو گا؟ قرب الہی کا عملی مظہر حقوق اللہ اور حقوق العباد کی صحیح اور مکمل ادائیگی ہے۔ اگر آپ کسی کی حق تلفی نہ کریں آپ کے ہاتھ اور زبان سے خلق خدا کو نقصان کی بجائے نفع پہنچے آپ کی طبیعت متکبرانہ نہ ہو آپ کے دل میں درد ہو اور اس کا نتیجہ عملی طور پر مالی اور جانی کا ایثار ہو یا بالاختصار اگر آپ اپنے جان و مال وغیرہ کو شکر گزاری کے ساتھ ایک اعلیٰ ہستی کی امانت تصور کریں اور بحیثیت ایک نساکر امین کے آپ کو اپنے جائز حقوق اور جملہ فرائض کا احساس ہو تو آپ اللہ کے مقرب اور اعلیٰ درجہ کے تہذیب یافتہ ولی اللہ ہیں۔

اور اگر یہ نہیں تو آپ لاکھ پابند صوم و صلوٰۃ، عابد شب بیدار اور تسبیح خواں ہوں پر حقیقت میں کچھ نہ ہوئے۔ اللہ تعالیٰ ظاہری لباس نشست برخواست وغیرہ کو نہیں دیکھتا بلکہ اس کی نظر دلوں پر ہوتی ہے انما الاعمال بالنیات اس کی نظر ظاہری عبادت کے عملی نتائج پر ہوتی ہے اس کی نظر آپ کی تمام زندگی پر ہوتی ہے۔

اسلام کے ارکان خمسہ توحید، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ جنہیں ہم عبادات مخصوصہ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ تہذیب نفس کے بہترین ذرائع ہیں۔ اور مسلمان کو صاف طور پر سکھایا گیا ہے کہ ہر ایک عبادت کی ایک علت غائی ہے جس کے حاصل ہونے نہ ہونے پر اس عبادت کی مقبولیت یا عدم مقبولیت کا انحصار ہے۔

نماز کے متعلق فرمایا ہے کہ یہ فواحش اور معاصی سے روکتی ہے ان الصلوٰۃ تنھی عن الفحشاء والمنکر نماز کے ساتھ ساتھ جھوٹی گواہی دینا، زنا کرنا خلق

آزادی وغیرہ اعمال قبیحہ شامل ہوں تو وہ نماز عملی حیثیت سے کالعدم ہی اگر ایک
حکم کی اطاعت بڑی تابعداری کے ساتھ ہی سا دیگر احکام کی نافرمانی ہوتی جائے
حالانکہ اگر اس پہلے حکم پر سمجھ کر عمل کیا جاتا تو باقی تمام احکام پر خود بخود صحیح
عمل ہوتا جاتا۔ تو اسے صحیح تابعداری نہیں سمجھا جائیگا۔ نماز پڑھنے سے طبیعت
میں خشوع خضوع پیدا ہونا چاہئے؛ اللہ تعالیٰ کے خوف سے دل پیدا ہو جانا چاہئے
یہ یقین ہر وقت دل میں جاگزیں ہونا چاہئے کہ اپنے اعمال کے مستحق ہیں کسی کی ہستی
کے سامنے جواب دہ ہوتا ہے۔ نماز سے مراد طوطے کی طرح چند الفاظ کو دہرا دینا یا اٹھنا بیٹھنا
نہیں ہے۔ نماز پڑھنے کے متعلق رسول اللہ نے فرمایا ہے کہ مومن کو اس طرح سے نماز
پڑھنی چاہئے جیسے وہ خدا کی حضوری میں موجود ہے۔ یعنی اسکو نماز پڑھتے وقت
خیال ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہے۔ اقل درجہ یہ ہے کہ انسان خیال کرے
کہ اگر میں خدا کو نہیں دیکھ رہا ہوں۔ تو کم از کم اللہ تعالیٰ تو ضرور مجھے دیکھ رہا ہے
پھر اگر نماز اس اہتمام کے ساتھ پڑھی جائے اور حسب حق تو خود بخود انسان کو تمام
فحش اور منکر باتوں سے بچالیگا۔ اور اگر کسی بشر کا دل ایسا ہی معاصی میں آلودہ
خیال کیا جائے کہ نماز کا اثر اس پر موت تک نہ رہ سکے تو کم از کم ایک نماز سے
دوسری نماز تک کوشش کے ساتھ تمام بری باتوں سے پرہیز کیا جاسکتا ہے
روزہ کے متعلق یہ کہا گیا کہ روزہ کے معنی فاقہ کشی نہیں ہیں بلکہ توجہ الی اللہ
اور گناہوں سے بچنے کے لیے یہ ایک قسم کا ہتھیار ہے۔ یاایہا الذین آمنوا کتب
علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون ایاما
معدودات (ترجمہ مسلمانو! جس طرح پہلے لوگوں پر روزہ رکھنا فرض کیا گیا
تھا اسی طرح تم پر بھی فرض کیا گیا ہے تاکہ تم چند دن بہت سے گناہوں سے بچو)
روزہ رکھنے کے متعلق نہایت واضح اور مفصل احادیث اس امر کی تاکید

کے لیے ہیں کہ روزہ سے مراد محض بھوکا رہنا نہیں۔ اگر کوئی آدمی روزہ رکھکر دانستہ جھوٹ بولتا ہے۔ اپنے کسی بھائی کا حق سلب کرتا ہے یا اور اسی قسم کا کوئی ممنوع فعل کرتا ہے تو وہ بے فائدہ زحمت فاقہ کشی برداشت کرتا ہے۔ علاوہ ازیں اسلام امیروں غریبوں سب کو یکساں طور پر ضبط نفس سکھاتا ہے اور اس کے ساتھ ہی امیروں کو غریبوں کی حالت زار سے بہتر طور پر مطلع کرتا ہے۔

پھر اسلام کے کامل اور مکمل ہونے کا ایک ادنیٰ ثبوت یہ ہے کہ صوم وصلوٰۃ کے سہل مسائل حالت مرض وسفر وغیرہ کے لیے جداگانہ نہایت سہل بیان فرمائے ہیں جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ عبادات مسلمانوں کو تنگ کرنے کے لیے ان پر بطور سزا کے نہیں لگادی گئی ہیں بلکہ ان سے مراد دین ودنیا کی سہولت اور بہتری ہی ہے۔

زکوٰۃ کی ضرورت اور فائدہ سے دنیا کی ایک عالم کلی طور پر تسلیم کر رہا ہے۔ انکم ٹکس خراج و محاصل زمین وغیرہ زراعت آمدنی پر محصولوں کا انحصار ہے۔ بدو اسلام کے وقت زکوٰۃ بیت المال میں جمع کی جاتی تھی اور اسی سے سپاہ نے پر اسلام کی افواج قاہرہ کے تمام مصارف برداشت کیے جاتے تھے۔ زکوٰۃ کے مسائل نہایت صاف اور مبنی بر انصاف ہیں میں نے اپنے کسی دوسرے رسالہ میں خاص طور پر زکوٰۃ کے متعلق حساب لگا کر دکھایا ہے کہ اگر آج مسلمان ٹھیک ساتھ پر زکوٰۃ نکالنا اور بجا طور پر خرچ کرنا شروع کردیں تو اسلام کا کوئی نام لیوا فاقوں مرتا ہوا نظر نہ آئے ادبار کی گھٹائیں منتشر ہوجائیں اور ننگ اسلام بھیک منگتوں اور پیشہ ور گداگروں کا تخم باقی نہ رہے۔ زکوٰۃ نکالنے والا مسلمان کبھی گوارا نہ کریگا کہ اس کے صدقہ اور خیرات کا مصرف تنومند الاعضا اور تندرست ہوں جو نہ خدا کے دیے ہوئے ہاتھ پاؤں کا بیجا استعمال کرکے قوم کی ذلت کا باعث ہورہے ہیں۔ زکوٰۃ ایک طرح

کا عالمگیر حکم ہے جو کہ ہر ایک صاحب نصاب پر اللہ کی طرف سے لگایا گیا ہے
اور جس کا ادا کرنا فرض ہے۔ اس کے علاوہ صدقہ خیرات میں مال و زر خرچ کرنے کی وافر
تحریص دلائی ہے لیکن اس کے ساتھ ہی گداگری کا قلع قمع کیا ہے۔ جو لوگ بطور
پیشہ کے بھیک مانگتے ہیں انکی ہرگز ہرگز کوئی مدد نہیں کرنی چاہئے۔ حدیث
شریف میں ہے کہ ایک آدمی اپنی حاجت لیکر رسول اللہ کے پاس حاضر ہوا آپ نے
اس سے دریافت فرمایا کہ تمہارے پاس کیا کچھ ہے؟ اور اس کے جواب دینے کے
بعد فرمایا پہلے اپنی ان اشیاء کو بیچو اور بیچنے کے بعد لے ایک کلہاڑی اور رسی خرید دی
فرمایا کہ جنگل میں سے جاکر لکڑیاں کاٹ کے لاؤ اور اس طرح محنت مزدوری
کرکے خود اپنا پیٹ پالو۔ کسی سے جہاں تک ہوسکے سوال مت کرو۔ قرآن
شریف میں مستحقین امداد کی نشانیاں بیان کی گئی ہیں کہ وہ کسی کے آگے دست
سوال دراز نہیں کرتے اصرار کے ساتھ کسی سے کچھ نہیں مانگتے۔ انہیں بےخبر
نادان خیال کرتا ہے کہ وہ سائل نہیں ہیں وغیرہ وغیرہ (دیکھو بقرہ رع ۲۰ پارہ ۳)
زکواۃ و خیرات کے ساتھ ساتھ سوال کا ذکر کرنا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے۔ اسلام
کے کامل ہونے کا ایک در ثبوت یہ ہے کہ انسان کے دل میں مال کی بیجا محبت کو
راسخ ہونے کی اجازت نہیں دیتا۔ انسانیت کو جمع مال سے مقدم گردانا ہے۔ ہم اوپر
بیان کرچکے ہیں کہ مستحقین امداد پر مال زکواۃ و خیرات کا صرف منشائے الٰہی ہے
لیکن اسلام کا مقصد ہرگز ہرگز یہ نہیں ہے کہ مسلمانوں کو دوسروں کے سامنے دست
سوال دراز کرنے کی عادت ڈالی جائے۔ اسلام میں اعلیٰ درجہ کی خودداری اور
حیاپروری سکھائی گئی ہے۔ سوائے اشد احتیاج کے کسی کے سامنے سوال کرنا
پرلے درجہ کی بےحیائی اور بےشرمی کا فعل ہے ؎

گردن منہ گر خصم بود رستم زال　　منت مبر گر دوست بود حاتم طے

اس کے ساتھ انسانیت اور بنی نوع انسان کے ساتھ ہمدردی کرنے کی تلقین بھی فرمائی ہے کہ اگر کوئی محتاج تم سے کچھ مالی مدد مانگے تو روپیہ کے واپس لینے میں اس پر تنگی نہ کرو۔ جہاں ایک مسلمان کو خیرات اور صدقہ کرنے کی ترغیب دلائی گئی ہے وہاں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اپنے ہم جنس کو دیکر اس سے سود مت لو بلکہ اگر ہو سکے تو اس کا اصل مال یا اس کا کچھ حصہ معاف کر دو۔ بہرکیف وصولی میں تنگی نہ دو۔ ہم یہاں سود کے وسیع مسئلہ پر قلم اٹھانا نہیں چاہتے یہاں صرف اس قدر بیان کرنا کافی ہے کہ سود کی ممانعت سے جو غرض و غایت ہے مسلمانوں کو اسے ہر وقت پیش نظر رکھنا چاہئے اور یہی ایک کسوٹی بنکوں وغیرہ مہاجنوں سے سود لینے نہ لینے کے جواز کی ہونی چاہئے۔ باقی آئندہ

واعظ

اردو کا پہلا صوفی شاعر

حضرت خواجہ میر دردؒ

اردو شاعری جو فارسی زبان کی [illegible] ایک [illegible] کے عروج و ترقی کی تاریخ دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ [illegible] شاعری کی بنیاد اس وقت پڑی جب تاتاریوں کے حملے ختم ہو چکے تھے [illegible] دیکھنا ضرور تعجب خیز ہے کہ اردو شاعری [illegible] تھا قریب قریب بالکل ابتدائی زمانہ سے ہو گیا تھا۔ حضرت خواجہ میر دردؒ۔ حضرت [illegible] وہ پاک نفس بزرگ تھے جن کے مقدس ہاتھوں [illegible] کا گل سرسبد لگا اور یہ ظاہر ہے کہ دونوں حضرات [illegible] زیادہ جیسے [illegible] اصلاح و ترقی کا [illegible] جو سلسلہ ان حضرات نے قائم کیا تھا اگر [illegible] سکتا ہے کہ اردو نظم میں [illegible] اور اخلاق کے [illegible] نہ ہوا ہوتا اور آج اردو فن سخن ترقی و عروج کے [illegible] پہنچا ہوتا۔

اس امر کے تسلیم کرنے سے [illegible] صوفی شاعری [illegible] فلسفہ [illegible] چند لوگوں کی مساعی جلیلہ خصوصیت سے تاریخ [illegible] آپ کے نتیجات فکر نے [illegible] زبان کے خزانہ [illegible] قیمت جواہرات کا اضافہ کیا۔ انصاف [illegible] ہے کہ اس [illegible]

میں حضرت درد نے جو کچھ کہا ہے وہ سب سے زیادہ قابلِ عظمت ہے۔ آپ کے معاصرین کے علاوہ بعض شعرا مابعد نے بھی اس شاخ شاعری میں گل بوٹے کھلانے کی کوشش کی ہے لیکن نہ صرف الفضل للمتقدم کے مصداق، حضرت درد کو ان سب پر فضیلت حاصل ہے بلکہ نوعیت مضامین و صداقت جذبات میں بھی آپکا پایہ بہت رفیع و اعلیٰ ہے اور یہ بات کسی اور کو نصیب نہیں ہوئی۔

آپ کا نام نامی خواجہ میر تھا اور درد تخلص کرتے تھے اردو شعرا کی فہرست بہت مطول ہے اور ایسے کئی شاعر آپ کو نظر آئیں گے جو ایک ہی تخلص کہتے ہونگے۔ اسی بھرمار کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ آج کسی کو موزوں تخلص ملنا دشوار ہو گیا ہے اور اب سے بہت پہلے اسی شکایت کا معنی خیز اظہار حضرت اسیر لکھنوی ان الفاظ میں کر چکے ہیں ؎

نہ ہو تڑ بیتے ہیں پر تخلص بھی نیا ملتا نہیں

لیکن ہزاروں اور لاکھوں تخلص میں چند ہی ایسے ملیں گے جو اثر اور مقبولیت کے اعتبار سے اپنے اندر ایک خاص تاثیر رکھتے ہیں اور جن کے سننے سے قلب خاص طور پر متاثر ہوتا ہے اور سامعہ نامعلوم طریقے پر اُس میں مخصوص کشش محسوس کرتا ہے درد بھی بلاشبہ اُن میں سے ایک ہے اور غالباً نمبر اول پر ہے اس قسم کے پر کیف پر تاثیر تخلص بہت کم خوش نصیبوں کے حصہ میں آئے ہیں۔

حضرت درد نسبی سلسلے میں ماں کی طرف سے حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبندیؒ کی اولاد میں ہیں۔ دادھیال ننھیال میں پیری مریدی کا سلسلہ ایک عرصہ سے قائم تھا اور دہلی میں جو آپ کا مولد و مسکن ہونے کا فخر رکھتا ہے۔ آپ کا گھرانا نہایت معزز و مفتخر تھا۔ آپ کے والد بزرگوار حضرت خواجہ محمد ناصر صاحبؒ نہ صرف ایک خدا رسیدہ اور معرفت شناس بزرگ تھے بلکہ قدسی صفات ہونے کے ساتھ

ہی ایک اعلیٰ درجہ کے شاعر اور ریختہ کا سخنگو تھے اور عندلیب تخلص کرتے تھے۔

حضرت درد کے بھائی سید محمد میر، اثر تخلص، ایک خوش فکر شاعر تھے آپ کی یادگار ایک دیوان اور مثنوی "خواب خیال" ہے موخر الذکر کی علمی عظمت کی ضمانت غالباً شمس العلما مولوی محمد حسین صاحب آزاد مرحوم کے یہ الفاظ ہو سکتے ہیں کہ "بہت اچھی لکھی ہے"

باپ اور بھائی کی مثال سامنے تھی، وہ غالباً ہی نے حضرت درد کو بھی شاعری کی طرف متوجہ کیا، یہ تو نہ اثر کہنا چاہیئے وہ طبعاً آپ شاعر تھے اور بد و فطرت سے ایک پختہ مغز شاعر ہونے کی صلاحیت آپ کے خمیر میں ودیعت کی گئی تھی۔ شاعری کے ساتھ اپنی خاندانی خصوصیت بھی ہاتھ سے نہیں جانے پائی یعنی طریق سلوک و فقر کے پابند بھی آپ پورے طور پر رہے۔ ذاتی خصائل و عادات کے لحاظ سے آپ اخلاق حمیدہ اور اسوۂ حسنہ کی مکمل اور دلکش تصویر تھے۔ صبر و تحمل قناعت، استقلال، عالی ہمتی۔ آپ کی معمولی صفات ہو سکتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس پر آپ کو اسقدر بھروسہ تھا کہ ہمیشہ صبر اور شکر کے ساتھ زندگی کے دن گزارنے کی کوشش کی اور کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلایا۔ وہ ہلچل و عالم کا زمانہ تھا، ملک میں چاروں طرف بدامنی اور شورش پھیلی ہوئی تھی خاص شہر دہلی میں یہ افسوسناک حالت تھی کہ شرفا کو اپنی عزت و عظمت کی حفاظت دشوار ہو رہی تھی بالآخر اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان لوگوں کو ہجرت وطن کی ناگوار مصیبت برداشت کرنا پڑی اور جس کو جدھر کا آسرا ملا چلا گیا۔ اس زمانہ میں لکھنؤ قدردانی علم و فن کے اعتبار سے دوسرا دہلی بنا ہوا تھا۔ اہل کمال و صاحب ہنر اشخاص نے جب دیکھا کہ دہلی میں رہ کر کھائیں گے کہاں سے! تو انہوں نے بھی لکھنؤ کا راستہ اختیار کیا۔ اس طریقہ سے بہت سے خاندان دہلی سے

نقل بود وباش کرکے لکھنو آکر آباد ہوگئے۔ لیکن حضرت درد دہلی سے نہ نکلے پر نہ نکلے۔ لیکن اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ

کون جائے ذوق پر دلی کی گلیاں چھوڑ کر

آپ کی نظریں عالم قدس کے دلفریب مناظر کی سیر میں جب مصروف رہتی تھیں تو انہیں دلی کی ویران گلیوں میں وابستگی کا سامان کیا تھا کہ ملتا اصلی سبب یہ تھا کہ آپ نے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیا، کہ جو مالک حقیقی یہاں ہے وہی دوسری جگہ ہوگا۔ اور نقل وطن کا نام نہ لیا مولوی محمد حسین صاحب آزاد بھی واقعہ کے متعلق اپنے انداز خاص میں یوں رقمطراز ہیں۔

ملک کی بربادی سلطنت کی تباہی آئے دن کی غارت و تاراج کے سبب سے اکثر امراو شرفا کے گھرانے گھر اور شہر چھوڑ چھوڑ کر نکل گئے ان کے پائے استقلال کو جنبش نہ آئی اپنے اللہ پر توکل رکھا اور جو بچا وہ بزرگوں نے بچھایا تھا، اس پر بیٹھے رہے۔

تذکرہ گلشن ہند میں بھی، جو مرزا علی لطف کی تصنیف ہے۔ اس واقعہ کا ذکر نہایت شرح وبسط سے کیا گیا ہے۔ اور اس جگہ اس کا اقتباس غالباً خالی از لطف نہ ہوگا۔

جبکہ متواتر زوال آفات کے باعث اور مکرر دولبلیات کے سبب شاہجہان آباد خراب ہوا اور مصدر عقوبت وعذاب ہوا تو ہر ایک درویش گوشہ نشین تھے، اور ہر ایک صاحبزادہ کہ جنہوں نے اور سر مالعار سنے، اور ہر امیر عالی مقدار نے، فرار کو غنیمت جانا اور بھاگے ادہر کو جدہر پایا ہوگا۔ مگر وہ سید والا تبار کہ تمام نامی اسکا خواجہ میر تھا۔ اس قطب آسمان استقلال نے خیال بھی جگہ سے سرکنے

ہو نہ گیا متحمل بلاؤں کے اور حامل جفاؤں کے ہوئے اور شاہجہان آباد
کو چھوڑ کر ایک قدم اپنے کنج عزلت سے نہ گئے ۔

سطور مندرجہ بالا سے جہاں حضرت درد کے عزم و استقلال کا قابل عظمت اندازہ ہوتا ہے وہاں یہ بھی منکشف ہوتا ہے کہ آپ کی عظمت شخصیت کا سکہ اپنے خود بلا اثر اور رعب خواص و عام پر تھا۔ مصنف تذکرہ گلشن ہند کے خلق نہ ہونے کی شکایت ہے کہ خواہ کسی وجہ سے ہو اکثر بزرگوں کا ذکر اس نے اپنے تذکرہ میں معاندانہ طریق پر کیا ہے۔ لیکن اوپر کے اقتباس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بھی حضرت درد کے علوئے مرتبت کا دل سے قائل تھا اور آپ کی بزرگی اور جلالت کا سکہ اس کے قلب پر بیٹھا ہوا تھا ورنہ جب حضرت مولانا شاہ ولی اللہؒ ایسے قابل تعظیم اور بابرکت نفوس اس کی دریدہ دہنی سے محفوظ نہ رہ سکے تو حضرت درد کس طرح محفوظ رہ سکتے تھے۔

اوپر عرض کیا جا چکا ہے کہ حضرت درد نہ صرف شاعر تھے بلکہ صوفی بھی تھے اور صوفی بھی ایسے کہ سرگروہ متصوفین۔ آپ کی یہ خصوصیت آپ کی تصنیفات سے بھی نمایاں ہوتی ہے جن کی تفصیل یہ ہے۔

دیوان اردو۔ دیوان فارسی۔ رسالہ اسرار الصلوٰۃ۔ واردات
درد۔ علم الکتاب۔ واقعات درد۔ ایک رسالہ حرمت غنا میں۔

رسالہ اسرار الصلوٰۃ اس وقت لکھا گیا تھا جب آپ کی عمر شریف پندرہ برس کی تھی اور واردات درد کے سال تصنیف میں آپ ۲۹ برس کے تھے اس سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ مشاغل علمی کا سلسلہ بالکل اوائل عمر سے قائم ہو گیا تھا علم الکتاب ایک سو گیارہ رسالوں کے مجموعہ کا نام ہے جس میں نالہ درد۔ آہ سرد درد دل وغیرہ بھی شامل ہیں۔ یہ مجموعہ، جو واردات درد کی شرح کا کام

دیتا ہے طبقہ صوفیائے کرام میں خاص مقبولیت رکھتا ہے اور بڑی عزت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ آپ کے دیوان اردو و فارسی بھی اس حیثیت سے کہ اس کی سطر سطر اور صفحہ صفحہ صوفیانہ مضامین سے لبریز ہے، متصوفانہ لٹریچر کے لیے مایۂ ناز ہیں۔

آپ صوفی تھے۔ پیری مریدی کا سلسلہ آپ کے خاندان میں قدیم سے چلا آتا تھا۔ آپ کے دولت کدہ میں اوقات مقررہ میں صوفیانہ مجلسیں ہوا کرتی تھیں جس میں اہل دل اور اہل درد شریک ہو کر داخل حسنات ہوتے تھے قوالوں اور ماہرین فن موسیقی کے لیے اس مجلس کی شمولیت بے اندازہ فخر و مباہات کا ذریعہ تھی خود حضرت درد کو فن موسیقی میں دستگاہ کامل تھی کہ بڑے نامی گویے اور قوال آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر استفادہ کی کوشش کرتے تھے انہیں مجلسوں میں شریک ہونے کا شوق شاہ عالم بادشاہ کو بھی تھا اور اس کے اظہار خواہش کے باوجود حضرت درد نے اجازت شرکت نہ دی کہ فقیروں کی مجالس میں بادشاہوں کا کیا کام۔ اس سے ایک دلچسپ واقعہ متعلق ہے کہ جب ظاہری طور پر شرکت سے بادشاہ مایوس ہو گیا تو ایک دن بلا حصول اجازت چلا آیا۔ شاہ صاحب بے قصد اب کیا فرماتے خاموش ہو رہے۔ اتفاق سے بادشاہ کے پیر میں درد تھا جس کی وجہ سے جب وہ مجلس میں بیٹھا تو پاؤں پھیلا دیے حضرت درد نے فرمایا یہ فقیر کی داب محفل کے خلاف ہے بادشاہ نے عرض کی کہ پاؤں لنگ کر رہا ہے فرمایا کہ تشریف لانے کی کیا ضرورت تھی۔ اللہ اللہ کیا شان استغنا تھی کہ بادشاہ بھی گھر پر آویں تو پروا نہ کی جائے۔ سچ ہے جو نیک بندے خدا کے ہو جاتے ہیں وہ کسی اور کے نہیں ہو سکتے اور دنیاوی جاہ و جلال ان کے قلب کو متاثر نہیں کر سکتا اور یہی شان بے نیازی تھی کہ عمر بھر گوشہ قناعت سے قدم باہر نہ نکالا نہ کسی کی نوکری کی اور نہ کسی کے پاس حاجت لیکر گئے

شاہی جاگیریں جو بزرگوں سے میراث میں چلی آ رہی تھیں، ذریعہ معاش تھیں اور انہیں پر گزران تھا۔

ذاتی حالات و خصائل پر اس سے زیادہ روشنی ڈالنا محال ہے اس وجہ سے کہ اس سے زیادہ حالات کا کسی کتاب یا تذکرہ سے پتہ نہیں چلتا۔ اب ہم شاعری کے محاسن پر نظر ڈالیں گے جو بہت بڑی حد تک اس مضمون کی حقیقی غرض و غایت ہے اور بالفعل اردو شاعری سے بحث کریں گے، آپ کا اردو دیوان عام طور پر متداول ہے یہی آپ کا سرمایہ عمر ہے اور اسی سے آپ کی اردو شاعری کا حسن و قبح معلوم ہو سکتا ہے۔ غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اگرچہ اس دیوان کی ضخامت بہت مختصر اور معدود سے چند غزلیات وغیرہ پر مشتمل ہے لیکن علمی حیثیت سے اردو علم ادب میں یہ ایک گرانمایہ جواہر ہے جس کی آب و تاب ان دونوں اوراق نے بھی گنوں کی اور جس کی عظمت و وقعت بے اندازہ ہے۔ غزلیں تعداد اشعار کے لحاظ سے چھوٹی ہیں۔ لیکن ان کا ایک ایک شعر بے مثل و بے نظیر ہے آپ کے کلام میں متانت و وقار اور سنجیدگی کا جزو لاینفک کچھ اس طرح شامل ہے کہ پڑھنے والا اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا آپ کی غزلیات کی مابہ الامتیاز خصوصیت یہ ہے کہ زیادہ تر چھوٹی بحروں میں ہیں اور وہ اپنی جگہ لاجواب دلچسپی اور عدیم المثال لذت سخن سے مالا مال ہیں۔ مثلاً ؎

جگ میں آکر ادھر ادھر دیکھا
تو ہی آیا نظر جدھر دیکھا

جان سے ہو گئے بدن خالی
جس طرف تو نے آنکھ بھر دیکھا

نالہ فریاد آہ اور زاری
آپ سے ہو سکا سو کر دیکھا

اُن لبوں نے نہ کی مسیحائی
ہم نے سو سو طرح سے مر دیکھا

ہم نے کس رات نالہ سر نہ کیا — پر اُسے آہ کچھ اثر نہ کیا
سب کے یہاں تم ہوئے کرم فرما — اس طرف کو کبھی گذر نہ کیا
کتنے بندوں کو جان سے کھویا — کچھ خدا کا بھی تونے ڈر نہ کیا
کونسا دل ہے جس میں خانہ خراب — خانہ آباد تونے گھر نہ کیا

جو کچھ کہا ہے صاف صاف کہ مطالب کے ذہن نشین ہونے میں کوئی الجھن نہیں پیدا ہوئی۔ پھر معنوی لطافت بھی ہاتھ سے نہیں جانے پائی۔ چوتھے شعر کا لطف صاحب ذوق سلیم سے پوشیدہ نہیں۔ ساتویں شعر کی طرز تخاطب خاص طور سے قابل داد ہے۔ پہلا شعر صوفیانہ رنگ میں ڈوبا ہوا ہے جو حضرت درد کا خاص رنگ کہا جا سکتا ہے مندرجہ ذیل اشعار بھی یہ رنگ خصوصیت سے نمایاں ہے ؎

تجھی کو جو یاں جلوہ فرما نہ دیکھا — برابر ہے دنیا کو دیکھا نہ دیکھا
یگانہ ہے تو آہ بیگانگی میں — کوئی دوسرا اور ایسا نہ دیکھا
حجاب رخ یار تھے آپ ہی ہم — کھلی آنکھ جب کوئی پردا نہ دیکھا
شب و روز اے درد درپے ہوں اُس کے — کسو نے جسے یاں نہ سمجھا نہ دیکھا

ارض و سما کہاں تری وسعت کو پا سکے — میرا ہی دل ہے وہ کہ جہاں تو سما سکے

ہے غلط گر گمان میں کچھ ہے — تجھ سوا بھی جہان میں کچھ ہے

ڈھونڈھتے ہیں آپ سے اس کو پرے — شیخ صاحب چھوڑ گھر باہر چلے
ہم نہ جانے پائے باہر آپ سے — وہ ہی آڑے آگیا جیدھر چلے

اس مطلع کی شان ملاحظہ ہو۔

مدرسہ یا دیر تھا یا کعبہ یا بت خانہ تھا ہم سبھی مہمان تھے واں تو ہی صاحب خانہ تھا

اسی غزل کے یہ دو شعر نہایت پرکیف ہیں۔

وائے نادانی کہ وقت مرگ یہ ثابت ہوا خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا
ہوگیا مہماں سرائے کثرت موہوم آہ وہ دل خالی کہ تیرا خاص خلوت خانہ تھا

غزل سر دیوان کے یہ چند اشعار قابل دید ہیں۔

مقدور ہمیں کب ترے وصفوں کے رقم کا حقا کہ خداوند ہے تو لوح و قلم کا
اس مسند عزت پہ کہ تو جلوہ نما ہے کیا تاب گزر ہووے تعقل کے قدم کا
بستے ہیں ترے سائے میں سب شیخ و برہمن آباد ہے تجھ سے ہی تو گھر دیر و حرم کا
ہے خوف اگر جی میں تو ہے تیرے غضب کا اور دل میں بھروسا ہے تو ہے تیرے کرم کا

مانند حباب آنکھ تو اے درد کھلی تھی
کھینچا نہ پر اس بحر میں عرصہ کوئی دم کا

حمد و معرفت و ناشناسی خاص مضامین تھے جن کو حضرت درد نے اپنے انداز خاص میں کثرت سے نظم کیا ہے۔ اس کے علاوہ انسانی زندگی [illegible] کے اہم مسائل بھی اکثر بحیثیت نظم ہوئے ہیں اور [illegible] سے تعلق رکھتے ہیں بعض نہایت [illegible] الفاظ میں بیان کر گئے ہیں مثلاً

تہمت چند اپنے ذمے دھر چلے کس لیے آئے تھے ہم کیا کر چلے
زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے

معانی و مطالب کے جو [illegible] ان شعروں میں پوشیدہ ہیں [illegible] کے لیے ایک دفتر [illegible] ہوگا۔ [illegible]
بیان نہایت دلکش، الفاظ منتخب، ترکیبیں درست و فصیح [illegible]

دلپسند ہیں۔ مثال کے طور پر یہ اشعار دیکھیے:۔

باہر نہ آسکی تو قیدِ خودی سے اپنی — اے عقلِ بے حقیقت دیکھا شعور تیرا
جھکتا نہیں ہمارا دل تو کسی طرف یاں — جی میں سما رہا ہے از بس غرور تیرا

گلیم بخت سیہ سایہ دار رکھتے ہیں — یہی بساط میں ہم خاکسار رکھتے ہیں
بلا ہے نشۂ دنیا کہ تا قیامت آہ — سب اہل قبر اسی کا خمار رکھتے ہیں
ہمارے پاس ہے کیا جو کریں فدا تجھ پر — مگر یہ زندگی مستعار رکھتے ہیں

اکسیر پہ ہوس آشنا نہ ناز کرنا — بہتر ہے کیمیا سے دل کا گداز کرنا

پرورشِ غم کی ترے یاں تئیں تو کی دیکھا — کوئی بھی داغ تھا سینے پہ کہ ناسور نہ تھا
باوجودیکہ پر و بال نہ تھے آدمؑ کے — وہاں پہنچا کہ فرشتے کا بھی مقدور نہ تھا

حضرت دردؔ کے کلام کی ایک بڑی خصوصیت درد و تاثیر ہے۔ کسی شاعر کے لیے یہ دونوں چیزیں اس لیے موجب فخر و مباہات ہو سکتی ہیں کہ ان کا حاصل کرنا اکتساب و سعی سے ممکن نہیں ہوتا بلکہ یہ عطیہ خداوندی ہیں جو خوش نصیب لوگوں کے حصہ میں آتا ہے۔ ان شعروں کو آپ پڑھیں۔ اور سوز و گداز، اور حسرت دردؔ کی صحیح اور سچی کیفیات سے لذت اندوز ہوں:۔

مژگانِ تر ہوں یا رگِ تاکِ بریدہ ہوں — جو کچھ کہ ہوں سو ہوں غرض آفت رسیدہ ہوں
ہر شام مثلِ شام ہوں میں تیرہ روزگار — ہر صبح مثلِ صبح گریباں دریدہ ہوں
کرتی ہے بوئے گل تو مرے ساتھ اختلاط — پر آہ میں تو موجِ نسیمِ وزیدہ ہوں
اے دردؔ جا چکا ہے مرا کام ضبط سے — میں غم زدہ تو قطرۂ اشکِ چکیدہ ہوں

ہم کس ہوس کی تجھ سے فلک جستجو کریں — دل ہی نہیں رہا ہے جو کچھ آرزو کریں
نے گل کو ہے ثبات نہ ہم کو ہے اعتبار — کس بات پر چمن ہوس رنگ و بو کریں

صیاد اب رہائی سے کیا مجھ اسیر کو — ہو کس کو زندگی کی توقع بہار تک

مدت تلک جہاں میں ہنستے پھرا کئے — جی میں ہے خوب دیجئے اب بیٹھ کر کہیں
ساقیا یاں لگ رہا ہے چل چلاؤ — جب تلک بس چل سکے ساغر چلے

۔۔ و کریں جستجو کریں۔ اس غزل میں یہ شعر بیت الغزل ہونے کا حق رکھتا ہے فرماتے ہیں ؎

تر دامنی پہ شیخ ہماری نہ جا ابھی — دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں

اسی طرح مندرجہ ذیل متفرق اشعار اپنی اپنی جگہ پر کسی نہ کسی خاص خوبی کے سبب دیکھنے کے لائق ہیں۔

حالت پہ پھیلا ہوں میں میرا جگر دیکھنا — جی نہ رہے گا یار ہے مجھ کو ادھر دیکھنا
ذکر وفا کیجئے اس سے جو واقف نہ ہو — کہتے یہ کس سے ہو تم ٹک تو ادھر دیکھنا

اے آنسوؤ نہ آئے کچھ اس کی بات منہ پر — لڑکے ہو تم کہیں مت افشائے راز کرنا

چھاتی پہ گر پہاڑ بھی ہووے تو ٹل سکے — مشکل ہے جی میں بیٹھے سوئی سے نکل سکے

ہر سودگی ہر رشتہ نسبت ہے وصول — دل میں کسو کے آہ کوئی راہ کیا کرے

کلام دردؔ کے مندرجہ بالا اقتباسات سے اندازہ ہوسکتا ہو کہ ادبی حیثیت سے اُس کا پایہ کس قدر بلند ہو، خیالات کی بلندی، جذبات کی پاکیزگی، تخیل کی نزاکت و نفاست، زبان کی لطافت معنی آفرینی غرض ہر پہلو سے وہ مکمل ہو اور کوئی کمی یا کوئی نقص اس میں غائر نظر سے دیکھنے پر بھی نہیں معلوم ہوتا پھر مضامین کی نوعیت پر غور کیجئے تصوف، اخلاق، موعظت و پند کے ساتھ ہی ساتھ عشقیہ باتیں اس سنجیدگی اور تہذیب کے ساتھ نظم ہوئی ہیں کہ مخالف سے مخالف کو بھی خردہ گیری کی جرات نہیں ہوسکتی۔ عاشقانہ رمز و کنایے کچھ اوپر کے اشعار میں موجود ہیں۔ اور چند مثالیں ذیل میں درج کیجاتی ہیں۔

قتل عاشق کسی معشوق سے کچھ دور نہ تھا　　پر ترے عہد کے آگے تو یہ دستور نہ تھا

اذیت، مصیبت، ملامت، بلائیں　　ترے عشق میں ہم نے کیا کیا نہ دیکھا
کیا مجھکو داغوں نے سرو چراغاں　　کبھو تونے آکر تماشا نہ دیکھا

اس نے قصداً بھی میرے نالے کو　　نہ سنا ہوگا گر سنا ہو گا
یک بیک نام لے اُٹھا میرا　　جی میں اُس کے کیا آگیا ہوگا

دل بھی تیرے ہی ڈھنگ سیکھا ہو　　آن میں کچھ ہو آن میں کچھ ہو

دیکھنے کو ترے ترستے ہم　　نہ کیا رحم تونے پر نہ کیا

بتوں سے کہ جور اُٹھاتے ہزار ہا ہم نے　　جو اس پہ بھی نہ ملیں اختیار رکھتے ہیں

مختصر یہ ہے کہ حضرت درد علیہ الرحمتہ کی شاعری اردو زبان کے لیے سرمایۂ افتخار و اعزاز ہے اور جس طرح اردو شاعری کے محسنوں کی فہرست میں میر و سودا کا نام ہمیشہ جلی قلم سے لکھا جائیگا وہاں درد بھی اس فہرست میں اُن کے پہلو بہ پہلو جگہ پانے کا جائز حق رکھیں گے۔ یہ بھی حسن اتفاق کی بات ہے کہ ان تینوں بزرگوں نے ایک ہی زمانہ پایا ایک ہی استاد (سراج الدین علیخاں آرزو) کے آگے زانوے تلمذ تہ کیا اور ایک ہی طریقے پر اپنے دل و دماغ کو اردو شاعری کی خدمت کے لیے وقف کرکے اُس میں اصلاح و ترقی کی شاہراہیں نکالیں۔ میر صاحب نے حضرت خواجہ میر درد کو آدھا شاعر تسلیم کیا ہے لیکن انصاف پسند طبائع حضرت درد کے کارناموں کو خود میر کے کارناموں سے کسی طرح کم نہیں پاتے۔ اس لیے جہاں تک اردو زبان اور اردو شاعری کی خدمت کا تعلق ہے میر، سودا، اور درد یکساں طور پر اپنی مساعی جمیلہ کے لیے شکرگزاری کے مستحق ہیں۔

حضرت درد علیہ الرحمتہ کا وصال بمقام دہلی، ۶۸ برس کی عمر میں ۲۴ صفر المظفر ۱۱۹۹ھ کو جمعتہ المبارک کو ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آپ کے معاصر شعرا میں میر و درد کے علاوہ حضرت مظہر جانجاناں بھی تھے۔ شاگردوں میں کئی مشہور ہوئے، جن میں سے قائم چاند پوری کا نام خصوصیت سے لینا چاہیئے، جنھوں نے آپ کے علاوہ سودا سے بھی استفادہ کیا ہے۔

صوفی

نعت

وقت آیا جو نعت حضرت کا — ولولہ بڑھ گیا طبیعت کا
نام کس کا شفیع محشر ہے — شیفتہ کس پہ رب اکبر ہے
وحی منزل ہے بات حضرت کی — فخر آدم ہے ذات حضرت کی
در دولت پہ جبہہ سائی کی — آج تقدیر نے رسائی کی

شوق میں جب زباں پہ نام آیا
غیب سے تحفۂ سلام آیا

اے حبیب خدا ترے صدقے — مظہر کبریا ترے صدقے
خضر راہ خدا ترے قرباں — ہادی و رہنما ترے قرباں
عنبریں زلف پر فدا سنبل — رخ رنگیں پہ صدقہ لالہ و گل
باغ عالم کی تجھ سے زینت ہے — تختۂ خاک صحن جنت ہے
تو نے کی ہے وہ رمز سازی — صدقے جس پر عراقی و تازی
روح اسلام دل میں پھونکی ہے — تازگی باغ دیں کو بخشی ہے
مست ہو کر ترے ترانے سے — ہوئے نا آشنا زمانے سے

چھوڑ کر در ترا کہاں جائیں
تیرے کہلائیں گے جہاں جائیں

رسا ہمدانی
گیاوی

نظام المشائخ

نمبر ۶ | بابت ماہ ذی الحجہ ۱۳۴۳ھ | جلد ۱۲

فہرست مضامین

لطائف حضرت اکبر الہ آبادی

جولائی ۱۹۱۶ء کے آخری ہفتہ میں حضرت مولانا سید اکبر حسین لسان العصر الہ آبادی کی خدمت میں حاضری کا اتفاق ہوا اثنائے گفتگو میں جو لطائف و حقائق حضرت کی زبان مبارک سے نکلے قلم بند کر لیئے گئے۔

حسن نظامی

وحدت کا لطیفہ

ارشاد ہوا۔ تمام کائنات میں ہر موجود چیز پر صرف ایک ہی لفظ "ایک" صادق آتا ہے۔ ایک کے باہر کوئی شئے ثابت نہیں ہوتی۔

تم ایک مکان کو پوچھو کہ یہ کیا ہے میں کہوں گا ایک۔ اس کے دروازہ دریافت کرو لوں گا ایک۔ اس کی چھت کو۔ اس کی دیوار کو۔ غرض مکان کی ہر چیز کو ایک ہی کہا جائیگا۔

چار آم رکھے ہوں میں ہر آم کو ایک کہوں گا کیونکہ ہر آم ایک ہی ہے۔

ایک چیز کے آٹھ ٹکڑے کرو تب بھی ہر ٹکڑا ایک رہیگا اور آٹھوں کو ملا دو تب بھی ایک کا لفظ اس پر صادق ہوگا۔

ایک امرود۔ ایک گھوڑا۔ ایک انجن۔ ایک ٹوپی ایک روپیہ یا ہر موجود شئے کو جب ہم دیکھتے اور اس کو بیان کرنا چاہتے ہیں تو ایک کا لفظ بولنا پڑتا ہے وہ چیز جس کو ایک بولا جاتا ہے کچھ ہی ہو مگر ایک کا لفظ سب میں یکساں ہے۔ یہاں تک کہ ایک ذرہ کے چار ٹکڑے کرو تب بھی ہر ٹکڑا ایک بولا جائے گا۔ ایک کے بعد کا لفظ صفت ہے اور "ایک" ذات ہے گویا ہر صفت ذات واحد کے ماتحت ہے خواہ اسکی

کوئی صورت اور کیسی ہی شکل ہو۔

اوج موج اور یاجوج ماجوج

ارشاد ہوا۔ یاجوج ماجوج اوج وموج سے نکلے ہیں۔ جو اوج یعنی فضائے ہوائی اور موج یعنی بحری شان پر اقتدار رکھتا ہو اور اوج وموج کا مالک ہو اسکو یاجوج ماجوج سمجھنا پڑے گا کہ اوج وموج اس کے اندر ہیں۔

نگاہ اولیں کی اسیری

ارشاد ہوا۔ انسان ہوش سنبھالتے ہی جب دنیا پر نگاہ اولیں ڈالتا ہے تو اس کے کرشموں میں الجھ کر رہ جاتا ہے۔ انکو دوبارہ نظر ڈالنے کی فرصت ہی نہیں ملتی۔

مگر بعض لوگ نگاہ اولیں کے بعد اور نگاہیں بھی اس پر ڈال سکتے ہیں اور پہلی نظر ان میں الجھاؤ نہیں ڈالتی وہی لوگ اولیا اور انبیا ہوتے ہیں۔

نگاہ اولیں سے مراد دنیا کی دولت۔ عورت۔ بچے اور عیش وراحت کی طلبگاریاں ہیں جو انسان کو نظر آتے ہی اپنا قیدی بنا لیتی ہیں۔

اللہ میاں یوپی میں سے گئے

ارشاد ہوا ہم ایک دفعہ ایک شہر میں گئے جہاں ہمارے لڑکے سید عشرت حسین ڈپٹی کلکٹر تھے وہاں کے بہت سے آدمی ہمارے استقبال کو آئے۔ پلیٹ فارم پر ایک رئیس کھڑے تھے۔ ان سے کسی نے کہا یہ خان بہادر مولانا سید اکبر حسین جج الہ آبادی ہیں۔ ان رئیس نے یہ الفاظ سنکر بہت معمولی طرح سے مصافحہ کیا اسطرح کہ گویا ان پر ہماری تعریف کا کچھ بھی اثر نہیں ہے۔ اور انہوں نے ہمکو ذرا بھی قابل وقعت نہیں سمجھا۔ اس کے بعد ایک صاحب نے ان ہی رئیس سے کہا یہ صاحب ڈپٹی عشرت حسین صاحب کے والد ہیں۔ ڈپٹی صاحب کے والد کا لفظ سنتے ہی ان رئیس نے کہا آہا آپ ڈپٹی صاحب کے والد ہیں۔ یہ کہکر لپٹ گئے اور نہایت تپاک و اعزاز سے باتیں کرنے لگے

اس پر ہم نے کہا۔ اللہ میاں ایک دفعہ یورپ میں گئے۔ اور کسی نے اہل یورپ سے ان کا تعارف کرایا کہ یہ خدا ہیں۔ انہوں نے آسمان بنایا۔ زمین پیدا کی چاند سورج چمکائے اور ساری مخلوق ان ہی کی بنائی ہوئی ہے تو اہل یورپ نے اللہ میاں کو باوجود اس تعریف کے نہ پہچانا۔ اور ایک اجنبی شخص کی طرح صورت دیکھتے رہے اور ان پر اللہ میاں کا کچھ بھی اثر نہ ہوا۔ اتنے میں ایک شخص نے کہا یہ حضرت عیسیٰ کے والد ماجد ہیں۔ یہ سنتے ہی سارا یورپ آہا آہا کہکر اللہ میاں کے قدموں میں گر پڑا۔

نگاہوں کی مار کا ڈر

ارشاد ہوا عورتیں پردہ سے نکل آئیں تو اُن کی لطافت گم ہو جائے گی کیونکہ ہزاروں لاکھوں نگاہوں کی مار اُنکے چہروں پر پڑے گی اُن کے چہرہ کی لطافت اتنی مار کھانے کے بعد کیونکر سلامت رہ سکتی ہے۔

پردہ ایک قلعہ ہے

ارشاد ہوا پردہ مسلمانوں کے لیے ایک قدرتی قلعہ ہے اور ایک ایسی طاقت ہے جس کو کوئی قوت فتح نہیں کر سکتی غریب سے غریب اور ادنیٰ سے ادنیٰ مسلمان زنان خانہ کا ایک قلعہ اپنے پاس رکھتا ہے کہ جب اس کے اندر گھس جائے تو کسی کی ہمت اس پر ہاتھ ڈالنے اور پردہ کے اندر گھسنے کی نہیں ہوتی۔

پردہ اُٹھ گیا تو مسلمانوں کا یہ رہا سہا قلعہ بھی چھن جائے گا عورتوں کے پردہ کی آڑ میں ایک بڑی فصیل مسلمانوں کے بھرم کو سنبھالے ہوئے ہے۔

امرتسر کے انگریز پردہ کو انعام دیں

یہ لطیفہ سنکر میں نے (حسن نظامی نے) خیال کیا کہ سنہ ۵۷ کے ہنگامہ میں امرتسر کی چند انگریز عورتوں اور مردوں کی جان پردہ سے بچائی گئی کہ خیر خواہ لوگ ان کو

پردہ دار ڈولیوں میں چھپا کر لے گئے۔

گورنمنٹ پنجاب نے جان بچانے والوں کو سینکڑوں روپیہ انعام دیا۔ مگر پردہ کے حق میں ایک لفظ نہ کہا۔ لہٰذا اب گورنمنٹ پنجاب کو لازم ہے کہ وہ ایک سرکاری اعلان اس مضمون کا شائع کرے۔

مسلمانوں کے پردہ نے انگریز مردوں اور عورتوں کی جان بچانے میں بڑا کام کیا اگر ان کو مسلمان عورتوں کی طرح پردہ کے اندر نہ بٹھایا جاتا تو بلوائی ان کو ضرور مار ڈالتے۔ بلوائیوں نے پردہ کے اندر چھپے ہوئے انگریز مردوں اور عورتوں کو مسلمان پردہ نشین مستورات خیال کیا اور پردہ کی عزت پر ان کو حملہ کرنے کی جرات نہ ہوئی۔

گورنمنٹ اقرار کرتی ہے کہ اسلامی پردہ بڑے ادب کی چیز ہے جس کے وقار نے جوش سے از خود رفتہ دیوانوں کو مغلوب کر لیا جو توپوں سے بھی مغلوب نہ ہوتے تھے۔ گورنمنٹ کو ہمیشہ یاد رہیگا کہ ہندوستان میں اسلامی پردہ ہی سب سے بڑی طاقت ہے۔

آغوش فطرت

ارشاد ہوا ہر مخلوق فطرت کی گود میں پیدا ہوتی ہے اس سے جدا ہو جائے تو یا سلامت نہ رہیگی یا بے اطمینان ہو جائے گی۔ فرمایا۔ ماں کی گود بچہ کے لیے آغوش فطرت ہے اگر بچہ اس سے الگ کر لیا جائے تو بے چین ہو جاتا ہے۔ نیک جب تک پتہ اپنے درخت میں لگا ہوا ہے تو آغوش فطرت میں ہے ہو کر ٹوٹ کر الگ پڑ رہے تو سوکھ کر فنا ہو جائیگا۔ ایک جاہل نوابوں کی مجلس میں اُن بیٹھے تو بادجود دائی وجہ حاصل کرنے کے وہ بیچین و مضطرب نظر آئیگا کیونکہ وہ مجلس اسکا آغوش فطرت نہیں ہے۔ لہٰذا ہر انسان کو اپنا آغوش فطرت تلاش کرنا چاہئے اگر وہ خوشی و اطمینان کی زندگی کا خواستگار ہے۔ حسن نظامی

اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ

آہ انسان کی نادانی اور غفلت بھی کس درجہ غم انگیز و ماتم آفریں ہے کہ حصول راحت و اطمینان کے لیے خدا معلوم کیا کیا پاپڑ بیلتا ہے اور ساری عمر اسی تلاش و جستجو میں گزار دیتا ہے مگر وہ کبھی اسکو میسر نہیں آتی اور پھر شکوہ شکایت کرتا ہے کہ دنیا دار المحن ہے۔ یہاں آرام و اطمینان نہیں ہے اور یہ کہ اس نے کوئی دقیقہ حصول اطمینان کا اٹھا نہیں رکھا پھر بھی ناکامی جو روز اول سے اس کے شریک حال تھی۔ اس نے اس کا ایک لمحہ کے لیے ساتھ نہ چھوڑا۔

لیکن نادان انسان کی کوتاہ نظری پر جس قدر ماتم کیا جائے کم ہے کہ وہ خود ساختہ ذرائع اطمینان پر بے حد نازاں ہوتا ہے کہ ساری عمر ان کی بنا پر ضائع کر دیتا ہے اور پھر اپنی ناکامی پر شکوہ سنج ہوتا ہے اور کبھی ایک لمحہ کے لیے اس امر پر غور نہیں کرتا کہ آیا جو ذرائع اور طریقے میں نے اختیار کر رکھے ہیں اور جن میں آج تک مجھکو کامیابی حاصل نہیں ہوئی یا اگر ہوئی تو ناقص و نامکمل ہوئی تو ان کے علاوہ بھی کوئی ایسا طریقہ ہے جو حصول و اطمینان کا قابل اعتماد ذریعہ ہو اور بے خطا ہو

حصول اطمینان کا جذبہ بالکل ایک فطری جذبہ ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اس نیلگوں آسمان کے نیچے اور اس وسیع زمین کے اوپر اس سے زیادہ کوئی شے قیمتی اور قابل قدر نہیں ہو سکتی اور یہی ایک چیز ہے جس نے کائنات کے ہر متحرک ذرہ کو ایک دوسرے سے متصادم کر رکھا ہے۔ ایک انسان دوسرے انسان کے درپے آزار ہو جاتا ہے۔ ایک شخص دوسرے کے مال کو غصب کر لیتا ہے دوسرے کو نقصان پہنچا دیتا ہے یہاں تک کہ شخصی و انفرادی مظالم سے گذر کر قومی و ملکی

نقصان کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتا اور صرف اس لیے کہ اس کی زندگی جس کی طرف سے خود اطمینان نہیں ہو سکتا کہ کتنے لمحے کے اندر ختم ہو جائے گی اسکو اطمینان سے گزارنے کے لیے اپنی پوری قوم اپنے پورے ملک کے مفاد کو اپنے عنقا صفت مقصود کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھا دیتا ہی اور اس کی جبین سعی و تلاش مطلق غرق خجالت کی رہین منت نہیں ہوتی۔ حالانکہ خداوند ارض و سما نے نہایت مختصر اور جامع الفاظ میں انسان کو آگاہ و مطلع فرما دیا ہی کہ اطمینان قلب اگر حاصل ہو سکتا ہی تو وہ صرف ذکر الہی سے۔

اطمینان قلب ایک ایسی نعمت ہی جس کی تلاش و جستجو ہر صاحب دل کا منتہائے مقصود ہوتا ہی اور دنیا میں جسقدر انسانی کوششیں ہیں اُن سب کا مآل کار اطمینان قلب ہی ہوتا ہی۔ اگر یہ مختصر سی دولفظی نعمت دنیا سے مٹا دی جائے یا اسکا مفہوم دنیا میں باقی نہ رہی یا یوں کہئے کہ اس کے حصول کے جو ذرائع انسان اختیار کرتا ہی اگر اُن کی نسبت اسکو یقین ہو جائے کہ یہ سب لغو و بیکار ہیں اور حصول مقصد کے لیے بالکل ناکافی ہیں اور یہ کہ اُسے حقیقی اطمینان قلب حاصل ہی نہیں ہو سکتا تو فی الجملہ خود یہ یقین ہی وجہ اطمینان بن سکتا ہی لیکن انسانی فطرت کچھ اسدرجہ حریص و طامع واقع ہوئی ہی کہ وہ بلا وجہ اپنی بے راہ روی و کجرفتاری سے روز بروز اپنے راستہ میں مشکلات کا اضافہ کرتی جاتی ہی اور منزل مقصود سے دور اور دور سے دور تر ہوتی جاتی ہی۔

میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ فی الواقع اطمینان قلب ایک انسان کا منتہائے مقصود ہو سکتا ہی اور ہونا بھی چاہئے لیکن اس کے حصول کے جو ذرائع انسان اختیار کرتا ہی وہ عموماً غلط ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ اطمینان قلب موہبت الٰہی ہی۔ اور اس کا حصول اگر ہو سکتا ہی تو خدا ہی کے بتلائے ہوئے طریقے سے نہ کہ انسان

کے خود ساختہ طریقوں سے مگر اس کی حالت یہ ہے کہ تلاش مقصود میں دیوانہ بنجاتا ہے اور صراط مستقیم کو چھوڑ کر گمراہی میں پڑجاتا ہے جس کے معنی اس کے سوا اور کیا ہو سکتے ہیں کہ اسکو خدا کے بتلائے ہوئے طریقہ پر اعتماد اور بھروسہ نہیں ہے اس لیئے اسکو چھوڑ کر خود ساختہ اور اپنے وضع کردہ طریقوں پر عمل کرتا ہے جس کا نتیجہ حرماں نصیبی ہوتا ہے اور مزید بے اطمینانی کے اسباب کی فراہمی کی صورت میں نکلتا ہے خدا کا ارشاد تو یہ ہے کہ: - الا بذکر اللہ تطمئن القلوب - مگر بدنصیب و نادان انسان اسکو خاطر میں نہیں لاتا اور کبھی مال و دولت کے انبار میں اسکی تلاش کرتا ہے کبھی حسن و جمال کے انبوہ میں اس کی جستجو کرتا ہے کہیں عزت و جاہ کے ہجوم میں اسکو ڈھونڈھتا ہے اور جب نہیں پاتا تو سمجھتا ہے کہ اسقدر سر کھپا کر جو دولت و جاہ اور دوسری چیزیں میں نے حاصل کی ہیں وہ اطمینان قلب کے لیے غالباً کافی نہیں ہیں اس لیے اس میں اور اضافہ کرنا چاہئے - چنانچہ اس غلط قیاس آرائی کی بنا پر اس فکر میں ساری عمر بسر کر دیتا ہے اور اسکو مجبوراً بسر کر دینی پڑتی ہے اس لیئے کہ ہر وہ شے جو انسانی سعی و کوشش سے جمع ہوتی ہے اس کی کوئی انتہا نہیں ہوتی اور انسان برابر یہ سمجھتا رہتا ہے کہ جب پیش نظر اندازہ دولت و جاہ کا مہیا ہو جائے گا اس وقت اطمینان حاصل ہو جائیگا اور جب نہیں ہوتا تو اپنے تخمینہ کی غلطی خیال کرتا ہے اور اس سے زیادہ وہ اسباب مہیا کرنے کی کوشش کرتا ہے یہانتک کہ اسی ادھیڑ بن میں اس کی جان عزیز اس کے جسم کا ساتھ دیتی ہے اور اس مقصد کو جس کی تلاش اول دن سے اس نے شروع کر دی تھی وہ دوشیزگی کے عالم میں چھوڑ کر با حسرت و یاس چلا جاتا ہے۔

انسان کی غلط روی اور نادانی کی اس سے زیادہ واضح ہو سکتی ہے کہ وہ خدائی فیصلے سے اپنے یقین و قیاس پر زیادہ

اور جو طریقہ حصول اطمینان کا خدا نے تبلایا ہے اس پر یقین نہ کرکے خود طریقے ایجاد کرتا ہے اور جب اس میں ناکامی ہوتی ہے تو اس کی نسبت اپنی طرف نہیں کرتا بلکہ اس خدا کی طرف کرتا ہے جس کے تبلائے ہوئے راستہ کو چھوڑ دیا گیا تھا اور جس نے اپنے قائم کردہ راستہ کو ترجیح دی تھی جو بالآخر ناکامی و حسرت نصیبی سے جا ملی۔

انسان کے لیے اس سے زیادہ بدنصیبی کی اور کوئی بات نہیں ہوسکتی کہ وہ ایک مقصد کی تلاش و جستجو میں اپنی ساری زندگی صرف کردے اور پھر بھی اس کا دامن تمنا خار ناکامی سے الجھا رہ جائے اور در مقصود سے پرے ہو خصوصاً ایسی حالت میں کہ اس کے سامنے دو راستے صاف اور نمایاں طریقہ سے پیش نظر ہوں۔ ایک خدا کا تبلایا ہوا اور دوسرا انسان کا مقرر کیا ہوا اور وہ بدنصیب خداوندی صراط مستقیم کو چھوڑ کر اپنی قیاس آرائی کو اختیار کرے اور پھر ایک مرتبہ کی ناکامی اس کو راہ راست پر نہ لا سکے بلکہ اس گمراہی میں آخر تک مبتلا رہے یہاں تک کہ حرمان نصیبی کے آغوش میں دفن ہو جائے۔

جیسا کہ اوپر لکھہ آیا ہوں ایک انسان کی زندگی کا انتہائی اور آخری مقصد اطمینان قلب ہوتا ہے۔ اگر یہ حاصل نہ ہو تو اس گدائے پریشان حال میں اور اس بادشاہ ہفت اقلیم میں کوئی فرق نہیں ہوگا، جو شب و روز محنت و مشقت کرتا ہے سوتا ہے تو غم فردا سونے نہیں دیتا اور اٹھتا ہے تو کاہش امروز چین سے بیٹھنے نہیں دیتی اس لیے کہ جب در مقصود سے دونوں کے دامن خالی ہیں تو گو بظاہر ایک بادشاہ و مالک دنیا کا مالک بنا ہوا ہے لیکن اس کی حالت اس فقیر سے کچھہ بہت بہتر نہیں ہوتی جس کا ذکر کیا گیا اس لیے کہ حقیقی راحت اطمینان قلب کے ساتھ وابستہ ہے اگر یہ نہیں ہے تو کچھہ بھی نہیں۔

وہ لوگ جنکو دنیاوی عیش و نشاط کے تمام سامان میسر ہیں، رہنے کو

عالیشان قصر بیٹنے کو جواہر کار کپڑے کھانے کو لذیذ ترین غذائیں اور خدمت کو بکثرت غلام اور نوکر خواہشات نفس کے پورا کرنے کے لیے پری جمال نازنینیں اور خرچ کرنے کے لیے بے اندازہ دولت اُن کی نسبت عام طور سے یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ اُن سے زیادہ راحت و آرام کس کو نصیب ہو سکتا ہے اس لیے کہ وہ تمام سامان موجود ہے جو ایک ظاہر پرست انسان کی نظر میں راحت و آرام کا موجب بن سکتا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ نفس انسانی کا یہ بھی ایک فریب ہے کیونکہ ان چیزوں کی موجودگی فی نفسہ موجب راحت نہیں ہوتی بلکہ ان سے جو آثار و نما ہوتے ہیں وہ راحت افزا ہو سکتے ہیں مگر چونکہ اس کی کوئی حد نہیں مقرر ہوتی اور اندوے ہل من مزید ہر وقت ایک خلش بجان بنی رہتی ہے اس لیے محض اس کے آثار بھی حقیقتہً اور کلیتہً اطمینان قلب نہیں بخشتے۔

اس کے علاوہ اُنکے طلب و حفاظت اور اُنکے تلف و فنا ہونے کا اندیشہ ہر وقت روح فرسائی کرتا رہتا ہے اس لیے اطمینان قلب کی کیفیت نہیں پیدا ہونے پاتی بلکہ یہی چیزیں اور زیادہ موجب بے اطمینانی بنجاتی ہیں اور مختلف قسم کی الجھنیں اور خلشیں پیدا ہو جاتی ہیں جو ایک مفلس انسان کو کبھی نہیں ستاتیں چنانچہ بعض گروہ اسی بنا پر یہ خیال کرنے لگے کہ حقیقتاً ان تمام چیزوں کا اور اس کے ساتھ ہی تمام تعلقات کا ترک موجب اطمینان ہوتا ہے اس لیے وہ ترک ماسوی کا فتویٰ دیدیتے ہیں اور اسکو اطمینان قلب کا سب سے بڑا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ چنانچہ صوفیا کا وہ گروہ جو علم سے نابلد ہے اور فہم کتاب و سنت کا سلیقہ نہیں رکھتا اس کا عمل اسی پر ہوتا ہے مگر پھر بھی وہ نعمت حاصل نہیں ہوتی جس کے لیے وہ ظاہری سامان راحت سے قطع تعلق کر لیتے ہیں بلکہ اور بھی زیادہ، لوگ خسارہ میں رہتے ہیں اس لیے کہ جو تھوڑا بہت اطمینان ظاہری سامان اطمینان کی موجودگی سے ہوتا ہے اسکو بھی یکھو بیٹھتے

دیں اور اس طرح پر خسر الدنیا والآخرہ کے مصداق بنجاتے ہیں۔

خدا نے صاف اور غیر مشتبہ الفاظ میں ذکر الٰہی کو موجب اطمینان قلب بتلایا ہے اس میں ترک تعلقات کا کوئی ذکر نہیں ہی بلکہ مطلق ذکر کو وجہ اطمینان فرمایا ہی اس سے معلوم ہوا کہ کسی قسم کا تعلق یا فراہمی اسباب ظاہری مانع اطمینان نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ اسباب تعلقات مانع ذکر نہیں ہو سکتا البتہ وہ چیز جو مانع ذکر ہو وہ البتہ مانع اطمینان ہوگی اور صوفیائے کرام کے تجربہ نے، بلکہ میں نے غلط کہا صحابہ کرام کے عمل نے اسکو ثابت کر دیا ہی کہ ہر قسم کا تعلق رکھکر بھی انسان اطمینان قلب حاصل کر سکتا ہی جو اس طرح ممکن ہی کہ "دل بیار دست بکار"

چنانچہ صحابہ کرام کی زندگی شاہد عادل ہی۔ کون ہی جو یہ کہہ سکتا ہی کہ اطمینان قلب ان مقدس نفوس سے زیادہ کسی اور کو حاصل تھا لیکن تاریخ شاہد ہی کہ وہ عہد سراپا عہد کسب و عمل تھا اور ترک تعلقات کا کوئی سوال کبھی پیش ہی نہیں آیا۔

صوفیائے کرام میں بھی اکثر بزرگ جو اتباع سنت و استقامت علی الشریعت کو اپنے بزرگان سلاسل کے اقوال و افعال پر مقدم رکھتے تھے وہ بھی تعلقات کو قائم رکھکر اطمینان قلب حاصل کرتے تھے اور اس کے لیے اُن کے یہاں سوام حضور کی اصطلاح موجود ہی۔ حق یہ ہی کہ خواہ انسان کے جوارح و اعضا کسی شغل میں منہمک و مصروف ہوں لیکن اسکا قلب ذکر الٰہی میں مشغول رہتا ہی یہاں تک کہ حالت نزع میں بھی جبکہ ظاہری حواس میں سے اکثر معطل ہو جاتے ہیں اس وقت بھی قلب ذکر الٰہی میں مشغول رہتا ہی۔

ابتک ہم نے صرف ذکر الٰہی کے متعلق یہ لکھا ہی کہ وہ موجب اطمینان قلب ہی اور یہ خود آیہ مبارکہ کے ظاہری مفہوم ہی سے ظاہر ہی۔ لیکن بعض لوگ دریافت کریں گے کہ ذکر الٰہی موجب اطمینان قلب کیونکر ہو سکتا

ہے اور اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کے متعلق انشاء اللہ ہم کسی دوسرے وقت تفصیلی بحث کریں گے۔

پس مبارک ہیں وہ لوگ جو حاصل حیات و مقصد زندگی کو پا لیتے ہیں اور خدا کے مقرر کردہ طریقہ پر وہ چیز حاصل کر لیتے ہیں جو زمین پر بسنے والے تمام خلق کے لیے سب سے زیادہ قیمتی چیز ہے۔

وذکر فان الذکری تنفع المومنین۔

عارف ہسوی

ذکر خفی اور ذکر جہری

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے واذکر ربک فی نفسک تضرعا وخیفۃ ودون الجہر من القول بالغدو والاصال ولا تکن من الغافلین ○

ترجمہ مستند فارسی۔ یاد کن پروردگار خود را در ضمیر خود بزاری و ترسگاری و یاد کن پروردگار خود را بکلام پست تر از بلند آواز بامداد و شبانگاہ و مباش از غافلاں معترضین اعتراض کرتے ہیں کہ صوفیائے عظام کا ذکر قلبی اور جہری خلاف سنت ہے حالانکہ اُن کا ہر کام کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے عین مطابق ہوا کرتا ہے۔ کلام اللہ کی رُو سے نفس کے کئی معنی ہیں۔ نفس حقیقت انسانی کو بھی کہتے ہیں جیسا کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ یایہا الذین امنوا اتقوا اللہ ولتنظر نفس ما قدمت لغد واتقوا اللہ ان اللہ خبیر بما تعملون ○ ترجمہ! مسلمانو خدا سے ڈرتے رہو اور ہر شخص اس بات پر نظر کرتا رہے کہ کل کے لیے اس نے کیا زاد آخرت بھیجا ہے اور خدا سے ڈرتے رہو (کیونکہ) جو کچھ تم کرتے ہو اللہ کو اس کی (سب) خبر ہے یہاں نفس سے انسان مراد ہے۔ اور کچھ نہیں یا جو مذکور ہے۔ فلا تعلم نفس ما اخفی لھم من قرۃ اعین ○ جزاء بما کانوا یعملون ○ کوئی شخص بھی نہیں جانتا کہ لوگوں کے (نیک) عملوں کے بدلے میں کیسی کیسی آنکھوں کی ٹھنڈک اُن کے لیے پردۂ غیب میں موجود ہے۔ یا یہ کہ من عرف نفسہ فقد عرف ربہ۔ جس شخص نے اپنی ذات کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچانا یا یہ کہ یوم لا تملک نفس لنفس شیئا والامر یومئذ للہ ○ اور یہ وہ دن ہوگا جب کہ کوئی شخص کسی شخص کو کچھ بھی فائدہ نہ پہنچا سکے گا اور

محکومت ... کی ہوگی۔ ان سب جگہ نفس سے مراد حقیقت جامعہ انسانی ہے
نفس کے معنی جسم یا قالب انسانی بھی ہیں جو ابتداءً عناصر اربعہ خاک۔ پانی ہوا
آگ کی ترکیب سے بنا ہوا ہے۔ پھر اس کی نسل آب منی سے چلائی گئی جیسا کہ مذکور ہے
ولقد خلقنا الانسان من سللة من طين ۝ ثم جعلنه نطفة فی قرار مكين ۝
ثم خلقنا النطفة علقة فخلقنا العلقة مضغة فخلقنا المضغة عظما فكسونا
العظم لحما ثم انشأنه خلقا اخر فتبرك الله احسن الخالقين ۝
اور ہم نے انسان کو مٹی کے ست سے بنایا۔ پھر ہم ہی نے اسکو حفاظت کی
جگہ (یعنی عورت کے رحم میں) نطفہ بنا کر رکھا پھر ہم ہی نے نطفہ سے لوتھڑا بنایا
پھر ہم ہی نے لوتھڑے کی بندھی بوٹی بنائی پھر ہم ہی نے بندھی بوٹی کی ہڈیاں
بنائیں پھر ہم ہی نے ہڈیوں پر گوشت چڑھایا پھر (آخر کار) ہم ہی نے اس کو
(بالکل) دوسری ہی مخلوق (کی صورت) بنا کھڑا کیا تو (سبحان اللہ)
خدا بڑا ہی بابرکت ہے جو (سب) بنانے والوں میں بہتر بنانے والا ہے جب
قالب مع اپنے قوائے شہوانی اور غضبانی کے تیار ہوتا ہے تو روح انسانی واسطے
تصرف و تدبر کے اس میں بھیجی جاتی ہے۔ اگر قالب (جسم) روح انسانی کا تابع ہو
تو اس کو نفس مطمئنہ کہتے ہیں اور اگر بعض امور میں تابع نہو تو اس کو نفس لوامہ
کہتے ہیں اور اگر قالب بالکل سرکش ہو اور روح انسانی کو مغلوب کرے تو اسکو
نفس امارہ کہتے ہیں اسی قالب کے اختلاف سے لوگوں میں اختلاف پڑ گیا ہے کوئی
مومن ہے کوئی کافر ہے کوئی متقی اور پرہیزگار ہے کوئی فاسق اور بدکردار ہے کوئی فرشتہ
خصلت ہے کوئی شیطان مزاج ہے۔ غرضکہ روح انسانی کو جو نفع نقصان
پہنچتا ہے وہ جسم یعنی نفس سے پہنچتا ہے۔ نفس کے معنی ضمیر، باطن اور ذہن کے بھی ہیں
جیسا کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ واذ قال الله يعيسى ابن مريم ءانت قلت

للناس اتخذونی وامی الٰھین من دون اللہ قال سبحٰنک ما یکون لی ان اقول ما لیس لی بحق ان کنت قلتہ فقد علمتہ تعلم ما فی نفسی ولا اعلم ما فی نفسک انک انت علام الغیوب ہ

اور اللہ پوچھے گا کہ اے مریم کے بیٹے عیسٰی کیا تم نے لوگوں سے یہ بات کہی تھی کہ خدا کے علاوہ مجھکو اور میری والدہ کو (بھی) دو خدا مانو (عیسٰی) عرض کریں گے اے پروردگار) تیری ذات پاک ہے مجھ سے یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ میں (تیری شان میں) ایسی بات کہوں جس کے کہنے کا مجھکو کوئی حق نہیں اگر میں نے ایسا کہا ہوگا تو میرا کہنا تجھکو ضرور ہی معلوم ہوا ہوگا۔ کیونکہ تو (تو) میرے دل کی بات جانتا ہے اور میں تیرے دل کی بات نہیں جانتا غیب کی باتیں تو تو ہی خوب جانتا ہے پس یہاں بھی واذکر ربک فی نفسک نفس سے دل مراد ہے یعنی خدا کو دل اور ذہن میں یاد کیا کرو اب ہے یہ بات کہ ذکر کسے کہتے ہیں اور ذکر سے ذاکر کو کیا فائدہ ہے اور ذکر کا محل کونسا ہے اور ذکر کی کتنی قسمیں ہیں طریقت کی بنا ذکر پر ہے اور ذکر کے معنی یاد کرنا ہے اور اس کی ضد نسیان ہے اور نسیان امر قلبی ہے جس کا تعلق قلب سے ہے اسی طرح ذکر جو نسیان کی ضد ہے امر قلبی ہے اور دونوں کا محل قلب ہے حضرت شیخ عزالدین محمود شارح فارضیہ فرماتے ہیں۔ کہ الذکر امرار الشی فی القلب حقیقۃ وبالسان مجازاً ذکر دل میں فی الحقیقت کسی شے کا بار بار آنا ہے اور زبان پر مجازاً ذکر سے یہ مراد ہے کہ سالک یا طالب اپنا دل خدا سے لگائے اور باقی تمام خیالات چھوڑ دے خواہ وہ خیالات دنیاوی ہوں یا اخروی جیسا کہ ایک عارف فرماتے ہیں۔ بیت

خیالات دو عالم پنہاں از لوح دل شستم — کہ شد بر صفحہ ہستی یک نقطہ دو حرف پیدا

یعنی حرف الا) گویا اس کے دل میں بجز خدا کوئی خیال دنیوی یا اخروی کا

نسبا پھر کلاسے الا اللہ تک پہنچا۔ بیت

تا بجاروب لانہ روبی راہ نرسی تا مقام الا اللہ

اور اپنے قلب میں خدا کا تصور باندھتا ہے جس کو حضور کہتے ہیں اور یہ حضور التفات سے پیدا ہوتا ہے اور حضور سے شہود پیدا ہوتا ہے اور شہود سے محبت پیدا ہوتی ہے اور محبت سے عشق۔ بیت۔

شہود از حضور ست و حضور التفات وزایشان کشاید در حب ذات

اس حب میں اس قدر لذت ہوتی ہے کہ کوئی لذت دنیاوی یا اخروی اسکی برابری نہیں کر سکتی نہ حب جاہ و ریاست نہ حب حور و قصور نہ کوئی اور حب بیت

بس از سی سال این معنی محقق شد بخاقانی که یکدم با خدا بودن به از ملک سلیمانی

جب سالک خدا کو اپنے ذہن اور دل میں یاد کرتا ہے۔ خدا اسکو اپنے دل میں یاد کرتا ہے۔ فاذکرونی اذکرکم واشکروا لی ولا تکفرون ہ تم ہماری یاد میں لگے رہو ہم تمہاری یاد کرینگے میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔ خدا تعالے اپنی یاد کی بڑی تاکید فرماتا ہے۔ یا ایھا الذین امنوا لا تلھکم اموالکم ولا اولادکم عن ذکر اللہ۔ ومن یفعل ذالک فاولئک ھم الخسرون مسلمانو تمکو تمہارے مال یاد خدا سے غافل نہ کرنے پائیں اور نہ تمہاری اولاد اور جو ایسا کریگا تو وہی لوگ آخرکار، گھاٹے میں رہیں گے۔ دنیا میں جو نیک اعمال بجالائے جاتے ہیں جیسے روزہ ونماز وحج وزکوٰۃ اور صدقہ اور تلاوت قرآن وغیرہ سب کا مدعا یہ ہے کہ خدا کی یاد دل میں قائم ہوجائے یہاں تک کہ خدا کی یاد کو تلاوت قران اور نماز پر ترجیح دی گئی ہے جیسا فرمایا گیا ہے۔ اتل ما اوحی الیک من الکتاب واقم الصلوٰۃ ان الصلوٰۃ تنھی عن الفحشاء والمنکر ولذکر اللہ اکبر واللہ یعلم ما تصنعون ہ اے پیغمبر، کتاب جو تمہاری طرف وحی کی گئی ہے اسکی

تلاوت کرتے اور نماز پڑھتے رہو۔ کچھ شک نہیں کہ نماز بے حیائی کے کاموں اور ناشائستہ حرکتوں سے روکتی (رہتی) ہے اور یاد خدا سب سے بڑی ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ جانتا ہے۔ غرض کہ قلب کی حیات خدا کے ذکر اور یاد سے ہے اور اس کی موت غفلت اور نسیان سے ہے اسی طرح بدن کی زندگی کھانے پینے سے ہے اور اس کی موت کھانے پینے کے بند کرنے سے ہے اور روح انسانی کی حیات علم اور معرفت سے ہے اور اس کی موت جہل اور ناآشنائی سے ہے مگر قلب اور روح انسانی کا حال مرنے کے بعد منکشف ہو جاتا ہے دنیا میں بیمار روح اور قلب مثل ہوتے ہیں تکلیف محسوس نہیں کر سکتے دار آخرت میں پردہ اٹھایا جائیگا فکشفنا عنک غطاءک فبصرک الیوم حدید۔ سعدی فرماتے ہیں۔

اے خوردہ شراب غفلت از جام ہوس — مغرور بخود مشو چوں خر بجرس
ترسم کہ ازیں خواب چو بیدار شوی — مستی برود درد سرت ماند و بس

پس ذکر یہ ہے کہ ذات اللہ تعالےٰ کو اپنے قلب میں حاضر کرنا اور تین امور کو بجا لانا (۱) دل کو ماسوی اللہ اور اغیار سے خالی کرنا کیونکہ جب تک دل اغیار سے خالی نہو محل نزول یار نہیں ہوتا۔ اغیار سے مراد مال و متاع زن و فرزند اور دوست و آشنا اور حور و قصور ہیں سب سے زیادہ راہزن توحید حقیقی کا عشق مجازی ہے (۲) حق تعالیٰ کی طرف دل میں توجہ اور التفات کرنا کیونکہ جب تک دل منتظر یار نہ ہوئے دیدار سے بہرہ مند نہیں ہوتا (۳) توجہ میں دوام و استمرار و استغراق۔ کیونکہ جب نظر میں تردد ہوتا ہے دیدار سے نظر متمرد ہوتی ہے اور جس قدر یہ معاملہ قوی ہوگا اس کا اثر زیادہ ہوگا۔ ذکر سے مراد ذکر قلبی ہے یعنی حضور ذاتی گرچونکہ مبتدی کو پہلے پہلے یہ کام دشوار ہوتا ہے کہ اشیاء مالوفہ کو دل سے نکالنا اور خیال کی یکسوئی پیدا کرنا بہت

مشکل کام ہے۔ اور خدا کی حضوری کے لیے مجرد ہونا ایک باہمت آدمی کا کام ہے
اس لیے صوفیائے عظام خدا کے اسمائے حسنیٰ سے ایک اسم خصوصاً اسم
اللہ مقرر فرماتے ہیں اور مرید اس کو ورد زبانی یا خیالی بناتا ہے پس مبتدی
اس ذکر لفظی یا خیالی کا بطریق مقرر مرشد ورد کرتا ہے تاکہ رفتہ رفتہ تمام بدن
پر جاری ہو جاوے اور اندر سے ذکر کی آواز بغیر حرف اور صورت ظاہری سنائی
دے۔ پس اپنی توجہ اس صورت باطنی کی طرف مقرر کرے جب اس قسم کا ذکر دائمی
ہو جائے تو اپنی توجہ ذات کی طرف پھیرے کہ ذات حق کے سوا دل میں کچھ
نہ رہے اور اسی کو یاد خدا کہتے ہیں۔ اس حساب سے ذکر کی سات قسمیں ہیں
(۱) ذکر لسانی (۲) ذکر نفس یعنی ذکر خیالی (۳) ذکر قلبی وہ حضور حق
کے ساتھ ساتھ حضور خلق کے برابر برابر (۴) ذکر روح وہ حضوری حق کے
ساتھ جس کو خلق کے حضور پر غلبہ ہو (۵) ذکر سر وہ حضوری حق کے ساتھ
جس میں خلق کا حضور بھول جاوے (۶) حضور خفی وہ حضور ہے حق کے ساتھ
ساتھ علم اور شعور کے کہ وہ حضوری حق کے ساتھ ساتھ حق ہے (۷) ذکر
اخفیٰ وہ حضوری حق کے ساتھ بلا شعور۔ ذکر لسانی کے سوا باقی تمام یادیں ذکر
خفی میں شمار ہوتی ہیں۔ پس اے مخاطب اگر تو خدا کا طالب اور سفر آخرت کا
سالک ہو تو اچھی طرح سے جان لے کہ دنیا کا جینا چند روزہ ہے آخر کار اپنے
رب کے پاس جانا ہے اور تم دنیا میں اس لیے بھیجے گئے ہو کہ خدا کے ساتھ
آشنائی پیدا کرو۔ اس کے پیغمبروں کا کہا مانو ورنہ عالم آخرت میں سخت
پشیمان ہوگے۔ اس وقت تمہاری پشیمانی کسی کام نہ آئے گی اور تم میری بات
کا اس طرح یقین کرو کہ گویا میں عالم آخرت سے ہو آیا ہوں اگر تم دنیا میں خدا
کے وصول کے اسباب پیدا نہ کرو گے تو آخرت میں واصل نہ ہو گے مرنے

کے ساتھ ہی آخرت کے حالات شروع ہوتے ہیں۔ قیامت کا انتظار کرنا نہیں پڑتا۔ صوفیائے عظام فرماتے ہیں کہ طرق جزوی خدا کی طرف بے نہایت ہیں مگر طرق کلی تین ہیں (۱) طریقہ اخیار یعنی کثرت نماز و روزہ اور تلاوت قرآن اور صدقہ اور حج وغیرہ مگر اس طریق سے کم لوگ خدا تک پہنچ سکتے ہیں۔ کیونکہ صرف اعمال سے جنت صوری حاصل ہوتی ہے۔ ذات حق نہیں ملتی (۲) طریق ابرار اور وہ تزکیہ نفس و تزکیۂ اخلاق اور تصفیہ قلب اور انجلائی روح اور تعمیر باطن میں سعی کرنا۔ اس میں پہلے طریق سے امید وصول زیادہ ہے مگر تعمیر باطن سے جنت صفات حاصل ہوتی ہے۔ جنت ذات حاصل نہیں ہوتی (۳) طریق عشاق شطار اور اس طریق سے اکثر لوگ واصل ہو جاتے ہیں اور اس طریقہ کی بنا موت اختیاری پر ہے۔ کیونکہ طریق اول میں سالک کی توجہ آثار اور افعال اور صور کی طرف ہوتی ہے اور طریق ثانی میں تہذیب اخلاق اور تبدیل صفات کی طرف ہوتی ہے اور طریق ثالث میں صرف ذات کی طرف توجہ ہوتی ہے اس کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے تصفیہ دل میں کوشش کی جاوے اور دل کو حق تعالےٰ کی طرف متوجہ کرے۔ غیر حق کوئی خیال دل میں نہ آنے دے جب دل صاف ہو کر خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جائے تو حق تعالےٰ کے فیض کے قابل ہو جاتا ہے اور حق تعالیٰ کے فیض کے اثر سے تھوڑے عرصہ میں اس قدر تہذیب اخلاق اور تبدیل صفات حاصل ہوتی ہے کہ تمام عمر کی ریاضت اور مجاہدہ سے نہیں ہو سکتی کیونکہ اگر بغیر تصفیۂ دل ایک دم نفس کی محافظت سے غفلت کیجائے تو نفس پھر سرکشی اور فساد اختیار کرتا ہے۔ بغیر تصفیہ دل اور توجہ ذات جذبہ حاصل نہیں ہوتا۔ اور بغیر جذبۂ مجاہدہ خشک سے کچھ نہیں ہوتا۔ اس طریقہ کو طریقۂ شکر کہتے

ہیں۔ جن کا مدار التفات و حضور اور شہود پر ہے برخلاف دیگر طرق کے جن کا مدار ریاضت و سختی اور مشقت اور بیداری اور بے خوابی اور بھوک پر ہے طریقہ شکر اصلی ہے و باقی فروعی ہیں غرض جس طریق سے کوئی چاہے سلوک اختیار کرے مگر غفلت نہ کرے کہ غفلت بُری شے ہے۔ سہل بن عبداللہ تستری فرماتے ہیں کہ کوئی دن نہیں گزرتا کہ حق تعالیٰ ندا نہیں کرتا کہ اے میرے بندے تو انصاف نہیں دیتا کہ میں تجھکو یاد کرتا ہوں اور تو مجھکو بھولتا ہے۔ اور میں تجھکو اپنی طرف بلاتا ہوں اور تو غیر کی طرف جاتا ہے اور میں تجھ سے بلائیں ہٹاتا ہوں اور تو گناہ کرتا ہے نیز فرماتا ہے کہ خدا نے انسان کو پیدا کیا اور اس کو کہا کہ میرے ساتھ راز کہا وہ اگر راز نہ کہو تو میری طرف دیکھا کرو اور اگر یہ نہ کرو تو مجھ سے حاجت مانگا کرو اور نیز فرمایا کہ غفلت سے زیادہ معصیت کوئی نہیں جیسا کہ قرآن مجید اس کا شاہد عدل ہے۔

افمن شرح اللہ صدرہ للاسلام فھو علی نور من ربہ فویل للقسیۃ قلوبھم من ذکر اللہ اولئک فی ضلل مبین ؕ

کیا وہ شخص جس کا چہرہ خدا نے (قبول) اسلام کے لیے کھولدیا ہے اور وہ اپنے پروردگار کی (مشعل ہدایت آگے رکھتا اور اسی کی) روشنی پر (چلتا) ہے (اس کے برابر ہوسکتا ہے جو جہل کی تاریکیوں میں پڑا ہے) تو افسوس ہے ان لوگوں پر جن کے دل خدا کی یاد سے غافل ہو کر سخت ہو گئے ہیں۔ یہی لوگ تو صریح گمراہی میں ہیں۔

(نوٹ) جو شخص صرف تفریح طبع کے لیے میرا مضمون پڑھتے ہیں اور خود اس کا ارادہ اس پر عمل کرنے کا نہ ہو اس کو میں اجازت نہیں دیتا کہ میرا مضمون پڑھے

(حاجی) محمد احمد کاکاخیل اوسیہ

ایصال ثواب و صدقہ جاریہ

مُردوں میتوں اور ارباب قبر کے لیے ایصال ثواب کا طریقہ ہندوستان میں اسقدر رائج و مروج ہو کہ اس کے متعلق جواز و عدم جواز یا اس امر کی بحث کرنے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی کہ کتاب و سنت اور آثار و سیر سے ایصال ثواب ہوتا بھی ہو یا نہیں بہت کم لوگ ہونگے جن کو یہ بھی معلوم ہوگا کہ مردوں کو ثواب پہنچانے کی غرض سے قرات قران اور دیگر قسم کی عبادت بدنیہ یا صرف مال و تقسیم طعام کا جو طریق مروج ہو اس کی نسبت علما میں ایک ایسا گروہ بھی ہو جس کی یہ رائے ہو کہ مردوں کو اس سے کچھہ نفع نہیں پہنچتا اور مردوں کے مصائب کو زندہ کسی طرح کم نہیں کر سکتے۔

یہ رائے علمائے عقل کی نہیں ہو بلکہ علمائے نقل میں ایک ایسا طبقہ بھی ہو گزرا ہو جو از روئے کتاب و سنت یہ سمجھتا تھا کہ مردوں کو ایصال ثواب نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ ائمہ اربعہ میں سے امام شافعی قرات قرآن کا ثواب میت کو پہنچنے کے قائل نہیں ہیں وہ اس آیت قرانی سے استدلال کرتے ہیں۔

وان لیس للانسان الا ما سعیٰ۔

لیکن مفتیٰ بہ قول یہی ہو کہ میت کو ایصال ثواب کرنا چاہئیے اور اسکو ثواب پہنچتا ہو چنانچہ اس قول پر کم از کم تمام ہندوستان میں عمل ہو۔ اس لیے ہم ایصال ثواب کے ثبوت کی بحث میں نہیں پڑتے۔ البتہ ایصال ثواب کے جو طریقہ ہمارے یہاں رائج ہیں آج کی صحبت میں اُن سے بحث کرنی ہو۔ ایصال ثواب کی غرض سے جو صدقات و خیرات کے مالی بدنی اور

قرآنی طریقے رائج ہیں ان میں عوام نے بعض ایسی باتوں کا اپنی طرف سے اضافہ کر دیا ہے جو یقیناً ناجائز ہیں اور بعض ایسے ہیں کہ جو اگرچہ جائز ہیں مگر مقتضیات وقت کے لحاظ سے کچھ زیادہ نفع بخش نہیں اور بعض ایسے طریقے ہیں جو زیادہ مفید ہیں مگر عام طور سے لوگ اُن کی طرف متوجہ نہیں ہوتے اور ان سے کم درجہ کے مفید طریق ایصال ثواب پر قانع اور عامل ہیں۔

میں سمجھتا ہوں کہ اگر طریق ایصال ثواب میں اصلاح کر لیجائے تو یہ بیحد مفید ہوگا سب سے پہلے تو ہمیں اس اضافہ کو ترک کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے جو ناجائز ہے اس کے بعد اس کی سعی ہونی چاہیئے کہ مفید ترین طریقہ ایصال ثواب کا اختیار کیا جائے۔ ناجائز اضافہ کی شکلیں بے شمار ہیں مگر بالعموم یہ صورت ہوتی ہے کہ طریق جائز ہی میں کوئی ایسی بات اپنی طرف سے شامل کر دیتے ہیں جو عقلاً و نقلاً ناجائز ہوتی ہے مثلاً اگر مرنے والا کسی نشہ وغیرہ کا عادی تھا تو اس نشہ کی چیز مثلاً افیون وغیرہ پر بھی فاتحہ دلواتے ہیں۔ اور اس کو خیرات کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ مردے کو مرنے کے بعد بھی اس کی ضرورت ہوگی اور اس سے خوش ہوگا یا مثلاً ایصال ثواب کے لیے خاص خاص تاریخوں کا انتظار کرنا۔ درانحالیکہ جس قدر جلد ثواب پہنچے اسی قدر میت کے لیے مفید ہوگا۔ یا مثلاً ایصال ثواب کی دھن میں نابالغ ورثا کا خیال نہ کرنا اور بالغ ورثا کے ساتھ اُن کے حصہ ادر ترکہ سے بھی میت کے لیے ایصال ثواب کرنا جو کسی طرح جائز نہیں یا یہ کہ بلا رضامندی تمام ورثا کے ایصال ثواب کرنا اور تقسیم ترکہ سے قبل یہ سمجھکر کہ یہ سب میت ہی کا تو ہے پہلے فاتحہ وغیرہ کی رسم ادا کرلینا۔ اس کے بعد ترکہ تقسیم کرنا یا یہ کہ قرض اور بالخصوص سودی قرض لیکر ایصال ثواب کرنا یہ تمام امور ناجائز ہیں یا مثلاً میت کے

استعمال کی تمام چیزوں کو خیرات کردینا ضروری سمجھنا خواہ بوجہ غربت کے خود اُس کے ورثا اس کے حاجتمند ہوں۔ بعض بہت زیادہ احتیاط سے کام لیتے ہیں تو اُن کاموں کے لیے اجازت مانگ لیتے ہیں مگر واقعہ یہ ہے کہ یہ اجازت اکثر حالات میں محض رسمی ہوتی ہے اور دنیا کے دکھلاوے اور اس لیے کہ لوگ بُرا بھلا نہ کہیں۔ نادار اور غریب ورثا بھی اجازت دیدیتے ہیں۔ حالانکہ اُن کا دل اجازت نہیں دیتا۔ اسی طرح نابالغ ورثا سے بھی اجازت مانگی جاتی ہے۔ حالانکہ اُن کی اجازت معتبر نہیں ہوتی اور جب تک کہ وہ سن بلوغ کو نہ پہنچ جائیں اُن کے حصہ میں سے ایک حبہ بھی صرف کرنا نہ صرف ناجائز بلکہ حرام ہوتا ہے مگر افسوس ہے کہ ان امور کا مطلق خیال نہیں کیا جاتا۔

اب اُن طریقوں کو لیجئے جو ہیں تو جائز مگر ذراسی بے احتیاطی سے اُن کا ثواب کم ہو جاتا ہے مثلاً صدقہ اور خیرات ایسے محل پر صرف کرنا جہاں ضرورت نہو یا ایسے مقام پر صرف کرنا جہاں نمود و نمائش زیادہ ہو اور اگر نیت ہی دکھلاوے کی ہے تب تو بالکل ہی بیکار ہوتا ہے یا مثلاً تھوڑی سی چیز ہے مگر اس کو اس قدر کثرت سے لوگوں پر تقسیم کرنا کہ کسی ایک کی بھی ضرورت اس سے رفع نہو اور کسی ایک کو بھی اچھی طرح نفع نہ پہنچے۔ گو یہ ناجائز نہیں مگر یقینی طور پر ثواب میں کمی آجانی چاہیے۔ کیونکہ ایصال ثواب کا فلسفہ صرف اسقدر نہیں کہ آپ کے پاس سے ایک چیز نکل جائے بلکہ یہ ہے کہ اس سے دوسرے کو نفع بھی پہنچے اور حاجت مندوں کی حاجت رفع ہو۔ اس لیے اگر ایک دولت مند پر خیرات کی جائے تو وہ بے سود ہوگی اور ضائع جائے گی اسلیے کہ دولت مند محل خیرات نہیں ہوتا۔ چنانچہ زکواۃ اگر کسی ایسے شخص کو دیدی جائے جو اس کا مستحق نہیں ہے یعنی خود صاحب نصاب ہے تو زکواۃ ادا نہ

ہوگی۔

ایصالِ ثواب میں محل صرف کا بہت کم لوگ خیال کرتے ہیں اور اسی کم خیالی کی وجہ ہے کہ ایسے مواقع پر خود اپنے کنبہ رشتہ کے لوگ بلا لیے جاتے ہیں اور ایک تقریب شادی کی طرح اُن کی دعوت کی جاتی ہے اور یہ رشتہ دار اور اعزا اسلئے نہیں بلائے جاتے کہ وہ غریب اور مستحق ہیں بلکہ محض بطریق رسم اُن کو دعوت دی جاتی ہے۔

سوم، دہم، چہلم وغیرہ کی رسموں کے جواز و عدم جواز سے میں بحث نہیں کرنا چاہتا کہ یہ فریقین کے تعصب کی وجہ سے مختلف فیہ مسئلہ کیا جانے لگا ہے۔ درآنحالیکہ موجودہ صورت کو دیکھتے ہوئے اُن کے عدم جواز میں کسی کو اختلاف نہ ہونا چاہیے۔ لیکن کم از کم اس قدر تو ضرور خیال کہنا چاہیے کہ کھلی ہوئی بے احتیاطیاں نہ کی جائیں اور جو باتیں قطعی طور سے غیر ثابت ہیں یا ایسی باتیں بربنائے بحث جن سے ایک فریق انکار کر دیا کرتا ہے مگر عملاً وہ موجود ہوتی ہیں اُن کو ترک کر دیا جائے۔

ایصالِ ثواب و حصولِ ثواب کی غرض سے مزارات و قبور اولیا پر لنگر خانے قائم کیے جاتے ہیں یہ رسم اکثر اوقات اعراس کے مواقع پر انجام دی جاتی ہے ان لنگر خانوں میں سے ادنی اعلیٰ اور امیر و غریب کچھ نہ کچھ حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے بلکہ خود صاحب لنگر کی طرف سے یہ کوشش کی جاتی ہے کہ کوئی اس تبرک سے محروم نہ ہو اور ہر کہ و مہ کو تھوڑا تھوڑا پہنچ جائے۔ اس لنگر خانے میں غربا اور مستحقین کا کوئی لحاظ نہیں کیا جاتا بلکہ لنگر حاصل کرنے والے یہ سمجھتے ہیں کہ وہ لوگ داخل ثواب ہو رہے ہیں اور تقسیم کرنے والے کم سے کم مقدار میں بلا امتیاز مستحق و غیر مستحق ان کو تقسیم کرتے ہیں تاکہ زیادہ سے زیادہ تعداد

میں لوگ اعمال حسنات ہوں۔ اب خیال فرمائیے کہ ایک شخص کی جیب سے تو کافی رقم نکل گئی۔ مگر نفع کسی ایک شخص کو بھی نہ پہنچا اور کسی ایک بھوکے کا بھی پیٹ نہ بھرا۔ کیا صاحب مزار ایسے طریق ایصال ثواب سے خوش ہو سکتا ہے۔

خیرات کا نصف مال تقریباً مزارات کے سلسلہ میں صرف ہوتا ہے چنانچہ اس کا بڑا حصہ تو مجاورین اور خدام کی جیبوں میں چلا جاتا ہے جو قطعی طور سے غیر مستحق ہوتے ہیں اور بقیہ یا تو اس قدر کثیر مجمع پر صرف کر دیا جاتا ہے کہ ان میں سے کسی ایک کو بھی نفع نہیں پہنچتا اور یا پھر ایسے لوگوں پر صرف کر دیا جاتا ہے جنہوں نے بلا وجہ خیرات پر گذر اوقات کرنے کو پیشہ کے طور پر اختیار کر لیا ہے غرض یہ ہے کہ حسن نیت اور صرف کثیر کے باوجود محض ہماری بے احتیاطیوں اور عدم غور و فکر کی وجہ سے ہمارے حسنات یا تو بالکل ضائع ہو جاتے ہیں یا بہت کم رہ جاتے ہیں اگر صدقات و خیرات کرنے سے قبل ہم عقل و شریعت کو اپنا رہنما بنا لیا کریں اور صرف طریق مروجہ کی پابندی اپنے اوپر لازم نہ سمجھ لیا کریں تو بہت کچھ اپنے اور مردوں کے لیے نفع کما اور پہنچا سکتے ہیں مگر افسوس کہ اس طرف ہماری توجہ مطلق مبذول نہیں ہوتی اور اچھے اچھے صاحب عقل و تمیز اور ارباب علم و خبر رسم کہن کی پابندی سے چھٹکارا حاصل نہیں کر سکتے۔

یہ ایک مسلم مسئلہ ہے کہ عام صدقات و خیرات سے صدقات جاریہ زیادہ موجب خیر ہوتے ہیں یعنی صدقہ کا کسی ایسے محل پر صرف کرنا جس کا نتیجہ خیر مسلسل ہو اور آگے بڑھے ایک عرصہ تک جاری رہے۔ مثلاً تعمیر مسجد و سرائے اور چاہ و تالاب وغیرہ چنانچہ اس کی افضلیت اس قدر مشہور عام ہے کہ یہ مصرعہ زبان زد خاص و عام ہے:۔

پل بنا چاہ بنا مسجد و تالاب بنا

لیکن واقعہ یہ ہو کہ اب ان چیزوں کی ضرورت نہیں رہی دیکھنا یہ چاہیے کہ سب سے زیادہ اہم ضرورت کیا ہو اور سب سے زیادہ نفع بخش کون سا طریقہ ہے مسجدیں تو ہندوستان میں اس قدر کثرت سے ہیں کہ شاید نمازی اتنے نہ ہونگے اس لیے مقتضائے عقل یہ ہونا چاہیے کہ اب مسجدوں کے لیے نمازی بنائے جائیں مسجدوں کے بنانے کا کام تو مکمل ہو چکا ہو اور نمازی بنانے کا طریقہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہو کہ پہلے ایسے لوگ طیار کیے جائیں جنھیں بے نمازیوں کو نمازی بنانے کی اہلیت و قابلیت ہو۔ مقصد یہ ہو کہ ایصال ثواب کے لیے جو رقم مختلف کم نفع بخش طریقوں سے صرف کی جاتی ہو اس کو پائیدار اور زیادہ منفعت بخش صورت میں خرچ کیا جائے مثلاً قوم کے غریب بچوں کو وظائف دیکر ان کو تعلیم دلائی جائے بالخصوص دینی و مذہبی تعلیم اب غور کیجیے کہ اگر آپ ساری عمر میں ایک لڑکے کو بھی عالم بنا دیں تو اس سے کس قدر مستقل فائدہ پہنچے گا اول تو وہ خود ایک ممتاز شخصیت کا انسان ہو جائیگا اس کے علاوہ اس کے پند و ارشاد اور وعظ و ہدایت سے خدا معلوم کتنے جاہل مردوں اور عورتوں کو دین کا صحیح راستہ معلوم ہوگا اور اس کا ثواب جس طرح خود اس عالم کو ہوگا اسی طرح اس شخص کو بھی ہوگا جس نے اس کو اس قابل بنا دیا۔

مگر افسوس ہو کہ لوگ اس کی اہمیت کو نہیں جانتے اور ان کاموں پر روپیہ صرف کرنے کو بیکار خیال کرتے ہیں چنانچہ اس وقت میرے پیش نظر ایک ایسی شخصیت ہو جو ہر لحاظ سے معقول ہو اور اس قدر سمجھ اور فکر کا بھی ان کو حصہ دیا گیا ہو کہ وہ مختلف نقاط پر غور کر سکتے اور عمدہ نتیجہ پر پہنچ سکتے ہیں مگر رسم مروجہ کے جذبہ یا بندی نے کبھی اتنی توفیق ان کو نہ دی کہ وہ اس طرف متوجہ ہوتے حالانکہ اپنی عمر میں کم و بیش دس پندرہ ہزار روپیہ وہ فاتحہ درود پر صرف کر چکے ہیں۔ یعنی

مختلف مواقع پر عمدہ عمدہ کھانے پکوائے غربا کے ساتھ اعزا اور احباب کو بھی کھلائے کھانوں کے علاوہ حاجتمندوں کی مختلف طریقوں سے امداد بھی کی غرضکہ جو کچھ بھی صرف کیا وہ فضول اور لغو طریقوں سے نہیں صرف کیا۔ لیکن اس میں کلام نہیں کہ اگر ذرا بھی غور و فکر کی زحمت گوارا کرتے تو اس سے زیادہ مفید صورت ان کو مل سکتی تھی۔

یعنی وہ اس رقم سے کم و بیش دس پندرہ عالم دین مہیا کر سکتے تھے کیونکہ مذہبی طلبا پر زیادہ سے زیادہ دس روپیہ ماہوار صرف آتا ہے اور آٹھ دس سال میں ایک نصاب مکمل ہو جاتا ہے یعنی دس برس تک اگر دس روپیہ کے حساب سے ایک طالبعلم پر صرف کیا جائے تو ایک ہزار یا بارہ سو روپیہ کے صرف میں آپ ایک عالم دین بنا سکتے ہیں تقریباً پندرہ ہزار روپیہ مذکور الصدر بزرگ نے خیرات میں صرف کیا اس رقم سے تقریباً بارہ تیرہ غریب لڑکوں کی عربی و مذہبی تعلیم مکمل ہو جاتی۔ اب غور فرمایئے کہ اگر بارہ عالم پیدا ہو جاتے تو ان سے قوم و ملک کو کس قدر فائدہ پہنچتا۔

قاعدہ ہے کہ اگر کسی خاندان میں کوئی بھی تعلیم یافتہ نہ ہو اور اس میں اتفاق سے ایک شخص تعلیم پا جاتا ہے تو پھر وہ اس امر کی کوشش کرتا ہے کہ اور لوگ بھی اس کے خاندان میں تعلیم حاصل کریں اور رفتہ رفتہ اس کے اثر سے بہت کچھ تبدیلی ہو جاتی ہے۔

اگر فرض کر لیا جائے کہ ایک عالم صرف ایک ہی خاندان کو تعلیم یافتہ بنا سکے گا تب بھی صاحب موصوف نے جو روپیہ صرف کیا اس سے بارہ چودہ خاندان تعلیم یافتہ بن سکتے تھے اور اس کے بعد جو سلسلہ چلتا وہ الگ رہا اور مذہبی نقطۂ نظر سے یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اس فیض جاریہ کا ثواب برابر جب تک

یہ سلسلہ قائم رہتا ان صاحب کو ملتا رہتا جن کی ابتدائی کوشش سے اس سلسلہ کا آغاز ہوا تھا۔

خیرات وصدقات اس وقت بہت زیادہ مفید صورت اختیار کر سکتے ہیں جب اس کے صرف میں مقتضائے وقت وضرورت کا لحاظ رکھا جائے، فرض کیجئے کہ تمام اسلامی آبادی تعلیم یافتہ ہو جائے اور علم دین سے ہر شخص واقف وآگاہ ہو تو اس وقت اس مد میں صرف کرنا اس قدر مفید نہ ثابت ہوگا جس قدر ایک ایسے کام میں صرف کرنے سے مفید نتائج نکلیں گے جس کی طرف کم لوگوں کو توجہ ہو مثلاً ملک میں عام قحط اور سخت خشک سالی و گرانی کا عالم ہو کہ بندگان خدا بھوک سے مر رہے ہوں اس وقت مقدم ضرورت یہ ہوگی کہ جو کچھ خیرات وصدقات کیا جائے وہ صرف غربا کو کھانا کھلانے میں کیا جائے۔ یا مثلاً انفلوئنزا کے زمانہ میں سب سے زیادہ ضرورت اس امر کی تھی کہ ایسے غربا کے علاج معالجہ کا بندوبست کیا جائے۔ جو تنگدستی کی وجہ سے علاج کے مصارف نہیں برداشت کر سکتے تھے۔

اسی طرح دیگر ضروریات وقت کا لحاظ رکھکر اگر تقسیم صدقات وخیرات کیا جائے تو یہ بہت مفید ہوگا مگر افسوس ہے کہ ان امور کی طرف لوگ بہت کم متوجہ ہوتے ہیں اور وہی پرانے طریقہ پر عمل درآمد کیا جاتا ہے جس میں بیشتر اضاعت مال ہوتا ہے اور کمتر فائدہ پہنچتا ہے۔

اس مضمون کے لکھنے کا اصل مقصد صرف اسی قدر ہے کہ لوگ خیرات وصدقات کے وقت مصرف محل صرف کا لحاظ رکھیں اور ایسے مواقع اور امور پر صرف کریں جو ہر ایک لحاظ سے زیادہ نفع بخش اور زیادہ موجب خیر وفلاح ہو۔

عارف ہسوی

ظلم کی ڈالی کبھی پھلتی نہیں

حاشا کہ اس مضمون سے کسی پر بزدلانہ حملہ کرنا مقصود نہیں لیکن ہندوستان
میں یتیموں کے ساتھ جیسی بیدردی اور خود غرضی کا برتاؤ کیا جاتا ہے وہ کسی سے پوشیدہ
نہیں۔ یتیم کے مال کو غصب کر لینا اور اسکو ہر طرح کا نقصان پہنچانا روزمرہ کے
مشاہدات میں۔ اگر کوئی شخص خواہ مخواہ اس مضمون کو اپنی جانب منسوب
کرے تو ہم بجز اس کے اور کیا عرض کر سکتے ہیں کہ

"چور کی ڈاڑھی میں تنکا"

(۱)

دوستو! اپنی شرافت کی مے گلگوں اپنے ہی جام سفال میں پیو کیونکہ شراب
مغروں کے پیالوں میں اپنی چاشنی کھو کر اپنے مستوں کو انسان سے حیوان بنا دیتی ہے
اس کے دشمن اس کو بری حالت میں دیکھکر خوش ہونے والے مسرور تھے
اور سب سے زیادہ وہ خوش تھا جس نے ایک معزز آنکھ کے بند ہوتے ہی اس کی دولت
پر قبضہ کر کے اس معصوم یتیم کو بے چارہ و آوارہ گرد بنا دیا۔ وہ خوش تھا کہ اب اس کی
زندگی تباہ و برباد ہوگی۔ وہ پھولا سماتا تھا کہ وہ معصوم اس سے مدد کی درخواست
کریگا اور وہ اُسے بانداز بے نیازانہ حقارت سے ٹھکرا دے گا۔ وہ خوش تھا کہ مفت کی
دولت سے خوب حسرتیں نکالیگا۔ ایک معصوم کو خانماں برباد کر کے اپنے بچوں کا
گھر بسائے گا مگر خدا ابھی دیکھنے سننے والا ہے۔ اس کے یہاں دیر ہے اندھیر نہیں۔ ایک
معصوم مظلوم کی آواز کیسے خالی جا سکتی ہے۔ وہ شخص جن کے لیے اپنا فی خدا اس کی
سیاہکاری جائز رکھی تھی اُن میں سے کچھ لوگ حسرت و یاس سے [illegible]

سنگین تقدیروں کی بجلیوں میں امیدوں کی ندیاں کئے زبردست تھپیڑوں اور ہوائی جھونکوں سے یکے بعد دیگرے گل ہو گئیں۔ پھر بھی جرأت اور بہادری دیکھیے وہی دم خم وہی وہ دلیری، وہی گھمنڈ تھا جو فروتنی اور وہی دکھاوے ایمانداری۔ اے قسمت بھٹکنے والے انسان لعنت ہو تجھ پر اور تیری شرمناک زیست پر۔

میرے دوست کے بیان پر کہ اس نے بعض اوقات اس ظالم ناصب سے کس کس طرح خوشامدانہ الفاظ میں امداد کی درخواست کی اور کس کس طرح ناصب کے ایک مقدس مآب حاجی دوست سے (جنہوں نے حجر اسود پر بوسہ دیتے وقت سچ اور مذہب میں تمام عمر پکے رہنے کی قسم کھائی تھی) اپنی خواہشات کا اظہار کیا اُن کی طرف ہاتھ بڑھایا مگر آہ! اُنھوں نے زہر آلود نیش عقرب چبھو دیا بےقرار کر دیا میں اور میرا دوست گھنٹوں رویا کیے، ہچکیاں بندھ گئیں۔ اس وقت بھی اِن گُنوں [illegible] کی قدر کرنے والا کوئی نہ تھا۔ خدا سے ڈرنے والی صرف ایک ہستی تھی جس کی پھر آنکھوں نے دیکھ لیا کہ یہ سیلاب اشک پایۂ عرش تک پہنچ کر دنیا میں تہلکہ مچا دے گا۔ وہ دوڑا اور لپک کر اپنے دامن میں تمام آبدار موتی لے لیے۔

زمین کا ہر ذرہ اس کا دشمن تھا۔ گرد و پیش کے لوگ اس کا مضحکہ اُڑاتے تھے۔ اس کو چھیڑ کرتے تھے میری نگاہوں سے دیکھتے تھے اور وہ غریب بےکس یتیم آسمان کی جانب تکتا، دیکھتا اور آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا لاتا اور خاموش ہو جاتا آہ! ان مصائب پر مظلوم کی عظمت میرے دل سے پوچھو کہ اُن میں عبرت و موعظت کے کیسے کچھ راز پنہاں تھے، مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میرا دوست ایک بار غم کی کوشش سے مجبور ہو کر اُن میں سے ایک ایک کے سامنے اپنا گڑگڑا کر [illegible] کر رہا کہ میری حقیقت بیں آنکھیں دیکھ رہی تھیں کہ اس کے ایک ایک قطرۂ اشک کو ملائے آسمانی فرشتے ساون بھادوں کا سماں پیدا کر رہے تھے مگر آہ! [illegible]

دنیا کی محبت تیرا بُرا ہو تو نے ہزاروں کو صراطِ مستقیم سے ہٹا کر عاقبت خراب کرنے والے راستہ پر ڈال دیا ہے مجھے یہ بھی یاد ہے کہ فتح نگر میں اسے اس کی رہی سہی پونجی سے بھی محروم کردینے کی رائے ہوئی تھی جسے کچھ عملی جامہ بھی پہنا دیا گیا تھا۔ تمام آبادی میں خدا سے ڈرنے والے ایک بندہ کے سوا کوئی ایسا نہ تھا جو اس معصوم کی تعلیم کا ہی نگراں ہو سکتا۔ یہاں تک بھی غنیمت تھا مگر وہاں ایک مصیبت اور تھی رات کی تاریکی امنڈ پڑنے والے بادلوں اور دل کی دہلا دینے والی گرج سے لرزہ پیدا ہو رہا تھا جتینیں تپکتی تھیں بدن کانپتا تھا۔ اس پڑوس میں کوئی جگہ پناہ کی نہ تھی اور اس پر ظالم کا جھنڈ بانہ قہر انداز گھر سے نکل جانے کا الٹی میٹم۔ ہائے مظلوم کے سینہ، دل، جگر، دماغ، سب ہیں ناسور ہیں لیکن قفلِ گویائی لب بستہ۔

یہ نہ سمجھو کہ یہ سین ان ہی پر آشوب واقعات کے ساتھ ختم ہو گیا خدا معلوم ایسے کتنے جگر سوز مناظر آنکھوں کے سامنے گذر گئے۔

(۴)

ہاں اے دنیوی کتو! مجسم اخلاق تم کھا چکے اب صرف ہڈیاں باقی ہیں جن کو کھاؤ اور ہمارے اس معصوم دوست کی کایا پلٹ پر نعل در آتش بنو۔

دشمنوں کی نت نئی ترکیبوں اور دغا بازیوں پر بھی خود اس کے بچے جاہل رہے۔ مگر ہمارا دوست اب ایک تعلیم یافتہ روشن خیال اور مہذب سوسائٹی کا نوجوان ہے جس نے اس چھوٹی سی عمر میں شہرت بھی کچھ کم نہیں حاصل کی۔

سچ ہے ظالم اور مظلوم دونوں کو اپنے ظلم اور مظلومیت کا بدلہ ضرور ملتا ہے

شبیر حسین
مارہروی

عید البقر

ان اللہ یامرکم ان تذبحوا بقرۃ ط | بیشک اللہ تعالیٰ تم کو گائے ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے۔
(بقرہ ع ۸ پ ۱)

ذبیحہ اور قربانی کا دستور اولاد آدم کے دنیا میں پیدا ہونے کے وقت سے جاری ہے ہابیل و قابیل کا قصہ اس امر کی صداقت کے لیے ایک بین دلیل ہے۔ ارشاد باری ہے

اذ قربا قربانا فتقبل من احدھما ولم یتقبل من الاخر (مائدہ ع ۵ پ ۶) | جبکہ ان دونوں نے اللہ تعالیٰ کے نام کی نیازیں پیش کیں۔ تو ان میں سے ایک کی قربانی قبول کی گئی اور دوسرے کی نیاز نامقبول ہوگئی

غرض یہ کہ مالی و جانی قربانی کا دستور آج سے نہیں بلکہ ابتداء آفرینش عالم سے برابر جاری ہے اور ماہ ذی الحجہ کی دسویں تاریخ صفحات تاریخ میں ایک زریں عبرت آموز یادگار اور مسلمانوں کے لیے ابتلا اور بہت بڑی آزمائش کا دن ہے یہ وہی دن ہے جس دن حضرت ابراہیمؑ نے اپنے بڑھاپے کی کمائی اپنے لخت جگر حضرت اسمٰعیل کو ذبح کر ڈالنا چاہا تھا۔

اس واقعہ کی تفسیر حضرت ابن عباسؓ کی روائت سے مفسرین اسطرح بیان کرتے ہیں۔

کہ ایک دن حضرت ابراہیمؑ اپنے بیٹے حضرت اسمٰعیل کو شفقت پدری سے گود میں لیے ہوئے پیار کر رہے تھے۔ فرشتوں نے جناب باری میں عرض کیا کہ یا اللہ تو نے ابراہیم کو اپنا خلیل فرمایا ہے۔ اور وہ بھی تیری محبت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ پھر وہ اپنے بیٹے کی محبت میں کیوں چور رہتے ہیں۔

ارشاد ہوا کہ ابراہیم کے دل میں ہمارے سوا اور کسی کی محبت کو دخل نہیں ہے چنانچہ میں ابراہیم کو اُن کے فرزند کے ذبح کرنے کا حکم دیتا ہوں اس وقت تم دیکھ لوگے کہ ابراہیم کو بیٹے کی محبت اس امر سے مانع نہ ہوگی۔

اور حضرت ابراہیم پہلے ہی سے پوشیدہ طور پر نذر مانے ہوئے تھے کہ اگر میرے ہاں لڑکا ہوگا تو میں اس کو خدا کی راہ میں قربان کردوں گا۔

بچے کو پیدا ہوئے جب ایک عرصہ گزر گیا تو مرور زمانہ کے باعث حضرت ابراہیم اپنی نذر کو بھول گئے۔

ایک رات پڑے ہوئے آپ سو رہے تھے۔ خواب میں دیکھا۔ کہ کوئی یہ کہہ رہا ہے کہ ابراہیم! تم اپنی نذر کو پورا کرو۔ اور وہ نذر یہ ہے۔ کہ اپنے بچے کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرو۔

ابراہیم علیہ السلام خوف زدہ ہو کر بیدار ہوئے اور کئی رات تک بار بار یہی خواب دیکھتے رہے بالآخر آپ نے بارگاہ ایزدی میں عرض کیا۔ کہ یا اللہ! اپنے بیٹے کو کس طرح ذبح کروں؟ دسویں رات ذی الحجہ کو آپ نے پھر خواب دیکھا۔ کہ حضرت اسمعیلؑ میرے پاس کھڑے ہیں اور میں نے اُن کے ہاتھ پاؤں باندھ کر زمین پر لٹا دیا ہے اور اُن کو ذبح کردیا ہے۔

یہ صورت دکھا کر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ابراہیم! تم اپنے بیٹے اسمعیلؑ کو اس طرح ہمارے لیے ذبح کردو۔

حضرت اسمعیل کی قربانی

حضرت ابراہیم اپنی نذر کے یاد آنے اور خدا کے حکم فرمانے کی وجہ سے اپنے بیٹے حضرت اسمعیل کی قربانی کے لیے تیار ہوگئے اور بیٹے سے کہا۔ پیارے بیٹے رسی چھری کلہاڑی وغیرہ لیکر میرے ساتھ اس گھاٹی تک چلو۔

حضرت اسمٰعیلؑ والد کی خدمت میں کمربستہ ہو کر ساتھ ہولیے۔ ننھے بچے تو تھے ہی۔ اس وقت کل [illegible] سال کی آپ کی عمر تھی۔ کچھ دور باہر جنگل میں نکلے ہونگے کہ آپ ٹھٹک گئے۔ اور اپنے والد سے پوچھا۔ ابا جان! آپ چھری رسی اپنے ساتھ کس لیے لے جا رہے ہیں۔

حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا پیارے بیٹے! آگے چلکر خدا کی راہ میں ہم ایک قربانی ذبح کریں گے۔ یہ سنکر حضرت اسمٰعیلؑ خاموش ہو گئے۔ اور باپ کے ساتھ ساتھ ہو لیے

شیطانی سازش

جب یہ دونو بزرگ دور جنگل میں نکل گئے تو شیطان ایک مقدس پیر مرد بنکر خیرخواہی کی شکل میں بی بی ہاجرہ یعنی حضرت اسمٰعیل کی والدہ ماجدہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور ان سے کہا۔

بی بی! تم کو معلوم ہے؟ کہ حضرت ابراہیمؑ تمہارے پیارے بیٹے اسمٰعیل کو کہاں لے گئے ہیں۔ — اتدرین این ذھب ابراھیم بابنک

بی بی ہاجرہ نے فرمایا۔ ابھی ابھی باپ بیٹے دونوں اس گھاٹی سے لکڑیاں لینے گئے ہیں۔

یہ سنکر پرزور الفاظ میں شیطان چلایا اور قسم کھائی کہ واللہ! بی بی صاحبہ جونکہ سکون میں پیالے کی کیفیت تم پہلے ہی سے جانتی ہو ان کے کہنے سے اور انکے بہکانے بہکانے سے حضرت ابراہیم تمہارے بیٹے کو آج جنگل میں ذبح کرنے کے لیے گئے ہیں۔ — وانما ذھب الا لیذبحہ

یہ سنکر بی بی ہاجرہ نے فرمایا ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ کہیں دیدہ و دانستہ باپ نے اپنے بیٹے کو بھی قتل کیا ہے؟ ع

کدامیں پدر ایں چنیں کار کرد

وہ تو میرے بچے پر بہت مہربان اور حد سے زیادہ اس سے محبت رکھتے ہیں۔ کلا
هوا رحم به واشد حباله۔

پھر شیطان نے کہا کہ بی بی! میں آپ سے جھوٹ نہیں بولتا۔ میں تو آپ سے بالکل
ٹھیک ٹھیک واقعہ عرض کرتا ہوں۔ کہ ابراہیمؑ نے اپنے خواب کی بنا پر اللہ تعالیٰ
کے حکم سے بیٹے کو آج ذبح کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ ذالک یزعم ان اللہ امرہ بذالک
خدا کا نام سنتے ہی بی بی ہاجرہ نے فرمایا۔ کہ شاید تو شیطان ہے جو مجھے بہکانے
آیا ہے۔ اے پیر مرد! اگر خدا نے حکم دیا ہے۔ تو ہماری بھی جان خدا کے لیے حاضر ہے
پہلے ابراہیمؑ میرے پیارے معصوم اسمٰعیلؑ کو ذبح کریں۔ پھر گھر میں آکر مجھکو بھی
راہ خدا میں قربان کرڈالیں۔ کیونکہ خدا کے حکم اور اس کی اطاعت سے بڑھکر
اور کوئی چیز نہیں۔ ان کان ربه امره بذالک فقد احسن ان یطیع ربه۔

بی بی ہاجرہ کی ہمت دیکھکر آپ کے پاس سے شیطان لعین بے نیل مرام ہو
ہو کر چلا گیا۔ اور حضرت اسمٰعیل سے راستہ میں جا ملا۔ اور آپ سے کہا صاحبزادے
آپ کو معلوم ہے۔ کہ تمہارے باپ آج تم کو کہاں لے جا رہے ہیں۔ یا غلام هل تدری
این یذهب بک ابوک

حضرت اسمٰعیلؑ نے بھولے بھالے الفاظ میں جواب دیا۔ کہ ہم اباجان کے ساتھ اپنی پیاری اماجان کے لیے اس پہاڑ کی گھاٹی سے لکڑیاں لینے جاتے
ہیں۔ شیطان بولا یہ بات نہیں ہے بلکہ تمہارے والد آج اس گھاٹی میں تمہاری
سوتیلی ماں بی بی سارہ کے کہنے سے تمکو قربان کرڈالیں گے۔ واللہ ما یرید
الا ان یذبحک۔

حضرت اسمٰعیلؑ نے فرمایا۔ ماں باپ اپنے بیٹے کو ذبح نہیں کیا کرتے اباجان
تو ماں جان سے بڑھکر مجکو پیار کرتے ہیں۔ آپ کا یہ خیال غلط ہے۔

شیطان نے کہا۔ واللہ ابراہیم کو ان کے رب نے اسی طرح کا حکم دیا ہے۔

ان ربہ امرہ بذالک۔

یہ سنکر حضرت اسمٰعیل نے کہا۔ کہ اگر خدا نے حکم دیا ہے تو پھر سرتابی کرنے اور انکار سے کیا فائدہ۔ یہ میری سعادتمندی اور خوش نصیبی ہے کہ میں پیارے ابا جان کے ہاتھوں رضا مولیٰ میں قربان کیا جاؤں۔ جو کچھہ خدا کا حکم ہے اس میں دیر نہ ہونی چاہیئے۔ فلیفعل ما امرہ ربہ سمعا وطاعۃ۔ آپ ننھے ننھے تو تھے ہی۔ جب آپ نے شیطان کا کہا نہ مانا۔ تو شیطان بوڑھے کی صورت بنکر راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔ حضرت اسمٰعیل نے سات کنکریاں اٹھائیں اور اللہ اکبر کہکر شیطان کی طرف پھینک دیں۔ شیطان یہاں سے بھاگ کر جمرہ اوسط کے پاس راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔ وہاں بھی آپ نے تکبیر کے نعروں کے ساتھ شیطان پر کنکریاں برسائیں۔ غرض اسی طرح سات جگہ واقع پیش آیا اور اسی دن سے رمی جمار (کنکریوں کا مارنا) مسنون ہے فکان اسمٰعیل یرمیہ بالحصیٰ

ففعل بہ سبع مرات فصار من یومئذ رمی الجمار سنۃ۔

جب حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے سامنے شیطان کی پیش نہ گئی تو

حضرت ابراہیم

کی طرف متوجہ ہوا اور آپ سے کہا۔ این ترید یا ایھا الشیخ۔ بڑے میاں آپ کہاں جاتے ہو۔ حضرت ابراہیم نے جواب دیا کہ میں اس گھاٹی میں اپنے ایک کام کے لیے جاتا ہوں۔ شیطان نے کہا جناب کو یہ تو معلوم ہے کہ میں آپکا اور آپ کے تمام خاندان کا خیر خواہ ہوں۔ اسی خیال سے میں آپ کو ایک بات سمجھانے آیا ہوں۔ کیا یہ سچ ہے کہ آپ کو شیطان نے رات کو سوتے ہوئے صاحبزادے کے ذبح کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور آپ واقعی اس معصوم کو قربان کرینگے

میں حلال کرنے کے لیے جا رہے ہیں اگر یہی بات ہے تو اس شیطانی خیال کو دل سے دور کر دیجئے۔

یہ تقریر سنتے ہی حضرت ابراہیمؑ شیطان کو بھانپ گئے لاحول پڑھی اور کہا کہ خدا کے دشمن شیطان تو میرے پاس سے دور ہو جا۔
جو کچھ مجھکو خدا نے حکم دیا ہے میں اسکو ضرور پورا کروں گا۔ یہاں سے بھی محروم ہو کر شیطان کو ذلت کے ساتھ واپس ہونا پڑا۔

باپ بیٹے

یہاں سے چلکر ایک گھاٹی کے وسیع میدان میں پہنچے۔ اور حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسمٰعیلؑ سے کہا

یا بنی انی اری فی المنام انی اذبحک وانظر ماذا تری۔ پیارے بیٹے! میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ تم کو ذبح کر رہا ہوں تمہاری کیا رائے ہے۔

باوجودیکہ شیطان لعین آپ کو بہکا چکا ہے۔ پھر بھی حضرت اسمٰعیل کی سعادتمندی ملاحظہ ہو کہ اللہ تعالیٰ اور والدین کی اطاعت کس درجہ مطلوب تھی۔ جواب میں ارشاد فرماتے ہیں۔

یا ابت افعل ما تؤمر ستجدنی ان شاء اللہ من الصابرین ۵ (والصفت ع ۳ پ) ابا جان! آپ کو جو حکم ہوا ہے اس کی تعمیل کیجئے انشاء اللہ آپ مجھکو بھی صابر ہی پائینگے

قربانی کی تیاری

جب باپ بیٹے دونوں با خدا بزرگوں نے قربانی کی تیاری کی تو اس وقت حضرت اسمٰعیل نے اپنے والد ماجد جناب ابراہیم علیہ السلام سے عرض کیا۔ کہ ابا جان! میں آپ سے چند باتیں بطور وصیت عرض کرنی چاہتا ہوں۔ میرے ہاتھ پاؤں خوب مضبوط رسی سے جکڑ کر باندھ دیجئے مبادا تکلیف سے گھبرا کر

ہاتھ پیر نہ مارنے لگوں اور قیامت کے دن میرے سبب کہکر پکارا جاؤں۔
آپ اپنے کپڑوں کو سمیٹ کر الگ رکھ لیجئے۔ شاید میرے خون کے دھبے دیکھکر میری اماں غمگین ہوں اور اس طرح میری تو می قربانی کا ثواب و اجر کم ہوجائے۔

چھری کو خوب تیز کر لیجئے اور بہت جلدی جلدی میرے حلقوم پر پھیر یئگا تاکہ آسانی کا باعث ہو۔ لان الموت شدید

میرے کرتے کو لیجاکر میری اماں جان کو دیدیجئیگا کہ وہ اس سے تسکین و تسلی حاصل کرتی رہیں اور اماں جان کی خدمت میں میرا آخری سلام پہنچا دیجئے
واذا اتیت امی فاقرء علیہا السلام منی۔

ذبح کرتے وقت منہ کے بل لٹا کر میرا منہ خاک میں چھپایا جائے ایسا نہو کہ آپ میری صورت دیکھکر محبت پدری سے ترس کھائیں اور اس طرح حکم خدا میں دیر ہوجائے۔

یہ سنکر حضرت ابراہیم نے فرمایا۔
نعم العون یا بنی انت علی امر اللہ۔ } پیارے بیٹے! تم میرے لیے خدا کی مرضی پوری کرنے میں بہت اچھے مددگار ہو۔

حضرت ابراہیم نے بیٹے کی تمام وصیتوں کو پورا کیا رسیوں سے باندھا اور قبلہ رخ لٹا کر نہایت تیزی کے ساتھ حضرت اسمعیل کے حلقوم پر چھری پھیرنی شروع کی مگر وہاں تو صرف آزمائش تھی۔ تیزی کے ساتھ بار بار چھری پھیرنے کا کچھ اثر نہوا۔ اس دوران میں آپ نے تین مرتبہ چھری کو پتھر پر تیز کیا۔ پھر بھی حلقوم نہ کٹا۔ تو آپ نے گدی کی طرف سے ذبح کرنا چاہا مگر اب بھی کامیابی نہ ہوئی آپ تنگ آگئے تو اس وقت اللہ تعالی نے چھری کو گویائی عطا کی۔ اور وہ یوں بولی

یا ابراھیم انا بین امرین فالخلیل یقول اقطعی والجلیل یقول لا تقطعی -
اے ابراہیم میں دو مشکلوں میں مبتلا ہوں۔ کہ خلیل تو کہتا ہے کاٹ۔ اور خدائے
جلیل کہتا ہے نہ کاٹ وانا من قبل الجلیل لا من قبل الخلیل ۔ اور میں خدائے
جلیل کی طرف ہوں اور خلیل کی طرف نہیں ہوں۔ کیف اقطع دنور
محمد یلمع فی جبہتہ ۔ اور میں اسمعیل کا گلا کیونکر کاٹ سکتی
ہوں۔ حالانکہ نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی پیشانی میں چمک رہا ہے۔ ادہر اس
واقعہ سے ملائکہ میں شور مچ گیا۔ زمین۔ آسمان خشکی کے چرند پرند دریا کی مچھلیوں
سب نے چلا چلا کر اللہ کی درگاہ میں الحاح وزاری کی کہ یا اللہ اس بڈھے باپ
پر رحم کر اور اس معصوم بچہ کا فدیہ عطا فرما۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت
جبریل امین کو فدیہ دیکر آپ کی خدمت میں بھیجا جلدی کے خوف سے حضرت جبریل
اللہ اکبر اللہ اکبر کہتے ہوئے تشریف لائے آپ کو دیکھکر حضرت ابراہیم نے
لا الہ الا اللہ واللہ اکبر فرمایا۔ حضرت اسمعیل کو جب اس کا علم ہوا تو آپنے اللہ اکبر
وللہ الحمد فرمایا۔ اسی واقعہ کو اللہ نے اس طرح بیان کیا ہے فلما اسلما وتلہ
للجبین ہ ونادینٰہ ان یا ابراھیم الخ (والصفت ع ۳) پھر جب
دونوں تعمیل حکم پر آمادہ ہو گئے اور باپ نے بیٹے کو ماتھے کے بل زمین پر پچھاڑ دیا تو ہم
نے پکار کر ابراہیم سے کہا کہ اے ابراہیم تم نے اپنے خواب کو سچ کر دکھایا ہے
اب ہم تمکو بڑے بڑے مراتب عطا کریں گے۔ جیسا کہ نیک بندوں کو ہم بدلہ
دیا کرتے ہیں۔ بیشک یہ بہت بڑی آزمایش تھی اور ہم نے بڑی قربانی کو اسمعیل کا
فدیہ دیا اور آنے والی قوموں میں ان کا ذکر خیر باقی رکھا۔ ابراہیم پر سلام ہو
ہم نیک بندوں کو ایسا ہی بدلا دیا کرتے ہیں۔ بیشک ابراہیم ہمارے ایماندار
بندوں میں ہے۔ انتہیٰ ۔

پس یہ ہے سنت ابراہیمی۔ جو مسلمانوں میں ابتک سلخ ہے اسی کی بابت حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں کہ قربانیاں کیا ہیں فرمایا ہے هو سنة ابيكم ابراهيم اسی کی تقلید اتباع و پیروی میں شریعت محمدیہ میں قربانی کی جاتی ہے۔ جس کے مختصر مسائل ہیں۔

مسائل عیدین و قربانی

قربانی کرنے والے کے لیے یہ امر مستحب ہے کہ یکم ذی الحجہ سے لیکر دسویں تاریخ تک حجامت نہ بنوائے اور جب تک قربانی نہ کرلے بال اور ناخن بھی نہ کٹوائے (ماثبت بالسنۃ)

یوم عرفہ نویں تاریخ نماز صبح سے لیکر تیرہویں تاریخ نماز عصر تک پنج وقتہ ہر فرض نماز کے بعد باآواز بلند ایک مرتبہ اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد - یہ تکبیر کہنی واجب ہے (در مختار)

نہانا اور عند الشرع جو لباس جائز ہے اس کو پہننا خوشبو لگانا۔ عید قربان کے دن بلا کھائے نماز کو جانا اور پھر بعد نماز اپنی قربانی ہی سے کھانا راستہ میں تکبیر کہتے جانا واپسی کے وقت دوسرے راستہ سے آنا۔ عیدین کی نماز عید گاہ میں پڑھنا مسنون و مستحب ہے۔ (عالمگیری)

عیدین کی نماز واجب ہے صفیں سیدھی رکھنا نہایت ضروری ہے مقتدی کے لیے نیت نماز یہ ہے۔ اس امام کی اقتدا کرتے ہوئے چھ تکبیروں کے ساتھ دو رکعت نماز واجب عید الضحیٰ (یا عید الفطر) قبلہ رخ ہو کر اللہ تعالیٰ کے لیے پڑھنے کی نیت کرتا ہوں۔ پہلی رکعت میں تکبیر تحریمہ (اللہ اکبر) کے بعد ہاتھ باندھ کر سبحانک اللھم پڑھو اور پھر بعد ثنا کے تین تکبیریں کہے (جو روزمرہ کی نماز میں نہیں ہوتیں)۔ ان تینوں تکبیروں میں کانوں تک ہاتھ اٹھائے

اور چھوڑدے۔ باندھے نہیں اور بقدر تین بار سبحان اللہ کہنے کے توقف کرے اور تیسری تکبیر کے بعد ہاتھ باندھ لے دوسری رکعت میں بعد الحمد شریف اور سورت پڑھنے کے تین زائد تکبیریں کہے۔ تیسری تکبیر کے بعد ہاتھ نہ باندھے اور رکوع میں چلا جائے۔

نماز کے بعد خطبہ سننا واجب ہے امام کے دور ہونے کی وجہ سے اگر آواز نہ آئے تو چپ چاپ بیٹھا رہے کیونکہ قربت اور دوری دونوں کا ثواب یکساں ہے النائی کالقریب (عالمگیری)

اگر کسی کو ایک رکعت ملی تو وہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد پہلے الحمد اور سورت پڑھے۔ بعد ازاں تکبیرات زوائد کہے۔ الحمد اور سورت سے پیشتر تکبیرات زائد نہ کہے۔ اگرچہ یہ قضا پہلی رکعت کی ہے۔

اگر مقتدی امام کو رکوع میں پائے اور تکبیرات کہکر رکوع میں شامل ہو سکتا ہو۔ تو تکبیرات کہہ لے ورنہ صرف تکبیر تحریمہ کہکر رکوع میں چلا جائے اور تینوں تکبیروں کو رکوع میں کہہ لے اور ہاتھ نہ اٹھائے پھر اگر تسبیح کہنے کی گنجائش ہو تو کہے ورنہ ترک کردے (عالمگیری)

اگر رکوع میں تکبیر نہ کہہ سکا اور امام نے سر اٹھالیا تو امام کی پیروی کرے اس مقتدی کے سر سے تکبیرات ساقط ہو گئیں۔ (مجالس الابرار)

عیدین کی نماز اگر عید گاہ میں نہ ملے تو اور کہیں تلاش کرے جو کہیں بھی نماز نہ ملے تو نماز عیدین کی قضا نہیں ہے (درمختار)

نماز عیدین سے پہلے نفل پڑھنا مکروہ ہے اور بعد نماز کے صرف عیدگاہ میں مکروہ ہے۔ (درمختار)

اگر عید گاہ میں جنازہ آجائے تو پہلے عید کی نماز۔ پھر جنازہ کی،

نماز پھر خطبہ پڑھنا چاہئے۔ (مجالس الابرار)

عیدین میں بچوں کے لیے گانے بجانے کی چیزیں یا مٹی کی مورتیاں و تصویریں خریدی جاتی ہیں یہ سب چیزیں ممنوعات شرعیہ میں سے ہیں نہ خریدنی چاہئیں۔ مردوں کو ریشمی کپڑے پہننے حرام ہیں خواہ بالغ ہو یا نابالغ۔ نابالغ بچوں کے پہننے کا وبال وارثوں پر ہوتا ہے۔ (مجالس الابرار)

اگر کسی نے اپنی طرف سے اپنی خوشی سے بغرض ایصال ثواب مردے کی طرف سے قربانی کی تو اس کا کھانا، کھلانا، بانٹنا سب کچھ درست ہے جو حکم اپنی قربانی کا ہے وہی حکم اس میت کی قربانی کا ہے لیکن اگر مردہ نے وصیت سے قربانی کرائی ہو تو خود نہ کھائے بلکہ صدقہ کر دے۔ (فتاویٰ قاضی خاں)

کن لوگوں پر قربانی واجب ہے

ہر مسلمان مقیم صاحب نصاب ذی استطاعت پر قربانی واجب ہے۔ سال بھر تک مال نصاب کا موجود رہنا، نامی یا تجارتی ہونے کی قربانی میں شرط نہیں ہے۔ صرف حاجات اصلیہ سے زائد ہونا چاہئے۔ حتیٰ کہ اگر کسی کے پاس رہائشی مکان کے علاوہ دوسرا مکان ہو۔ یا کسی عورت کے پاس زر لفت گوٹے ٹھپے اور بھڑکیلے کپڑے ہوں۔ یا بے علم ناخواندہ جاہل کے پاس کتابیں ہوں۔ اور تعلیم یافتہ عالم کے پاس ایک ایک کتاب کی دو دو جلدیں ہوں۔ الغرض جو چیز حاجت اور اپنی ضرورت سے زائد ہے اگر اس کی قیمت نصاب (زکوٰۃ ساڑھے سات تولے سونے۔ یا ساڑھے باون تولے چاندی وزن مروجہ دہلی و لکھنؤ) کو پہنچ جائے تو ہر ایسے صاحب نصاب پر قربانی واجب ہے۔

جن غریب و نادار لوگوں پر قربانی واجب نہیں ہے اگر وہ بھی قربانی کریں (مگر قرض لیکر نہیں) تو ثواب عظیم ہے۔

قربانی کا وقت

شہر میں نماز عید الضحیٰ کے بعد اور گانوں میں دسویں تاریخ طلوع صبح صادق سے لیکر بارہویں تاریخ کے غروب آفتاب تک قربانی کا وقت ہے (درمختار)

نابالغ صاحب نصاب کی قربانی میں فقہا کا اختلاف ہے مگر اولی یہی ہے کہ اس کا ولی وارث اس کے مال میں سے اس کی طرف سے قربانی کرے (درمختار)

قربانی کے جانور

بکری۔ بکرا۔ بھیڑ بھیڑا۔ جو ایک سال سے کم نہو۔ قربانی کیجائے۔ مگر بھیڑ بشرط ضرورت چھ مہینے کی بھی قربانی کی جاسکتی ہے جبکہ وہ دیکھنے میں سال بھر کی بھیڑ کی طرح موٹی تازی معلوم ہوتی ہو (ہکذا فی کتب الحدیث)

گائے۔ بیل۔ بھینس۔ بھینسا۔ دو برس سے کم عمر کے نہوں۔ اور پانچ سال کے اونٹ کی قربانی کی جاسکتی ہے۔

قربانی میں شرکت

گائے۔ بیل۔ اونٹ بھینس بھینسے کی قربانی میں سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں قربانی کے تمام شرکا کی نیت تقرب الی اللہ ہو۔ کسی کی منشا صرف گوشت کھانے یا فروخت کرنے کی نہو۔ ورنہ ساتوں شریکوں میں سے کسی ایک کی بھی قربانی نہ ہوگی۔

لیکن اگر کوئی شخص قربانی میں عقیقہ کی نیت سے شریک ہوگیا تو دوسرو کی قربانی درست ہوجائے گی (درمختار) کیونکہ عقیقہ میں بھی گونہ تقرب الی اللہ منظور ہوتا ہے۔

قربانی کے تمام شرکا، اپنے اپنے حصوں کو تول کر تقسیم کریں۔ اندازہ کر کے نہ بانٹیں۔ (درمختار)

کن جانوروں کی قربانی درست نہیں

ان جانوروں کی قربانی ناجائز ہے۔ سینگ ٹوٹا۔ کنکٹا۔ دم کٹا۔ اندھا۔ لنگڑا اور اس قدر دبلا کہ مذبح تک نہ جاسکے۔ پوپلا۔ اور وہ جانور جس کے تھنوں کی نوکیں کٹی ہوئی ہوں، یا خشک ہوگئی ہوں۔

لیکن اگر کسی جانور کے سینگ پیدائشی ہی نہ ہوں۔ یا اسقدر ٹوٹ گئے ہوں کہ اندر کا گودا صحیح و سالم ہے۔ تو اس کی قربانی جائز ہے۔ (درمختار)

گوشت کی تقسیم

قربانی کے گوشت کے تین حصے کرنے مستحب ہیں ایک حصہ فقراء اور محتاجوں کو دینا چاہئے۔ اور دو حصوں میں سے اعزا و اقربا دوست احباب کی خاطر و مدارات کرنی اور خود کھانا چاہئے۔ (درمختار)

قربانی میں سے قصاب کو اجرت نہ دیں یعنی قربانی کے جانور کا گوشت کھال قصاب کو مزدوری میں نہ دیں۔ بلکہ اپنے پاس سے مزدوری دینی چاہئے قربانی کے جانور کا چارہ اور اس کی رسی بھی خیرات کردینی چاہئے۔ (درمختار)

قربانی کی کھال کی قیمت مسجد کے فرش میں یا اس کی مرمت میں۔ سقا بدلنے لوٹے بدھنے میں۔ عیدگاہ یا کنوئیں میں صرف کرنا درست نہیں ہے کیونکہ اس میں تملیک شرط ہے۔ اگر کوئی صرف کردیگا تو اسکو لازم ہے کہ اس قدر دام اپنے پاس سے صدقہ کرے (درمختار)

مالدار صاحب نصاب نے کسی عذر سے ایام مقررہ میں قربانی کے دنوں میں قربانی نہ کی تو بعد میں ایک بھیڑ یا ایک بکری کی قیمت صدقہ کرے اور اگر قربانی کا جانور خرید چکا تھا تو اب اختیار ہے۔ چاہے زندہ جانور خیرات کردے یا قیمت کا صدقہ کردے۔

جو غریب نادار قربانی کا مقدور نہیں رکھتے وہ چاند دیکھکر دسویں ذی الحجہ تک نہ تو حجامت بنوائیں نہ ناخن کٹوائیں اور عید الاضحیٰ کی نماز کے بعد سر منڈوائیں۔

ناخن لیوائیں۔ تو اُن کو بھی پوری قربانی کا ثواب ملتا ہے۔
قربانی کے جانور کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا اولیٰ ہے۔ ذبح کرنے سے پیشتر جانور کو بھوکا پیاسا نہ رکھنا چاہیئے۔ ذبح کے وقت یہ دعا پڑھے۔

انی وجھت وجھی للذی فطر	میں نے تو اپنا رخ اس ذات احد کی طرف کر لیا ہے
السموات والارض حنیفا وما انا	جس نے آسمانوں و زمین کو بنایا۔ میں ابراہیم کے
من المشرکین ۝ (انعام ع ۹ پ)	طریقے پر ہوں کہ وہ ایک ہی خدا کے ہو رہے تھے۔ میں
ان صلاتی ونسکی ومحیای	مشرکین میں سے نہیں ہوں۔ بیشک میری نماز
ومماتی للہ رب العلمین ۝ لا	اور میری تمام عبادات اور میرا جینا اور میرا مرنا
شریک لہ وبذلک امرت	خالص اللہ ہی کے لیے ہے جو سارے جہان کا
وانا اول المسلمین ۝	پروردگار ہے اور میں اسکے فرمانبرداربندوں میں ہوں

یہ دعا پڑھکر جانور کو بائیں پہلو پر قبلہ رخ لٹائے اور اپنا داہنا پیر اُس جانور کے شانے پر رکھکر
اللھم لک منک بسم اللہ اللہ اکبر۔ اے اللہ! یہ تیرا ہی عطیہ ہے اور تیرے ہی لیے ہے
کہکر تیز چھری سے جلد ذبح کردے پھر کہے۔

اللھم تقبل منی کما تقبلت	اے اللہ! اس قربانی کو میری طرف سے
من خلیلک ابراھیم وحبیبک	قبول فرما۔ جیسا کہ تونے اپنے خلیل ابراہیم
محمد علیھما الصلوٰۃ والسلام	علیہ السلام اور اپنے حبیب محمد صلی اللہ علیہ
(فی الحدیث)	وسلم کی قربانی کو مقبول فرمایا ہے۔

جانور کے پکڑنے والوں کو بھی اللہ اکبر کہنا مناسب ہے۔
اگر قربانی میں کئی آدمی شریک ہیں تو اللھم تقبل منا کہے اور اگر سوا ذبح کرنے والے کے اور کوئی شریک نہیں ہے تو اللھم تقبل منی کہے

جس وقت ذبح کرنے والا قصاب ہو یا اور کوئی شخص بہرت پر ذبح کرنیوالا ہو تو اللھم تقبل من ۔ کے بعد شریکوں کا نام لے اور پھر کہے ۔ کما تقبلت من خلیلک ابراھیم و حبیبک محمد علیہما الصلوٰۃ والسلام۔

قربانی کی کھال یا تو یوں ہی خیرات کر دے ۔ یا بیچکر اس کی قیمت کا صدقہ کر دے مگر اس کی قیمت ایسے لوگوں کو دینی درست ہو۔ جو زکوٰۃ کے مستحق ہیں۔ اور قیمت میں جو دام ملے ہیں بعینہ وہی دام خیرات کرنے ضروری ہیں اُن کو خرچ کر ڈالنا اور اُنکے بدلے دوسرے پیسے دینا بری بات ہو۔ مگر عوض ادا ہو سکتا ہو۔ یعنی دوسرے پیسے دے سکتا ہو۔

الغرض

ایام عشر ماہ ذی الحجہ کے ابتدائی دس دن بڑی خیر و برکت کے دن ہیں ان ہی ایام میں حضرت آدم علیہ السلام کو بکار عصیاں سے جو بوجہ نسیان ن صادر ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے بخشش فرمایا تھا۔ دسویں ذوالحجہ کا وہی مبارک دن ہو۔ جس میں حضرت آدم علیہ السلام نے گناہ کی معافی کے صلہ میں نماز شکریہ ادا کی تھی۔

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہو کہ پہلی تاریخ سے لیکر دسویں تاریخ تک جو نیک عمل بندہ کرتا ہو وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت محبوب ہوتا ہو ان ایام میں کسی دن روزہ رکھنا سو غلام آزاد کرنے کے ثواب کے قائم مقام ہو۔ نویں تاریخ عرفہ کے دن روزہ رکھنے کی بڑی فضیلت ہو۔

حضرت ابو درداء صحابی رضؓ فرماتے ہیں کہ ماہ ذی الحجہ کے اول دس دنوں میں روزہ رکھو۔ کثرت سے دعا اور استغفار کرو

فانی سمعت نبیکم محمد صلی اللہ کیونکہ میں نے تمہارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم

علیہ وسلم یقول الویل لمن حرم خیرھا ایام العشر علیکم بصیام التاسع خاصۃ فان فیہ من الخیرات من ان یحصیہا العادون (تنبیہ الغافلین)

کو یہ کہتے سنا ہے کہ اس شخص کے لیے سخت افسوس ہے کہ جو ان دس دنوں کی بھلائی سے محروم رہا تمکو نویں تاریخ کا خاص طور سے روزہ رکھنا چاہیے کیونکہ اس کے اندر اس قدر بھلائی ہے جو شمار و حساب سے باہر ہے۔

اللہ اللہ! جب عرفے کا دن ہوتا ہے تو پروردگار عالم فخر ومباہات کے طور پر فرشتوں سے کہتا ہے کہ لے فرشتو! تم میرے بندوں کی طرف نظر کرو کہ یہ غبار آلود پراگندہ مو، پریشان بال میری جناب میں حاضر ہیں انھوں نے مال خرچ کیے اپنے بدنوں کو تکلیف دی تو تم گواہ رہنا میں نے اُن کو بخشدیا۔ یوں تو قربانی کے دن جب تقرب الی اللہ کی غرض سے کوئی بندہ قربانی کرتا ہے۔ تو اول قطرے خون کے بدلے اللہ تعالیٰ بندے کے تمام گناہ معاف کردیتا ہے۔

اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد۔

محمد عبد التواب چشتی

مناجات

تجھے حمد زیبا ہے رب رحیم — کہ ہے ذات تیری غنی و کریم
ہے تو ہی قدیر و عزیز و حکیم — ہے تو ہی سمیع و بصیر و علیم
ترا فضل ہے عام رب جلیل — ہے بندہ نوازی میں کیوں اتنی ڈھیل

ترے ہیں رسول و حبیب اے خدا — ہمارے جو ہیں ہادی و رہنما
کیا تو نے فضل اُن پہ اپنا بڑا — بنایا انہیں افضل الانبیا
ترا فضل ہے عام رب جلیل — ہے بندہ نوازی میں کیوں اتنی ڈھیل

ہے تو ہی غنی اور سب ہیں فقیر — ہے تو ہی عزیز اور سب ہیں حقیر
ہیں محتاج تیرے فقیر و امیر — تو ہی سب کا ہے یاور و دستگیر
ترا فضل ہے عام رب جلیل — ہے بندہ نوازی میں کیوں اتنی ڈھیل

یہ ہے حجت بے نیازی خدا — ہے روزی رساں تو بد و نیک کا
ہماری اطاعت کی پروا ہے کیا — کہ منقاد تیرے ہیں ارض و سما
ترا فضل ہے عام رب جلیل — ہے بندہ نوازی میں کیوں اتنی ڈھیل

ترے لطف کا ذرہ ہے آفتاب — تری مہر سے مہ میں ہے آب تاب
رواں ہے ترے جود و بخشش سے آب — ترے ہی کرم سے ہے باران سحاب
ترا فضل ہے عام رب جلیل — ہے بندہ نوازی میں کیوں اتنی ڈھیل

فلک کو دیے تو نے شمس و قمر — شجر کو دیے تو نے شیریں ثمر
دیا سنگ گل کو صدف کو گہر — دیا کان کو تو ہی نے سیم و زر
ترا فضل ہے عام رب جلیل — ہے بندہ نوازی میں کیوں اتنی ڈھیل

یہ بحر اور بر کیا ہے صنعت تری	یہ شام و سحر کیا ہے حکمت تری
نہال و ثمر کیا ہے قدرت تری	قضا و قدر کیا ہے قوت تری
ترا فضل ہے عام رب جلیل	ہے بندہ نوازی میں کیوں اتنی ڈھیل
سکھاوے ہمیں علم و دانش علیم	بتاوے ہمیں رمز حکمت حکیم
بناوے ہمیں بردبار اے حلیم	کرم کر ہمیشہ تو ہم پر کریم
ترا فضل ہے عام رب جلیل	ہے بندہ نوازی میں کیوں اتنی ڈھیل
عطا کر شرف تو ہمیں اے مجید	دے اب ہمکو توفیق حمد اے حمید
ہمیں رشد پر رکھ تو قائم رشید	بچا کرب حشر سے اے معید
ترا فضل ہے عام رب جلیل	ہے بندہ نوازی میں کیوں اتنی ڈھیل
ہماری خطا بخش دے اے غفور	ہمیں شکر کی دے ہدایت شکور
ہمیں صبر کی خو عطا کر صبور	کر اے نور دل کو عطا اپنا نور
ترا فضل ہے عام رب جلیل	ہے بندہ نوازی میں کیوں اتنی ڈھیل
ہمیں عزت و رتبہ دے اے علی	توانا بنادے ہمیں اے قوی
کر اپنی محبت عطا اے ولی	غنا سے تو کر سرفراز اے غنی
ترا فضل ہے عام رب جلیل	ہے بندہ نوازی میں کیوں اتنی ڈھیل
خدایا تو ہی سب کا معبود ہے	خدایا تو ہی سب کا مقصود ہے
خدایا تو ہر جائے موجود ہے	کرم سے ترے سب کی بہبود ہے
ترا فضل ہے عام رب جلیل	ہے بندہ نوازی میں کیوں اتنی ڈھیل
کرم تیرا ایسا ہے رب صمد	کہ خواہاں اسی کا ہے ہر نیک و بد
نہیں تیرے احسان کی کوئی حد	خدایا تو ہی کر ہماری مدد
ترا فضل ہے عام رب جلیل	ہے بندہ نوازی میں کیوں اتنی ڈھیل

دیا تو نے یوسف کو حسن و جمال　　تو احیا کا عیسیٰ کو بخشا کمال
بنایا سلیماں کو نیک فال　　خدایا تو ہے قادر ذوالجلال
ترا فضل ہے عام رب جلیل　　ہے بندہ نوازی میں کیوں اتنی ڈھیل

ہوئے جب کہ جنت سے آدم جدا　　ندامت سے گریاں تھے صبح و مسا
خدایا بڑا فضل تو نے کیا　　کہ بخشی جو ان سے ہوئی تھی خطا
ترا فضل ہے عام رب جلیل　　ہے بندہ نوازی میں کیوں اتنی ڈھیل

برے وقت کا کون ہوتا ہے یار　　نہیں بیکسوں کا کوئی غمگسار
توہی سب کا یا رب ہے پروردگار　　ترے فضل کے ہیں سب امیدوار
ترا فضل ہے عام رب جلیل　　ہے بندہ نوازی میں کیوں اتنی ڈھیل

نہ تھی بھائیوں کو جو یوسف کی چاہ　　گرا ہی دیا چاہ میں ان کو آہ
ملی فضل سے تیرے ان کو پناہ　　بڑھا ان کا دنیا میں اعزاز و جاہ
ترا فضل ہے عام رب جلیل　　ہے بندہ نوازی میں کیوں اتنی ڈھیل

ہوئے باپ سے جبکہ یوسف جدا　　جدائی کا یعقوب کو رنج تھا
پھر ان پر ہوا فضل تیرا خدا　　ملے دونوں۔ پورا ہوا مدعا
ترا فضل ہے عام رب جلیل　　ہے بندہ نوازی میں کیوں اتنی ڈھیل

ہوئی گم جو خاتم سلیماں کی　　نہایت پریشانی ان کو ہوئی
ہوئی خالق ان پر عنایت تری　　کہ پھر مل گئی ان کو انگشتری
ترا فضل ہے عام رب جلیل　　ہے بندہ نوازی میں کیوں اتنی ڈھیل

کیا فضل یہ تو نے اے پاک ذات　　کہ موسےٰ کو فرعون سے دی نجات
تری دین کی اے خدا کیا ہے بات　　دیا خضر کو تو نے آب حیات
ترا فضل ہے عام رب جلیل　　ہے بندہ نوازی میں کیوں اتنی ڈھیل

سمجھ میں نہیں آتی حکمت تری — کہ یونس کو ماہی نگل ہی گئی
نظر اُن پہ کی تونے جب مہر کی — ہوئی اُن کو اس قید سے مخلصی
ترا فضل ہے عام رب جلیل — پھر بندہ نوازی میں کیوں اتنی ڈھیل

جب آتش میں پھینکے گئے تھے خلیل — سوا تیرے تھا کون اُن کا کفیل
بچانے کی اُن کے نکالی سبیل — ہوئی نار گلزار بے قال و قیل
ترا فضل ہے عام رب جلیل — پھر بندہ نوازی میں کیوں اتنی ڈھیل

ہوا جبکہ طوفانِ نوح اے خدا — تھا کشتی کا تو نوح کی ناخدا
کروروں ہی تھے قہر میں مبتلا — بچانا تھا جن کو بچا ہی لیا
ترا فضل ہے عام رب جلیل — پھر بندہ نوازی میں کیوں اتنی ڈھیل

تو چاہے تو پربت کو رائی کرے — تو چاہے تو ٹیلے کو کھائی کرے
تو چاہے تو پانی کو کائی کرے — تو چاہے تو سلطاں گدائی کرے
ترا فضل ہے عام رب جلیل — پھر بندہ نوازی میں کیوں اتنی ڈھیل

تو چاہے تو ادنے کو اعلےٰ کرے — اندھیرے کو چاہے اُجالا کرے
خزف کو تو لولوئے لالا کرے — اگر پست کو چاہے بالا کرے
ترا فضل ہے عام رب جلیل — پھر بندہ نوازی میں کیوں اتنی ڈھیل

خدایا تو ہے خالق بے نیاز — خدایا تو ہے قادر کارساز
تو کر اپنی توفیق سے سرفراز — ہمیشہ رہوں میں گناہوں سے باز
ترا فضل ہے عام رب جلیل — پھر بندہ نوازی میں کیوں اتنی ڈھیل

مری حاجتوں کو تو برلا خدا — کہ قادر نہیں کوئی تیرے سوا
مرے درد و غم کی تو ہی دے دوا — ہوں بیمار عصیاں مجھے دے شفا
ترا فضل ہے عام رب جلیل — پھر بندہ نوازی میں کیوں اتنی ڈھیل

مجھے دین و دنیا میں رکھ سرخرو — مجھے دے خدا عزت و آبرو
یہی ہے تمنا یہی آرزو — کہ میں تیرا ہو جاؤں اور میرا تو
ترا فضل ہے عام رب جلیل — ہے بندہ نوازی میں کیوں اتنی ڈھیل
بحق رسول و بنی فاطمہ — بخیر اے خدا کر مرا خاتمہ
نکل جائے دل سے مرا واہمہ — زباں پر ترا نام ہو دائما
ترا فضل ہے عام رب جلیل — ہے بندہ نوازی میں کیوں اتنی ڈھیل
مرے سب گنہ بخشدے اے کریم — کہ ہے نام تیرا غفور الرحیم
ہے تیرا ذلیل ایک عبد اثیم — کرم کر تو اس پر خدائے علیم
ترا فضل ہے عام رب جلیل — ہے بندہ نوازی میں کیوں اتنی ڈھیل

سید غلام مصطفیٰ ذہین۔ از حیدرآباد

مجاز میں حقیقت

ایک عصمت کی دیوی سے خطاب

اے مری مونس مری غمخوار میری غمگسار — مرہم قلب حزیں آرام جان بے قرار
اے مری دنیا کی جنت اے مری جنت کی حور — اے مری قسمت کی ساتھی اے مرے دل کا سرور
تم خدا کی دین ہو اللہ کا انعام ہو — تم مرے بے چین دل کا چین ہو آرام ہو
تم سپر ہو مجھکو شیطان سے بچانیکے لیے — ستر ہو تم میرے عیبوں کو چھپانے کے لیے
خانۂ ویراں کی آبادی تمہاری ذات سے ہو — عزت و حرمت مری قائم تمہاری بات سے ہو
تم جو چاہو گی تو گھر کی بات ہی بن جائیگی — تم مٹاؤ گی تو رونق گھر کی سب مٹ جائیگی
لیکن او بھی [illegible] — [illegible] تم میں ہے؟

تم میں رحمت بھی ہے پنہاں تم میں زحمت بھی نہاں　　تم سے رحمت بھی ہے پیدا تم سے زحمت بھی عیاں
تم میں گر انجام بھی ہے تو اچھا نام ہے　　گر نہیں خوف خدا دل میں تو بد انجام ہے
ہاں یہ صورت ہے کس حسن کی تصویر ہو　　کون ہے نور ازل جس نور کی تنویر ہو
کس کی چشم شرمگیں ہے کس کی زلف عنبریں　　کون اس صورت کے پردے میں ہوا ناز آفریں
یاد رکھو حسن مطلق جلوہ گر ہے تم میں ہر　　تم نہیں کچھ بھی ولیکن ایک پیارا تم میں ہے
ہاں یہی فتنہ بنا حوا میں آدم کے لیے　　ہاں وہی شورش بنا دنیا میں عالم کے لیے
بن کے لیلےٰ قیس کو جنگل میں آوارہ کیا　　ہو کے شیریں کوہکن کے قلب کو پارہ کیا
مصر میں یوسف پہ فتوں ہو کے رسوا ہو گیا　　مصطفےٰ کے گھر میں وہ مشکل عجیبا ہو گیا
اسی کا پرتو ہے کہ جس سے حسن ہے عورت کا نام　　نام ہے گو حسن لیکن عشق ہے عورت کا کام
اس نے بنلا کر جتا پر کر دیا صدہا کو خاک　　ہو گئیں کتنی ستی کتنی ہوئیں غم سے ہلاک
ہند میں بھی یہ جنوں کی آگ ہو کے لیے　　زندہ پھک جاتی تھی جو تھا زن مردہ کے لیے
ربخ شوہر میں اسی سے ہند کی ہر فرد ہے　　آج بھی رانڈوں کی الفت کا جہاں میں شور ہے
حسن میں یہ آتش الفت کی چنگاری ہے کیوں　　مارکی اس شور میں پیدا شرر باری ہے کیوں
راز پنہاں ہے کہ حسن و عشق میں ہے اتحاد　　نام ہے پیدا جس کا ہے وہی دراصل داد
فرق دونوں میں نہیں بس نام کا ہے امتیاز　　عشق بالکل حسن ہے اور ناز سر تا پا نیاز
حسن کی شہرت سے پہلے عشق کو حرکت ہوئی　　تب احد سے احمد با میم کی صورت ہوئی
ہے بھڑک جو نازنینوں کی کمر میں آشکار　　عشق کی یہ لوچ ہے جس نے بنایا خاکسار
جھکتے ہیں پہلے حسیں سب کو جھکانے کے لیے　　آپ مٹ جاتے ہیں عاشق کو مٹانے کے لیے
عشق اول در دل معشوق پیدا می شود　　تا نسوزد شمع کے پروانہ شیدا می شود
لیلیٰ پر غش قیس رسوا سب یہ جانا ہے　　تب کہیں مجنوں کا صحرا میں گریباں تار ہے
تم کو بھی لازم الفت ہے یہی ربط قدیم　　ہے یہی راز حقیقت ہے یہی ذوق سلیم

یاں مجازی میں بھی ہے شانِ حقیقی جلوہ گر — پردے میں رکتی نہیں ہے جو نگاہ پردہ در
شاہدِ بیرنگی کو نیرنگی پہ شیدا دیکھ کر — پردۂ صورت میں بے صورت کو پیدا دیکھ کر
کیا بتاؤں کون سی ہے جو دوئی چھائی ہوئی — یہ دوئی سے ہی تو ہے ہر شے کی پہچانی ہوئی
میں الگ سب سے مری الفت کا آئین اور ہے — عاشق و معشوق طینت ہوں نرالا طور ہے
عشق کا نعرہ نہیں میں عشق پر قربان ہوں — تابع فرمان کا میں تابع فرمان ہوں
میں تمہارے قلب کا ہوں آئینہ ہر رنگ میں — عکس تم پاؤ گے اپنا اس مجلّٰی سنگ میں
اپنی ہی تصویر دیکھو گے مری تصویر میں — اپنے ہی دل کو چھپا پاؤ گے اپنے تیر میں
حرمتِ شوہر نہیں جب گل میں ہو گل خار ہے — زوجۂ مغرور و سرکش پہ خدا کی مار ہے
کچھ نہیں حاجت کسی کی عاشقِ خوددار کو — مر کے اک دن توڑ دے گا حسن کے پندار کو
چاہنے والے کو بس دنیا میں چاہت چاہیے — مرنے والے کو فقط سچی اطاعت چاہیے
وہ نہیں تو زندگی کا ہے بکھیڑا سب فضول — زیب و زینت ہے عبث شادی کا قصہ ہے فضول
الغرض ہے عشق ہی سے یہ ظہورِ کائنات — عشق سے دنیا کی رونق عشق سے دیں کی نجات
عشق ہے اک ناخدا جس سے ہے کشتی رواں — زندگی ہے اک سواری عشق جس کا ساربان
عشق ہے عورت کا زیور مرد کا ہتھیار ہے — عشق شرکت سوز ہے عالم کا بیڑا پار ہے
عشق ہے اک رازِ پنہانِ ہوس کاری کا نام — عشق ہے بے صورتی جس کو نہیں صورت سے کام
ممکن تو ہے کائناتِ عشق بالکل دور ہے — اپنے بیگانے کا اس دفتر میں کیا مذکور ہے
درحقیقت عاشق و معشوق دونوں ایک ہیں — کتنے ہی بد ہوں مگر جب عشق آیا نیک ہیں
عشق کامل کچھ نہیں اک منزلِ تسلیم ہے — جو مرے اس راہ میں وہ قابلِ تعظیم ہے
میں نہیں کچھ بھی مری صورت میں کوئی اور ہے — تم کہاں اس شکل میں مخفی کسی کا طور ہے
عشقِ صورت کچھ نہیں بے صورتی کی ہے تلاش — جستجوئے حسنِ مطلق ہے مجازی ذی معاش
عشق ہی زندہ رہے گا عشق ہی کو ہے بقا — ورنہ ہر صورت کو ہے آخر فنا آخر فنا

دلِ بے درد

جس قلب پر کسی کی مصیبت کا اثر نہیں　　جس قلب میں ترحم و رقت ذرا نہیں
جو قلب دردِ غیر میں خود مبتلا نہیں　　جو خوگرِ الم نہیں، دردآشنا نہیں
کہنے کو ایک دل ہے یہ بیکار ہے وہ دل
پہلوئے آدمی کے اک آزار ہے وہ دل

یہ دل ہے وہ کہ جس میں مروت کی بو نہیں　　جو خیر خواہِ خلق نہیں نیک خو نہیں
اپنوں سے بھی خیالِ سلوکِ نکو نہیں　　گرمائے جو کبھی وہ رگوں میں لہو نہیں
یہ دل یگانگت کے علائق سے دور ہے
خود کام ہے، خلاف روش ہے، نفور ہے

یہ روکھا سوکھا دل، یہ سراپائے گرد دل　　یہ ناچشیدہ مہر، یہ نادیدہ درد دل
یہ خوں کی گرمجوشی سے بے بہرہ زرد دل　　بیگانہ دل، گریختہ دل، خشک سرد دل
یہ دل ہے جس میں شمع نہیں جس میں جاں نہیں
رقت ہے جس کا نام، وہ اس جا یہاں نہیں

اے دردِ تو اگرچہ بڑا تلخ کام ہے　　غارت گرِ عیش پہ تو تند گام ہے
پر حق نے تجھکو بخشا وہ اعلیٰ مقام ہے　　عالم کا تیرے ہاتھ سے قائم نظام ہے
اہلِ جہاں کا باہمی پیوند تجھ سے ہے
راضی خدا و خلقِ خداوند تجھ سے ہے

اوروں کی مشکلات کا غم کھانا تیرا کام　　اپنے بنی نوع کے کام آنا تیرا کام
غیروں کے سکھ کے واسطے دکھ پانا تیرا کام　　خود ڈوب کر کسی کو بچا لانا تیرا کام
حاتم کا نام آج جو اِس مرد تجھ سے ہے
شہرت سرائے اہلِ دل کی بس اسی درد تجھ سے ہے

اوروں کے اضطراب میں سیماب سا ہے تو　　رنج و الم کسی کو ہو محو فغاں ہے تو
گشتہ کا کسی کا ہے اور نیم جاں ہے تو　　گویا تمام خلق کی روحِ رواں ہے تو
جو قلوب تیری قلمرو میں آگئے
خلقِ خدا پاک کے بزرگ بن گئے

یا شاہ ولائیت

میں ہے آوارہ سا مجھکو قسم سوز نہاں کی — حالت شدہ سوزوں کو سنا قلب تپاں کی
نقش کو للہ نہیں اب تاب و تواں ضبط فغاں کی — یوں جا کے تو کر عرض بمنت بہ سماجت

یا شاہ ولائیت

تم مخزن انوار خداوند جہاں ہو — تم کاشف اسرار شہ کون و مکاں ہو
تم آنکھوں کے پردے میں ہو تم دین نہاں ہو — اللہ جمیل کی کھلی تم سے حقیقت

یا شاہ ولایت

یہاں کی ترقی کا سہارا ہی تمہیں ہے — عرفان کا روشن یہ ستارا ہی تمہیں سے
اللہ کی رحمت کا اشارا ہی تمہیں سے — محبوب الٰہی کی ادا تم پہ ہے حضرت

یا شاہ ولائیت

تم احمد مختار کے اک ماہ لقا ہو — تم مطلع انوار ہو تم شمع ہدیٰ ہو
تم دردِ دلِ عاشق مضطر کی دوا ہو — تم میرے مسیحا ہو مجھے بخشو صحت

یا شاہ ولایت

جلوے میں تمہارے شہ [illegible] کی ہے ذات — [illegible]
آنکھوں میں خمارے کوثر کی جھلک ہے — مستوں کو پلا دیتے ہو جام مئے وحدت

یا شاہ ولایت

ہے حامی اسلام یہاں کون؟ فقط تم — ہے دافع آلام یہاں کون؟ فقط تم
ہے کاسر اصنام یہاں کون؟ فقط تم — ڈالی ہے یہاں کس نے یہ بنیاد شریعت

ملہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا محبوب الٰہی کے خلفا میں ہیں ملہ ضلع ایٹہ میں ایک بستی ہے

یا شاہ ولایت

بگڑی سبھی بن جائیں اشارا جو کرو تم — اللہ بھی مل جائے اگر ہم کو ملو تم
گر خانۂ دل میں قدم پاک رکھو تم — کثرت میں بھی وحدت تو جلوت میں بھی خلوت

یا شاہ ولایت

ہاں دیدۂ پر نور کرو واشہ سروں — صدقۂ شہ لولاک لما کا بشہ سروں
ہم حال مصائب کہیں کیا کیا شہ سرولا — لِللہ غریبوں کی کرو آ کے اعانت

یا شاہ ولایت

چھائی ہوئی ہیں ہم پہ مصیبت کی گھٹائیں — اس وقت موافق نہیں دنیا کی ہوائیں
سن لیجئے اب اپنے غلاموں کی دعائیں — حجرے سے نکل آیئے ہر وقت اعانت

یا شاہ ولایت

ہر سمت غم و رنج کا اک بحر ہے زخار — منجدھار میں ہے ناؤ، لگا دیجئے اب پار
تنکے کا سہارا نہیں کیا وقت ہے دشوار — طوفاں میں جہاز اور تلاطم کی ہے نوبت

یا شاہ ولایت

پھرتے ہیں ہر اک سمت نہنگان بلا بھی — امواج نے بھی سطح سمندر کی ہلادی
دریا میں بھی رہ سکتے نہیں ہم دم آبی — آفت پہ ہے آفت تو مصیبت پہ مصیبت

یا شاہ ولایت

کشتی کے تباہی کے ہیں ظاہر سبھی سامان — نجا و خدا کے لئے تم نوح نگہبان
سیلاب ہے آفت کا مصیبت کا ہے طوفان — دکھلاؤ ولی ہو کے ذرا زور کرامت

یا شاہ ولایت

تسکین قریشی

عالم آخرت

آخری وقت میں ، امام حسنؑ
مضطرب تھے میانِ خوف ورجا
بیٹھے تھے آپ کے قریب حسینؑ
بھائی سے اپنے آپ نے یہ کہا
اب سلف سے ملیں گے آپ اے بھائی
اُن کی قربت سے بہتر اور ہے کیا
وہ سلف جنکی طرح اب کوئی
اس جہاں میں نہ ہوگا پھر پیدا
ان سلف سے تھا آپ کا مقصود
سیدہؑ اور نبیؐ و شیر خداؑ
یوں تسلی حسینؑ نے جب دی
پھر یہ حضرت حسنؑ نے فرمایا
بھائی اب جا رہا ہوں میں جس جا
میں نے اُس کو کبھی نہیں دیکھا
موت کا خوف کچھ نہیں مجھکو
نیا عالم ہے۔ ہے خیال اس کا
سب وہیں جانے والے ہیں فیاض
کیوں نہ پھر عاصیوں کو ہو کھٹکا
کون واقف وہاں کے حال سے ہے
رحم کر سب پہ تو خداوندا
بطفیل ائمہ اطہار
ہم پہ آسان کرے یہ رستا

ابوالفیض فیاض

جمال ہمنشیں

ایک مٹی جو تھی خوشبو میں بسی
آئی اک حمام میں وہ خاکسار
اک گل رعنا کے پہنچی ہاتھ میں
دیکھتے ہی آگیا کچھ اس کو پیار
اس نے پوچھا ! مشک ہے تو یا عبیر
تیری نکہت ہے بہت ہی خوشگوار
کتنی دل آویز ہے خوشبو تری
ہو گیا بیخود میں مثل بادہ خوار

بولی مٹی! میں نہایت تھی حقیر — صحبتِ گل سے ملا یہ افتخار
ہمنشیں کی خوبیوں کا ہے اثر — ورنہ میں کیا اور کیا میرا وقار
جانتے ہیں سب ہی مٹی ہوں میں — ہے حقیقت میری سب پر آشکار

اوج گیاوی

ہدایتِ نفس

نورِ حق لیک تجھ میں تو نہ رہے — ماسوا غیر ذات ہو نہ رہے
دل سے کر دور ما و من کا خیال — ہاں امن و تو کی گفتگو نہ رہے
مست ہو مستِ بادۂ عرفاں — حاجتِ ساغر و سبو نہ رہے
جرعہ نوش شراب وحدت ہو — تاکہ کثرت پرست تو نہ رہے
محو ہو نور ذاتِ بحت میں تو — رغبت وصل ماہرو نہ رہے
وہ طلب کر کہ بے طلب ہو جائے — ڈھونڈا سے تاکہ جستجو نہ رہے
خانۂ دل میں کر تلاش حبیب — تاکہ آوارہ کو بکو نہ رہے
قطع کر بیخ و بن سے نخل ریا — یوں کہ پھر قوت نمو نہ رہے
توبہ یوں کر کہ ترکِ توبہ سے — حیلہ جو معصیت کی خو نہ رہے
حال ہو تیرا قال۔ قال ہو حال — فرق اس میں بقدر مو نہ رہے
ہاں لگا ضربِ منفی و مثبت — غلبۂ نفسِ زشت خو نہ رہے
وِرد کر لا الٰہ الا اللہ « « — نغمہ بس جز کلامِ ہو نہ رہے
موت سے پہلے مر کہ موت نہ آئے — کہیں ایسا نہ ہو کہ تو نہ رہے
کر تمنا شکستِ مطلب کی — آرزو کر کہ آرزو نہ رہے
پی کے ارشد شرابِ جلوۂ یار — ہو وہ بے خود کہ خود میں تو نہ رہے

[illegible]

[illegible] نامہ

[illegible]

[illegible] ہے کتاب ہے اس کی

[illegible] مجتہدین کا اتفاق ہے کہ ایسی

[illegible] نہیں لکھی گئی جس میں حضرت

[illegible] مسلمانوں اور اپنے جگر گوشوں

[illegible] واقعہ پورا پورا بیان ہو اور پھر

[illegible] کی گنجائش نہ ہو ہر ملک کے تمام

[illegible] آرہے ہیں کہ محرم نامہ اعلیٰ بہتر

[illegible] ہے کہ ہر مسلمان کے گھر میں ہو تاکہ

[illegible] تاریخ سے بے خبر [illegible] اور

[illegible] جائے محرم نامہ میں کربلا کی

[illegible] لکھا ہے کہ پڑھا جاتا ہے

[illegible] پڑھنے والے اور سننے والے

[illegible] کا پورا

[illegible] کتاب میں

[illegible] قیمت [illegible] ایک روپیہ [illegible]

ملنے کا پتہ

[illegible] دہلی

مسلمانوں کا خون
مسلمانوں کے ہاتھوں

مدینہ منورہ و مکہ معظمہ کی بے ادبیاں۔ ارض [illegible] یاران رسول کا قتل [illegible] کربلائے معلیٰ کے واقعات [illegible] فتنہ کاری یزید و دیگر شاہان بنی امیہ کی [illegible] یزید کا حشر شریروں کا انجام خدا کا فیصلہ

یزید نامہ

میں ملاحظہ فرمائیے جو حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب نے تصنیف فرمایا ہے اور جس کے لوگ عرصے سے منتظر تھے اس میں [illegible] کا بھی مفصل بیان ہے جو خاندان اہلبیت میں

شیعہ سنی کو ملاپ کی آواز دے گا

اور بتایا ہے کہ وقت قریب آن لگا یزید نامہ محرم [illegible] کا یادگار تحفہ ہے خود پڑھیے دوسروں کو سنائیے [illegible] مظلوم کے [illegible] واقف ہو [illegible] اور عبرت انگیز تصویر تاریخ شہادت [illegible] حضرت [illegible] کا [illegible] بہترین چھپائی سفید [illegible] صفحات [illegible] قیمت [illegible] ایک روپیہ [illegible] علاوہ محصول

ملنے کا پتہ منیجر رسالہ نظام المشائخ دہلی